جلد دوم

تذکرہ

اولیائے پاکستانؒ

اولیاء کے مستند حالات وواقعات

عالم فقری

تذکرہ
اولیائے پاکستان

حصّہ دوم

علامّہ عالم فقری

شبّیر برادرز ۴۰ بی اُردو بازار لاہور

نام کتاب ـــــــــ تذکرہ اولیائے پاکستان دوم
موضوع ـــــــــ تصوّف
مؤلف ـــــــــ علاّمہ عالم فقری
اشاعت ـــــــــ ۱۹۹۳ء
تعداد ـــــــــ ۱۱۰۰
ناشر ـــــــــ شبّیر برادرز۔ اُردو بازار۔ لاہور
کتابت ـــــــــ رفیق احمد ٹیچر۔ میلو شرقی (گجرات)
پروف ریڈنگ ـــــــــ جاوید فقری۔ محمد اعظم
زیرِ اہتمام ـــــــــ ملک شبّیر حسین
طابع ـــــــــ

قیمت ـــــــــ روپے

فہرست

سلسلہ قادریہ

سلسلہ چشتیہ

تعارف کتاب

جناب علامہ نقری صاحب نے اولیاء کرام کے موضوع پر چند قابل قدر کتب تالیف فرمائی ہیں یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس سے قبل انہوں نے تذکرہ اولیائے پاکستان کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس میں پاکستان کے اکابر اور مشہور اولیاء کے حالات ہیں اس کتاب میں بھی ارض پاک کے دیگر اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔ ان اولیاء کرام نے اس خطۂ پاک میں اپنے دور میں اللہ کی راہ اختیار کی اور دوسروں کو اس راہ پر چلنے کی دعوت دی۔ ان اولیاء کی دعوت میں جبر نہ تھا بلکہ محبت اور اخوت کا درس تھا ان حضرات نے ہر آنے والے کو نگاہ محبت سے دیکھا اور دوسروں کے مصائب میں ان کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کی لہٰذا جس شخص کو سکون میسر آیا وہی ان کا گردیدہ ہوا اور ان کی صحبت میں بیٹھا، اس طرح جو اولیاء کے پاس آیا وہ کچھ نہ کچھ پا کر گیا لہٰذا جس نے بھی ان اولیاء کی صحبت اختیار کی اس کے ایمان میں استقامت پیدا ہوئی اور اس کے عمل میں اخلاص پیدا ہوا یہی ان کی تبلیغ تھی جس بنا پر ہزاروں لوگ راہِ راست پر آئے اور ان میں کئی ایک پھر اللہ کے خاص بندے بنے۔ اسی طرح یہ سلسلہ تا قیامت جاری ہے اور لوگ اولیاء سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ اس کتاب میں ان کے حالات واقعات تبلیغی خدمات اور کرامات کا ذکر ہے یہ حالات مختلف کتب میں بکھرے پڑے تھے۔ جناب علامہ عالم فقری صاحب نے اپنی محنت اور کاوش سے انہیں ایک کتاب کی صورت میں یکجا کر دیا ہے تاکہ محبان اولیاء ان بزرگوں کے کارناموں سے بآسانی روشناس ہو جائیں۔

کتاب میں اولیاء کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ پہلے چہار سند سل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور اس کے بعد متفرق بزرگان دین کے حالات ہیں۔
اس طرح کتاب اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے بڑی جامع ہے۔

محب اولیاء

خواجہ محمد حنیف نیر ٹ سیالکوٹ

دیباچہ

اے اللہ تو حمد و ثناء کے لائق ہے اس لیے تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو نے ہی اس جہاں میں انسانوں میں سے کچھ لوگوں کو اپنا دوست بنایا پھر ان پر عالم ملکوت کا راز ظاہر کیا انہی پر عالم جبروت کے اسرار کھولے پھر انہی کو اپنے وصل کی لذت سے ہمکنار کیا وہ تیرے ہوئے اور تو ان کا ہوا۔ لہٰذا یہی وہ لوگ ہیں جو انعام یافتہ ہیں اور اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ کی دوستی کو ولایت کہا جاتا ہے۔

ولایت دو طرح کی ہے ایک وہبی اور دوسری کسبی۔ وہبی ولایت وہ ہے جو اللہ کی طرف سے خود بخود عنایت شدہ ہے جبکہ کسبی کا مطلب اللہ کی عبادت کے ذریعے اللہ کی دوستی کا حصول ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق کر لیا عرش و کرسی بن گئے اور عرش پر جلوہ گر ہوا تو پھر اس نے روحوں کو پیدا فرمایا اور پیدا کرنے کے بعد پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو روحوں نے کہا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے اس وقت کچھ روحوں پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوا اور انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رہنمائی کے منتخب کر لیا یہ ولایت وہبی کہلائی اور کچھ ایسی روحیں بھی تھیں جنہوں نے اظہار شوق سے اللہ کی طرف اشتیاق ظاہر کیا ان پر بھی اللہ نے نظر التفات فرمائی اور انہیں تھوڑا سا کاوش کا راستہ اختیار کرنا پڑا یعنی یہ ولایت کسبی ہوئی لہٰذا جب یہ روحیں اپنی باری پر اس دنیا میں لباس بشریت میں آئیں تو وہ انبیاء اور اولیاء کہلوائے۔

انبیاء کا مقام اولیاء سے بہت بلند اور عظیم ہے انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کا تعلق ظاہر ہے جبکہ اولیاء کے ساتھ پوشیدہ ہے اور ولی اللہ کا مطلب ہی اللہ سے تعلق ہے اور اس تعلق کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں کو ایک مثالی زندگی بنا دیتا ہے جو دوسروں کے لیے واضح اور روشن ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی زندگی میں جو اللہ تعالیٰ

خود ان کی رہنمائی فرماتا ہے اس کے ذریعے ان کی عقل اہل دنیا سے زیادہ قوی اور لطیف ہو جاتی ہے ان کی کہی ہوئی بات دل پر اثر پیدا کرتی ہے اسی لیے اللہ نے انہیں دنیا میں اپنی نیابت کا فریضہ سونپا۔ اس لحاظ سے کوئی زمانہ بھی اللہ کے اولیاء سے خالی نہیں رہتا۔ قیامت تک کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے اور اس دور میں جتنے بھی اولیاء ہوں گے وہ تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زیر قدم ہوں گے۔ یہ سلسلہ ولایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے شروع ہوا اور تا قیامت جاری رہے گا قرب نبوت کے اولیاء مقام کے لحاظ سے بڑے جلیل القدر ہوئے ہیں۔ جوں جوں ہم نبوت کے دور سے بعد میں زمانہ کے لحاظ سے دور ہوئے ویسے اولیاء کرام کے مقام میں کچھ کمی ہوتی گئی مگر کوئی دور ان کے وجود سے خالی نہ رہے گا۔

یہ اولیاء دنیا کے ہر خطے میں پھیلے ہوئے ہیں اور دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے دوست ہیں اور اللہ ان کا دوست ہے انہوں نے اللہ کی ہر بات مانی اس لیے اللہ ان کی ہر بات تسلیم کرلیتا ہے جس طرح وہ چاہتے ہیں ویسے ہی ہو جاتا ہے۔ اللہ نے انہیں برگزیدہ کر رکھا ہے آفات طبعی سے پاک ہیں۔ خدائی افعال کے اظہار کا ذریعہ ہیں مختلف کرامات کا اظہار ان کے ذریعے ہوتا ہے نفس کی پیروی سے بری ہیں اور یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف بخشا ہے کہ اس امت سے اولیاء تا قیامت آتے رہیں گے جس سے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہوتی رہے گی

اولیاء کی زندگی عمل کی کٹھیالی سے نکلتی ہے۔

حضرت سید محمد غوث قادریؒ اوچی

وصال ۹۲۳ھ مزار اوچ شریف پنجاب

حضرت سید محمد غوث قادری کا شمار خانوادہ قادریہ کے ان بزرگوں میں ہوتا ہے جو خطہ پاک میں سب سے پہلے تشریف لائے۔ آپ کا نسبی تعلق حضرت سید عبد القادر جیلانی سے ہے۔

ولادت آپ کے آباؤ اجداد بغداد کے رہنے والے تھے مگر جب ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ و برباد کیا اور انسانی قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو اس وقت آپ کے خاندان کے ایک بزرگ سید ابو العباس احمد بن سید صفی الدین بغداد سے ہجرت کر کے شام کے علاقہ حلب میں آ کر آباد ہو گئے۔ اسی نسبت سے آپ کو حلبی بھی کہا جاتا ہے اور آپ حلب ہی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی سید شمس الدین تھا۔ اور ساتویں پشت میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت سید عبد القادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔

سلسلہ نسب آپ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔
مخدوم شیخ محمد غوث بن سید شمس الدین بن سید شاہ میر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید سیف الدین عبد الوہاب بن سید عبد القادر جیلانی بغدادی۔

تعلیم و تربیت آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد گرامی سے ہی حاصل کی چونکہ آپ کے والد علم و تقویٰ میں درجہ کمال رکھتے تھے اس لیے آپ کو ان کی صحبت سے زہد و تقویٰ کا درس بچپن ہی سے مل گیا۔ ضرورت کی حد تک آپ نے تفسیر اور حدیث پر بھی عبور حاصل کیا۔

سیر و سیاحت آپ نے کافی عرصہ سیر و سیاحت میں گزارا۔ جوانی کے عالم میں خراسان

ترکستان، عرب وعجم کی سیر وسیاحت کرتے رہے اور اس کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور لاہور سے ہو کر دہلی وناگور پہنچے اور پھر واپس اپنے وطن چلے گئے اور اپنے والد گرامی سے دوبارہ ہندوستان میں مقیم ہونے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ میری زندگی تک میرے پاس رہو، بعد میں اجازت ہے کہ جہاں چاہو سکونت اختیار کرو۔ چنانچہ آپ اپنے والد کے وصال تک وہیں رہے۔

اوچ شریف میں آمد وقیام

والد ماجد کے وصال کے بعد آپ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ منزل بہ منزل آتے ہوئے لاہور میں آئے اور یہاں کچھ عرصہ ٹھہرے۔ خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کچھ عرصہ لاہور میں محلہ کوفت گراں اور کچھ عرصہ ناگور میں سکونت پذیر رہے۔ وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی اور پھر حلب واپس تشریف لے گئے۔ وہاں سے ۸۸۷ھ بمطابق ۱۴۸۲ء میں دوبارہ ہندوستان آئے اور پنجاب کے ایک خطہ اوچ شریف میں قیام پذیر ہو گئے۔ اس سے قبل آپ ملتان میں بھی کچھ عرصہ ٹھہرے۔ بہت جلد آپ کے آنے سے آپ کے علم وفضل کی شہرت دور ونزدیک پھیل گئی۔

اسلام کو فروغ

آپ علم وفضل میں یگانہ روزگار تھے اور روحانیت میں کمال درجہ رکھتے تھے۔ اس لیے آپ نے کچھ عرصہ فروغ اسلام اور دعوت دین کے لیے رات دن جدوجہد کی۔

سلسلہ عالیہ قادریہ کو برصغیر پاک وہند میں آپ کی وجہ سے بہت عروج ملا۔ ہزارہا انسانوں نے آپ سے فیوض وبرکات حاصل کیے۔ سلطان حسین مرزا حاکم سندھ اور سلطان سکندر لودھی بھی آپ کے مرید ہوئے۔ حضرت مخدوم صاحب عظمت وکرامت اور علوم معقول ومنقول کے جامع تھے۔ اس کے علاوہ قدرت نے آپ کو دنیاوی جاہ وجلال سے بھی نوازا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ آپ کے قدوم کو چومنے کے لیے حاضر ہونے لگی۔

ذوق شعر و سخن آپ علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے زمانہ تھا۔ شعر و سخن کا ذوق بھی قدرت کی طرف سے آپ کو ودیعت ہوا تھا۔ آپ کا دیوان بھی ہے۔ قادری تخلص فرماتے تھے۔ آپ کے چند اشعار یہ ہیں۔

رندیم و قلندریم و چالاک — مستیم و معربدیم و بے باک
جامیم و صراحیسم و بادہ — دردو صد قیم و بحر و خاشاک
والی ولایت شش و پنج — حامیٔ بلاد فہم و ادراک
مجموعۂ راز عالم کون — منصوبہ کشائے سر لولاک
بگذشتہ زخویش بے کدورت — مگذشتہ ز عشق جوہر خاک
آئینہ صاف بے غل و غش — صافی دل و پاک رای ذشکاک
گر صاف شوی و پاک رائم — میگوی چو قادری تو ناپاک

ما بلبل بوستان قدوسیم — شاہباز سفید دست ائیم

شادی و اولاد آپ کی شادی کے بارے میں روایت ہے کہ ایک رات حاکم ملتان و اوچ سلطان قطب الدین لنگاہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت غوث اعظم تشریف لائے ہیں اور فرمایا کہ اے سلطان اپنی بیٹی کی شادی سید محمد سے کر دو سلطان نے حضرت سید عبدالقادر کے خواب میں اس فرمان کے مطابق اپنی بیٹی بی بی ویس کسائیں کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ لیکن ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر آپ نے دوسری شادی سید ابوالفتح حسینی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ سے کی۔ سید ابوالفتح حسینی کا سلسلہ آبائی چار واسطوں سے سید صفی الدین گازرونی سے جا ملتا ہے۔ ان کے بطن سے آپ کے چار صاحبزادے ہوئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ سید عبدالقادر ثانی :۔ آپ علم و عمل کے جامع اور کمالات ظاہری و باطنی کے حامل تھے آپ کی والدہ سید ابوالفتح کی صاحبزادی تھیں جو سید صفی الدین گازرونی کی اولاد سے تھیں آپ پر عبادت و ریاضت اور مراقبہ کا غلبہ تھا۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۵۳۳ء میں وفات

پاکر اوچ شریف میں دفن ہوئے۔
۲۔ سید عبداللہ ربانی :۔ آپ نے بھی سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے والد گرامی سے بیعت کی عام طور پر استغراق کی حالت میں رہتے تھے۔ ۱۵۷۰ء میں وفات پاکر اپنے والد کے پاس دفن ہوئے۔ توکل میں آپ بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔
۳۔ سید مبارک حقانی :۔ آپ مجاہدہ و ریاضت کے لیے جنگل میں چلے گئے تھے جہاں حضرت خواجہ معروف چشتی جو بابا فرید گنج شکر کی اولاد سے تھے۔ آپ کے خلیفہ بنے۔ ۱۵۴۹ء میں وفات پاکر اوچ میں دفن ہوئے۔
۴۔ سید محمد نورانی :۔ آپ کی اولاد نہ تھی اور نہایت پایہ کے بزرگ تھے۔ ساری عمر تقویٰ و زہد میں بسر کی۔

وصال آپ کا وصال سکندر لودھی کے زمانے میں ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں ہوا قطعہ تاریخ وفات یہ ہے۔

محمد غوث پیر سیدِ دین	بر فردوس بریں چوں کرد رحلت
بگو تاریخ او باطرز رنگین	محمد شاہ میراں قطب الاقطاب

مزار اقدس آپ کا مزار اقدس اوچ میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے مزار پر پرانی طرز کی عمارت بنی ہوئی ہے۔

حضرت شیخ حماد جمالی رح قادری

نام و نسب خاندان شیخ حماد جمالی قادری کے والد کا اسم گرامی شیخ رشید الدین جمالی تھا آپ قدوۃ الواصلین شیخ جمال درویش اچی کے دختری نواسے تھے۔

بزرگی و عظمت حضرت شیخ حماد جمالی زہد و ورع اور بزرگی میں بہت بلند پایہ تھے

عرفان و تصوف، تقدس و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔

حدیقۃ الاولیاء کے مصنف نے آپ کی عظمت اور بزرگی کی یوں تعریف کی ہے۔

"آن صاحبِ کشف و کرامت، و آں جلیل القدر عالی مرتبت، سرخیلِ مبارزانِ طریقت، سر دفتر عارفانِ حقیقت، خداوندِ خصائلِ مرضیہ جامع کمالاتِ علمیہ و عملیہ، محرم خلوت خانۂ قدس، باریافتہ مجلس انس، سرمستِ جام وحدت، غریق در دریائے معرفت، محبوب ذوالجلالی، شیخ حماد بن شیخ رشید الدین جمالی"

ایک اور مقام پر اُن کے سلوک و کرامت و فیض رسانی کا اعتراف کرتے ہوئے صاحب حدیقۃ الاولیاء لکھا ہے کہ

خورشید فیضانِ الٰہی، و مکاشفہ غیر متناہی بنوعی بکاشانہ دے پرتو انداخت کہ جمیع اسرار عالم ملک و ملکوت بر دے مکشوف ساخت، تا آنکہ ہر روز صد تلامیذ دانش اندوز از مجلس آں شمع دل افروز۔ اقتباس انوار مسائل علوم می نمودند، و بذریعہ آں تشبث اذیالِ مطالب و مقاصد دین و دنیا حاصل کردندے۔

شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی نے اپنی مشہور تالیف تحفۃ الطاہرین میں شیخ حماد جمالی کی عظمت کی یوں تعریف فرمائی ہے۔

آن کشاف غوامض حقیقت، دانائے رموز معرفت، غوامض بحر تحقیق، فارس مضمار توفیق، عالم حقائق شریعت، مشعلہ دار شبستانِ طریقت، محبوب ذوالجلال، یعنی شیخ جمال بن شیخ رشید الدین جمال علیہ الرحمہ۔

جام تماچی کی عقیدت مندی

کہتے ہیں کہ جب جام تماچی سندھ کے تخت حکومت پر بیٹھا تو وہ آپ کی خدمت میں ایک کثیر رقم بطور نذر لے کر حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یہ تاج و تخت حضور ہی کی دعاؤں اور برکتوں کا ثمرہ ہے، میں پھر بھی آپ کے لطف و کرم کا طالب ہوں، میرے لیے دعا فرمائیے کہ میرے بعد بھی سندھ پر میری اولاد کی حکومت باقی رہے، شیخ نے فرمایا یہ رقم جو تم لے کر آئے ہو میری خانقاہ کے متصل اس سے ایک مسجد تعمیر کر دو، اور اپنی اولاد میں سندھ کی زمین کو تقسیم کر دو

تاکہ یہ زمین ہمیشہ اُن کے قبضے میں رہے، غالباً یہ شیخ کی ہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایک طویل مدت تک سندھ سے لے کر کیچ تک زمین کا بڑا حصہ سمہ قوم کی ملکیت رہا۔

اشاعت علم سامونی کے زیرین حصے میں جہاں آج آپ کا مزار مبارک واقع ہے، وہیں آپ کی خانقاہ تھی، جو اس دور میں سلوک و معرفت اور علوم ظاہری کی تعلیم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ خانقاہ کے ایک حجرے میں رہتے اور چہرے پر ہمیشہ نقاب ڈالے رکھتے تھے، طالبانِ علم اور سالکانِ راہ طریقت درس و تدریس و فیوضِ باطنی کے حصول کے لیے خانقاہ میں حجرے کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ وہیں سے حقائق و معارف کے دریا بہاتے اور معرفت و تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے۔

طلباء کی تعداد روزانہ آپ سے اکتساب علوم کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی، تحفۃ الطاہرین میں ہے۔

"گویند ہر روز صد ہزار تلامذہ از خدمت آں مہر سپہر ولایت اقتباس انوار علوم ظاہری و باطنی می نمودند۔"

مسجد مکلی جام تماچی نے شیخ کے ارشاد پر ایک مسجد آپ کی خانقاہ کے متصل تعمیر کرائی یہی مسجد بعد میں مسجدِ مکلی کے نام سے مشہور ہوئی، اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ٹھٹھہ کے بالکل متصل ایک پہاڑی ہے جو تقریباً بارہ میل لمبی ہے اس پہاڑی پر بہت سے اولیاء اللہ، علماء و فضلا، شعراء، مورخین، سلاطین اور یگانہ روزگار اہلِ کمال مدفون ہیں ٹھٹھہ کا یہ قبرستان اپنی عظمت اور تاریخ کے لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتا ہے، شیخ حماد ہی کے زمانے میں اس مسجد میں ایک اہل دل و صاحب حال درویش جو حرمین شریفین کی زیارت کے لیے جا رہے تھے مقیم ہوئے۔ انہوں نے اس قبرستان میں غیر معمولی انوار و برکات محسوس کیے، ان انوار و برکات کو مشاہدہ کر کے بار بار یہ بزرگ کہتے تھے کہ ہذا مکہ لی (یہی میرے لیے مکہ ہے) شیخ حماد کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے اس مسجد کو "مسجد مکلی" سے موسوم کیا،

اُس وقت سے اس پہاڑی کا نام بھی مکلی پڑ گیا۔

مریدوں کا خیال سندھ میں جام جونہ کی حکومت کا زمانہ تھا، اُس کا چچازاد بھائی جام تماچی اور اس کا لڑکا جام صلاح الدین شیخ حماد جمالی سے غیر معمولی عقیدت رکھتے، اور آپ کی بارگاہ کی حاضری کو اپنے لیے موجب سعادت وبرکت سمجھتے تھے مفسدین نے جام جونہ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ جام تماچی چاہتا ہے کہ شیخ کی دعا کی برکتوں سے وہ تخت سلطنت پر بیٹھے، اور سندھ کی حکومت کو حاصل کرے، جام جونہ نے اس خبر کے سنتے ہی اپنے خاص مشیروں سے مشورہ کر کے ان دونوں بے گناہوں کو قید کر کے خفیہ طور پر دہلی بھجوا دیا۔ وہاں یہ دونوں ایک عرصہ تک قید رہے، پھر شیخ کی دعاؤں سے ان دونوں نے رہائی حاصل کی، اور سندھ کے تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔

وضع وقطع وضع وقطع بالکل سادہ رکھتے تھے، مقالات الشعراء میں ہے

"وضع شیخ سر دپا برہنہ، پارۂ نمد ستر پوش وبوریائے فرش بود"

غالباً آپ نے اپنے ہی حال کا اظہار اپنے ان اشعار میں فرمایا ہے۔

دو گزک بوریا و پوستگی	دلکی پر ز درد و دستگی
ایں قدر بس بود جمالی را	عاشقی رند ولا اُبالی را

مزار شیخ حماد کا مقبرہ مکلی میں جام لندا کے مقبرے کے قریب اور مسجد مکلی کے برابر مرجع خلائق ہے۔

حضرت داؤد بندگی قادری

وصال ۹۸۲ھ مزار اقدس شیر گڑھ اوکاڑہ پنجاب

حضرت داؤد بندگی شیر گڑھی قادری دسویں صدی ہجری کے سلسلہ قادریہ کے اکابر اولیاء سے تھے اور انہیں اپنے دور کے اولیاء اور بزرگان دین میں ایک خاص مقام

حاصل ہوا۔ آپ کی بزرگی اور ولایت مسلمہ ہے۔

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی داؤد تھا مگر آپ حضرت شیخ داؤد بندگی کے نام سے مشہور ہوئے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عبادت کی اس لیے بندگی کا نام آپ کے نام کے ساتھ مشہور ہوا۔ آپ کے والد کا نام فتح اللہ بن مبارک تھا پہلے آپ کے اجداد جھنی وال میں رہائش پذیر تھے۔ پھر وہاں سے نقل مکانی کر کے موضع سیت پور میں چلے گئے یہ قصبہ ضلع مظفر گڑھ میں ہے۔

ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ۲۷ رمضان المبارک ۹۱۹ھ میں جھنی وال ضلع مظفر گڑھ میں ہوئی۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پھر آپ کی پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد آپ کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی پرورش آپ کے بڑے بھائی سید رحمت اللہ نے کی۔ آپ نے بچپن کا زمانہ اپنے ننھیال کے ہاں ست گھرا ضلع ساہیوال میں گزارا۔

حصول علم

ابتدا میں آپ اپنے بھائی کی زیر تربیت برسوں تحصیل علوم میں مصروف رہے۔ پھر آپ بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے لاہور تشریف لے آئے اور یہاں آپ نے اس زمانے کے مشہور عالم، شاعر اور صوفی حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے شاگرد مولانا شیخ محمد اسمٰعیل بن عبداللہ اچی سے تعلیم حاصل کی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔

شیخ داؤد کی ذہانت اور ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کتاب پڑھتے ذہن میں فوراً محفوظ ہو جاتی۔ آپ کی غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھ کر آپ کے استاد شیخ اسماعیلؒ فرماتے کہ جس طرح ہمیں یہ فخر ہے کہ ہماری مولانا جامیؒ سے ملاقات ہوئی اور ہم نے ان سے استفادہ واکتساب علم کیا ہمارا یہ شاگرد بھی ایک روز علم وفضل اور شہرت ومقبولیت کے اس مرتبہ پر پہنچے گا کہ لوگ اس سے استفادہ پر فخر کریں گے اور اس سے ملاقات کو اپنے لیے باعث برکت سمجھیں گے۔ چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔

بیعت

ظاہری علم حاصل کرنے کے بعد آپ ہر وقت عبادت میں مصروف رہنے لگے رات بھر نہ سوتے اور ساری رات کبھی قیام، کبھی رکوع، کبھی سجود اور کبھی قعدہ میں گزر جاتی تھی۔ کئی سال آپ نے جنگلوں میں ایسے گزارے کہ دنیا اور اہل دنیا سے آپ کا تعلق نہ رہا اور کثرتِ ریاضت سے آپ کو حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے براہ راست نسبتِ اویسی پیدا ہوگئی پھر حضرت غوث الاعظمؒ کی باطنی ہدایت سے آپ نے حضرت سید حامد گنج بخش قادریؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان سے سلسلۂ قادریہ کی تکمیل کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ شیخ حامد گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانیؒ کے صاحبزادے تھے اور سلسلۂ قادریہ کے اکابر شیوخ میں شمار ہوتے تھے۔

ریاضت و عبادت

سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ حامد گنج بخشؒ سے بیعت ہوتے کے بعد آپ نے قادری اذکار کے مطابق بے پناہ ریاضت اور مجاہدے کیے۔ آپ دیپالپور کے صحرا میں ننگے پیر اور ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ سوائے جنگل کے پرندوں اور جانوروں کے کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا۔ سالہا سال تک آپ نے صحراؤں اور جنگلوں میں عبادت کی اور اتنی عبادت کی کہ دل کی تمام خواہشات ختم ہوگئیں اور دنیاوی علائق سے بے نیاز ہوگئے۔ فیض باطن کی بدولت فرقہ بازی اور دنیاوی جھگڑوں سے نکل کر روحانی سکون کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ اب آپ کا قیام شیر گڑھ ضلع ساہیوال میں تھا اور آپ کے روحانی فیوض و برکات سے عوام و خواص استفادہ کرنے لگے۔

شیخ نے پاک بازی اور نفس کشی کو زندگی کا شعار بنا لیا تھا وہ لگاتار چھ چھ ماہ روزے رکھتے چلے جاتے تھے اور افطار کے وقت نہایت معمولی غذا کھاتے اور ان کی خوراک بہت کم تھی اور لباس بڑا ہی سادہ تھا۔

کیفیت ذوق و شوق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب "اخبار الاخیار" آپ کے ہم عصر تھے۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ شیخ داؤدؒ مجلس میں اس طرح مضطرب اور حیران بیٹھے رہتے، جیسے وہ شخص بیٹھتا ہے جس کی کوئی چیز گم

ہوگئی ہو یا جس طرح کوئی شخص اپنے محبوب کے انتظار میں ہو، پھر اچانک آپ پر ذوق وشوق کی کیفیت طاری ہو جاتی اور حقائق ومعارف بیان کرنے لگتے اور کبھی کبھی بیان فرماتے کہ بغداد شریف کی ہوائیں میرے دل کو چھو رہی ہیں جو اپنے ساتھ نفحات الٰہی کو لیے ہوئے ہیں اور اکثر وبیشتر آپ بغداد شریف کی طرف دیکھتے رہتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو حضرت غوث الاعظمؒ سے نسبتِ معنوی تھی۔

اتباعِ کتاب وسنت

آپ کی زندگی اتباعِ کتاب وسنت کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ ہر کام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کیا کرتے تھے کیونکہ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ جو مزہ اتباعِ شریعت میں ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ آپ پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ اور آپ کا کھانا پینا گویا ہر فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر تھا۔

ملا عبدالقادر بدایونی صاحب "منتخب التواریخ" شیر گڑھ میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور دو تین روز آپ کے پاس مقیم رہے۔ وہ شیخ داؤدؒ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ کے جمال میں کوئی ایسی چیز نظر آتی تھی جس سے دنیا کے صاحبِ جمال محروم ہیں۔ گفتگو اور تبسّم میں چہرے پر ایسا نور چمک اٹھتا تھا کہ دلوں کی تاریکیاں دور ہو جاتی تھیں اور وجہ اللہ کا بھید عیاں ہو جاتا تھا۔ ملاقات کے وقت آپ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آئے اور بہت ہی قیمتی نصیحتیں فرمائیں۔ سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے اور یہ اعزاز بھی بخشا کہ اپنی کلاہ مبارک عنایت فرمائی۔

مُلّا بدایونی لکھتے ہیں کہ شیخ داؤدؒ شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ اتباعِ شریعت سے سرمو انحراف نہ فرماتے تھے۔ آپ کی روحانیت اور تقدس کا یہ عالم تھا کہ اس نے چند روز شیخ کے یہاں قیام کر کے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس گاؤں کا پتا پتا بوٹا بوٹا بلکہ ہر دیوار و شجر نورِ خداوندی سے معمور تھی اور خدائے لم یزل کی مناجات کہتی تھی۔

کلمۂ حق حضرت شیخ داؤدؒ کی حق گوئی اور بے باکی کے بارے میں تاریخ شاہد ہے کہ آپ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے کبھی نہ ہچکچاتے۔ آپ کے زمانے میں مہدویہ طریقہ زوروں پر تھا۔ اس کے معتقدین کی خصوصیات یہ تھیں کہ وہ قیامت کا ہر وقت انتظار کرتے اور دنیا کی ناپائیداری پر زور دیتے۔ ان میں اکثر نے اپنا مال و اسباب غرباء میں بانٹ کر بڑی توکل کی زندگی اختیار کرلی تھی۔ اس کے علاوہ وہ شرع کی پابندی پر بڑا زور دیتے۔ جہاں کوئی بات خلافِ شرع دیکھتے اسے سختی سے روک دیتے اور حاکموں کی ذرا پروا نہ کرتے۔ چونکہ اس زمانے کے علماء کا حال اس سے برعکس تھا دنیا دار علماء، مشائخ مال و جاہ کی طلب میں لگے ہوئے تھے۔ اس لیے جس عالم حق کو دنیادار علماء نے اپنا مخالف اور دعوتِ حق میں سنعد پایا۔ اس پر جھٹ مہدوی ہونے کا الزام لگا دیا۔

اسی طرح جب مخدوم الملک نے مہدویت کا الزام دے کر بڑے بڑے پاکباز اور قابلِ عزت بزرگوں کو اذیتیں پہنچانی شروع کیں تو حضرت شیخ داؤد کرمانیؒ نے مخدوم الملک کی اعلانیہ مخالفت کی، جو اس وقت مرت کو دعوت دینا تھا۔

آپ کے خلیفہ مولانا شیخ جمال الدین نے طریقہ مہدویہ کے بانی سید جونپوری کی حمایت میں ایک کتاب بھی لکھی جس میں انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ ان کی ولایت و بزرگی برحق ہے لیکن ان کے مہدی موعود ہونے کا اعتقاد باطل ہے۔

واقعہ کشف شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ شیخ قطبِ عالمؒ جو اس زمانے کے سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو جذبۂ عشق اور غلبۂ حق کی حالت میں بھی وعظ و نصیحت کرتے پایا۔ آپ کے طریق وعظ و نصیحت سے میرے دل میں خیال گزرا کہ شاید شیخ داؤدؒ طریقہ مہدویہ رکھتے ہیں۔ ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ شیخ داؤدؒ کشف باطن سے اس پر مطلع ہوئے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مہدویہ طریقہ ضلالت و گمراہی کا ہے اور ان کے پاس اپنے طریقے کی کوئی صحیح سند نہیں۔

شانِ توکل

آپ بے حد متوکل اور گوشہ نشین تھے۔ دنیا داروں کی صحبت سے بہت پرہیز کرتے تھے اور فقر کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ آپ کی بے نیازی اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ اکبر بادشاہ نے اپنے قیامِ پنجاب کے دوران شہباز خان کنبوہ کو آپ کے پاس بھیجا اور تمنا ظاہر کی کہ آپ اس کے پاس آئیں لیکن آپ نے معذرت کرتے ہوئے کہلا بھیجا کہ میں یہاں بھی دعا گو ہوں اور جو کر سکتا ہوں یہاں بیٹھے بھی کر رہا ہوں۔

دعوتِ حق

آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دعوتِ حق میں گزارا۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ اعلائے حق وامر بالمعروف میں شمشیر برہنہ تھے اور وعظ و نصیحت اور ارشاد و ہدایت میں ان کا تمام وقت گزرتا تھا۔ وہ ان صوفیائے خام اور علمائے سُو سے سخت بیزار تھے جنہوں نے علم اور تصوف کے پردے میں دنیا طلبی اور حبِ جاہ کو اپنا مقصد بنا رکھا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جن علماء اور صوفیاء نے بادشاہوں اور امیروں کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے ان سے وہ مکھی ہزار درجہ بہتر ہے جو نجاست پر بیٹھتی رہتی ہے۔ پھر یہ رباعی پڑھتے۔

آں کس کہ ز غوغا نہ ہدوائے براُو   بر خلق جہاں دل بد ہدوائے براُو

در دوستِ فقیر نقدے جز وقت   آں نیز گر از دست وہد وائے براُو

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو دنیوی ہنگاموں سے آزاد نہیں کر سکتا اس کا ماتم کرنا چاہیے۔ جو شخص دنیوی منصب کے ٹھاٹھ باٹھ سے اپنے آپ کو وابستہ کر دیتا ہے اس کا بھی ماتم کرنا چاہیے۔ ایک صوفی کا گراں بہا اثاثہ صرف وقت ہے اگر وہ اسے ضائع کرتا ہے تو پھر اس صوفی کا بھی ماتم کرنا چاہیے۔

شیخ داؤد کرمانیؒ ان اکابر صوفیاء میں سے ہیں جن کی روحانی قوتوں اور تبلیغی کوششوں کی بدولت، ہزاروں غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر دینِ اسلام قبول کیا اور نورِ ایمان سے منور ہوئے۔

ملا عبدالقادر بدایونیؒ جو کئی روز آپ کی خدمت میں رہے، بیان کرتے ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا دن ہوتا جس میں سو سو پچاس پچاس ہندو اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام نہ قبول کرتے ہوں۔

خدمتِ دین

مولوی محمد غوثی شطاری صاحبؒ "گلزار ابرار" جو آپ کے ہم عصر تھے لکھتے ہیں کہ آپ خانوادۂ قادریہ کے بزرگ ترین خلفاء میں سے تھے آپ کا دم مؤثر تھا اور نفس میں قوتِ آخذہ تھی۔ بہت سے شقی القلب اور سیاہ باطن لوگ آپ کی رہنمائی کی بدولت نفسانیت کے تیرہ و تار مکان سے نکلے اور روحانی نور آباد میں پہنچ گئے اور بہت سے سعید استعداد والے اصحاب آپ کی صحبت میں رہ کر سفلی منازل سے علوی مقامات کو ترقی کر گئے۔

بقول بدایونی آپ طالبوں کو ہمیشہ ہدایت اور ارشاد فرماتے تھے۔ جو شخص اپنی خوش قسمتی سے ان کی خدمت میں پہنچ جاتا تھا، اس کو آپ کی صحبت کا ضرور کچھ نہ کچھ فیض حاصل ہوتا تھا اور اس کا اثر آج بھی آپ کے مزار اقدس پر حاضری دینے والے عقیدت مند محسوس کرتے ہیں۔

آپ کی سخاوت

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ داؤدؒ کی سخاوت اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ سال میں دو تین بار ہر وہ شے جو ان کے پاس ہوتی خواہ نقد خواہ جنس غربا میں تقسیم کر دیتے تھے، اور اپنے پاس مٹی کے ایک کوزے اور پرانے مصلیٰ کے سوا کچھ نہ رکھتے۔ وہ کسی شے کو بھی اپنی ملکیت میں رکھنے سے بیزار تھے۔

"مقامات داؤدی" میں مذکور ہے کہ ایک دن وہ اپنے لگائے ہوئے چند درختوں کی چھاؤں میں قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک راہرو نے کہا: "شیخ نے اس جگہ کو کیا خوشگوار بنایا ہوا ہے اور ان کے درخت کتنے سایہ دار ہیں"۔ شیخ نے یہ جملے سنے تو درختوں کو کٹوا ڈالا کیونکہ راہرو کے الفاظ "ان کے درختوں" سے ملکیت کا احساس ہوتا تھا اور دنیا داری کی بو آتی تھی۔ ان کو ناگوار گزرا کہ کوئی کہے کہ فلاں چیز ان کی ملکیت ہے۔ وہ قرآن کی اس معروف آیت پر عمل پیرا رہے "بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے بہت بڑی آزمائش ہیں"۔ جب حضرت غوث اعظمؒ کا عرس اور میلاد آپ کی خانقاہ میں ہوتا تو بقول بدایونیؒ ایک لاکھ کے قریب انسان جمع ہوتے اور ان سب کو لنگر ہی

سے کھانا ملتا۔

خصائل

آپ کے خصائل کے بارے میں مُلّا بدایونی نے "منتخب التواریخ" میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے واپسی کی اجازت چاہی تو عرض کیا کہ مشائخ ہند میں مشہور ہے کہ ایک سید کے خروج کا وقت نزدیک ہے بلکہ ان میں سے اکثر کو ایک سید پر اتفاق ہے جس کے آباؤ اجداد دہلی اور بدایوں کے تخت پر متمکن رہ چکے ہیں وہ جہاد کا سامان اور اسلحہ بہم پہنچانے میں مصروف ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت غوث اعظمؒ نے ہم کو حکم دیا ہے اور بعض کو مقامات اور واقعات میں بشارت بھی ملی ہے۔

جب حضرت شیخ داؤدؒ نے اس سید کی وضع اور حالت دریافت فرمائی تو بدایونی نے کہا کہ وہ گوشہ نشین فقیر ہے۔ پابند شریعت، متوکل ریاضت کیش ہے دن کے وقت اکثر مقبروں میں رہتا ہے اور رات کو اپنے حجرے میں عبادت میں مصروف ہوتا ہے۔ فنون سپہ گری میں لاثانی ہے اور اخلاق و اطوار اس کے نہایت شائستہ ہیں۔

شیخ نے یہ سن کر فرمایا کہ جو لوگ یہ خبر دیتے ہیں وہ فقیر نہیں اور حضرت غوث اعظمؒ پر بہتان باندھ رہے ہیں اور ان کی یہ ساری بشارتیں شیطانی وسوسے ہیں۔ حضرت غوث اعظمؒ کی تعلیم تو یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل سے نکال دی جائے اور صدق و اخلاص سے محبتِ الہٰی کی طرف رجوع کریں اور آرزو اور ہوا و ہوس کے گرد نہ گھومیں۔ حضرت کب یہ چاہتے کہ کوئی شخص ریاضت اور مجاہدہ کو چھوڑ کر دنیا کے جال میں پھنسے۔ میرا پیغام اس سید کو پہنچا دو کہ خدا تم کو اس وادی میں جس میں تم ہو توفیق اور استقامت بخشے! اگر دنیا کی محبت کا کوئی شائبہ تمہارے دل میں باقی ہو تو اسے نکال دو اور شیطان کے دھوکے میں ہرگز نہ آؤ۔

آپ نے فرمایا کہ دنیا کے طالب کا کمال سلطنت ہے، وہ بھی چند روزہ ہے اور عقبیٰ کے طالب کو ایسی نعمتیں ملیں گی جن کو کبھی زوال نہیں۔ خدا کا طالب اگر اپنے مطلب کو کبھی نہ پائے اور حسرت، محرومی اور نومیدی ہی میں مر جائے تو اس کی ناکامی بھی

ان دونوں فریقوں کی کامرانی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں سے حضرت مولانا جمال الدینؒ معروف بہ شیخ بہلولؒ، شیخ سیف الدین عبدالوہابؒ، شاہ ابو اسحاق لاہوریؒ اور حضرت شاہ ابو المعالیؒ لاہوری کے اسمائے گرامی قابل قدر ہیں۔

شاہ ابو المعالیؒ لاہوری آپ کے بھتیجے ہیں اور ان کے والد حضرت شیخ رحمت اللہ کا مزار پر انوار بھی شیر گڑھ میں حضرت شیخ داؤد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کے قریب واقع ہے۔

وصال آپ کا وصال ۹۸۲ھ مطابق ۱۵۷۴ء میں شیر گڑھ میں ہوا اور وہیں انہیں دفن کیا گیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کی تاریخ وصال کا قطعہ یوں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت داؤد شیخ باکمال — کن رقم فیاض کامل رحلتش
۹۸۲ھ

شد چوں از دنیا بجنت یافت جا — بانہ فرما "اہل عرفان مقتدا"
۹۸۲ھ

مزار اقدس آپ کا مزار اقدس شیر گڑھ میں ہے۔ شیر گڑھ رینالہ خورد سے ۱۷ کلومیٹر کے فاصلے پر دیپالپور روڈ پر واقع ہے۔ آپ کے مزار پر ایک بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ

وصال ۱۰۲۴ھ مزار اقدس لاہور پنجاب

آپ کا اصل نام شاہ خیر الدین محمد تھا اور ابوالمعالی آپ کی کنیت تھی۔ اس کے علاوہ اشعار میں غربتی تخلص بھی استعمال کیا کرتے تھے مگر روحانی دنیا میں آپ شاہ ابوالمعالی کے نام سے مشہور ہوئے۔

والد ماجد

آپ کے والد ماجد کا تعلق ساداتِ کرمان سے تھا اور اپنے دور کے ولیِ کامل تھے۔ ان کا نام سید رحمت اللہ کرمانی تھا جو حضرت شیخ داؤد بندگی جن کا مزار شیر گڑھ جو ضلع اوکاڑہ میں ہے کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت رحمت اللہ کے تیسرے بھائی کا نام سید جلال الدین (جن کا مزار کوٹھاں سید جلال علاقہ سندھ میں واقع ہے) تھا۔

ولادت

آپ ۱۰ ذوالحجہ بروز پیر ۹۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔

خرقہ خلافت

آپ نے حضرت داؤد بندگی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جو آپ کے حقیقی چچا تھے۔ انہی کی ہدایت اور زیر نگرانی آپ نے منازل سلوک طے کیے اور تیس سال تک مسلسل ریاضت و عبادت کی آخر تیس سال کی خدمت کے بعد انہوں نے سلسلۂ قادریہ میں آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ جس کے بارے میں حدیقۃ الاولیاء میں یوں بیان کیا گیا ہے "کہ یہ بزرگ برادر زادہ حقیقی شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی کے ہیں اور انہیں کے مرید تھے۔ تیس سال تک اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں رہ کر تکمیل کو پہنچے، اور بعد عطائے خرقہ خلافت لاہور کو مامور ہوئے۔ راستہ میں یہ جس جس مقام پر منزل گزیں ہوئے وہاں چاہ و باغیچہ و تالاب پختہ بنوائے۔

لاہور میں قیام

لاہور میں قیام کے بارے میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت عطا کر کے لاہور کی طرف رخصت فرمایا۔ راستے میں جہاں قیام کیا وہاں چاہ۔ تالاب اور باغیچہ تعمیر فرمایا۔ چنانچہ شیر گڑھ سے لاہور تک چند جگہ یہ عمارتیں شاہ ابوالمعالی کے جھوک سے مشہور ہیں۔ آپ کے لاہور میں قیام پذیر ہوتے پر خلقِ کثیر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی۔ اور آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی بڑی کرامت یہ تھی کہ جو شخص آپ کی بیعت کرتا اسے اسی رات حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا دیدار حاصل ہو جاتا۔

کشف قلوب کا واقعہ

ایک تو یہ ہے کہ ایک روز ملّا نعمت اللہ برادر حضرت ملّا شاہ صاحب مرشد داراشکوہ حضرت شاہ ابوالمعالی کی خدمت میں تشریف لائے۔ اسی وقت حضرت کا ایک خادم ان کی خدمت میں ایک بہت عمدہ تسبیح لے کر حاضر ہوا اور حضرت کو بطور تحفہ دی۔ ملّا نعمت اللہ شاہ صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ اگر یہ حضرت ولی کامل صاحب کشف ہیں تو یہ تسبیح مجھ کو عطا کریں گے۔ چنانچہ وقتِ رخصت حضرات نے اُن کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہ تسبیح تمہاری نذر ہے اور اس پر درود شریف پڑھا کرو کہ ثوابِ عظیم پاؤ گے۔

حضرت غوث اعظم کی زیارت کروادی

حضرت ملا شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے دل میں خیال گزرا کہ میں حضرت غوث الاعظمؒ صاحب کا دل وجان سے معتقد ہوں، آیا حضرت غوث الاعظمؒ بھی میرے اس اعتقاد سے واقف ہیں یا نہیں، اس پر میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بیابان جنگل ہے اور اس میں ننگے سر کھڑا ہوں۔ اتنے میں حضرت غوث الاعظمؒ تشریف لائے اور مجھے ایک دستارِ سفید عطا فرمائی اور فرمایا کہ اے ملّا شاہ صرف ہم تمہارے حال سے بے خبر نہیں بلکہ تمہاری اس وقت کی برہنگی سے بھی واقف تھے، اس لیے ہم نے تم کو دستار عطا کی ہے جب صبح ہوئی میں گھر سے نکلا تو حضرت شاہ ابوالمعالی کا خادم میرے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں حضرت شاہ ابوالمعالی بلاتے ہیں۔ جب میں آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ کو ایک دستار سفید عطا فرمائی، اور فرمایا کہ یہ وہی دستار ہے جو رات کو غوث الاعظم نے تم کو بخشی ہے۔

علمی خدمات

آپ عربی اور فارسی کے ایک بلند پایہ عالم تھے آپ نے لوگوں کے عقائد کی اصلاح کے لیے صوفیانہ عقائد کی کتب تحریر کیں جن کا مقصد لوگوں کو حقائق سے روشناس کرانا تھا۔ اس کے علاوہ آپ شاعر بھی تھے اور کئی ایک شعر کہے۔ آپ کو حضرت غوث الاعظم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی اور یہی تعلق قلبی اُن کی نظم و نثر میں نمایاں ہے۔ کیونکہ آپ حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد میں سے تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی عقیدت

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اُن سے بے حد عقیدت رکھتے تھے شیخ محدث نے اُن کا تذکرہ جا بجا نہایت عقیدت سے کیا ہے، فتوح الغیب کی شرح حضرت شیخ عبدالحق محدث نے شاہ ابوالمعالی کے اصرار پر لکھی، اس کے خاتمہ پر حضرت شاہ ابوالمعالی کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔

اسدالدین شاہ ابوالمعالی کہ شیر بیشۂ جلالت و سرہنگ دیوان قدرت داز والہان آگاہ دعاشقانِ درگاہ قادریہ است۔

اخبار الاخیار میں بضمن شیخ داؤد شاہ ابوالمعالی کے مناقب و محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اکنوں جانشین شیخ داؤد، شیخ ابوالمعالی است کہ بغایت مناسبت عالی و قدر متعالی دارد، و ریاضت مجاہدہ می کشد و تبوے تمام یافتہ، و حسن مقال و ضمیمہ صحتِ حال ساختہ مناقب حضرت غوث الثقلین را در لباس عبارت فارسی در آورند"

شیخ محدث اُن کی روحانی سطوت کے اس درجہ معترف تھے کہ اپنے اندرونی حالات کو اُن سے بیان فرماتے، اور اُن سے رہنمائی اور دعاؤں کی التجا کرتے تھے حضرت شیخ محدث کے کئی خط حضرت شاہ ابوالمعالی کے نام ملتے ہیں، ایک خط میں اپنے کرب و

بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شاہ ابوالمعالی سے اس طرح امداد کی التجا کرتے ہیں۔

"بالجملہ اندوہ وتنگ دلی از حد گزشتہ، وقتِ امداد و اعانت است، فریاد رسی می باید کرد، ورائے آغاثہ کبریٰ کی منتہیٰ بجناب حضرت غوث الاعظم است می باید پوشیدہ وذرع داؤدی دربر کرد، و در قالبِ حقیقت عظمیٰ غوثیہ درآمد وتصرف کرد، وتوجہ با ارواح مقدسیہ مشائخ سلسلہ نمودہ واستکشاف حال کردہ خبرے گرفت واعلام۔

نمود تا دل بمرکز قرار آید

دل می رود ز دستم صاحب دلاں خدارا

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

خط کے ذریعے پر نہایت اندوہناک انداز شد آشکارا۔

فریاد دے غم زدہ را اگر نکنی گوش

پس بیش کہ از دست تو فریاد تواں کرد

ایک خط میں اُن کی صحبتِ کیمیا اثر کے متعلق اپنے تاثر کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا:۔

"ذوقِ صحبتِ ایشاں ورنگِ حال ایشاں کہ در ظاہر و باطن فقیر نشستہ است بتقریر بیان گنجائش ندارد"

ایک خط میں اپنے صاحبزادے شیخ نورالحق کو لکھا کہ کس طرح حضرت شاہ ابوالمعالی اُن کی تصانیف کی تعریف فرما کر اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اور اسی کے ساتھ حسب موقع جلالی شان کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

ایک دفعہ شیخ محدث ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شاہ ابوالمعالی نے ان کی تمام مشکلات کو حل کرنے کے بعد اُن سے ارشاد فرمایا۔ اگر اظہار کردی وافشا نمودی تزار سوائے مرد و زن سازیم۔

شیخ محدث کی روحانی تربیت کے لیے حضرت شاہ ابوالمعالی نے انہیں ۱۰۲۵ھ سے قبل دہلی میں کچھ عرصے کے لیے مقید کر دیا تھا، ان کو حکم تھا کہ وہ دہلی سے باہر قدم نہ نکالیں اور گوشۂ عزلت میں رہ کر اپنے روحانی درجات کی ترقی میں مشغول رہیں اور یہ ارشاد ہوا کہ

"از زاویۂ انزوا پائے بیروں نہ نہد، واز درویش و توانگر و خویش و بیگانہ و مردہ و زندہ ہیچ کس را نہ بیند۔"

ایک دفعہ شیخ محدث اُن سے ملنے کے لیے لاہور تشریف لائے تو ملاقات کے دوران ابو المعالی کو فرمایا۔ "اکنوں بہ دہلی بر دید کہ دہلی در فراق شما بزبان حال می نالد، بر دید بر دید۔"

ایک دفعہ شیخ محدث نے حضرت شاہ ابو المعالی کی بیماری کی خبر سن کر اُن کی عیادت کے لیے لاہور جانے کا ارادہ کیا، لیکن جب شاہ صاحب کے فرمان کا خیال آیا تو رُک گئے اور اُن کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا۔

"قضیہ شوق و محبت و مقتضائے عرف و عادت آں بود کہ شنیدن ایں حال بتا بانہ بملازمت میرسید کہ امروز دوستے برائے خود کہ خیر دنیا و آخرت خواہد، جز ذاتِ شریف ایشاں را نمی داند و جان فدائے ایں محبت بلکہ ہر جا کہ نشان از محبت است با داماں چوں رضائے ایشاں بخلاف ایں حال متعلق شدہ است، جرأت نتوانست۔

شاہ ابو المعالی کی صحت کی خبر ملنے پر شیخ محدث نے ان کو ایک خط میں لکھا:۔

"حق جل و علا سایۂ عنایت و محبت ایشاں را بر فقرائے ایں سلسلہ پائندہ دارد کہ وسیلہ حل بسے از مشکلات و سبب آسانی دشواری ہاست۔"

شیخ محدث کو جو عقیدت و محبت حضرت شاہ ابو المعالی سے تھی، اُس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب وہ لاہور شاہ ابو المعالی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہاں سے واپس ہونے کو اُن کا جی نہ چاہتا تھا، شاہ صاحب سے اپنی والہانہ عقیدت و محبت کے تاثر کو ایک جگہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"گرفتاری ما بہ ایں شہر لاہور کہ وطن گزاشتہ ایں جا می باشیم، سبب آں ایں است کہ ایں است کہ ایں جا کسے ہست کہ گرفتارِ اویم۔"

شاہ ابو المعالی بھی حضرت شیخ محدث دہلی کا خاص خیال فرماتے تھے، اور انہیں علمی اور روحانی معاملات میں مشورے دیتے تھے شیخ کی تصنیفی زندگی بہت کچھ اُن کے

مشوروں کی مرہونِ منت ہے، مشکوٰۃ کی شرح کی تالیف کی طرف ان کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جلد اس کو پورا کرو، پھر اسی خط میں لکھا کہ:

"ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہلِ عالم ہمہ از آں مستفید شوند"

دورانِ تالیف میں انہیں مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ شرح میں جا بجا اشعار درج کیے جائیں تاکہ طرزِ بیان دلچسپ اور اثر انگیز ہو۔

"فرمودند در ترجمہ گاہے بتقریب بعضے از کلمات قوم نیز در آوردہ باشید، چنانچہ مُلا حسین در تفسیر کند و فرمودند بیگاں بیتے مناسب مقام ہم می نوشتہ باشند۔

نمونۂ کلام

شاعری میں شاہ ابو المعالی بلند مرتبہ رکھتے تھے، تبرکاً آپ کے چند شعر بیان نقل کرتے ہیں، جن سے آپ کی رفعتِ فکر، شاعرانہ، بلندی، ندرت بیان اور اپنے شیخ سے غیر معمولی عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہستم از جامِ محبت ہمہ والہ و مست!
ایں و آں را چہ شناسم من داؤد پرست

دل افسردہ کے باید بگفت ہر کے گرمی
دل داؤدی باید کہ آہن را دہد نرمی

بتخت فقر بنشینم چو حاصل گشت مقصودم
سلیمانی کنم کز جاں غلام شاہِ داؤدم

یارب نظرے زہیں مقصودم بخش
آزادگی ز بود و نابودم بخش!
ہر چند نیم در خورِ ایں دولت خاص
یک ذرہ ز عشق شیخ داؤدم بخش

ایک قول فرمایا کرتے تھے یا ابا المعالی، کن عبد الرب المتعالی ولا تکن عبد المال و الذھب و اللآلی (اے ابوالمعالی اپنے رب بزرگ و برتر کا بندہ بن، اور مال و زر کا بندہ نہ ہو۔

تصانیف حضرت ابوالمعالی حضرت غوث الاعظم سے کمال ارادت اور اخلاص رکھتے تھے، اور بطریق اویسی ان سے بڑے فائدے حاصل کیے اور حسب الاعتقاد حضرت غوث الاعظم کے مناقب اور روحانی کمالات کے سلسلہ میں ایک تصنیف کی بنام "تحفہ قادریہ"، علاوہ ازیں آپ کی اور تصانیف بھی ہیں۔ ایک کتاب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک میں ہے اور دیوانِ اشعار بھی آپ کی اولاد کے پاس ہے اس کے علاوہ گلدستہ باغ ارم مونس جاں، ہشت محفل، زعفرانِ زار بھی آپ کی یادگار کتابیں ہیں۔

وصال آپ نے ۲ مغل بادشاہ یعنی اکبر اور جہانگیر کا عہد دیکھا اور ۶۵ سال کی عمر میں بعہد جہانگیر وفات پائی۔ آپ کا وصال ۱۶ ماہ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ میں ہوا۔ قطعہ وفات یہ ہے۔

بوللعالی خیر دین احمدی　　آنکہ شد پُر نور زو روئے زمین

"خیر دیں مولیٰ" است تولیدش عیاں　　رحلتش فرما "معلّٰے خیر دین"

روضۂ مبارک حضرت شاہ ابوالمعالی نے اپنا مقبرہ حین حیات ہی میں بنوانا شروع کیا تھا، ہنوز باتمام نہیں پہنچا تھا کہ حضرت فوت ہو گئے۔ چنانچہ گنبدِ مقبرہ حضرت کی وفات کے بعد تعمیر ہوا۔ گنبد کی وضع ہشت پہلو روضہ جناب پیر دستگیر قدس سرہٗ العزیز کے ہم شکل ہے۔ مقبرہ کے اندر چبوترہ پر چار قبریں پختہ موجود ہیں، ایک تو حضرت شاہ ابوالمعالی مرحوم کی، دوسری حضرت شاہ محمد باقر صاحبزادہ کلاں کی، تیسری قبر حضرت شاہ محمد رضا خلف شاہ محمد فاضل آپ کے پوتے کی اور چوتھی قبر حضرت شاہ محمد فاضل کی۔ اس سے علیحدہ ایک چار دیواری ہے جس میں حضرت کے عزیزوں کی قبریں ہیں۔

مقبرہ کے غرب رویہ ایک عالی شان مسجد ہے۔ پہلے وہ حضرت نے خود بنوائی تھی۔ پھر سکھوں کے زمانہ میں غوثی خان توپخانہ والا نے دوبارہ تعمیر کرائی جو تاحال اُسی حالت میں موجود ہے۔ آپ کا مزار گوالمنڈی کے مین بازار میں موجود ہے۔

حضرت شاہ مقیم محکم الدین قادریؒ

وصال ۹ شوال ۱۰۵۵ھ مزار حجرہ شاہ مقیم اکاڑہ

آپ گیارہویں صدی ہجری کے اکابر اور ذیشان اولیاء سے تھے۔ پنجاب کی ارضِ پاک کے گوشے گوشے میں لوگ آپ کے نام نامی کو جانتے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت باسعادت مشہور مغل بادشاہ نورالدین جہانگیر کے عہد میں یکم رمضان المبارک ۱۰۰۸ھ مطابق ۱۵۹۹ء میں حجرہ شاہ مقیم میں ..... آپ کی پیدائش سے پہلے اسے حجرہ ہی کہا جاتا ہے۔

حصول علم آپ نے جوان ہونے تک مختلف حضرات سے قرآن، حدیث اور دین کا بنیادی علم حاصل کیا۔ آپ کو بچپن میں جو ماحول میسر آیا وہ فقیرانہ اور درویشانہ تھا اس لیے جوانی کے عالم ہی میں آپ حصول روحانیت کے لیے طریقت کی طرف راغب ہوئے۔

واقعہ بیت جب حب الٰہی نے زور پکڑا تو آپ تلاش حق کے لیے بے قرار رہنے لگے اور اکثر اوقات حضرت بہاول شیر قلندر کے مزار اقدس پر بیٹھے رہتے بعض اوقات وہاں سو بھی جاتے ایک روز آپ اتفاق مزار اقدس پر آئے اور آکر فوراً نیند کی حالت میں چلے گئے آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت بہاول شیر قلندر آپ سے فرما رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں باطنی فیض کے حصول کا ذریعہ جلد ہی کھل جائے گا اور قلندر صاحب نے فرمایا کہ لاہور جائیں وہاں آپ کو رہنمائی کے لیے رہبر مل جائے گا اس

خواب کے کچھ دیر کے بعد آپ مردِ حق کی تلاش میں لاہور کی طرف چل دیے۔ راستے میں آئے تو ایک مقام پر آپ کو شاہ بدیع الدین المعروف شاہ مدار ملے انہوں نے کہا کہ بیٹا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی مردِ کامل کی تلاش میں لاہور جا رہے ہو اگر بہتر خیال کرتے ہو تو مجھے اپنی رہنمائی کا موقعہ دو مگر آپ کو ان کی یہ بات اچھی نہ لگی آپ نے اس پر اپنے جد بزرگوار حضرت بہادل شیر قلندر کا تصور کیا تو تصور میں حضرت نے فرمایا کہ میں لاہور ہی جاؤ، اس پر حضرت شاہ مدارؒ نے آپ کا راستہ چھوڑ دیا اور آپ کو ایک نیلی کمر بند کا تحفہ دے کر رخصت کیا۔ آخر آپ وہاں سے رخصت ہو کر لاہور میں پہنچے میانی صاحب کا قبرستان اس دور میں لاہور کی آبادی سے باہر واقعہ تھا آپ کو رات ہو گئی اور آپ میانی صاحب کی ایک مسجد میں رات گزارنے کی نیت سے ٹھہر گئے۔ اس مسجد میں ٹھہرنا کیا تھا کہ آپ کا مقصد حل ہو گیا اور آپ کی ملاقات شاہ جمال اللہ سے ہو گئی۔ انہوں نے آپ کو بیعت کیا اور یک نگاہ میں روحانی دولت سے مالا مال کر دیا۔ وہاں سے حصول نعمت حاصل کرنے کے بعد واپس حجرہ شریف میں چلے گئے۔

زہد و عبادت

اس کے بعد آپ نے زہد و عبادت میں کثرت کی راہ اختیار کی شب و روز اللہ کے ذکر میں گزارنے لگے، جوں جوں عبادتِ الٰہی اور مراقبہ میں مستغرق ہوئے تو آپ پر اسرار باطنی کھلتے گئے آخر کچھ عرصہ کے بعد آپ روحانیت میں کامل ہو گئے پھر آہستہ آہستہ دور و نزدیک آپ کی روحانیت کا چرچا پھیل گیا۔

علمی مقام

اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی بڑا کمال عطا فرمایا تھا آپ نے ایک دفعہ فصوص الحکم کا درس دینا شروع کر دیا۔ اس درس کی شہرت بہت پھیلی یہ خبر حضرت مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کو بھی مل گئی۔ انہوں نے سوچا کہ حجرہ میں جا کر دیکھنا چاہیے کہ فصوص کا درس کیسے ہوتا ہے آخر کار ایک روز درس میں حاضر ہوئے اور دل میں بہت سوالات سوچے مگر جوں ہی آپ کے درس میں شامل ہوئے تو سب سوال ذہن سے نکل گئے مگر پھر بھی جرأت کر کے سوال کر دیا آپ نے اس وقت سوال کا جواب نہ دیا جب مجلس برخاست ہوئی تو ایک خادم کی طرف آپ نے

نظر فرمائی اس نے مولوی صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب عبادت کے بارے میں جس شک کا اظہار آپ نے کیا ہے وہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے جس سے مولوی صاحب کی تسلی ہوئی اور وہ آپ علم کے قائل ہو کر واپس لوٹے۔

روحانی بصیرت کا واقعہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک رات آپ حجرہ شریف کے پاس ایک گاجروں کے کھیت کے پاس سے گزرے آپ نے ایک خادم کو فرمایا کہ فلاں جگہ سے گاجریں اکھاڑ لو خادم وہاں سے گاجریں اکھاڑ کر لے آیا آپ نے ان میں سے چند گاجریں تناول فرمالیں حاضرین سوچ میں ڈوب گئے کہ یہ حضرت صاحب نے کیا کر دیا ہے بلا اجازت گاجریں اکھڑوا کر کھالیں ہیں یہ کام تو بزرگوں کے شایانِ شان نہیں۔ صبح ہوئی تو گاجروں کا کاشت کار آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضور میرے کھیت میں گاجریں لگیں تھیں اور اس کھیت کے ایک کونے کی گاجریں آپ کے خادموں اور آپ کے لیے وقف کر رکھی تھیں مگر آج رات اسی جگہ کی گاجروں کو کوئی اکھاڑ کر لے گیا ہے، اب میں کیا کروں آپ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ میں نے آپ کے دلی فیصلے کے مطابق اپنی روحانی بصیرت سے دیکھ لیا تھا کہ آپ نے وہ گاجریں ہمارے لیے وقف کر رکھیں ہیں اس لیے میرا خادم انہیں اکھاڑ کر لایا ہے اور آپ بے فکر رہیے حق دار کو حق پہنچ گیا اللہ بہتر جانتا ہے۔

سیف زبان ہونے کا واقعہ

آپ سیف زبان تھے جو بات منہ سے نکالتے تھے اللہ کی رحمت سے پوری ہو جاتی تھی۔ ایک شاہ پیر کی زوجہ محترمہ کو دردِ زہ ہو گیا ان کی ایک خادمہ آپ کے پاس دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ حضرت پیٹ میں درد ہے اور حمل بھی ختم ہو گیا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

سیرت پاک

آپ ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہتے جو مل جاتا اس پر شکر اور قناعت کرتے۔ ساری زندگی صبر اور توکل میں گزاری تھی۔ آپ کا خیال تھا کہ جب ہر حال میں بندہ اللہ پر راضی رہنے لگتا ہے تو اللہ بھی اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ آپ دینی و دنیاوی معاملات میں بڑے ہی بردبار تھے آپ کے خصائل کا ایک نمایاں پہلو

جذبہ ایثار ہے جو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ ہر لحاظ سے متبع شریعت تھے۔ کوئی بات بھی خلاف شرع نہ کرتے تھے۔

وصال آپ کا وصال ۹ شوال ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ء ہوا اس وقت شاہجہان کا دور حکومت تھا۔ آپ کو حجرہ شریف میں دفن کیا گیا جہاں بعد میں آپ کے مزار اقدس پر بہت بڑا گنبد بنایا گیا۔ گنبد کے اندر بہت سی قبور ہیں ان میں درمیان میں آپ کی قبر مبارک ہے۔

اولاد آپ کے تین صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی حضرت صفی اللہ سیف الرحمٰن حضرت شاہ محمد امیر بالا پیر شاہ عبداللہ نوری تھا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے سب سے بڑے بیٹے صفی اللہ ہی آپ کے سجادہ نشین بنے تھے۔

حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ

وصال ۱۱۷۷ھ مزار لاہور پنجاب

حضرت شاہ محمد غوثؒ بارہویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر بزرگ تھے جو حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد سے تھے۔

والد ماجد آپ کے والد ماجد کا نام سید حسن پشاوری تھا جو ولی کامل تھے علوم ظاہری و باطنی سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ بڑے عابد اور زاہد بزرگ تھے آپ پشاور میں رہتے تھے اور وہیں وصال ہوا۔

پیدائش حضرت شاہ محمد غوث ۱۰۸۵ھ میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت سید حسنؒ پشاوری کی دوسری بیوی کے سب سے بڑے فرزند تھے آپ اپنے والد اور والدہ دونوں کی طرف سے صحیح النسب سید تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ والدِ ماجد کی طرح آپ

کی والدۂ محترمہ کا خاندان بھی نہایت علم دوست اور روحانی دولت سے مالا مال تھا۔

نسب نامہ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ حضرت سید محمد غوث سید حسن ابن سید عبداللہ ابن سید محمودؒ ابن سید عبدالقادرؒ ابن سید عبدالباسطؒ ابن سید حسین ابن سید احمدؒ ابن سید شرف الدین قاسمؒ ابن سید شرف الدینؒ یحییٰ ابن سید بدر الدین حسنؒ ابن سید علاؤالدین علی ابن سید شمس الدین محمد ابن سید شرف الدین یحییٰ بزرگ ابن سید شہاب الدین احمدؒ ابن سید ابو صالح نصر ابن سید عبدالرزاقؒ ابن حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ

تعلیم و تربیت حضرت سید شاہ محمد غوث قادری نے حروف شناسی کے بعد اپنے والد ماجد سے قرآن حکیم پڑھنا شروع کیا مگر سات سال کی عمر تک آپ کو اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی بلکہ ذہن نے کام ہی نہ کیا پھر آپ کے والد کی دعا سے آپ کا سینہ علوم و فنون کے لیے کھل گیا۔ چنانچہ آپ نے بہت جلد قرآن حکیم ختم کر لیا۔ اس کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ انیس سال کی عمر میں آپ تمام علومِ رسمی قلیل عرصے میں مکمل طریقے سے پڑھ لیا۔

طلبِ حق دورانِ تعلیم ہی آپ کو اسرارِ باطنی حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا آپ تعلیمی سرگرمیوں کے بعد جو وقت بچتا اُس میں دنیاوی کاروبار کرنے کی بجائے ولی کامل حافظ عبدالغفور نقشبندی کی صحبت میں گزارتے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ طالب علمی کے دور میں اکثر اُن کے پاس جاتے اور ان کی مجلس میں بیٹھ کر فیض حاصل کرتے

حافظ عبدالغفور نقشبندی کے ایک ہم عصر شیخ یحییٰؒ بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے جو اٹک میں رہا کرتے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے۔ یہ بزرگ دنیا داروں سے کنارہ کش رہتے مگر غربا اور دین دار لوگوں کے حال پر بڑی توجہ فرماتے۔

سلسلۂ بیعت علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت شاہ محمد غوثؒ نے اپنے والد حضرت سید حسنؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب مجھے

سلوک کے راستے پر گامزن ہونے کی اجازت دی جائے۔ والد ماجد نے آپ کی درخواست قبول فرمائی اور سلسلۂ قادریہ میں بیعت لے کر کچھ اشغال و اذکار سکھائے اور خلوت میں بیٹھنے کی تاکید فرمائی۔ آپ نے اپنے والد گرامی کی زیر نگرانی چار چلے کاٹے جن سے آپ کی راہ حق کی منازل عبور ہوئیں۔

خرقۂ خلافت

جب آپ منازل سلوک طے کر چکے تو آپ کے مرشد اور والد نے آپ کو سلسلہ قادریہ میں اجازت نامہ عطا فرمایا اور باقاعدہ خلافت سے نوازا، آپ کے والد فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اسکے بارے میں استخارہ کیا اور پھر اسے اس کے نتیجے سے مطلع کیا۔ میں نے اس بیعت کا عہد لیا اور اس کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور ہدایت کی کہ طالبانِ حق کو راہِ راست پر چلاؤ اور مریدوں، صالحوں اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والوں کی جو اس زمین پر شرقاً غرباً آباد ہیں تربیت کرو اور اس سجادہ پر زہد و تقویٰ کے ساتھ سالک کی حیثیت سے متمکن رہو اور اپنے بعد یہ خرقہ خلافت اس شخص کو دو جسے اس کا اہل پاؤ اور ذکر و فکر کی تلقین کرتے رہو اور یہ تلقین اس طرح کرو جس طرح کہ تم نے مجھے ذکر کرتے دیکھا اور اس تلقین میں حتی الامکان کمی یا زیادتی نہ کرو اور پوشیدہ طور پر بھی اور ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور میرے حق میں دعائے خیر کرتے رہا کرو۔

سیر و سیاحت

خرقہ خلافت عطا فرمانے کے چھ سال بعد حضرت سید حسنؒ پشاوری انتقال فرما گئے۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت سید محمد غوثؒ نے رخت سفر باندھا اور افغانستان، عرب اور ہندوستان کے طول و عرض میں گھوم پھر کر اپنے عہد کے بڑے بڑے صوفیا اور مشائخ سے ملاقات کی اس سفر سے آپ کے دو مقاصد تھے۔ اول طلبِ حق اور دوم علماء اور اولیاء کے اذکار و اشغال کا مطالعہ۔ اس سفر میں آپ کابل، جلال آباد، اٹک، لنڈی کوتل، راولپنڈی، گجرات، کنجاہ، لاہور، دہلی، سرہند، ہوشیار پور، اجمیر اور آگرہ تشریف لے گئے۔ ان شہروں میں جا کر آپ نے حق بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دی ان میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ، حضرت سید علی ہجویریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت شیخ محمد اسماعیلؒ المعروف

میاں وڈا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان اولیاء و مشائخ میں سے بعض حضرات کے مزارات پر آپ نے چلہ کشی بھی فرمائی۔

بزرگانِ دین سے ملاقات

اس سفر کے دوران حضرت شاہ محمد غوثؒ بے شمار بزرگوں سے ملے اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا، جن بزرگوں سے ملاقات کی ان میں میاں نور محمد، محمد فاضل شاہ زندہ اخوند محمد نعیم نقشبندیؒ درویش حضرت شاہ چراغ قادری شاہ لطیف شیخ پیر محمد میاں عصمت اللہ شیخ محمد چشتیؒ حضرت کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ، سید میراں بھیکھ چشتیؒ میاں الاحد مجددیؒ مجذوب شاہ مشتاق کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات سے آپ کی روحانیت کے بارے میں گفتگو بھی ہوئی۔

قیامِ لاہور

سیر و سیاحت کے بعد آپ نے لاہور میں اپنا قیام پسند فرمایا کہ جب آپ لاہور تشریف لائے تو سب سے پہلے ایک سندھی الاصل بزرگ حضرت میاں میرؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہاں آپ نے دعا فرمائی اور کچھ دیر مزار کے پاس قیام بھی فرمایا۔ ایک روز عالمِ کشف میں حضرت میاں میرؒ آپ کے پاس تشریف لائے اور کچھ دعائیں تعلیم فرمائیں نیز ہدایت فرمائی کہ ان دعاؤں کا ورد ترک نہ کرنا، حضرت میاں میرؒ کے مزار سے اُٹھ کر حضرت شاہ محمد غوثؒ لاہور کے ایک اور بزرگ شیخ حامدؒ کے پاس گئے اُن سے سلوک اور طریقت کے متعلق استفسار کیا۔ اس روشن ضمیر بزرگ نے فرمایا کہ تمہیں جو طریقہ حضرت میاں میرؒ نے بتایا ہے وہی کافی ہے، یہ بزرگ حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کے پاس فروکش تھے اور انتقال کے بعد اسی مزار کے قریب دفن کیے گئے۔

شیخ جان محمد سہروردی سے ملاقات

لاہور کے دورانِ قیام میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کی ملاقات ایک اور بزرگ

سے ہوئی جن کا نام شیخ جان محمد تھا۔ آپ حضرت شیخ محمد اسماعیلؒ المعروف میاں وڈا کے خلیفہ تھے بڑے عبادت گزار اور شب زندہ دار بزرگ تھے حضرت شاہ محمد غوث آپ کو ہمدرد اور دوست کے نام سے یاد کیا کرتے۔

درس و تبلیغ

حضرت شاہ محمد غوثؒ کی زندگی کے دو ہی مقصد تھے ایک ترویج علم دین اور دوسرا تبلیغ اسلام آپ کی زندگی شاہد ہے کہ آپ نے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ انہیں فرائض کی ادائیگی میں صرف کیا۔ درس کا سلسلہ تو آپ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی شروع کر دیا تھا، مگر چونکہ اس کے بعد آپ کو ریاضت اور سیاحت کا فریضہ بھی ادا کرنا تھا لہٰذا اس لیے یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔ البتہ اس کا باقاعدہ آغاز ۱۱۲۰ھ میں ہوا۔ جب آپ نے اپنے والد گرامی کی خانقاہ میں سجادۂ درس آراستہ کیا۔ مگر یہ درس اس رنگ کا نہ تھا جس طرح آج کل نماز فجر کے بعد کچھ دیر کے لیے قرآن حکیم کا درس دیا جاتا ہے اور پھر سامعین اٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ بلکہ درحقیقت آپ کی درس گاہ ایک دار العلوم کی حیثیت رکھتی تھی، جس میں بہت سے فاضل طلباء کو مختلف مضامین پڑھاتے تھے قرآن، حدیث اور طریقت کا درس آپ خود دیتے تھے۔ آپ کے درس کی اتنی شہرت ہوئی کہ پشاور کے علاوہ صوبہ سرحد کے متعدد اضلاع، سابق پنجاب اور افغانستان کے دور دراز علاقوں سے طالبانِ علم آ کر آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے۔ خانقاہ کے ساتھ آپ نے طلباء کی رہائش کا انتظام بھی کر دیا تھا جسے موجودہ اصطلاح میں ہوسٹل کہنا چاہیے۔ ہوسٹل میں رہنے والے طلباء کو لباس اور خوراک آپ خود مہیا فرماتے تھے، عام طلباء کے علاوہ بڑے بڑے مشائخ اور اُمراء کے لڑکے بھی آپ کے درس میں شامل ہوتے مگر آپ کسی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ کرتے بلکہ سب ایک ہی صف میں بیٹھتے اور وہ یکساں فیض حاصل کرتے۔

جہاں تک آپ کی تبلیغی مساعی کا تعلق ہے اس کے دو حصے ہیں اول عام مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانا، دوم غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنا اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کا فرض بھی بڑی جاں فشانی سے ادا کیا چنانچہ اٹک میں ایک ہندو

سادھو اپنے کثیر التعداد چیلوں کے ساتھ آپ کی کرامت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اسی طرح اثنائے سیاحت میں آپ جن جن مقامات سے گزرے، بہت سے لوگ آپ کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے۔

جہاں تک مسلمانوں میں تبلیغ کا تعلق ہے اس فرض کو بھی آپ نے بڑی محنت سے ادا کیا، درس و تدریس سے فارغ ہو کر آپ کچھ دیر آرام کرتے اور پھر طالبانِ حق آپ کی خدمت میں باریاب ہوتے، آپ انہیں سنتِ نبوی کی پیروی کرنے کی تلقین فرماتے، تہذیب اور اخلاق کی تعلیم دیتے، اس درس رُشد و ہدایت میں آپ کے مرید بھی شریک ہوتے اور ہر شخص آپ کی مجلس سے کچھ نہ کچھ حاصل کر کے اٹھتا، اسی طرح آپ کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے ہزاروں گم کردہ راہ مسلمان حقیقی مسلمان بن گئے۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ کا فیض

حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ سلسلے کے بزرگ تھے لیکن آپ ان صوفیا میں سے نہیں تھے جو اپنے آپ کو کسی خاص دائرے میں محدود کر لیتے ہیں۔ آپ تصوف اور شریعت کو الگ الگ کرنے کے مخالف تھے، آپ نے قادری نقشبندی، چشتی اور سہروردی، غرض تصوف سے تعلق رکھنے والے ہر سلسلے کے لوگوں کو فیض یاب کیا، صرف یہی نہیں بلکہ قادری سلسلے سے وابستہ ہوتے ہوئے بھی مختلف سلاسل سے تعلق رکھنے والے حضرات آپ سے مستفیض ہوئے۔

تصانیف

حضرت شاہ محمد غوث صاحب قلم بزرگ تھے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصانیف بھی ہیں آپ نے بے شمار کتب لکھی جن میں اسرار توحید، رسالہ اصول حدیث، شرح قصیدہ غوثیہ، شرح غوثیہ بخاری، ترجمۂ قرآن، رسالہ ذکر جہر، رسالہ غوثیہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

سیرت

حضرت شاہ محمد غوث اس بزرگ اور مستغنی، المزاج باپ کے بیٹے تھے جو بڑے بڑے امراء و سلاطین کی قوت و جبروت کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور نہ کبھی زر و جواہر کی خیرہ کن چمک دمک سے متاثر ہوئے آپ نے بادشاہانِ وقت کی

دولت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور اپنی نانِ جویں پر گزارا کرتے رہے، حضرت شاہ محمد غوث بھی ساری عمر اپنے بزرگ باپ کے مسلک پر گامزن رہے۔ وہ غربا و مساکین کے لیے ریشم سے زیادہ نرم مگر زرپرست اور متکبر امراء کے لیے فولاد سے زیادہ سخت تھے اور ظالم و جابر اور تعیش پسند رئیس زادوں کو وہ جوتیوں میں بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتے تھے۔ وہ بڑے سے بڑے قاہر و باجبروت بادشاہ کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے اور اپنے اسلاف کی روایات کو برقرار رکھتے۔

شادی اور اولاد

آپ نے زندگی میں ایک شادی کی اور انہی کے بطن سے چار لڑکے ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) سید میر محمد عابد شاہ (۲) سید میر شاکر شاہ (۳) سید شاہ میر (۴) سید میر باقر شاہ۔

وفات

آپ کی وفات ۱۱۷۷ھ میں ہوئی۔ اور مفتی غلام سرور نے آپ کا قطعۂ وفات لکھا۔

محمد غوث پیر رہنمائے — کہ بود در سیدانِ دین مرتاض
تاریخِ وصال آں شہِ دین — ندا آمد کہ سید پیر فیاض

۱۱۷۷

مزار مبارک

آپ کا مزار مبارک بیرون دہلی دروازہ سرکلر روڈ پر واقع ہے۔ اس کے ساتھ ایک عالی شان مسجد ہے۔

حضرت سید حسن پشاوری قادریؒ

وصال ۱۱۱۵ھ مزار پشاور سرحد

آپ مشہور بزرگان سے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی سید حسن ہے، آپ کے والد کا نام سید عبداللہ گیلانی تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی و حسینی سے جا ملتا ہے۔

شجرہ نسب حضرت سید حسن بن سید عبداللہ بن سید محمود، بن سید عبدالقادر ۔ بن سید عبدالباسط بن سید حسین بن سید قطب العالم بن سید احمد بن سید شرف الدین قاسم بن سید شرف بن سید بدرالدین حسن بن سید علاء الدین علی، بن سید شمس الدین محمد بن سید شرف الدین یحییٰ بن سید شہاب الدین احمد بن سید قطب العالم بن سید صالح النصر بن قطب الدائرہ سید عبدالرزاق بن قطب ربانی غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی۔

پاکستان میں آمد حضرت سید حسن کے دادا سید محمود بغداد سے ٹھٹھہ تشریف لائے اور انہوں نے یہاں تشریف لانے کے بعد ٹھٹھے کے سادات میں شادی کرلی، اور ٹھٹھے ہی میں حضرت سید حسن کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کا قلب زھد و اتقا و عشق الٰہی کی طرف مائل تھا۔ آپ اپنے والد اور دوسرے بزرگوں سے روحانی فیوض حاصل کرتے، اور اپنے وقت کا بڑا حصہ ریاضتوں مجاہدوں، صفائی قلب اور عزت و تنہائی میں بسر فرماتے تھے۔

پشاور میں آمد و قیام حضرت سید حسن اپنے والد کی وفات کے بعد پاک و ہند اور حجاز کا سفر کرتے، اور مختلف بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے پشاور تشریف لائے اور یہاں رہائش پذیر ہوگئے۔ آپ کے قیام پشاور کے بارے میں صاحب اسرار الطریقت کا بیان ہے کہ آپ نے حضرت غوث اعظم

کے ارشاد کی بناء پر سیاحت ترک کر کے پشاور میں سکونت اختیار کرلی۔

بیعت آپ کی بیعت کے متعلق رسالہ اسرار الطریقت میں درج ہے کہ وہ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد سید عبداللہ سے بیعت تھے اور انہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے۔

سید حسن، سید عبداللہ، سید محمود، سید عبدالقادر، سید عبدالباسط، سید حسین، سید احمد، سید شرف الدین قاسم، سید بدرالدین حسن، سید شمس الدین محمد، سید شرف الدین یحییٰ، سید شہاب الدین احمد، سید ابی صالح نصر، سید عبدالرزاق، سید عبدالقادر حسنی الحسینی جیلانی، ابوسعد مبارک، شیخ عبدالحسن علی، شیخ ابوالنصراح طرطوسی، شیخ عبدالواحد، عبدالعزیز، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی، شیخ حسن بصری، حضرت علی بن ابی طالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ریاضت و عبادت زہد و ریاضت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد غوث تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب (شیخ حسن) اکثر ذکر و شغل کی عبادت میں مشغول رہتے، رات کو سونا نصیب نہ ہوتا، عبادت اور زیادہ تر مراقبے میں مشغول رہتے، اور درد و شوق کا آپ پر غلبہ تھا۔ خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے صاحبزادے تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کچھ پڑھتا، یا خدا کا نام زبان پر لاتا تو آپ کے آنسو جاری ہو جاتے، اور اکثر روتے رہتے تھے اور جس کو توجہ دیتے اُس پر بھی شوق و درد اور شغل کی حالت طاری ہو جاتی، اور اسمائے الٰہی کی دعوت کے علم میں بھی کامل تھے۔ آخر عمر تک ذکر مراقبے اور شغل لسانی اور قلبی میں مشغول رہے جن عزیزوں کو اسماء اللہ اور وظائف ظاہری کی طلب ہوتی تو ان کو بھی اُسی قسم کی تلقین فرماتے اور بعضوں کو سلوک باطنی کے طور پر ارشاد فرماتے اور بعضوں کو جذبہ اور توجہ سے ارشاد فرماتے۔

شادی آپ نے سید عباس کی بہن سے جو حضرت سید علی ترمذی اور سید علی ہمدانی کی اولاد میں تھے۔ شادی کی صاحب "خزینۃ الاصفیا" کا بیان ہے

کہ آپ کی بیوی بھی طاعت وبندگی اور عبادت میں اپنے عہد کی رابعہ بصریہ تھیں۔

سیرت حضرت شیخ حسن پشاوری کی سیرت واخلاق میں خدمت خلق اور استغنا عن الخلق کا جوہر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے شاہ محمد غوثؒ کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد کا طریقہ تھا کہ فقرا اور مساکین کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے، اور ان کی بڑی خدمت کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا سب لوگ آپ کے عیال ہیں۔ ہر روز کئی آدمیوں کو کھانا کھلاتے۔ ہمارے گھر میں ہر وقت چولھا گرم رہتا۔ اور گھر کے نوکر دن بھر کھانا تقسیم کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ نصف شب کو کھانے کی تقسیم سے فرصت ہوتی۔ خود کبھی کسی چیز کے لیے کسی سے التجا نہیں کرتے تھے۔ حکام اور شاہانِ وقت سے وجۂ معیشت کو قبول نہیں کرتے تھے۔

وصال حضرت سید حسن پشاوری کا وصال ۲۱ ذیقعدہ بروز جمعہ ۱۱۱۵ھ (۱۷۰۳ء) میں۔ آپ کا مزار پشاور میں مرجع خاص وعام ہے۔

اولاد آپ کے صاحبزادوں میں شاہ محمد غوث لاہوری نے عرفان وتصوف میں غیر معمولی شہرت وعظمت حاصل کی۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں بچپن میں نہایت کند ذہن و غبی تھا۔ میں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، لیکن حفظ نہ کر سکا۔ میرے والد نے باطن میں اپنے پیر سید عبداللہ سے عرض کیا جو ان کے والد بھی تھے کہ اس لڑکے پر نظر توجہ فرمائیے۔ آپ کی توجہ اور فیوض باطنی سے علوم ظاہری و باطنی کے دروازے مجھ پر کھل گئے اور میں نے انیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔ میرے حافظے کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ میں نے چھ ماہ خدمت میں رہ کر اُن سے فیض حاصل کیا۔

ماخوذ (۱) تذکرہ صوفیائے سرحد از اعجاز الحق قدوسی (۲) تذکرہ شاہ محمد غوث از پیام شاہجہانپوری۔

حضرت پاک رحمٰن نوشاہی قادریؒ

وصال ۱۱۱۵ھ مزار بھڑی پاک رحمٰن حافظ آباد پنجاب

حضرت پاک رحمٰن حضرت سید حاجی محمد نوشہ گنج قادری کے اکابر خلفاء سے تھے آپ صاحب جذب و محویت تھے عشق الہٰی کے شہباز تھے۔

نام ولقب آپ کا نام نامی عبدالرحمان، لقب شاہ رحمان، پاک رحمان تھا۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ کا نام رحمت تھا۔ اور اس سے شاہ رحمان مشہور ہوئے یہ خیال درست نہیں۔

والد گرامی آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ صالح محمد المعروف میاں سہالی تھا۔ مرزا احمد بیگ لاہوریؒ اپنے رسالہ الاعجاز المعروف مقامات حاجی بادشاہ المشہور رسالہ احمد بیگ میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں۔ "شاہ رحمان کے والدین شیخ بہاؤالدینؒ کے خاندان سے تھے۔ ان کا باپ بڑا نیک آدمی تھا۔ حلال کی روزی کمانے کے واسطے کپڑے دھونے کا کام کرتا تھا۔"

والدہ ماجدہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سلطان بیگم تھا جو بسبب کثرت زہد و عبادت کے زاہدہ مشہور تھیں۔ عارفات کاملات سے تھیں۔

تاریخ ولادت شیخ پیر کمال لاہوریؒ نے تحائف قدسیہ میں آپ کی عمر ایک سو بیس سال لکھی ہے۔ تو چونکہ آپ کی وفات ۹۹۵ھ ظاہر ہوتا ہے مگر سید عمر بخش بن سید محمد بخش صاحب برخورداریؒ صاحب مناقبات نوشاہیہ نے آپ کی پیدائش ۱۰۰۸ھ میں لکھی ہے۔

آپ کی پیدائش کا شرف موضع بھڑی کو حاصل ہوا۔ جو مضافاتِ حافظ آباد میں ایک گاؤں ہے۔ ایک صاحب نے اپنی تحریر میں آپ کی ولادت ۱۰۰۵ھ میں بھی لکھی ہے۔

تعلیم جب آپ کی عمر پانچ سال ہوئی تو والدین نے آپ کو درس میں داخل کیا۔ مگر چونکہ آپ کی طبیعت شروع سے ہی مجذوبانہ واقع ہوتی تھی۔ اس لیے پڑھنے کی طرف کم توجہ کرتے تھے۔ ویسے چھ سال تک پڑھنے میں مشغول رہے۔ معمولی ملکہ کتب خوانی حاصل کیا۔

اپنے پیر روشن ضمیر کی توجہ سے آپ پر ظاہری باطنی علوم کے دروازے کھل گئے کوئی شخص معلوم نہ کر سکتا تھا کہ آپ ان پڑھ ہیں۔ علمی حقائق آپ کی زبان پر جاری رہتے

واقعہ بیعت آپ کی بیعت کے متعلق روایت یہ ہے کہ حضرت نوشہ صاحب اپنے رشتہ داری کے تعلقات کی بنا پر موضع سیتھکے ہنجرا میں آمد ورفت رکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں بھڑی سے گزرے۔ رحمان کی عمر اس وقت چار سال تھی۔ بچوں کے ہمراہ کھیل رہے تھے۔ سب بچوں نے حضرت نوشہ گنج بخش کو سلام کیا۔ آپ سب سے آگے بڑھ کر آپکی عزت انہوں نے بنظر شفقت آپ کی طرف دیکھا اور اُسی نگاہ سے آپ پر عشق حقیقی کا دروازہ کھول دیا۔ ثواقب المناقب میں ہے۔

"مانند دعائے ماثورہ مقبول نظر نوشہ ذرہ پرور گرویدہ طفل اشک وار سبق عشق رواں یافت۔"

اس کے بعد آپ پر حالت جذب و مستی طاری ہوگئی۔ گاہ بگاہ بیہوش ہو جاتے والدین نے خیال کیا کہ شاید اس کو آسیب ہو گیا ہے۔ اس لیے آپ کے پاؤں میں زنجیر ڈال دیے اور طبیبوں اور عاملوں کی طرف رجوع کرنے لگے مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر سنا کہ جو شخص حضرت نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں جائے محض اُن کی زیارت سے ہی آسیب دفع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کو آپ کے بڑے بھائی شیخ اللہ داد ساتھ لے کر خدمت نوشہ پیر عالی جناب میں بمقام ساہنپال شریف حاضر ہوئے۔ حضور انور نے آپ کو پہچان لیا۔ اور فرمایا اس لڑکے کو آسیب نہیں بلکہ ہمارا منظور نظر ہے۔ اس کو یہ عشق و جذب کا نشان ہے۔ چنانچہ حضور اقدس نے آپ کو بیعت سے سرفراز فرمایا اور اپنی نظر کیمیا

کے اثر سے منظہر نور علیٰ نور کر دیا۔

خدماتِ مرشد

منقول ہے کہ آپ بیعت کے بعد حضرت نوشہ صاحبؒ کی خدمت اقدس میں رہے۔ حضور نے آپ کو مزارعوں کو روٹیاں پہنچانے کی خدمت سپرد کی۔ آپ گھر سے روٹیاں لے جاتے اور جو درویش زراعت کے کاروبار میں مشغول ہوتے ان کو پہنچاتے۔ اہلِ خانہ سمجھتے کہ آپ باہر جا کر درویشوں کے ہمراہ روٹی کھاتے ہوں گے۔ اور مزارعوں کا خیال تھا کہ آپ گھر سے کھا کر آتے ہوں گے اس لیے آپ کو کوئی بھی نہ پوچھتا۔ حتیٰ کہ چالیس۴۰ روز گزر گئے کہ آپ نے کچھ نہ کھایا پیا۔ آخر ایک روز حضور گنج بخش نے ازراہ کشف معلوم کر کے آپ کو ٹلوں پر روٹی پکا کر کھلائی۔ اور آپ کے حال پر اس قدر مہربان ہوئے کہ آپ کو مقام صمدیت پر پہنچا دیا۔

آدابِ مرشد

منقول ہے کہ اس کے بعد آپ کو کنواں چلانے کی خدمت سپرد ہوئی آپ گاہدی پر بیٹھ کر کنواں چلاتے۔ پھر خیال آیا کہ میرا گاہدی پر بیٹھنا اور بیلوں پر اپنا بوجھ ڈالنا بے ادبی ہے۔ پھر پیچھے چل کر چلاتے۔ ایک روز خیال آیا کہ بیل گاہدی کو کھینچتے ہیں اور میں فارغ آزاد پیچھے چلتا ہوں۔ یہ بھی بے ادبی ہے۔ اس کے بعد آپ نے بیلوں کو چھوڑ دیا اور خود بنفسِ نفیس کنواں چلاتے۔ اور اس قدر عشق شیخ غالب ہو گیا کہ ہر ایک چکر میں جناب آنجناب کے بالمقابل آتے تو سر جھکا کر آداب بجا لاتے۔

آپ کی ایسی حرکاتِ ادب کو دیکھ کر لوگ آپ کو دیوانہ سمجھتے۔

خلافت کا حصول

آپ کی خدمات وآداب وریاضات وعبادت ومجاہدات جب کمال تک پہنچ گئیں تو حضرت نوشہ صاحبؒ نے آپ کو خرقہ خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ اب اپنے مسکن موضع بھڑی میں رہ کر مخلوق خدا کو ہدایت کرو۔

بھڑی میں ورود

آپ حضرت نوشاہ عالیجاہؒ سے خلافت پا کر اپنے گاؤں بھڑی شریف میں پہنچے اور گاؤں سے شمالی طرف باہر اپنا ڈیرہ لگایا۔

اور مخلوق جوق در جوق خدمت میں آنا شروع ہوئی۔ جو شخص آتا فائز المرام ہو کر جاتا۔

دندو رام فقیر سے مقابلہ منقول ہے کہ جس وقت آپ نے ڈیرہ لگایا تو پیش ازیں یہاں ایک ہندو فقیر دندو رام کا کٹیا تھا۔ وہ بھی صاحب خوارق تھا۔ آپ کو ڈیرہ لگانے میں مزاحم ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے پیر کی اجازت سے یہاں آیا ہوں۔ اب اس دیار کا انتظام باطنی میرے سپرد ہوا ہے۔ اس نے اپنے تصرف سے آپ کا مقابلہ کیا مگر بالکل ناکام رہا۔ ناچار وہاں سے اٹھ کر دو میل جنوب مشرق کو اس نے جا ڈیرہ لگایا۔ اس کی سمادھ وہیں ہے۔ آج کل وہ گاؤں بنام "ڈیرہ دندو رام" مشہور ہے آپ بفراغ خاطر بھڑی میں جاگزین ہوئے۔

سید پیرو شاہ سے مقابلہ منقول ہے کہ شروع سے بھڑی میں قوم دھوتھڑ جٹ آباد تھی۔ اور گاؤں کا نام بھڑی دھوتھڑاں مشہور تھا۔ جیسا کہ عہد عالمگیری کی ایک دستاویز میں بھی اس طرح تحریر ہے۔ جب آپ کا وہاں ڈیرہ قائم ہوا تو طالبان خدا ہر طرف سے ہجوم کر کے آنے لگے تو اقطار عالم میں گاؤں کا نام بھڑی شاہ رحمان مشہور ہو گیا۔ یہ بات قوم دھوتھڑ کو ناگوار گزری۔ انہوں نے آپ کو وہاں سے اٹھانے کے لیے بہت چارہ کیا۔ مگر آپ حکم پیر روشن ضمیر کے مطابق وہاں سے نہ اٹھے آخر انہوں نے اپنے پیر سید پیرو شاہ کے آگے جا کر التماس کی کہ آپ بزور کرامت اس درویش کو یہاں سے اٹھا دیں۔ کیونکہ اس نے ہمارا نام کم کر دیا ہے۔ سید صاحب اُن کے ہمراہ چلے آئے۔ بڑے صاحب جذبہ تھے اُن کا خیال تھا کہ میں جاتے ہی درویش کا کام تمام کر دوں گا۔ چنانچہ جب بھڑی کی سرحد میں داخل ہوئے تو آگے سے حضرت پاک صاحبؒ بصورت شیر سفید متمثل ہو کر سامنے آئے اور چنگھاڑا۔ سید صاحب تاب مقاومت نہ لا کر وہاں سے بھاگ گئے اور جاتی دفعہ اپنے مریدوں کو بد دعا دی کہ اے دھوتھڑو! تم نے صاحب تصرف درویش سے مقابلہ کرا کر مجھ کو ذلیل کیا ہے اسی طرح ذلیل ہو کر تم یہاں سے نکلو گے۔ چنانچہ چند عرصہ میں وہ جلا وطن ہو کر دریائے چناب سے پار ضلع گجرات میں جا کر آباد ہوئے۔ چنانچہ رتی پنڈی اور پنڈی دھوتھڑاں میں انہیں دھوتھڑوں کی اولاد

آباد ہیں۔

شیرِ الٰہی ہونے کی پیشگوئی

ابتدائے احوال میں جب آپ بیعت ہونے کے بعد واپس چلے گئے تو تمام رات نعرے مارتے رہتے اور ذکر جہر کرتے تھے۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ آپ دیوانہ ہو گئے ہیں۔

خواجہ فضیل کابلیؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہم حضرت نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بھڑی کا ایک کھتری سودا فروش حضور کی خدمت میں آ بیٹھا۔ حضور نے اُس سے پوچھا کہ وہاں ایک ہمارا درویش رحمان نامی رہتا ہے۔ اُس کا کیا حال ہے؟ اس نے نفرت آمیز لہجہ میں کہا:

"وہاں وہ ایک دیوانہ سا ہے۔ ساری رات گیدڑ کی طرح گاؤں کے گرد چلاتا پھرتا ہے اور لوگوں کو آرام نہیں لینے دیتا۔"

آنجناب کی طبیعت پر جلال غالب آگیا۔ اور پُرجوش لہجہ میں فرمایا۔ اے گدھے۔ تم کیا جانو؟ وہ تو خدا کا شیر ہے۔ ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ شیر کی طرح گرجے گا۔ اور اس کی حالت خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔

معمولات

آپ شریعت نبوی کے پورے پورے پابند تھے۔ نماز پنجگانہ اور تہجد وغیرہ پر مواظبت رکھتے۔ کسی دم یادِ الٰہی سے غافل نہ رہتے۔

ذکر جہر

آپ رات کو گاؤں سے باہر جنگل میں نکل جایا کرتے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ اور اس میں شیر کی طرح گرجتے اور کبھی ذکر نفی اثبات بلند آواز سے کرتے۔ اور عشق الٰہی میں نعرے لگاتے۔ ثواقب المناقب میں ہے ؎

شدے آں کان درد از شوق دیدار | بشور نالہ ہا کوہِ نمکسار
غبارِ راہ شب در جلوہ گاہش | نمے شد سرمۂ آواز راہش
بدنیساں از گداز گرمی و جوشش | نگشتے تا سحر چون شمع خاموش

ریاضت و مجاہدہ آپ ریاضت و مجاہدہ میں یگانہ آفاق تھے۔ نفس کشی کے لیے عجیب طریقے اختیار کیے

(۱) کبھی پاؤں میں رسہ باندھ کر بیلوں کے پیچھے باندھ دیتے اور زمین پر گھسیٹتے جاتے۔

(۲) کبھی کنوئیں میں معکوس لٹکتے رہتے۔

(۳) کبھی کبھی تمام رات حبس دم سے ذکر خفی کیا کرتے۔

(۴) گرمیوں میں اوپر کمبل رکھتے۔ اور دوپہر کے وقت تپتی ریت پر بیٹھ کر آگ جلا کر سیکا کرتے۔

(۵) سردیوں میں رات کو کورے گھڑے پانی سے بھر کر رکھ دیتے اور صبح کو وہ ٹھنڈا پانی سر پر ڈلواتے۔

(۶) دریا میں کھڑے ہو کر یاد الہٰی کرتے۔

(۷) معکوس لٹک کر ذو ہزار مرتبہ ذکر اسم ذات کیا کرتے۔

(۸) جَو کی روٹی اور پوہلی کی روٹی کھاتے۔ سالن کی بجائے کوار گندل جو نہایت تلخ ہوتی ہے استعمال کرتے۔

قبر میں چلہ کشی صاحب حدیقۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی خلوت کے وقت آپ زمین میں قبر کھود کر اس میں بیٹھتے اور یاد الہٰی میں مصروف رہتے۔ چالیس روز کے بعد جب قبر کھولی جاتی تو آپ کو بحالتِ زار نکالا جاتا۔

کبھی کبھی چار روز تک قبر میں بند رہتے۔ کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوتا۔

لاہور میں چلہ کشی ایک مرتبہ آپ لاہور میں بھی ایک بند کمرہ میں چلہ گزین رہے۔ چنانچہ چلہ کی وہ جگہ آج تک بنام "بیٹھک شاہ رحمان"، گلی پڈاں، محلہ پٹ رنگاں، اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں موجود ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کا کوئی دم ذکرِ حق سے خالی نہ جاتا تھا۔ تمام اوقات کو عبادات و اشغال و اذکار و افکار سے معمور رکھتے۔ آپ کو دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا۔

پیر خانہ کا احترام آپ اپنے پیر خانہ ساہنپال شریف کی سرحد میں کبھی پشت نہ کرتے آپ حیاتی ہیں ہے ؎

کنڈ نہ کیتی کدے کدا ہیں پچھلی پیریں ٹر دے راہیں

باشندگان ساہنپال شریف کا ادب مرزا احمد بیگ نے اپنے رسالہ الاعجاز میں لکھا ہے کہ

"اگر ساہنپال شریف کا کوئی چوہڑا (ہلاک خور) بھی چلا جاتا تو آپ ایسی خدمات بجالاتے جو اس زمانہ کے مرید بھی اپنے پیروں کی نہیں کر سکتے اس کو چارپائی پر بٹھاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔ اگر پیر کے دروازہ کا کتا بھی کہیں جا نکلتا تو مجنوں کی طرح اس کے پاؤں چومتے اور نہایت پیار کرتے تھے۔"

رعب و جلالیت آپ کا چہرہ نہایت بارعب تھا۔ کسی کو آپ کے سامنے کلام کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کسی پر نگاہ رحمت ڈالتے تو وہ ملکِ ولایت کا بادشاہ بن جاتا۔ جو شخص آپ کی نظر سے گزر جاتا۔ اُسے مقام صمدیت پر پہنچا کر بلائے شکم سے خلاصی کرا دیتے۔

مرزا احمد بیگ لاہوری رحؒ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ میں نے آپ کے یاروں سے پوچھا کہ تم نے کھانا قصداً چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں کھانے کی رغبت ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر بتکلف منہ میں ڈالتے ہیں تو حلق سے نیچے نہیں اُترتا اور کھانا نہ کھانے سے ہم کو کوئی کمزوری یا تکلیف بھی نہیں۔

اخفائے احوال آپ اپنی حالت کے اخفا میں بہت کوشش رکھتے۔ حتی الوسع اپنے احوال کو پوشیدہ رکھتے۔ مگر چونکہ آفتاب کا چھپنا محال ہے اس لیے ہر وقت خلائق کا ہجوم آپ کے دروازہ پر رہتا۔ سب لوگ ذوق و شوق اور عشق و محبت سے لبریز ہو کر جاتے۔

صاحب تحائف قدسیہ نے آپ کی اخفا پسندی کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

چناں احوال ظاہر داشت آں ماہ کہ نشناسید او را ہیچ گمراہ

زراعت وسخاوت

آپ اپنی مملوکہ زمین میں کبھی کبھی اپنے ہاتھوں سے ہل بھی چلاتے اور کاشتکاری کرتے۔ اس کی پیداوار بطور سخاوت وایثار درویشوں مسکینوں، مسافروں کو دیتے۔

اولاد پیر کی خدمات

منقول ہے کہ حضرت نوشہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے ان کی اولاد کی خدمات کو بھی بے حد ادا کیا۔ اور اپنا تمام مال واسباب آنجناب کی اولاد کو نذرانہ کر دیا۔

حلال روزی

آپ حلال روزی کمانے کے واسطے اپنے والد ماجد کی طرح پیشہ جامہ شوئی کیا کرتے تھے۔ گاؤں سے مشرق کو ایک میل کے فاصلہ پر ایک جوہڑ تھا۔ اس پر جا کر کپڑے دھویا کرتے۔

یہ بات بھی مشہور ہے کہ بعض اوقات جب آپ پر جذبہ غالب آتا تو آپ کپڑوں کو آگ میں ڈال دیتے میل کچیل جل جاتی اور کپڑے سفید سلامت باہر نکال لیتے۔

لباس

آپ اپنے اوپر سیاہ کمبل (دبھورا) رکھتے۔ جوتا پھٹا پرانا ہوتا۔

سماع ووجد

آپ کو سماع سے بے حد لگاؤ تھا۔ میاں علی قوال آپ کو سرود سنایا کرتے تھے اور آپ کی طبیعت محظوظ ہوا کرتی تھی اور آپ کو وجد بھی ہوا کرتا تھا۔ وجد کی حالت میں بے حس وحرکت ہو جاتے۔ یہاں تک کہ قریب الموت پہنچ جاتے۔ پھر کہیں افاقہ ہوتا۔

پاک کا خطاب ملنا

جس وقت آپ نے حضرت نوشہ صاحبؒ کے کپڑے دھو کر صاف کیے تو آنجنابؒ نے فرمایا۔ اے عبدالرحمٰن تم نے ہمارے کپڑے پاک صاف کر دیے۔ ہم نے تم کو پاک صاف کر دیا ہے۔ اس روز سے پاک صاحبؒ مشہور ہوئے۔

کرامات

آپ سے اکثر خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ چند کرامات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سخت آندھی میں چراغ روشن رہنا

منقول ہے کہ جب آپ نے بھڑی شریف میں ڈیرہ لگایا تو یہاں سے ہندو فقیر دندورام کو اٹھادیا۔ اُس نے جاتی دفعہ کہا کہ میں تیرا چراغ یہاں جلنے نہیں دوں گا۔ آپ نے فرمایا یہ چراغ خدا کا روشن کیا ہوا ہے تیرے بجھانے سے نہیں بجھے گا۔

چراغے راکہ ایزد بر فرو زد   ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

چونکہ وہ فقیر بھی مستجاب الدعوات تھا۔ اس کے تصرف سے عرس کے دن میں سخت ہوا شروع ہو جاتی ہے مگر آپ کا یہ تصرف ہے کہ چراغ گل نہیں ہوتے۔ ویسے ہی جلتے رہتے ہیں۔ آج تک یہ دونوں باتیں جاری ہیں بلکہ اُس ہوا کو اکثر لوگ آپ کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ "آج شاہ رحماں چل رہا ہے)

فائدہ:۔ یہ کرامت ممکنات سے ہے۔ جیسا کہ شیخ شہاب الدین جھنجانویؒ خلیفہ کبیر الاولیاء) کے مزار پر کیسی ہی سخت ہوا چلے۔ چراغ گل نہیں ہوتا۔

۲۔ سانپوں کا زہر بند ہونا

منقول ہے کہ جس وقت آپ نے مرشد صاحب کی خدمت سے آکر بھڑی شریف ڈیرہ لگایا۔ آپ کے مکان کے قریب ایک بڑا زہریلا سانپ رہتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یا حضرت! آپ یہاں ڈیرہ نہ لگائیں یہاں خطرناک سانپ ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی فکر نہ کرو۔ یہاں کے سانپ بمثل مینڈک ہو جائیں گے۔ چنانچہ واقعی ایسا ہی ہو گیا۔

عام لوگوں کا بیان ہے کہ تازمانہ حال اس سرحد میں سانپ ڈسنے سے کوئی موت واقع نہیں ہوئی۔

۳۔ عرس پر دریا کا پانی

منقول ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں حضرت نوشہ صاحبؒ کا عرس کرنا شروع کیا تھا۔ اس قدر خلقت جمع ہو جاتی جس کا

اندازہ نہ تھا۔ آپ کے مکان پر ایک ہی کنواں تھا۔ اُس کا پانی ختم ہو جایا کرتا اور مخلوق کو بہت تکلیف ہوتی۔ ایک بار آپ نے اپنے مرشد ارشد کی روحانیت سے التجا کی۔ حکم ہوا کہ کوئی غم نہ کرو۔ اُس روز دریائے چناب کا پانی وہاں پہنچ جایا کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا کہ نودیں جیٹھ کو دوپہر کے وقت کنواں کا پانی خشک ہو جاتا۔ ایک گھنٹہ چلانا بند کرتے تو نیچے سے دریا کا پانی پھوٹ آتا۔ جو پھر ختم نہ ہوتا۔

۴۔ ایک سہروردی درویش کو فیض دینا

منقول ہے کہ ایک مرتبہ سہروردی مشائخ میں سے ایک درویش آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں دہلی سے چل کر آیا ہوں اور وجد کا طالب ہوں۔ آپ نے اُس کی طرف دیکھا لیکن اس کو کوئی تاثیر نہ ہوئی۔ پھر دیکھا پھر بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اُس نے متکبرانہ کہا کہ جب تک زمین اور آسمان کو وجد نہ ہو گا سہروردی کو ہرگز جنبش نہ ہوگی۔ آپ نے اُس وقت اپنے پیر حضرت نوشہ صاحبؒ کی روحانیت سے استمداد کی۔ اور تیسری دفعہ اس کو دیکھا وہ تڑپ کر زمین پر گر پڑا اور وجد و رقص کرنے لگا۔ تین روز تک اُسی حالت میں رہا۔ جب ہوش میں آیا تو کہنے لگا کہ مجھے زمین اور آسمان سب وجد کرتے دکھائی دیے۔ اس لیے مجھ کو بھی اپنے آپ پر ضبط نہ رہا۔ اُس کے بعد وہ آپ کی خدمت سے فیض پا کر واپس دہلی چلا گیا۔

شادی و اولاد

آپ نے زہرہ بیگم المعروف بی بی ظہری سے شادی کی اور ان کے بطن سے آپ کی تین لڑکیاں ہوئیں۔ آپ کی اولاد نرینہ نہ تھی۔

(۱) جواہر خاتون (۲) حسین خاتون (۳) فتح خاتون

خلفاء

آپ سے بے شمار حضرات کو روحانی فیض حاصل ہوا آپ نے جن حضرات کو خلافت سے نوازا ان میں معروف حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) سید عنایت اللہ زاہد برخورداری (۲) سید شاہ عصمت اللہ (۳) قاضی عبدالرحمٰن (۴) شیخ جیون شاہ (۵) مولوی فتح محمد (۶) سید مستان شاہ۔

وصال

آپ کا وصال بھڑی پاک رحمٰن میں ۴ محرم ۱۱۱۵ھ میں ہوا اس وقت اورنگ زیب عالمگیر کا عہد حکومت تھا۔

مدفن آپ کا مزار پُرانوار موضع بھڑی کلاں المعروف بھڑی اونچی المشہور بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں ہے۔

تعمیر روضہ آپ کی قبر مبارک بائیس سال تک خام رہی۔ اس کے بعد روضہ تعمیر ہوا۔ کتاب تاریخ مخزن پنجاب میں ہے کہ "ان کے انتقال کے بعد مریدوں نے باجازت لڑکیوں کے مقبرہ معہ چار دیواری تیار کرایا جو اب تک موجود ہے۔"

تعمیر مسجد درگاہ شیخ برخوردار ہرلؒ نے تعمیر روضہ کے ساتھ ہی ۱۱۳۷ھ میں مسجد بھی بنوائی تھی جو زمانہ دراز گزر جانے کے باعث رو بانہدام تھی۔ چنانچہ پھر دوبارہ از سر نو ۱۳۴۶ھ میں صاحبزادگان کے اہتمام سے پختہ تعمیر ہوئی ہے جو کچھ پہلے سے فراخ بھی کی گئی ہے۔ وضو کے واسطے نلکا بھی لگوا دیا۔

تعمیر دالان و مسافر خانہ روضہ شریف کی تعمیر کے ساتھ ہی ۱۱۳۷ھ میں شیخ برخوردار ہرلؒ کے اہتمام سے ایک دالان بھی تعمیر ہوا۔ جس میں مجاور درگاہ اور آئندہ روندہ زائرین و مسافرین آرام کرتے تھے۔ پھر تقریباً سو سال کے بعد ۱۲۳۶ھ میں بابا دِتے شاہ مجاور درگاہ نے ایک نیا مسافر خانہ تیار کرایا۔ اس کے بعد بابا الٰہی بخش کے زمانہ مجاورت میں اولاد کے اہتمام سے ۱۳۱۱ھ میں دالان پر نیا چھت ڈالا گیا۔ اس کے بعد سائیں جلال درویش مندرانوالیہ کے زمانہ مجاورت میں ۱۳۴۸ھ میں دوبارہ دالان کی دیواریں پختہ بنائی گئیں۔ روضہ اطہر اور دیوان خانہ اور مسجد اور چار خانقاہ اور مزارات اولاد سب چار دیواری کے اندر آگئیں۔ سایہ کے لیے درخت بھی کافی موجود ہیں۔

ماخوذ: شریف التواریخ از مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی۔

حضرت محمد سچیار نوشہروی قادریؒ

وصال ۱۱۱۹ھ مزار نوشہرہ گجرات پنجاب

آپ سلسلہ نوشاہیہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ الاسلام سید حافظ شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ کے فیض یافتہ تھے۔

آپ سراج الواصلین شمس المقربین۔ برہان الاصفیاء رئیس الکاملین سر حلقہ فقرائے نوشاہیہ صاحب سوز و گداز و وجد و سماع و ذوق و شوق تھے۔ صدق و راستی اور ورع و تقویٰ میں شان بلند رکھتے تھے۔

نام و لقب آپ کا نام نامی پیر محمد۔ لقب سچیار۔ کمبل پوش تھا۔ آپ قوم گکھڑ بیر آل خاندان سے تھے۔

نسب آپ کے والد کا نام علی تھا کہ وارث خان آپ کے دادا کا نام تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔

حضرت پیر محمد سچیار ابن علی خان بن وارث خاں بن وہاب خان بن عاقل خان بن بہار خاں بن جودھ لعل بن ملک بیر خان (متوفی ۹۰۲ھ مورث بیر آل)، بن گل محمد خان (متوفی ۸۵۹ھ مدفون اوریام)، بن قدو خان (متوفی ۸۰۴ھ)، بن لکھن خاں (متوفی ۷۴۴ھ بن لوہر خاں (متوفی ۶۶۷ھ)، بن منگ خاں (متوفی ۶۴۲ھ)، بن سپہر خاں (متوفی ۵۶۰ھ)، بن راجر خاں (متوفی ۵۵۵ھ)، بن عاصی خاں (متوفی ۴۹۷ھ)، بن معظم خاں (متوفی ۴۹۱ھ)، بن مہپال خاں (متوفی ۴۸۱ھ)، بن بج خان (متوفی ۴۵۷ھ)، بن گکھڑ شاہ (متوفی ۴۱۶ھ)، مدفون کابل مورثِ اعلیٰ قوم گکھڑ۔

ابتدائی حالات آپ کا آبائی وطن علاقہ پوٹھوہار میں موضع نڑالی تھا۔ جو تحصیل گوجر خاں میں ایک مشہور گاؤں ہے۔ آپ کی پیدائش اسی موضع میں ہوئی۔

صاحب ثواقب المناقب نے لکھا ہے کہ آپ کے والد اپنے وطن سے اٹھ کر وزیر آباد

میں آکر آباد ہوئے اور آپ ابھی بچہ ہی تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔
اور صاحب کنز الرحمت نے لکھا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار وطن میں ہی کسی خانہ جنگی کے دوران میں شہید ہو گئے تھے اور آپ کی تربیت اپنی والدہ کے آغوشِ عاطفت میں ہوئی چندے تعلیم بھی پائی۔ کچھ ہوش سنبھالنے پر وطن کو خیر باد کہہ کر ضلع گجرات میں تشریف لے آئے۔

واقعہ بیعت آغاز طفولیت سے ہی آپ کو راہ حق کا شوق پیدا تھا۔ عام لوگوں سے حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے فیض عام کا شہرہ سنا تو آپ کمال شوق سے ساہنپال شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں دو شخص گھاس کھود رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا اے لڑکے کہاں جا رہے ہو۔ آپ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا "جلدی پہنچو اور دیدار عالی سے مشرف ہو۔ حضرت نوشہ صاحب کا دربار عشق سے پُر ہے اور وہ خدا کے رنگ سے رنگنے والے ہیں"۔

پراز عشق دربار نوشاہ ہست　　　　که صَبّاغ مِنْ صِبْغَةِ اللهِ ہست

آپ یہ خوش خبری سن کر نہایت خوش ہوئے۔ جب چند قدم آگے گئے تو ایک اور آدمی گھاس کھود رہا تھا۔ اس نے بھی وہی بات پوچھی۔ آپ نے اپنا خیال بتایا۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ تو جادوگر ہیں۔ اور لوگوں کو دیوانہ بناتے ہیں، تم کس لیے وہاں جا رہے ہو۔ آپ اس کی بات سن کر واپس چل دیے۔ آگے پھر وہی دو شخص نورانی طلعت ملے۔ انہوں نے واپس ہونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے شخص مذکور کی بات سنائی وہ کہنے لگے کہ وہ شخص ابلیس تھا۔ اور تم کو راہِ حق سے بہکانا چاہتا تھا اور ہم ملائکہ مقرب ہیں اور تجھے رہنمائی کرنے آئے ہیں، تم ضرور حضرت نوشہ صاحبؒ کے پاس جاؤ کہ اس جگہ عشق و درد کا دریا رواں ہے، آپ پھر مڑ کر ساہنپال شریف پہنچے۔ آگے حضرت نوشہ صاحب اندرون مکان تشریف لے گئے ہوئے تھے اور کئی یار باہر دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے حضرت نوشہ صاحبؒ کا پتہ پوچھا تو ان میں سے شیخ صدر الدین رکھانوالہ جو مقام فنا فی الشیخ تک پہنچ چکے ہوئے تھے۔ کہنے لگے کہ "جو شخص آتا ہے تو نوشہ کا نام پوچھتا ہے۔ میں خود نوشہ ہوں اور مخلوق کی راہبری کر رہا ہوں"۔ آپ ان کے دلیانہ کلام سے

متحیر ہوئے۔ دوسرے یاروں نے فرمایا۔ لڑکے یہیں آرام کرو۔ حضور یہیں تشریف لے آئیں گے ایک فقیر نے اندر جا کر آنجناب کو اطلاع کی کہ ایک لڑکا اجنبی آپ کی زیارت کے واسطے باہر بیٹھا ہے۔ آنجناب نے فرمایا کہ اس کو یہیں اندر لے آؤ۔ چنانچہ آپ کے علم کے مطابق اندر حاضر ہوئے اور قدم بوسی کی۔ اور زیارت فیض بشارت سے مشرف ہوئے اور تین دام بطور نذرانہ آنجناب کے سامنے رکھ کر کمال ادب سے دور ہو کر بیٹھ گئے۔ آنجناب نے ایک دام پکڑ کر اپنے بڑے صاحبزادہ سید حافظ محمد برخوردار بحر العشقؒ کو عطا فرمایا اور دوسرا دام پکڑ کر اپنے چھوٹے صاحبزادہ سید محمد ہاشم دریا دلؒ کو عنایت کیا۔ اور تیسرا دام آپ کو تبرکاً واپس دے دیا۔ پھر آپ نے پوچھا اے لڑکے تیرا وطن کہاں ہے؟ آپ نے عرض کیا یا قبلہ! میرا گاؤں نڑالی ہے۔ آنجناب نے فرمایا کہ موضع نڑالی پر رحمت کا مینہ برسا؟ آپ نے عرض کیا یا حضرت برسا۔ آنجناب نے تین بار یہی استفسار کیا۔ آپ نے بھی یہی جواب عرض کیا۔ آنجناب کمال خوش تھے اور فرمایا اے لڑکے مجھے تیرا بڑا انتظار تھا اور تجھ سے کئی کام تھے۔ شکر ہے کہ آج تم پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ کو اپنے سامنے بٹھا کر اپنی بیعت سے سرفراز فرمایا۔

خلافت و اجازت

حضرت نوشہ صاحبؒ پر اُس وقت نور ذات کا تجلا تھا۔ اُسی نگاہ جذب سے آپ کو مقام علیا پر پہنچا دیا۔ علوم معرفت کے دروازے کھول دیے اور نعمت باطنی سے بہرہ ور فرمایا اور خلافتِ طریقت سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا کہ اب تم ایک لمحہ بھی یہاں نہ ٹھہرو کہ اس جگہ کئی شیر درندے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تجھ سے فیض چھین لیں۔ اب تم کو رخصت ہے۔

نوشہرہ میں وارد ہونا

بوقت رخصت حضرت نوشہ صاحبؒ نے آپ کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور حکم دیا کہ اب تم نوشہرہ مغلاں میں اپنی سکونت بناؤ۔ وہاں کی ولایت تمہارے متعلق ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ اس جگہ تمام مغل آباد ہیں۔ جو بڑے بڑے رئیس اور متمول ہیں۔ وہ مجھے وہاں کیسے رہنے دیں گے۔ آنجناب نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے تیرے تابع فرمان ہوں گے اور وہاں تیرا ہی حکم رہے گا۔

آپ الوداع ہو کر نوشہرہ پہنچے وہاں اُس وقت ایک بزرگ سید ماکھن شاہ بھاکری نادری رہا کرتے تھے۔ وہ تمام علاقہ روحانی طور پر اُن کے زیر اثر تھا۔ آپ پہلے انہیں کی خدمت میں گئے۔ انہوں نے آپ کا نہایت اخلاص سے استقبال کیا اور ازراہِ کشف آپ کی حقیقت حال سے مطلع ہو کر فرمایا۔ میاں پیر محمد! میں اب دنیا میں چند روزہ مہمان ہوں۔ اب اس دیار کی ولایت تمہارے سپرد ہوئی ہے۔ اب اس کی ذمہ داری کو خوب سرانجام دو اور ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ چنانچہ آپ کنارہ دریا پر عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے دن کو روزہ رکھتے اور رات کو یاد الہٰی میں مصروف رہتے۔ سوائے ذکر و شغل و مراقبہ و تفکر کے کوئی کام نہ تھا۔

نگاہ کی تاثیر جب آپ نوشہرہ مغلاں میں سکونت گزین ہوئے تو آپ کے فیضان کا گرد و نواح میں عام شہرہ ہو گیا۔ لوگ خدمت میں آکر فیضیاب ہوتے اور ہر طرح کی دینی و دنیاوی مرادیں پاتے۔

کثرت فیضان علامہ شیخ محمد ماہ صداقت کنجاہی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پیر بھائی قاضی رضی الدین کنجاہی نے آپ کو کہا اب تو بہت سالوں سے فیضان فقر کا نصاب آپ کے پاس جمع ہو چکا ہے۔ اب بحکم واتوا الزکوٰۃ وہ وقت ہے کہ آپ حسب استعداد طالبان ان کو اپنے فیض سے بہرہ ور کیا کریں۔ اُس روز سے آپ نے ہنگامہ مشیخت گرم کیا اور بکثرت لوگ فیض یاب ہوئے۔

فیض ولایت آپ ایک روز اپنے خادم میاں کالا کو ہمراہ لے کر باہر سیر کو تشریف لے گئے۔ اتفاقاً ایک کنوئیں پر پہنچے۔ دیکھا کہ کسان اپنے کھیت کو تھوڑا تھوڑا پانی دے رہا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تھوڑا پانی دینے کی کیا وجہ ہے؟ کسان نے عرض کیا کہ اگر زیادہ پانی دیا جائے تو کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ فصل کی جڑیں ماری جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بھی اس سے پہلے طالبوں کو زیادہ فیض پہنچاتے تھے جس کی وہ برداشت نہ کر سکے۔ اس کے بعد آپ ہر شخص کو اُس کے حوصلہ کے مطابق تربیت فرماتے۔ چنانچہ پندرہ ہزار شخصوں کو مقام ولایت سے سرفراز فرمایا۔

ہمہ یک بیک قطب عالم شدند بدداں چو شبلی وادہم شدند

گھوڑوں کی تجارت

حضرت شہیر قلندر لاہوریؒ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ حضرت نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ دوسرے بھی کئی یار موجود تھے۔ کوئی شخص ایک بچھیری یک سالہ آنجناب کی نذر لایا۔ انہوں نے وہ آپ کو عطا فرمادی اور فرمایا۔ میاں پیر محمد! اس کو لے لو۔ اس سے خدا تعالیٰ تجھ کو نفع کثیر دے گا چنانچہ اس کے بعد آپ نے گھوڑوں کی تجارت شروع کر دی۔ اسی ایک بچھیری سے بہت سارے گھوڑے آپ کے پاس موجود ہو گئے۔

معمولات

آپ شریعت مطہرہ کے پابند۔ نماز تہجد پر مواظبت کرنے والے۔ صائم الدہر قائم اللیل تھے ذکر کا شغل عام رکھتے۔ درود شریف ہزارہ۔ اور قصیدہ غوثیہ کا ورد بھی رکھتے۔ منزل قرآن مجید اور مطالعہ کتب حدیث و تصوف رکھتے۔ کبھی باغ کی سیر کو۔ دریا کی سیر کو تشریف لے جاتے۔

اخلاق و عادات

آپ کے اخلاق کریمانہ تھے۔ درویشوں، فقیروں کی صحبت کو پسند فرماتے۔ اگر کسی شہر میں وارد ہوتے تو وہاں کے مشائخ کی ملاقات کرتے۔ علمائے ربانی کا ادب و احترام کرتے۔ دنیا کے مال سے بے رغبت تھے مشتبہ طعام سے پرہیز کرتے۔ عورتوں کے اختلاط اور اُن کے مجلس میں آنے سے احتراز کرتے بلکہ غیر محرم کی آواز سننے سے بھی کانوں کو بچاتے۔ اپنے گھر میں پردہ کا اہتمام رکھتے۔ اجنبی آدمی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتے۔ مریدوں کے احوال سے خبردار رہتے۔ مریدوں کو سلام و پیام بھیجا کرتے۔

پیرخانہ کی حاضری

منقول ہے کہ آپ ہر ہفتہ کے بعد ہر جمعرات کو اپنے پیر روشن ضمیر حضرت نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اور دو رات سے زیادہ وہاں نہ ٹھہرتے۔

ادب و تعظیم

آپ کا طریقہ تھا کہ جب کبھی ساہنپال شریف جاتے تو اُس کے حدود میں جوتی نہ پہنتے۔ برہنہ پاؤں رہتے۔ اب تک آپ کی اولاد کا بھی یہی طریقہ ہے۔

پیر صاحب کا مہربان ہونا

منقول ہے کہ کسی مرید نے کھیر پکا کر آپ کے سامنے حاضر کی۔ آپ کو خیال ہوا کہ اگر یہ کھیر میرے مرشد ارشد کھائیں تو بہتر ہوگا۔ آپ نے وہ ہنڈیا سر پر اٹھائی اور روانہ ہوئے۔ راستہ میں بارش شروع ہوگئی۔ قطرات بارش سے ہنڈیا کی سیاہی کی دھاریں چہرہ پر بہتی رہیں جب آپ ساہنپال شریف خدمت عالیہ میں پہنچے اور کھیر پیش کی۔ حضرت نوشہ صاحبؒ آپ کا خلوص و عشق دیکھ کر آپ پر نہایت مہربان ہوئے۔ اور آپ کا چہرہ اپنی چادر مبارک سے صاف کیا اور فرمایا تو نے ہماری محبت کے جذبہ میں چہرہ کے سیاہ ہونے کی پروا نہیں کی۔ ہم نے تیرا چہرہ صاف روشن اور منور کر دیا ہے۔ چنانچہ اُسی وقت آپ کا چہرہ مثل چاند کے روشن ہوگیا۔

سخاوت و ایثار

منقول ہے کہ آپ کو تجارت میں سے جو منافع حاصل ہوتا اس کے تین حصہ کرتے۔ ایک حصہ درگاہ عالیہ حضرت نوشہ صاحبؒ میں بھیجا کرتے۔ دوسرا حصہ اپنے گھر کے خرچ کے لیے رکھتے۔ تیسرا حصہ خدا تعالیٰ کی راہ میں فقیروں مسکینوں کو دیا کرتے۔

صبر و تحمل

آپ کے مزاج میں صبر و تحمل کے اوصاف موجود تھے۔ آپ کی ہمسائیگی میں جو مغل رہتے تھے وہ آپ کو تکالیف پہنچایا کرتے مگر آپ برداشت کرتے اور کبھی اُن سے انتقام نہیں لیا۔

حوصلہ و بُردباری

ایک روز آپ میاں کالا کو ہمراہ لے کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں بارش شروع ہو گئی۔ آپ فقیروں کے ایک تکیہ میں داخل ہوئے۔ وہ رندوں کا ڈیرہ تھا۔ انہوں نے آپ کو نکال دیا کہ کہیں مسجد تلاش کرو آپ وہاں سے چل دیے لیکن کوئی غصہ نہیں کیا۔ صاحب کنز الرحمت نے لکھا ہے ؎

زہے حوصلہ کاملانِ زماں　　نہ ہرگز نمودند خاطر گراں

فقر و فاقہ

آپ اگرچہ تجارت پیشہ تھے لیکن اکثر اپنا سب مال راہ خدا میں صرف کر دیا کرتے اور خود فقیرانہ زندگی بسر فرماتے۔

اخفائے احوال

آپ اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے۔ کسی قسم کا تکبر و عجب آپ میں نہ تھا۔ گھوڑوں کی لید اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر باہر پھینکتے، باوجودیکہ آپ کے خادم اور ارادت مند بے شمار تھے لیکن کسی کو نہ فرماتے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی زیارت کے واسطے آیا۔ اس وقت آپ پھاوڑی سے گھوڑوں کی لید ہٹا رہے تھے، اُس نے پوچھا کہ بیوپار صاحب کہاں ہیں آپ نے فرمایا۔ اُس کو کیا پوچھتے ہو وہ تو لوگوں کے برخلاف کام کرتا ہے۔ وہ شخص آپ کو پہچانتا نہ تھا۔ اُس نے کہا اے بڈھے! اگر تیرے بوڑھاپے کا خیال نہ ہوتا تو میں تجھ کو سزا دیتا۔ آخر جب اُس کو پتہ چلا کہ آپ بذات خود ہی تھے تو وہ آپ کا قدم بوس ہوا، اور اپنی باتوں کی معافی مانگی۔

قسمت پر شاکر ہونا

منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ مرض اسہال سے بیمار ہو گئے۔ ہر چند علاج کیے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ ایک روز آپ کے درویش شیخ محمد سوہدری نے عرض کیا، یا قبلہ! آپ پرہیز تو کسی چیز سے کرتے نہیں، فائدہ کیسے ہو؟ آپ نے فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ میں پرہیز کس چیز سے کروں، جو میری قسمت میں ہے یا جو میری قسمت ہی نہیں۔

مطلب یہ کہ جو چیز قسمت میں ہے اس سے پرہیز ممکن نہیں اور جو چیز قسمت میں نہیں اس سے پرہیز کا مطلب کوئی نہیں، وہ خود ہی نہیں ملے گی۔

وجد و سماع آپ سماع سنتے تھے اور وجد بھی ہوتا تھا۔ آپ محفل قوالی میں حاضرین پر نگاہ کرتے تو وہ مذبوح جانور کی طرح پھڑکتے تھے۔ میاں اللہ داد قوال آپ کو صوفیانہ کلام سنا کر محظوظ کیا کرتا۔ آپ کو کنجریوں کا راگ سننے سے نفرت تھی۔ آپ اکثر اوقات ذوق و شوق سے صادصو کے نعرے لگاتے تھے۔

حلیہ اقدس آپ شاہ قد تھے۔ داڑھی بھاری، سر پر زلفیں تھیں ضعیف العمری کی وجہ سے دونوں ابرو آنکھوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ اگر کسی کو دیکھنا ہوتا تو ابرو اٹھا کر دیکھتے۔

لباس آپ کا لباس سادہ ہوتا تھا۔ سر پر دستار بغیر ٹوپی کے پہنتے اوپر چادر یا سیاہ کمبل رکھتے۔ لباس میں کوئی نمائش و آرائش نہ ہوتی۔ ہاتھ میں عصا رکھتے۔

ایک روز آپ نے اپنی دستار چننے کے واسطے حضرت شہیر قلندر لاہوریؒ کو دی۔ چونکہ دستار میلی تھی اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ آپ اس کے نیچے ٹوپی رکھا کریں۔ تاکہ بالوں کی چکناہٹ سے دستار خراب نہ ہوا کرے۔ آپ نے فرمایا میں اس مکر و فریب کو نہیں جانتا۔ یہ سب نفس کے لیے زیبائش ہے۔

ایک مرتبہ کسی آدمی نے سُرخ کھال سے جوتی تیار کر کے بوساطت شہیر آپ کو نذر کی۔ آپ نے قبول کر لی اور اس کو پاؤں میں پہنا۔

آپ کا کھانا بھی سادہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ شاہ نتھا سلطان نے سوہدرہ سے کھیر پکا کر خدمت میں حاضر کی۔ آپ نے بمعہ یاران تناول فرمائی۔

سیچیار کا لقب ملنا آپ کا نام تو پیر محمد تھا۔ درگاہ شیخ سے لقب سچیار ملا۔ اس کا واقعہ اس طرح پر مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نوشاہ عالی جاہ سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ درویشوں کی جماعت کثیر حضور کے ہمراہ تھی۔ اس وقت آپ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ دریائے چناب کے کنارہ پر مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ نوشہرہ مغلاں میں آپ کا کوئی واقف کار نہ تھا۔ آنجناب نے آپ کو پیغام بھیجا کہ ہمارے آنے تک سارے ڈیرہ کی روٹی کا سامان اور ایک گھوڑا۔ اور ایک جوڑا کپڑے اور سونے کے

کپڑے۔ اور سو روپیہ نقد نذرانہ کے واسطے تیار رکھنا۔ جب آپ کو پیغام ملا تو سخت متفکر ہوئے کہ آج میرا امتحان ہے۔ چنانچہ آپ مصلے سے اٹھے اور شہر میں داخل ہوئے اور آواز دی کہ کوئی شخص میرا سر گروی رکھ لے اور میری حاجت پوری کرے۔ مغلوں کی ایک رئیسہ بی بی آپ کے اعتقادمندوں سے تھی۔ اس نے فوراً سامان مہیا کر کے آپ کو دے دیا۔ آپ اپنے ڈیرہ پر لے گئے۔ جس وقت حضرت نوشہ صاحبؒ تشریف لائے تو آپ نے سب ماحضر حضور میں پیش کر دیا۔ آنجناب نے سارے واقعہ سے مطلع ہو کر خوشی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے پیر محمد! تو ہمارا سچ یار ہے اور امتحان میں کامیاب ہوا ہے۔ اُس روز سے آپ کا لقب سچیار مشہور ہو گیا۔

نوشہ سچیار آپ کو اپنے پیر روشن ضمیر نوشہ صاحبؒ سے محبت اور عشق اس حد تک تھا کہ اپنی ہستی کو مٹا کر ان کی ذات میں فنا کر کے فانی الشیخ کا مرتبہ حاصل کیا تھا اور پیر و مرید میں یہاں تک یگانگت ہو گئی تھی کہ ان کا نام بھی ایک ہو گیا تھا۔ عوام الناس آپ کو "نوشہ سچیار" کہتے ہیں۔ اور آپ کے دربار کو "نوشہ سچیار کا دربار" کہتے ہیں۔

اقوال آپ کے چند اقوال حسب ذیل ہیں۔

فرمایا:۔ فقیری گھی کا برتن ہے اس کو محفوظ رکھیں تو کام آتا ہے۔

فرمایا:۔ فقیر نیک و بد سے آزاد ہوتا ہے۔

فرمایا:۔ فقیر کو دعا اور بددعا سے کوئی سروکار نہیں۔

فرمایا:۔ فقیر کی حاجت خود بخود پوری ہوتی ہے۔ اس کے دشمن خود ہی منہ کی کھاتے ہیں۔

فرمایا:۔ فقیر کو کوئی چیز ناپسند نہیں کرنی چاہیے۔

فرمایا:۔ فقیر کو شتر مرغ کی طرح نہ ہونا چاہیے بلکہ شیر کی مانند ہونا چاہیے۔

فرمایا:۔ علم قالب اور فقر جان ہے۔

فرمایا:۔ علماء علم الیقین کی جان ہیں۔ اور فقراء عین الیقین کی جان۔

فرمایا:۔ عالم اور فقیر میں یہ فرق ہے کہ عالم خود چل کر بادشاہوں کے دروازہ پر جاتا ہے اور فقیر کے دروازہ پر بادشاہ چل کر آتے ہیں۔

فرمایا:۔ علمائے راسخین وارث انبیاء ہیں اس لیے فقیر ان پر جان قربان کرتے ہیں۔

فرمایا:۔ بعض اوقات درویش پر ایسا مقام کھلتا ہے کہ اُس سے مناجات و منہیات کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

فرمایا:۔ جس شخص نے درویش سے دوستی رکھی اس نے حق سے دوستی رکھی اور جس نے درویش سے دشمنی کی اس نے حق سے دشمنی کی۔

فرمایا:۔ جو خدا تعالیٰ کا دوست ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے اور جو حق تعالےٰ کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔

فرمایا:۔ حق تعالیٰ کارساز ہے۔ درویش کو وہ ہی فتوح بھیجتا ہے اور جو شخص اس کی بھیجی ہوئی چیز کو واپس کرتا ہے۔ وہ محتاج اور اندوہناک ہو جاتا ہے۔

فرمایا:۔ جو لوگ ہمارے امر کا اتباع کریں گے۔ وہ قیامت کے روز بخشش کے مستحق ہوں گے۔

فرمایا:۔ اگر سر جدا ہو جائے تو بھی خدا کا راز ظاہر نہ کرو۔

فرمایا:۔ جس مرید کی تعریف اس کا پیر کرے وہ بڑا سعادت مند ہے۔ اس کو اور کیا مطلوب ہے۔

فرمایا:۔ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت و توصیف خوش الحانی سے کرنی چاہیے۔

فرمایا:۔ خدا تعالیٰ کی یاد کرو۔ ایک ہی دیکھو۔ ایک ہی جانو۔ ایک ہی کہو۔

فرمایا:۔ خدا کو ایک جانو۔ دو کو دیکھنا احول (بھینگے) کا کام ہے۔

فرمایا:۔ تکبر کرنے سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔

فرمایا:۔ خودی اور تکبر برا وصف ہے۔ انسان نقصان اٹھاتا ہے۔

فرمایا:۔ تکبر نہ کرو۔ تکبر درگاہِ الہٰی سے دور پھینک دیتا ہے۔

فرمایا:۔ کنجوس آدمی اگرچہ سمندروں اور جنگلوں میں جاکر زہد و عبادت کرے وہ بحکم حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں نہیں جا سکتا۔

فرمایا:۔ یادالٰہی میں اپنا دل لگاؤ۔

بیویاں

آپ نے دو نیک اور صالح عورتوں سے شادی کی۔ ان میں ایک حضرت بی بی رانی بنت شیخ عبدالرحمان بھٹی ساکن ہستار تھیں۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور دوسری شادی موضع بھکھڑیالی ضلع سیالکوٹ میں قوم کھوکھر کے ہاں کی۔ ان کے بطن سے اولاد ہوئی۔

اولاد

آپ کے ایک ہی صاحبزادہ میاں عبدالجلیل تھے اور دو لڑکیاں تھیں۔ اول۔ بی بی شہر بانو رح منکوحہ سید شاہ حسین خوارزمی رح ساکن سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ۔

دوم۔ بی بی نیروز خاتون رح۔ منکوحہ سید عبدالرحمٰن خوارزمی المعروف شاہ نتھا سلطان سوہدروی رح۔

آخری وقت

جب آپ کا وقت آخر آیا تو میاں کالا خادم نے عرض کیا کہ بعض یارانِ طریقت قریب اور بعض دور ہیں۔ اور بعض غائب اور بعض حضور ہیں۔ آپ نے فرمایا میں مجذوب نہیں۔ جو کچھ کسی کا حصہ تھا وہ پہلے روز ہی اس کو دے دیا تھا۔ میرے لیے نزدیک اور دور یکساں ہے۔ حق تعالیٰ نے مجھ کو ایسی طاقت عطا فرمائی ہے پھر میاں کالا کو فرمایا کہ تم جاکر عصر کی نماز پڑھو۔ اس کے بعد اپنے بیٹے میاں عبدالجلیل رح اور اپنی بیٹی بی بی نیروز خاتون رح کو رخصت کیا اور ذکر و فکر میں مشغول ہوئے۔

آپ کی عمر بقول صاحب مناقبات نوشاہیہ ایک سو سات سال تھی۔ آپ کی آنکھوں پر آخیر عمر میں پلکیں ڈھلک گئی تھیں۔ جو شخص زیارت کے لیے آتا اس کا نام و مقام پوچھ کر پتہ کرتے۔ آپ نے آخری وقت میں وصیت کی کہ میرے پیر روشن ضمیر حضرت نوشہ صاحب رح کا بھورا (سیاہ کمبل)، جو بطور تبرک میرے پاس موجود ہے وہ بوقت دفن میرے سر کے نیچے رکھنا۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا

تاریخ وفات حضرت شیخ پیر محمد سچیارؒ کی وفات بقول صاحب کنز الرحمت چھبیسویں ماہ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ میں ہوئی۔ اور کتاب تحائف قدسیہ میں ۱۱۲۰ھ لکھا ہے۔

تقویم تاریخی کے مطابق اس روز پنجشنبہ ۱۴ جون ۱۷۰۸ئہ تھا۔ اور ہندی تاریخ اس کے موافق ماہ جیٹھ سمت ۱۷۶۵ ب ہوتی ہے۔

مدفن آپ کا مزار نوشہرہ شریف (میانہ) مضافات جلال پور جٹاں۔ ضلع گجرات میں ہے ایک مرتبہ آپ کے مزار اقدس کے پاس دریا کا پانی پہنچ گیا جس سے قبر شریف کے بہہ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو آپ کے تابوت کو وہاں سے نکالا گیا آپ کا جسم مبارک صحیح سلامت تھا اور قریب ہی ایک اور مقام پر دفن کیا گیا۔

ماخوذ:۔ شریف التواریخ از مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی۔

حضرت شاہ صدر قادریؒ

حضرت شاہ صدر سندھ کے قدیم اولیاء کرام سے ہیں اور سندھ اشاعت اسلام کے سلسلے میں آپ کی خدمات قابل ستائش ہیں۔

نام آپ کا اسم گرامی صدرالدین تھا۔ مگر شاہ صدر کے نام سے مشہور ہوئے۔

نسب آپ کے والد محترم کا نام نامی سید محمد اور آپ کے دادا کا اسم گرامی حضرت سید علی مکی تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔

شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے۔

صدرالدین ابن سید محمد بن سید علی (مکی) موسوی بن سید عباس بن سید حسین بن سید ارشد بن سید زید بن سید جعفر بن سید عمران بن سید ہارون بن سید عبداللہ الاشرف

بن سید قاسم بن سید عبید اللہ بن امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام۔

سید علی کی سندھ میں آمد

چوتھی صدی ہجری میں حضرت شاہ صدر کے جد امجد حضرت سید علی مکی جو اکابر مشائخ اکرام اور صوفیا عظام سے تھے اپنے ایک سو ساتھیوں کے ساتھ سامرہ سے ہجرت کر کے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لیے سندھ تشریف لائے اور پرگنہ سیوستان ضلع دادو میں بھگے توڑے نامی پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے ایک پُر فضا اور خاموش بستی میں سکونت پذیر ہوئے، یہ گاؤں آئندہ چل کر حضرت سید علی کے نام پر "لک علوی" سے مشہور ہوا، اور اُن کی اولاد "لکیاری سادات" کہلائی، سادات کا یہ پہلا خانوادہ تھا جو سندھ کے لیے باعث شرف و زینت بنا۔

خاندانی شرف و مقبولیت

لکیاری سادات کا خاندان اپنے شرف اور نجابت کے اعتبار سے تمام سندھ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ اس خاندان کی شرافت و نجابت اور فضائل کا تذکرہ سندھ کے مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بڑے احسن الفاظ میں کیا ہے۔

گیارہویں صدی ہجری کا ایک سندھی مورخ میرک یوسف جس نے ۱۰۴۴ھ میں سندھ کے شاہجہانی دور کے حالات پر "مظہر شاہجہانی" کے نام سے ایک کتاب کی تالیف کی جس میں اس نے لکیاری سادات کے متعلق یوں لکھا۔

سادات لکعلوری بسیار صحیح النسب اند۔

آگے چل کر اُس نے اُن کی شرافت خاندانی کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایسے صحیح النسب ہیں اور اپنے نسب پر اس قدر نازاں ہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ دوسرے سادات میں نہیں کرتے۔

صاحب تحفۃ الکرام کا بیان

میر علی شاہ قانع ٹھٹھوی صاحب تحفۃ الکرام نے حضرت سید علی کی سندھ میں آمد کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سندھ میں ارور اور برہمن آباد کا راجہ دلورائے تھا جس کا پایۂ تخت

"اروڑ" تھا، دلورائے نہایت ظالم اور بدکار انسان تھا۔ اُس کا ایک چھوٹا بھائی جس کا نام چھوٹے امرانی تھا جو اس کے ساتھ رہتا تھا مسلمانوں کے فیضِ صحبت سے آمرانی متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا، اور منصورہ میں جا کر اُس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور حافظِ قرآن ہو کر اپنے وطن واپس آیا، اس کے گھر والوں نے اُسے شادی پر مجبور کیا، لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ اُس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا کہ یہ تو ملک عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کرے گا، یہ بات اُس کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ فوراً حج کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا، اور وہاں جا کر اُس نے فاطمہ نامی ایک خاتون سے شادی کی اور اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا اور برہمن آباد میں رہنے لگا، چھوٹے آمرانی بڑا نیک اور پرہیزگار انسان تھا، ہمیشہ اپنے بھائی دلورائے کو نصیحت کرتا رہتا اور نیکی کی طرف مائل کرتا رہتا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

ایک دن کسی نے دلورائے سے فاطمہ کے حسن وجمال کی تعریف کی، دلورائے اس کی تعریف سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ ایک دن موقع پا کر جب کہ چھوٹے آمرانی گھر میں نہ تھا بری نیت سے اس کے گھر میں گھس گیا، آمرانی کو بھی خبر لگ گئی۔ اور وہ بر وقت گھر پہنچ گیا۔ اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے نکل گیا۔ اور اُس نے اعلان کیا کہ یہ شہر دلورائے کی شامتِ اعمال سے تباہ ہو جائے گا، وہ سیدھا یہاں سے عرب پہنچا، اور خلیفہ کے دربار میں دلورائے کے مظالم کی فریاد کی، خلیفہ نے سامرہ سے حضرت سید علی کو ایک سو فوجی سپاہیوں کے دستے کے ساتھ دلورائے کی گوشمالی کے لیے سندھ بھیجا، لیکن آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اروڑا در برہمن آباد خدا کے غضب سے تباہ ہو چکے تھے۔ حضرت سید علی جب سندھ پہنچے تو راجہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہو کر تائب ہوا، اور اُس نے اپنی لڑکی کی شادی جو اسلام قبول کر چکی تھی حضرت سید علی سے کر دی، اس بیوی سے آپ کے چار صاحبزادے تولد ہوئے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ سید محمد۔ ۲۔ سید مراد۔ ۳۔ سید حاجی۔ ۴۔ سید چنگو۔

حضرت شاہ صدر حضرت سید محمد کے لڑکے تھے۔

اوصافِ حمیدہ

صاحب تحفۃ الکرام نے حضرت شاہ صدر کی عظمت و جلالتِ شان و اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

سید صدرالدین عرف صدر بن سید محمد صاحب آیات باہرہ و کراماتِ ظاہرہ ولی وقت و سر سید مشائخ روزگار، فخر سادات، جامع البرکات بود، اولادش در سند بنجابت دودمان و اصالتِ خاندان متصف۔

حضرت شاہ صدر کی ذاتِ گرامی ارشاد و ہدایت کا وہ سرچشمہ تھی کہ جس سے ہزاروں انسانوں نے تصوف و عرفان کی دولت حاصل کی، دور دور سے لوگ مذہبی اور روحانی استفادے کے لیے حضرت شاہ صدر کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ لوگوں کو رشد و ہدایت فرماتے سندھ میں سلسلہ قادریہ کی ترقی میں حضرت شاہ صدر کی مساعیِ جمیلہ کو بڑا دخل ہے۔

اولاد

آپ صاحب اولاد تھے اور آپ کی اولاد سے چند افراد تقویٰ، تقدس و پرہیزگاری کے اعلیٰ مراتب پر فائز اور اپنے وقت کے عارفِ کامل بنے۔ پیران پگارا آپ کی اولاد ہی سے ہیں۔

آپ کے خلفاء کا پھیلاؤ

اس گراں قدر خاندان کے اسلاف کا اجمالی تذکرہ تھا، جن کے فیوض و برکات سارے سندھ میں مسلم ہیں اور آج بھی صدیاں گزر جانے کے بعد لکیاری سادات کا مرکز سیون ضلع دادو ہے، ان کے روحانی مرکز اب بھی سارے سندھ میں قائم ہیں۔ لکی میں سادات لکیاری کا روحانی مرکز حضرت شاہ صدر کی درگاہ ہے۔ اس خانوادے کے سادات کا دوسرا روحانی مرکز حضرت پیر محمد راشد کی درگاہ ہے، اس خاندان کا تیسرا روحانی مرکز حضرت پیر جھنڈہ کی خانقاہ ہے، ان مرکزوں کے اس برگزیدہ خانوادے کے بہت سے خلفا سندھ میں پھیلے ہوئے ہیں جو اپنے روحانی مرکز اپنے اپنے مقام پر قائم کیے ہوئے ہیں، بالائی سندھ میں خلیفہ جوئی کی خانقاہ، خلیفہ دین پور کی خانقاہ خلیفہ بھرچونڈی کی خانقاہ، خلیفہ امروٹ شریف کی خانقاہ اب بھی موجود ہے۔

زیریں سندھ میں بھی اس خاندان کے بہت سے خلفاء کی خانقاہیں ہیں جو قادری اور نقشبندی سلسلے کے فروغ اور ترقی کو قائم رکھے ہوئے ہیں

روضہ مبارک حضرت شاہ صدر کا روضۂ مبارک "اسٹیشن لکی شاہ صدر" کے متصل زیارت گاہ عام دخاص ہے، روضۂ مبارک کے دروازے پر جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ شعر درج ہے۔

سال تاریخش بجستم از خرد
ہاتفم گفتا "بہشت اہلِ بیت"

ماخوذ: تذکرہ صوفیائے سندھ از اعجاز الحق قدوسی

حضرت سیّد محمد راشد شاہ قادریؒ

وصال یکم شعبان ۱۲۳۳ھ مزار گوٹھ رحیم ڈنہ الموسوم پیر گوٹھ سندھ

حضرت سید محمد راشد شاہ روضے دھنی پیران پگارا سے ہیں اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت سید علی مکی اکابر اولیاء سے تھے۔ چوتھی صدی میں ایک سو رفقا کے ساتھ سامرہ عراق سے ہجرت کر کے تبلیغ اسلام کی خاطر سندھ میں تشریف لائے اور پرگنہ سیوستان ضلع دادو کے ایک مقام پر قیام کیا جو بعد میں آپ کے نام سے لکی علوی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ سید علی مکی کی اولاد میں سے چند بزرگوں نے دینی خدمات اور روحانی میدان میں بہت شہرت پائی اور شہرت یافتہ اکابرین میں ایک ہستی حضرت سید محمد راشد شاہ روضے دھنی کی ہے۔

ولادت حضرت سید محمد راشد شاہ یکم شعبان ۱۱۷۰ھ میں گوٹھ رحیم ڈنہ کا ہوڑہ (سندھ) میں پیدا ہوئے جہاں آپ کا خاندان آباد تھا۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد بقا تھا جو سلسلہ قادریہ کے بزرگان سے تھے۔

بچپن کے حالات حضرت سید محمد راشدؒ ابھی عالم طفلی میں ہی تھے کہ حضرت کے والد محترم حضرت سید محمد بقا شہیدؒ کے مرشدِ کامل حضرت مخدوم محمد اسمٰعیلؒ

جو آپ کے سلسلۂ نقشبندیہ میں پیر طریقت تھے آپ مکے گوٹھ میں تشریف لائے۔ حضرت شہید نے آپ کو اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کر کے آپ کے لیے دعا کی درخواست کی حضرت مخدومؒ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ کا نام پوچھا اور فرمایا "بہت اچھے ہول گے"۔ (واضح رہے کہ راشد کا مطلب بھی بہت اچھا ہے) پھر آپ کو گود میں لے کر پیار کیا اور ارشاد فرمایا "یہ وہ مبارک روح ہے جس سے دنیا کا بہت بڑا حصہ فیض یاب ہو گا۔

اس ارشاد کے بعد بار بار آپ کے لیے دعا کی اور مستقبل کے واقعات نے حضرت مخدوم کی دونوں پیشین گوئیاں درست ثابت کر دیں۔ روایت ہے کہ آپ نے اپنی پیدائش کے بعد پہلے رمضان میں اپنی والدہ کا دودھ پینا چھوڑ دیا تھا اور غالباً اسی وجہ سے روزے دھنی مشہور ہو گئے اور بعد میں جب آپ کے مزار مبارک پر گنبد کی تعمیر ہوئی اور روضہ بن گیا تو لوگ آپ کو روضے دھنی کہنے لگے۔

آپ بچپن میں ہی تنہائی پسند اور غور و فکر کے عادی تھے۔ لہو و لعب سے آپ کو فطری طور پر کوئی لگاؤ نہ تھا۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو اپنے والد محترم کے ارشاد پر نہایت خوش دلی سے حصول تعلیم میں منہمک ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بچپن میں ہمارے دل میں یہ خیال بار بار آتا تھا کہ ہم عارفِ کامل ہو جائیں اور صاحبِ ارشاد و تلقین ہو کر دوسروں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کریں اور خود تجلیات و انوار کے کیف و سرور سے وجد کرتے رہیں۔ یہ خیال گویا الہامی کیفیت تھی اور قلب کی پاکیزگی کی آئینہ دار۔

تحصیل علم

آپ نے ذرا ہوش سنبھالنے پر ابتدائی تعلیم حافظ زین سے حاصل کی اس کے بعد آپ کو حضرت مولانا فقیر اللہ نقشبندی (متوفی ۱۱۹۵ھ) کی خدمت میں شکار پور بھیجا گیا اور آپ کچھ عرصہ تک اس مکتب کے خوشہ چیں رہے لیکن آپ کے والد محترم حضرت شہیدؒ جب دوسری بار آپ کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے لیے وہاں آئے تو دیکھا کہ وہاں آپ کو پر تکلف کھانا دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بے حد عزت و تکریم

کا سلوک بھی ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا ''بیٹا جس مدرسہ میں پُرتکلف کھانا موجود رہتا ہو وہاں تحصیل علم امر محال ہے (کیونکہ نفس پرور اور شکم سیر طالب حق عارف اور کامل ہونے کی بجائے غافل اور کاہل ہو جائے گا) اس لیے حضرت شہیدؒ آپ کو وہاں سے لے آئے اور کوٹڑی کبیر میں مخدوم میاں یار محمدؒ کے پاس تحصیل علم کے لیے چھوڑ دیا جو عالم اور عارف تھے۔ یہاں کچھ عرصہ تک رہنے کے بعد ایک روز آپ کی طبیعت میں انقباض پیدا ہوا۔ اس لیے آپ نے شب کو ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد اور استغاثہ کیا جس کے نتیجہ میں قبض کی کیفیت جاتی رہی اور بسط کا دروازہ کھل گیا اور طبیعت میں نشاط و انبساط اور کیف و سرور کی لہریں دوڑنے لگیں۔

آپ نے آخر میں اپنے جملہ علوم دینیہ کی تکمیل مولانا محمد عارف تجوی کے پاس کی۔ اس مدرسہ میں سید عاقل شاہؒ بھی آپ کے ہم مکتب تھے لیکن حضرت محمد راشد ان سے پہلے ہی دستار فضیلت حاصل کر کے مکتب سے روانہ ہو گئے تھے اور شاہ صاحب (سید عاقل شاہ) نے ایک سال بعد میں یہ رتبہ حاصل کیا۔

بیعت

آپ فرماتے ہیں جب میں اور میرا بھائی علی مرتضیٰ کوٹڑی کبیر میں مخدوم یار محمدؒ کے پاس ظاہری علوم کی تکمیل کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ ایک روز ہمارے والد محترم جناب سید محمد بقاؒ وہاں تشریف لائے۔ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا ''اے میرے بیٹو، مجھ سے حضرت مخدوم عبدالرحمٰنؒ نے دریافت فرمایا کہ آپ نے اپنے بیٹوں کو طریقت کے کس سلسلہ میں بیعت کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ابھی تک تو ایسا نہیں کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ انہیں کسی نہ کسی سلسلہ میں ضرور بیعت کر لو چنانچہ میں اس مقصد کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تمہیں بیعت کر لوں۔ اس کے بعد آپ نے ہم دونوں بھائیوں کو نقشبندی سلسلہ میں بیعت کیا اور واپس گوٹھ روانہ ہو گئے۔

سلسلہ قادریہ سے تعلق

ہم دونوں دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ طریقت کی اس راہ پر بھی گامزن رہے۔ بھائی علی مرتضیٰ کو اس سلسلہ میں

محویت ہونے لگی۔ لیکن میری طبیعت پر اس کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ جب دوسری دفعہ ہمارے والد محترم وہاں تشریف لائے اور ہماری باطنی کیفیت کے متعلق استفسار کیا تو میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی خبر، اثر یا کیفیت کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ سن کر آپ نے مجھے قادری سلسلہ میں بیعت کیا تو میں نے ذکر جہر کی مشق شروع کر دی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ کیفیت ہو گئی کہ ہر مُو سے ذکر جاری ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انوار و تجلیات کی بارش ہونے لگی۔ چنانچہ حضرت مولانا سید عاقل شاہؒ سے جو آپ کے ہم درس تھے۔ منقول ہے کہ میں ایک دفعہ کافی عرصہ کے بعد آپ سے ملاقات کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ذکر کا اثر یہاں تک دیکھا کہ آپ کے قریب بیٹھنے سے حرارت محسوس ہوتی تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ کے والد گرامی نے آپ کو سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت عطا فرمایا اور لوگوں کو راہ ہدایت پر گامزن کرنے کی تلقین فرمائی۔

سلسلہ رشد و ہدایت

آپ نے والد گرامی کی تاکید پر دوسروں کو فیض یاب کرنے کے لیے سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا اور تھوڑے عرصہ میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ آپ کا حلقۂ ارادت لاڑ، سندھ، جیسلمیر، بلوچستان وغیرہ علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ گجرات کاٹھیاواڑ اور اس کے پرے پرے تک آپ کے مرید موجود تھے اور آپ کے ملفوظات اور خطوط کی بدولت لوگ آپ کے ارشادات کو دور دور تک پہنچا دیتے تھے۔ درگاہ راشدیہ اس زمانہ میں سندھ میں سب سے بڑا مرکز عرفان تھا۔ جہاں سے ہزاروں پیاسی روحیں سیراب ہو کر شاداں و فرحاں واپس جاتی تھیں۔

تعلیمات و ارشادات

آپ کی تعلیمات، ارشادات، اور ملفوظات، کی صورت میں ہیں جو علم و عرفان اور شریعت و طریقت کا دریا ہیں۔ جس کی شناوری سے دین و دنیا کی سعادتوں کے موتی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ چند ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تربیت اولاد

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت سائیں میرا بیٹا سخت بے ادب اور گستاخ ہے اور میری ڈاڑھی پکڑ کر مجھے مارتا ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کیا تم نے اپنے لڑکے کو بچپن میں کبھی علم وادب سکھایا تھا اس نے عرض کی نہیں کیونکہ وہ سارا دن مویشی چراتا تھا اس لیے کچھ بھی علم حاصل نہ کر سکا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر یہ بات ہے تو اب اس کی بے ادبی اور گستاخی بالکل بجا ہے کیونکہ تم نے اسے بچپن میں علم وادب سکھایا ہی نہیں ہے۔

(حدیث شریف میں ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کو بہترین تحفہ یہ ہے کہ اُسے ادب سکھائے، کیونکہ ادب کی ایک بات سکھانا صاع بھر کھجوروں کے صدقہ سے افضل ہے۔

۲۔ مجاز میں کمال بے معنی ہے

خلیفہ میاں امید علی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ایک نخری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ حضرت سائیں میں نے مجاز میں کمال حاصل کر لیا ہے اب آپ توجہ فرمائیں۔ آپ یہ سُن کر جوش میں آگئے اور اسے درشتی سے فرمایا۔ تم نے یہ ہدایت کس سے حاصل کی؟ اس بات پر آپ کو سخت رنج ہوا تھا۔

(گویا مجاز میں زندگی برباد کرنا محض رسوائی ہے)

۳۔ سکرات میں ایمان کی سلامتی

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب حضرت احمد بن حنبلؒ پر سکرات کا عالم طاری ہوا تو غشی کی حالت میں آپ نے کئی دفعہ لا۔ لا (نہیں نہیں) کہا۔ حاضرین مجلس متفکر ہوئے کہ اس سے مقصود کہیں توحید کی نفی نہ ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کو افاقہ ہوا اور غشی کی کیفیت جاتی رہی تو کسی نے پوچھا حضرت آپ بار بار لا کیوں کہہ رہے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے غشی کی حالت میں دیکھا کہ ابلیس سر پر خاک ڈال کے منہ نوچ رہا ہے۔ کہ اے احمد تم آج ایمان سلامت لے جا رہے ہو۔ اس کی یہ بات سُن کر میں برابر لا۔ لا کہتا رہا۔ جس سے میرا مقصد یہ تھا کہ ابھی نہیں ابھی نہیں۔ کیونکہ ابھی تو سانس آ رہا ہے اور آخری سانس

تک ایمان کے زائل ہونے کا اندیشہ بہرحال موجود ہے۔

(گویا آخری سانس تک ایمان کی سلامتی کا خطرہ موجود رہتا ہے)

۴۔ بُری صحبت سے پرہیز

خلیفہ امید علی سے منقول ہے کہ آپ نے ایک بار فرمایا۔ ان چار شخصوں سے پرہیز لازمی ہے اور ان کی صحبت میں ہرگز نہ بیٹھنا چاہیے۔ ۱۔ مجذوب ۔۲۔ عورت ۔۳۔ بچہ ۔۴۔ مجہول۔

۵۔ عذاب قبر سے نجات کی دُعا

فرمایا امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دستور تھا کہ عذاب قبر سے پناہ کی دعا بکثرت کیا کرتے تھے۔ ایک بار کسی صحابی نے آپ سے پوچھا کہ امیر المومنین آپ یہ دعا بکثرت کیوں مانگا کرتے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ قیامت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل قبر ہے ۔ اگر یہ آسانی سے طے ہوگئی تو سب منزلیں آسان ہو جائیں گی اگر اس میں تنگی ہوگئی تو سب منازل دشوار ہو جائیں گی۔

۶۔ اولاد سے محبت

صاحبزادہ میاں حامد شاہؒ سے منقول ہے کہ بچپن میں میرے سب بھائی حضرت سائیں والد محترم کو پیر سائیں کہا کرتے تھے لیکن میں بابا (یعنی ابا) کہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ آپ حویلی میں تشریف فرما تھے۔ میں نے دروازے کے باہر کھڑا ہو کر پکارا۔ بابا۔ بابا۔ آپ نے میری آواز سن کر دروازہ کھولا اس پر حاضرین مجلس نے کہا کہ بیٹا پیر سائیں کو بابا نہ کہو۔ بلکہ پیر سائیں کہا کرو۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ صاحبزادہ کو نہ روکو۔ میرے بیٹوں میں کسی نے بھی اس کے سوا مجھے بابا کہہ کر نہیں بلایا اور یہ لفظ سننے کو میری روح ترستی ہے۔

۷۔ سنت کی متابعت

سید مرتضیٰ شاہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ دریا کی طرف جا رہے تھے تاکہ مسجد کی چھت کے لیے سرکنڈے کٹوائے جائیں۔ آپ نے ناقل اپنے ہاتھ میں تھام کر فرمایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سفر کیا کرتے تھے۔ آؤ آج ہم بھی

اس سنت کی متابعت کریں۔ یہ ارشاد کرنے کے بعد میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تقریباً آدھ کوس تک سفر کیا۔

آپ کے خلفاء

آپ کے بہت سے خلفا تھے جنہوں نے مختلف مقامات پر ہدایت کی خانقاہیں قائم کیں جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

آپ کے چند خلفا مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خلیفہ محمد حسین میسر۔

۲۔ خلیفہ اللہ رکھیو کلہوڑو بکھری تعلقہ کنڈیا

۳۔ خلیفہ سوئی والے جن سے بھرچونڈی کے بزرگوں نے روحانی فیض عام کیا اور ان سے امروٹ شریف کے بزرگوں نے روحانی فیض عام کیا دت پائی۔ امروٹ شریف ہی کے بزرگوں کے احباب میں سے مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا لاہوری اور دیگر حضرات تھے۔ جنہوں نے رشد و ہدایت کے علاوہ تاریخ کے صفحات میں حیرت انگیز کارناموں کے باعث نئے باب کا اضافہ کیا۔

۴۔ خلیفہ سارنگ کلہوڑو تعلقہ ٹنڈو باگو۔

۵۔ خلیفہ آمری والا ٹنڈو باگو۔

۶۔ خلیفہ محمود کٹرپائی۔

۷۔ خلیفہ محمد پناہ کیہر رتو ڈیرو

۸۔ خلیفہ محمد لقمان کوری کوٹڑی ضلع دادو۔

۹۔ خلیفہ ماہان والا تعلقہ ٹنڈو باگو۔

۱۰۔ خلیفہ نبی بخش لغاری مٹھی والے۔ ان سے یہ سلسلہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں پھیلا

۱۱۔ خلیفہ گل محمد بالائی صاحب دیوانِ گل۔

آپ کی تصانیف

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا اس لیے رشد و ہدایت کی مصروفیتوں سے جب فارغ ہوتے تو تصنیف و تالیف کا شغل اختیار فرماتے۔ آپ کی تصانیف میں شرح اسماء الحسنیٰ، جمع الجوامع اور آپ کے

مکاتیب۔ آپ کے تبحر علمی۔ محققانہ ذوق اور روحانی مدارج کے آئینہ دار ہیں۔ آپ کے ملفوظات کو آپ کے دو خلفا یعنی خلیفہ محمد حسین مہیسر اور خلیفہ محمود نظامانی کٹڑیہ والے نے الگ الگ جمع کیا ہے۔ یہ ملفوظات عرفان و تصوف۔ تاریخ و تمدن اور علم و ادب کے بیش قیمت ذخیرے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

وفات یکم شعبان ۱۲۳۳ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوگیا اور آپ پرانی درگاہ شریف یعنی گوٹھ رحیم ڈنہ کلہوڑو میں مدفون ہوئے لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کے پوتے حضرت سید علی گوہر شاہ نے دریا کو طغیانی کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے آپ کا تابوت وہاں سے نکال لیا اور ۶ ربیع الاول ۱۲۵۰ھ میں موجودہ نئی درگاہ میں دفن کیا۔

نئی درگاہ ریاست خیرپور میں کنگری نام کا ایک قصبہ ہے جس کو بادشاہ پور بھی کہتے ہیں یہ پیر گوٹھ کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس میں سب سے پہلے پیر حزب اللہ شاہ آکر آباد ہوئے تھے۔ یہ پیر پاگارا نمبر ۳ ہیں۔ ان کے آباد ہونے کے بعد یہ پیر گوٹھ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس گوٹھ میں دو بڑی مسجدیں اور قلعہ نما محلات بھی ہیں۔

ماخوذ :۔ تذکرہ پیراں پگارا از نسیم چوہدری۔

حضرت خواجہ غلام صدیق قادریؒ

وصال ۱۳۲۳ھ مزار کنڈ کچھی بلوچستان

آپ کے دادا میاں غلام محمد نے حضرت میاں نور احمد (محمد پور والے) کے ہاتھ پر بیعت کی اور یوں سلسلہ عالیہ قادریہ سے وابستہ ہوئے۔ آپ کے والد خواجہ میاں نور محمد ریاست قلات کے قاضی القضات تھے لیکن کسی مسئلے پر اختلاف رائے کی بنا پر قلات سے شہداد کوٹ (سندھ) چلے آئے۔

آپ کے والد اور بھائی

حضرت خواجہ میاں نور محمد صاحب کے تین بیٹے تھے۔
(۱) خواجہ گل محمد، جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور استاذ العلماء سندھ و بلوچستان تھے۔ (۲) خواجہ میاں غلام صدیق جو کہ بلند مرتبہ عارف اور عاشق رسول اللہ تھے اور جن کے نام سے درگاہ شریف صدیقیہ منسوب ہے (۳) خواجہ غلام عمر جو جوانی ہی میں فوت ہو گئے۔

آپ کی پیدائش اور تعلیم

قطب الارشاد خواجہ میاں غلام صدیق ۱۲۶۰ھ، ۱۸۴۴ء میں موضع کنڈہ کچھی (بلوچستان) میں پیدا ہوئے، قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم اپنے والد خواجہ میاں نور محمد سے حاصل کی۔ اس کے بعد درس نظامی تک کی کتب احادیث و فقہ و اصول و منطق اپنے بڑے بھائی خواجہ میاں گل محمد سے پڑھیں۔

سلسلۂ نسب

خواجہ میاں محمد صدیق بن میاں غلام صدیق بن میاں نور محمد بن میاں غلام محمد بن محمد توکل فاروقی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے بزرگ تبلیغ کی غرض سے عرب سے عراق اور وہاں سے پنجاب آئے۔ سماسٹہ کے راستے بلوچستان گئے۔

عادات و خصائل

حضرت خواجہ میاں غلام صدیق نہایت متقی اور پرہیزگار تھے ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔ عام مٹکے وغیرہ کا پانی استعمال نہیں کرتے تھے، کھانا پکانے کے لیے پیر محمد باورچی مقرر تھا جو سفر میں یا لنگر خانہ میں باوضو ہو کر طعام تیار کرتا تھا۔ اگر طبیعت ناساز ہوتی اور کوئی گولی استعمال کرنی پڑتی تو اوپر کے انگریزی حروف مٹا کر استعمال کرتے۔ بیت الخلا کے لیے چادر اور جوتے علیحدہ تھے اور عبادت کے لیے سادہ اور پاکیزہ لباس علیحدہ تھا۔

عشق رسول

حضرت خواجہ میاں غلام صدیق بڑے باادب تھے، حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اور حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سیدنا عبدالقادر جیلانی کا اسم مبارک، ہمیشہ باوضو لیتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے ایک طالب علم محمد نواز کو "دل نواز" کہہ کر بلایا۔ اس نے عرض کیا حضور آپ نے مجھے میرے اصلی نام سے نہیں بلایا

اگر ناراضگی ہے تو معافی چاہتا ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کوئی ناراضگی نہیں۔ دستور نہیں تھا اس لیے حضور کا نام نہیں لیا، تمہیں دل نواز کہہ کر بلایا ہے۔ زندگی میں عمداً کبھی پشت مدینہ منورہ کی طرف نہیں کی۔ سیدوں اور قرآن پاک کے حافظوں کا بہت احترام اور خدمت کرتے تھے۔ سیدوں سے حضور کی نسبت سے پیار تھا۔ اور قرآن شریف کی نسبت کی وجہ سے حافظوں سے الفت فرماتے تھے۔ اس لیے دو تین سید اور حافظ حضرت صاحب کے پاس ہمیشہ رہتے تھے۔

حافظ نور مصطفیٰ ڈیرہ غازی خان، پنجاب سے حضرت صاحب کی خدمت میں آئے حافظ نور مصطفیٰ نوجوان خوش الحان قاری تھے۔ حضرت صاحب نے لنگر سے وظیفہ مقرر کیا اور اس کو دربار میں قیام کے لیے ارشاد فرمایا۔ چند ماہ کے بعد اس کے بھائیوں کا خط آیا کہ تمہارے والد صاحب انتقال فرما گئے ہیں، آپ جلد پنجاب آئیں۔ حافظ نور مصطفیٰ خط پڑھ کر نہایت پریشان ہوئے اور خلیفہ غلام محمد کو خط دکھایا۔ خلیفہ غلام محمد اور حافظ نور مصطفیٰ حضرت میاں غلام صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط دکھایا۔ خلیفہ نے عرض کیا کہ قبلہ! حافظ نور مصطفیٰ کے والد فوت ہو گئے ہیں فاتحہ پڑھیں اور حافظ صاحب کو اجازت عطا فرمائیں حضرت خواجہ میاں غلام صدیق نے فرمایا کہ "فقیر کو اجازت ہے، لنگر سے کرایہ وغیرہ دیا جائے باقی زندہ شخص کے لیے میں کیسے فاتحہ پڑھوں۔ حافظ نور مصطفیٰ کا والد زندہ ہے، اپنے گاؤں سے باہر مویشی چرا رہا ہے، ایک درخت کے نیچے کھڑا ہے، اس کی بغل میں ایک تھیلا ہے۔ اس میں "دلائل الخیرات" موجود ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال ہے کہ پہلے وظیفہ پڑھوں پھر کچھ دیر درخت کے نیچے آرام کروں، پھر وضو کر کے وظیفہ پڑھوں لیکن حافظ صاحب کو تسلی نہ ہو گی، کرایہ وغیرہ لنگر سے دیا جائے۔ ہماری اور حافظ نور مصطفیٰ کی ملاقات مشکل ہے"۔ حافظ صاحب اجازت لے کر پنجاب گئے۔ والد زندہ تھے۔ دو تین مہینوں کے بعد حافظ نور مصطفیٰ نے اپنے گاؤں میں رات کو دیکھا کہ ستاروں سے شعائیں پھوٹ رہی ہیں۔ گاؤں والے ایک درویش کے پاس گئے۔ اس درویش نے مراقبہ کر کے بتایا کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد حافظ نور مصطفیٰ شہداد کوٹ

واپس آئے۔ ان کے آنے سے پہلے میاں صاحب انتقال کر چکے تھے۔

وفات تاریخ وفات ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء ہے۔ وصال کے وقت دربار شریف سے فارغ التحصیل متعلموں کی تعداد ۶۸۴ تھی۔

اولاد حضرت میاں غلام صدیق کے دو فرزند تھے۔ میاں عبدالوہاب اور میاں غلام دستگیر دونوں صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ حضرت میاں غلام صدیق نے اپنے بھانجے میاں نصیرالدین کی پرورش کی تھی۔

سجادہ نشین میاں نصیرالدین ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت صاحب کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت میاں نصیرالدین کے درس مبارک سے چھپن علمائے کرام فارغ التحصیل ہوئے اور پانچ بزرگ خلعت خلافت سے مستفیض ہو کر تبلیغ دین متین میں مصروف ہوئے۔

۱۵ محرم ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

ماخوذ:۔ تذکرہ صوفیائے بلوچستان از انعام الحق کوثر۔

حضرت بچل شاہ جیلانی قادریؒ

وصال ۲۹ ربیع الاول ۔ ۱۳۱۰ھ مزار نورائی شریف ضلع حیدرآباد سندھ

آپ اپنے دور کے عارف کامل اور فیاض تھے آپ کی سخاوت ہر خاص و عام میں مشہور ہے اسی لیے لوگوں میں آپ سخی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے دروازے سے کبھی کوئی سائل خالی نہ لوٹتا بلکہ سخاوت میں آپ اس حد تک کام لیتے تھے کہ اگر اپنے پاس رقم نہ ہوتی تو قرض لے کر دوسروں کی ضروریات پوری کر دیتے۔

آپ کے والدِ گرامی کا اسم شریف سید شجاع محمد جیلانی تھا جن کا سلسلہ نسب حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے اسی لیے آپ جیلانی کہلاتے تھے۔ آپ کا

خاندان نورائی شریف میں علم وفضل کے اعتبار سے باعث فخر تصور کیا جاتا ہے۔

ایثار دولت

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے دیا اور اسی کی راہ میں دے دیا یہ کونسا کمال ہے یہ تو اس کا فضل ہے کہ وہ لینے والے کی بجائے دینے والا بنا دے اسی جذبہ کے تحت لبسا اوقات آپ جسم سے قمیص اتار کر بھی اللہ کی راہ میں دے دیا کرتے تھے اور خود صرف تہبند میں گزارہ کرنے لگتے پھر جب قمیص میسر آتی تو پہن لیتے شادی کے بعد جب اولاد ہونا شروع ہو گئی تو ایک خادم نے ایک روز عرض کیا یا حضرت اب اولاد ہو گئی ہے ذرا سنبھل کر خرچ کیا کریں۔ ورنہ مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا آپ کو اس کی یہ بات اچھی نہ لگی۔ آپ نے فرمایا ارے بھائی تمہارا پاؤں ہی کالے دھن پر پڑے یہ کالا دھن جمع کرنے کا مشورہ کیوں دیتے ہو۔ بتاؤ کیا میں نے ان بیٹوں کو پیدا کیا ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور صورت بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے وہی ان کا کارساز ہے لہٰذا مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، بات ہوئی جاتی رہی رات کو وہی خادم اپنے گھر کو جا رہا تھا کہ راستے میں اسے کالے سانپ نے ڈس لیا۔ حتیٰ کہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو گیا لوگوں سے کہا کہ مجھے حضرت صاحب کے پاس لے جاؤ آخر لوگ اسے حضرت صاحب کی خدمت میں لے آئے آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ دیکھا تو کالے دھن کا خیر خواہ ہے تجھے کالے سانپ ہی نے ڈسا ہے لہٰذا آئندہ کسی اللہ کے بندے کو کالا دھن جمع کرنے کی ترغیب نہ دینا۔ القصہ آپ نے اسے دم کیا اور وہ شفایاب ہو گیا۔

محاولی پوتا کا پیغام

ایک دفعہ محاولی پوتا نے جو اپنے زمانے کے بڑے سخی تھے نے پیغام بھجوایا کہ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ نے مجھے توفیق دی ہے اور میں ہر ہفتے گھر کا تمام سامان اللہ کی راہ میں لٹا دیتا ہے آپ بھی ایسا ہی کیا کریں۔ حضرت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا ظرف ہے کہ اس دنیا کو ہفتہ بھر اپنے پاس رکھتے ہو میں تو اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی رکھنے کے لیے تیار نہیں۔

اشاعت اسلام

آپ نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑی جدوجہد کی آپ نے پورے سندھ کے اندر کچھ بھج کے مقام تک

کئی تبلیغی دورے کیے اور کئی غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے اور بہت سے ایسے مسلمان جن میں ہندوؤں کے ساتھ معاشرت کی وجہ سے ان کی رسوم و عادات کا اختلاط ہو گیا تھا ان کو صحیح مسلمان بنایا اور اسلام سے روشناس کرایا کچھ سے سینکڑوں مسلمان آپ کے اخلاق و اطوار سے بہت متاثر ہوئے۔ آخر بہت سے مسلمانوں نے آپ کے ایما پر ہجرت کر کے آپ کے ساتھ آئے اور سندھ میں آ کر آباد ہو گئے، بدین اور اس کے گرد و نواح میں جتنے سومرا قبیلے کی بستیاں ہیں جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے وہ آپ ہی کے زیر اثر آئے ہوئے ہیں۔ آپ نے ان کو صحیح مسلمان بنایا۔

وصال آپ کا وصال ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ بروز پیر نورائی شریف میں وصال ہوا۔

مزار اقدس وصال پر آپ کو نورائی شریف میں آپ کی خاندانی قبور میں اپنے پیر دادا علی اصغر شاہ جیلانی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ نورائی شریف ضلع حیدرآباد میں ہے جہاں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

حضرت عبدالوہاب قادریؒ مشہور بہ پیر مانکی شریف

وصال ۱۹ شعبان ۱۳۲۲ھ۔ مزار مانکی شریف

آپ حضرت عبدالغفور اخوند سوات کے خلفا میں سے تھے آپ نے اپنے دور میں سلسلۂ قادریہ کو غیر معمولی فروغ بخشا۔ انہوں نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی، جب کہ مسلمانوں کی حالت نازک دور سے گزر رہی تھی، معاشرے پر انحطاطی رنگ چھایا ہوا تھا اور غلط طور طریقے پھیل رہے تھے۔ اس تنزل و انحطاط کے دور میں پیر صاحب مانکی شریف نے دین اسلام کی احیاء اور بقا کے لیے قابل قدر کوششیں کیں۔

آباؤاجداد حضرت عبدالوہاب صاحب کے آباؤ اجداد موضع اکوڑہ خٹک، تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے رہنے والے تھے، لیکن جب سکھا شاہی حکومت شروع ہوئی اور مسلمان اُن کے مظالم کی چکی میں پسنے لگے تو بہت سے لوگ اُن کے مظالم سے تنگ آکر وطن سے بے وطن ہوئے تو اسی زمانے میں حضرت پیر عبدالوہاب کے والد مولانا ضیاء الدین اپنا وطن چھوڑ کر بدراشی تشریف لائے۔ یہ گاؤں نوشہرہ چھاؤنی سٹیشن کے عقب میں واقع ہے۔ اس موضع کو انہوں نے اپنا وطن بنایا اور اسی موضع کی ایک مسجد میں وہ امام مقرر ہوئے۔ ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ تھی۔ اُن کے تین صاحبزادے تھے جن میں سے ایک حضرت عبدالوہاب ہیں۔ جنہوں نے آئندہ چل کر پیر مانکی شریف " کے نام سے شہرت حاصل کی۔

مولانا ضیاء الدین نے سکھا شاہی حکومت کے آخری ایام میں وفات پائی اور ڈیرہ کٹی خیل کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عبدالوہاب اپنے بھائیوں کے ساتھ کٹی خیل (۱) چلے آئے اور اسی موضع میں مقیم ہو گئے۔

حضرت عبدالغفور کی مریدی آپ کے زمانے میں حضرت عبدالغفور المعروف سیدو بابا سوات کی روحانیت کا بڑا شہرہ تھا آپ علوم باطنی کی تکمیل کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آخر سلسلہ قادریہ میں ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

خرقہ خلافت آپ کو اپنے مرشد سے بے پناہ محبت تھی۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کی ہدایت کے مطابق آپ نے یاد الٰہی میں بہت کثرت کی بے حد ریاضت اور عبادت کے بعد جب آپ علم وعرفان میں ہر طرح سے کامل ہو گئے تو آپ کے مرشد نے آپ خلافت سے سرفراز فرما کر تبلیغ دین کی تلقین کی۔

رشد وہدایت خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ ہر خاص وعام میں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع گیا۔ مریدین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہتی تھی۔ اور آپ اس علاقے کے گاؤں اور قصبوں میں پہنچ کر تبلیغ اسلام کرتے تھے

انہوں نے تبلیغ اور احیائے کلمۃ الحق کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔ بہت جلد ان کی شہرت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اور آپ عوام میں "مولوی صاحب کٹی خیل" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے ازراہِ عقیدت آپ کو بہت سی اراضیات بطور سیری پیش کیں۔

حضرت عبدالوہاب نے عوام کو توحید پرستی کا درس دیا اور توہمات کی بیخ وبن اکھیڑنے کی بہت جد وجہد کی۔ اگرچہ اس راہ میں انہیں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے بغیر کسی مخالفت کی پروا کیے مسلمانوں کے زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ رحمکار کے مزار سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر ایک سفید چٹان تھی۔ لوگ اس کو ریاحی چٹان کہتے تھے۔ عوام میں مشہور تھا کہ جسے کوئی ریاحی شکایت ہو وہ اگر اپنے بدن کے کسی حصے کو اس چٹان سے ملے گا وہ شفا پائے گا۔ لوگ اس پتھر کے گرد شفا پانے کی غرض سے جمع رہتے۔ یہ بات اس اسلامی بنیادی عقیدے کے خلاف تھی کہ شفا دینے والا اور بیمار ڈالنے والا سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ اس بنا پر آپ نے اس پتھر کو تڑوایا۔ کاکاخیل قبیلے کے لوگ اس عمل سے آپ کے سخت خلاف ہو گئے مگر آپ نے اس کی پروا نہیں کی۔ لیکن جب مخالفت حد سے بڑھی تو حضرت اخوند صاحب نے کاکاخیل کے لوگوں کو سمجھا بجھا کر صلح صفائی کرا دی۔

نظام اصلاح وتربیت

حضرت عبدالوہاب کی زندگی کا سب سے اہم پہلو لوگوں کی اسلامی خطوط پر تربیت تھا۔ انہوں نے فاسد عناصر کی اصلاح اور انسانیت کی اخلاقی سطح بلند کرنے کا جو مؤثر طریقہ اختیار کیا، اس سے ان کی شہرت اس علاقے میں خوب پھیلی، دور دور سے طالبان حق اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ کٹی خیل میں پانی کی قلت تھی۔ حضرت شیخ عبدالوہاب نے اپنے پیر و مرشد سے مشورے کے بعد مانکی شریف کو اپنی تبلیغ وارشاد کا مرکز بنایا اور کٹی خیل سے منتقل ہو کر مانکی شریف میں مقیم ہو گئے۔ آپ کے دوسرے بھائی خویشگی تشریف لے گئے جو دریا کے پار تحصیل نوشہرہ کا ایک موضع ہے۔ مانکی تشریف لانے کے بعد وہ "پیر مانکی شریف" کے لقب سے مشہور ہوئے اور ہزاروں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت

میں داخل ہوئے۔

مانکی شریف تشریف لانے کے بعد آپ کے مریدین مانکی کے شیخ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق یہ شیخ دیہات اور قریوں میں جاتے۔ لوگوں کو امر بالمعروف کی تاکید کرتے، خلاف شریعت امور سے روکتے، لوگوں کو داڑھی رکھنے پر متوجہ کرتے اور منشیات، یہاں تک کہ نسوار اور حقے سے بھی منع کرتے۔

لباس لباس میں سادگی آپ کا شعار تھا۔ گھریلو کھدر کا بنا ہوا لباس زیب تن فرماتے تھے دستار مختصر باندھتے تھے اور شان و شکوہ اور تکلف سے آپ کو نفرت تھی۔

وصال حضرت، پیر صاحب مانکی شریف ۱۹ شعبان ۱۳۲۲ھ (اکتوبر ۱۹۰۴ء) میں وصال ہوا مانکی شریف میں آپ کا مزار پرانوار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اولاد وصال کے وقت پیر صاحب مانکی شریف کے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں (۱) حضرت عبدالحق ثانی۔ (۲) حضرت عبدالرزاق عرف حاجی گل (۳) حضرت عبدالرحمٰن (۴) حضرت عبدالقیوم عرف فقیر سپین حزی (۵) حضرت عبدالواسع رصاحبزادیوں میں ایک صاحبزادی کا عقد موضع کپٹی خیل میں اُن کے بھتیجے کے ساتھ ہوا تھا۔

تصانیف پیر صاحب مانکی شریف کی دو تصانیف احکام المذاہب اور ہدایت الابرار مشہور ہیں۔

خلفاء پیر صاحب مانکی شریف کے بعد آپ کے خلفا نے سلسلہ قادریہ کو خوب فروغ دیا آپ کے مشہور خلفا کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عبدالحق ثانی	۲۔ حضرت عبدالقیوم
۳۔ صاحبزادہ عبدالقیوم	۴۔ کابل ملا صاحب
۵۔ میاں صاحب کاکڑک (افغانستان)	۶۔ گنڈیری ملا صاحب برانی زے
۷۔ دکن ملا صاحب	۸۔ بارحسین ملا صاحب

۹۔ عبدالحنان ۱۰۔ حاجی صاحب بنوں

۱۱۔ قاشقار ملا صاحب ۱۲۔ مولانا تاج الدین صاحب

۱۳۔ سلمان ملا صاحب ۱۴۔ اچنبی ملا صاحب

۱۵۔ نیرا ملا صاحب ۱۶۔ جنت شاہ ملا صاحب باجوڑ

۱۷۔ مولانا محمد اعظم صاحب۔

ماخوذ :۔ تذکرہ صوفیائے سرحد از اعجاز الحق قدوسی

حضرت میاں محمد بخش قادری قلندریؒ

وصال ۱۳۲۴ھ مزار اقدس کھڑی شریف میرپور آزاد کشمیر

حضرت میاں محمد بخشؒ اپنے دور کے عارف کامل اور جامع شریعت وطریقت تھے آپ بے مثل آفاقی شاعر تھے۔ آپ کی تصنیف سیف الملوک پنجابی ادب کا عظیم شاہکار تصور کی جاتی ہے۔

خاندان آپ کا خاندانی تعلق میرپور کے معروف روحانی بزرگ حضرت پیر پیرا شاہ غازی قلندر عرف دمڑی والی سرکار سے ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی مولانا میاں شمس الدین قادری تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمرؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد باعمل عالم دین اور باکمال صوفی تھے اور حضرت پیرے شاہ غازی کے سجادہ نشین تھے۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء میں کھڑی خاص ضلع میرپور آزاد کشمیر میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی پیدائش صبح کے وقت ہوئی۔

بچپن آپ کی عمر مبارک پانچ چھ سال تھی تو صاحبزادہ عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت حاجی بگا شیر رحمۃ اللہ علیہ برائے سلام دربار اقدس پر تشریف لائے

توآپ درگاہ میں موجود تھے آپ کو دیکھ کر صاحبزادہ صاحب نے دست شفقت سر پر رکھا اور والد ماجد کو تاکید فرمائی کہ اس بچہ کو آغوشِ خاص میں پرورش کرنا۔ یہ شمعِ انِ حقیقت اپنی ضوفشانی سے ایک جہان کو منور کرے گا۔ سبحان اللہ ایسا ہی ہوا۔

تعلیم آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مزید علم حافظ محمد علی ساکن سموال شریف سے حاصل کیا اور عالم شباب میں قدم رکھنے تک نظم و نثر حدیث فقہ منطق میں کامل ہو گئے۔ دورانِ تعلیم آپ ترنم آواز سے نظمیہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ایک مجذوب الحال درویش حافظ ناصر نے آپ سے کہا کہ بیٹا مولانا جامی کے اشعار سریلی آواز سے سناؤ آپ نے عرض کی کہ حضرت میں آپ کو اشعار سناتا ہوں آپ میرے لیے دعا کریں کہ مجھے دینی علوم پر عبور حاصل ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے آپ نے انہیں مترنم لہجہ میں زلیخا جامی سنائی انہوں نے خوش ہو کر آپ کو دعا دی ان کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ آپ کو قلیل عرصہ میں علوم دینی پر کامل عبور حاصل ہو گیا۔

تزکیہ باطن علوم ظاہریہ سے فراغت کے بعد تزکیۂ باطن اور معرفت کے اسرار و رموز حاصل کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اس تلاش میں جہاں کہیں کسی صاحبِ دل کا پتہ چلتا وہیں پہنچ جاتے اور روحانی استفادہ کی کوشش کرتے۔ ایک دن حصولِ مقصد میں تاخیر کی وجہ سے بہت مضطرب ہوئے اور استخارہ کیا تاکہ کوئی راہ نکل آئے، نیند اور بیداری کے درمیان دیکھا کہ حضرت پیر سے شاہ غازی المعروف دمڑی والے پیر رحمہ اللہ تعالےٰ (کھڑی شریف) بازو سے پکڑ کر فرما رہے ہیں۔

"تم میرے مرید اور میں تمہارا پیر ہوں، سلسلہ عالیہ قادریہ میں سائیں غلام محمد میرے روحانی فرزند ہیں، کلر وڑی شریف میں حاضر ہو کر ان کی ظاہری بیعت کر لو۔"

میاں صاحب اٹھے اور بڑی خوشی کے ساتھ حضرت سائیں غلام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض مدعا کیا۔ انہوں نے فرمایا "کچھ دن صبر کرو" چند دن بعد پھر درخواست کی تو پھر وہی جواب ملا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ اس دوران آپ نے

تزکیۂ باطن اور سلوک کی کئی منزلیں طے کیں اور باقاعدہ عبادت و ریاضت میں مصروف رہے آخر ایک روز حضرت سائیں غلام محمد نے میاں صاحب کو اپنے شیخ کے مزار پر لے جا کر بیعت سے مشرف فرمایا اور حکم دیا کہ کشمیر جا کر حضرت شیخ احمد ولی قدس سرہٗ سے مزید فیض حاصل کرو۔

حضرت شیخ احمد ولی کشمیری قطب مدار و غوثِ روزگار تھے۔ بموجب فرمان پیر روشن ضمیر آپ پا پیادہ صرف ایک کمبل اوڑھے ہوئے کشمیر پہنچے راستہ میں صدہا تشنگانِ فیوض جو حضرت شیخ صاحب کی ملاقات کے لیے گئے ہوئے تھے اور بے نیل و مرام واپس آ رہے تھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ صاحب کی ملاقات میسر نہیں ہو سکی۔ یہ لوگ دور دراز مسافت طے کر کے گئے تھے مگر باوجود اس خبر کے حضرت قبلہ پر کوئی مایوسی کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ آپ مسلسل چلتے رہے۔ یہی خبریں عوام کی زبان سے ملتیں کہ دو دو تین تین ماہ تک حضرت شیخ صاحب کی آمد کا انتظار کیا مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس کے باوجود آپ کے استقلال اور ہمت میں سر مُو فرق نہ آیا۔ جب آپ کشمیر پہنچے تو حضرت شیخ صاحب کے مسکن کا حال دریافت فرما کر اس محلہ میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک نوجوان تختِ چوبین پر بیٹھا ہوا تلاوتِ قرآن مجید کر رہا ہے آپ اس نوجوان سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اس نوجوان نے بلا تامل دریافت کیا کہ آپ نے حضرت شیخ صاحب سے ملاقات کرنی ہے حضور نے فرمایا ہاں، اُس نے کہا کہ یہ مکان تو ضرور جناب شیخ صاحب کا ہے مگر اُن کا کوئی علم نہیں کہ کس وقت اور کب تشریف لائیں سال ایک یا دو ماہ میں اچانک تشریف لے آتے ہیں مگر دن یا وقت تشریف آوری کا مقرر نہیں ہے۔ حضرت خاموش ہو گئے اور اسی خیال میں تھے کہ اب کیا چارہ ہو۔ ناگاہ بیرونی دروازہ سے ایک بزرگ نورانی صورت دستِ حق پرست میں عصا لیے ہوئے بمعہ ایک ہمراہی کے اندر تشریف لائے اور تشریف لاتے ہی حضرت قبلہ سے اس طرح متوجہ ہوئے جیسے کوئی دیرینہ شخص بڑے تپاک سے ملاقی ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ نے فوراً اپنی خداداد ذہانت سے بھانپ لیا کہ یہی دُرِ مقصود ہے جس کی تجسس میں اتنا سفر اختیار کیا۔ حضرت شیخ بزبان

فارسی استفسارِ حال میں مصروف ہوئے جس پر حضرت قبلہ نے اپنا مسکن مبارک ارشاد فرمایا
جب حضرت شیخ صاحب نے حضرت جناب غازی قلندر پیرو مڑی والہ کا اسم مبارک سُنا
اشارتاً سرخم ہو کر کلامِ تعظیمانہ سے متکلم ہوئے اور حضرت قبلہ کے شانہ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ
کر ارشاد فرمایا "زیرک ہستی"، آپ پابرہنہ تھے تہہ بند کرتہ اور ایک کمبل زیبِ تن تھا۔
حضرت شیخ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند درہم رائج الوقت نکال کر پیش کیے۔
ارشاد فرمایا کہ کوچہ ہائے کشمیر گندے ہیں اور آپ پرہیزگار اور متقی و پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔
چپل ہائے جو از قسم خس و خاشاک اس علاقے میں کوہستانی لوگ استعمال کرتے ہیں
بازار سے خرید کر پہن لیں تاکہ آپ کے پاؤں مبارک آلودگی سے محفوظ رہیں۔ حضرت قبلہ
نے انکار بسیار فرمایا لیکن حضرت شیخ صاحب کے متواتر اصرار پر قبول فرمائے اور
ساتھ ہی اجازت طلب فرمائی کہ مبادا دیگر بار ملاقات نہ ہو سکے۔ اس پر حضرت شیخ صاحب
نے ارشاد فرمایا جس وقت مراجعت وطن کا ارادہ ہو تو یہاں ہی تشریف لایئے گا انشاءاللہ
ملاقات ہو جائے گی۔ اس کے بعد حضرت شیخ صاحب بمعہ اس مرد ہمراہی کے تشریف
لے گئے۔ آپ وہاں سے کشمیر میں ایک اور مقام پر تشریف لے گئے اور تقریباً ایک ماہ
کشمیر میں یاد الٰہی میں مصروف رہے۔ آخر کار جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو جناب شیخ احمد ولی
رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تشریف لائے۔ دیکھا وہی نوجوان تخت چوبین پر بدستور بیٹھا
ہوا تلاوت قرآنِ پاک میں مشغول ہے۔ اس کی اجازت سے اندر داخل ہوئے معاً حضرت
شیخ صاحب اسی انداز سے تشریف لائے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر ایک تہہ خانہ میں تشریف
لے گئے۔ دروازہ بند فرمادیا اور آپ باطنی توجہ فرماتے رہے کچھ دیر بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
نے تمہارے باطن کو روحانیت سے معمور کر دیا ہے۔ اب جاؤ اور ہر کام میں اس کی
رضا بجا لاؤ۔ آخر آپ ان کی دعائیں لیتے ہوئے شیخ احمد ولی سے رخصت ہوئے۔

مجاہدہ

اس کے بعد جنگلوں ویرانوں میں صحرا نوردی فرمائی۔ کئی کئی روز مجاہدہ و مراقبہ
میں گزر جاتے خورش و پوشش کا یہ حال تھا کہ دو دو تین تین روز تک پانی
سے بھی پرہیز تھا۔ شوق و ذوق اور ولولہ حیرت انگیز تھا جو آدمی اس دوران میں آپ

کی طرف دیکھتا وہ متزلزل ہو جاتا اور ان دنوں حضرت قبلہ سے کسی کو یارائے تکلم نہ تھا۔ حضرت قبلہ کے قلب مبارک میں بیشتر حصہ آتشِ عشق کا ودیعت تھا۔ حضرت اسعد العساکر والمغازی شیر خدا حضرت پیر دمڑی والہ کی توجہ سے اس قدر شعلہ زن ہوا کہ از سمک تا سما آپ کی آہ و فغاں کا طوفان برپا ہو گیا۔ آپ کے جذبات شاعرانہ قلب مبارک میں پہلے سے ہی موجزن تھے۔ جب عشقِ حقیقی نے جوش مارا پھر تو ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف تیرِ باتاثیر تھا۔ چند سال کے بعد حضرت پیر روشن ضمیر سے ارشاد ہوا تو آپ نے احاطہ دربار میں ایک چھپر تیار کروایا اور اس میں شب و روز امامت گزیں ہوئے جس کی مدت چودہ سال کے قریب ہے۔ آپ کا قصیدہ غوثیہ شریف کا ورد نماز مغرب اور عشاء کے درمیان تھا۔ اس ورد کے وقت کوئی متنفس حضور کے گرد نہیں جا سکتا تھا بلکہ اوراد و وظائف کے بعد جب تک حضور خود نہ بلاتے کوئی شخص حاضر ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت غازی قلندر پیر دمڑی والہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈیوڑھی میں ایک تہہ خانہ کوئی تین فٹ زمین سے گہرا تیار کروایا ہوا تھا جس میں آپ بعد فراغت نماز صبح تشریف رکھتے اور مراقبہ میں نصف دن سے بھی زیادہ خرچ ہو جاتا۔ یہ خلوت خانہ اب تک مرجع خلائق ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت قدوۃ الکاملین عمدۃ العارفین حضرت قبلہ غریب نواز قاضی سلطان محمود آوانی رحمۃ اللہ علیہ دربار اقدس پر موجود تھے تو ایک خادمِ خاص بابا نور داد سکنہ مغد دپور حضور قبلہ کو سہارا دے رہا تھا جبکہ آپ روضۂ اطہرہ سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ ایک دفعہ زمینِ مقدس سے اُٹھے تو آپ گر پڑے بابا نور داد صاحب دوڑ کر حضور کو سہارا دے کر اٹھانے لگے تو آپ نے برہم ہو کر فرمایا ہٹ جاؤ پھر وہ ہٹ گئے۔ حضور نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش فرمائی پھر فرطِ شوق سے گر پڑے پھر بابا نور داد صاحب نے دوڑ کر حضرت کو اٹھانا چاہا پھر آپ نے فرمایا ہٹ جاؤ۔ پھر وہ ہٹ گئے۔ تیسری مرتبہ پھر حضور نے اٹھنے کی سعی فرمائی تو پھر گر پڑے پھر بابا نور داد صاحب

دوڑ کر نزدیک گئے تو پھر حضور نے بشرح سابق ارشاد فرمایا ہٹ جاؤ۔ بار چہارم پھر حضور نے اٹھنے کے لیے چاہا تو پھر گر پڑے اب کی دفعہ سابقہ تادیب کے تحت بابا نور داد صاحب کھڑے رہے اور نزدیک آنے کی کوشش نہ کی اس پر حضور نے غصہ سے فرمایا میرا تماشا دیکھنے ہو اور اٹھاتے نہیں ہو اس پر حضرت قبلۂ عالم قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معمولی سا تبسم فرمایا اور پھر بے اختیار زار و قطار رونے لگے اور غازی قلندر پیر و مربوالہ کے روضۂ اطہر کی جانب دیکھ کر ارشاد فرمانے لگے کہ ایسے خادم کے ساتھ ایسا معاملہ جس پر از راہ کشف حضرت قبلۂ عالم قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ارشاد ہوا میں جانوں اور میرا درویش۔ آپ کا اس سے کیا واسطہ سبحان اللہ در مقصود کی بے نیازیاں اور عاشق راز کی جانبازیاں ہر دو عجائبات عشق ہیں۔

قبولیت دعا کا واقعہ

ایک دفعہ حضور آستانہ مبارکہ عالیہ آوان شریف تشریف لے گئے۔ حافظ قادر بخش صاحب سکنہ وھنی شریف حاجی حافظ کرم داد صاحب کے والد بزرگوار آپ کے ہمراہ تھے راستہ میں ایک گاؤں جس کا نام دلاور پور ہے، شام ہو گئی اور وہاں ہی اقامت گزین ہونے کے متعلق حکم فرمایا اور حافظ صاحب کو ارشاد فرمایا کہ گھوڑی چوہدریوں کی بیٹھک میں لے جاؤ اور خود مسجد میں تشریف لے گئے حافظ صاحب حضرت کی گھوڑی لے کر چوہدریوں کی بیٹھک میں گئے۔ وہ بازی چوپٹ کی کھیل رہے تھے۔ انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ اس پر حافظ صاحب بھی کبیدہ خاطر ہوئے اور مسجد میں گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر ایک شخص نے حافظ صاحب کی طرف دیکھا اور عرض کی کہ حضرت آپ کچھ پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں۔ ذرا ہمارے گھر تک قدم رنجہ فرمائیں اس جگہ میں نے گیارھویں شریف (چورما) جو اکثر لوگ روٹیاں گھی اور قند میں آمیختہ کر کے بناتے ہیں، تیار کیا ہوا ہے۔ آپ ختم شریف کہیں۔ حافظ صاحب بخوشی اس کے گھر تشریف لے گئے اور ختم پڑھا۔ اس شخص نے چورما حافظ صاحب کو دیا اور ساتھ ہی عرض کی کہ کس کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب نے تمام ماجرا اس کو سنایا کہ ہم مسافر ہیں۔ رات بسر کرنے کی غرض سے چوہدریوں کے دیوان خانے پر گئے مگر انہوں نے کوئی التفات نہ کی

چونکہ حضرت قبلہ نے اپنے نام نشان بتانے سے حافظ صاحب کو منع فرمایا ہوا تھا۔ اس لیے
حافظ صاحب نے حضرت قبلہ کا اسم مبارک نہ بتایا اور صرف مسافری حیثیت ظاہر فرمائی۔
چُورما لے کر حافظ صاحب مسجد میں تشریف لائے۔ آنحضرت کی خدمت میں چورما پیش کیا۔
آپ نے ایک دو نوالے سرکار اشرف البلاد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تناول فرمائے اور
ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اے غریب النواز گھر باہر وطن و سفر میں حضور کا دیا ہوا ہی رزق نصیب
ہوتا ہے۔ مسجد کے دروازہ میں وہ شخص کھڑا تھا اس نے حافظ صاحب کو عرض کی کہ اگر
میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں تو عین سعادت ہو گی کچھ حافظ صاحب کے ختم
پڑھنے سے بھی وہ مانوس ہو گیا تھا اور حیران تھا کہ یہ بزرگ اپنا نام ونشان کیوں نہیں بتاتے
وہ دل میں سمجھ گیا کہ یہ بزرگ کوئی بلند شخصیت ہیں جو نہ نام ونشان بتاتے ہیں اور نہ ہی التجا
شب باشی کی کرتے ہیں۔ اس پر اس نے عرض کی اگر منظور ہو تو میرا غریب خانہ حاضر ہے۔
وہاں تشریف لے چلیں اس پر حافظ صاحب نے بارگاہ ولایت میں عرض کی حضور نے فرمایا
اگر وہاں چکی کی آواز نہ ہو تو فقیر رہنے کے لیے تیار ہے۔ اس شخص نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے
عرض کی کہ حضرت میرا ڈیرہ گاؤں سے باہر ہے۔ وہاں چکی کی کوئی آواز نہیں ہو گی۔ حضور نے
قبول فرمایا وہ شخص رات کو خدمتِ اقدس میں کمر بستہ رہا۔ صبح جب حضور تشریف لے چلے
وہ شخص دست بستہ ہمراہ ہوا۔ راستہ میں چپکے سے حافظ صاحب نے اس شخص کے
کان میں حضرت کا پتا بتایا پھر تو وہ زار و قطار رونے لگا اور نہایت عجز و انکسار سے عارض
ہوا کہ حضرت مجھ کو رات کے وقت کیوں نہ بتایا کہ ایک جلیل المرتبت ولایت مجھ غریب
کے مفلس کدہ پر رونق افروز ہے اور میں نے کوئی خدمت نہیں کی اس پر حضور نے دستِ
شفقت اس شخص کے سر پر رکھا اور دعا فرمائی اس پر اس شخص نے عرض کی حضرت میرے
گھر حد سے زیادہ غربت ہے اور میں ہمیشہ گیارھویں شریف حسب استطاعت پکاتا ہوں
آج تک خدا نے میرے ایام نہیں بدلے۔
اس پر دیباچۂ ولایت اور خلاصۂ الفت و شفقت نے یوں ارشاد فرمایا کہ خدائے عزوجل
کے ہاں کیا کمی ہے کہ چوہدریوں کا تزک واحتشام اٹھا کر تمہارے گھر رکھ دے اور تمہاری

غربت ان کے ہاں جو مسافروں کے ساتھ اس طرح بے رُخی سے پیش آتے ہیں اور رجس و نجس کھیلوں میں مشغول ہیں یہ الفاظ مبارک نہیں تھے بلکہ تقدیر الہٰی تھی جو معاً وارد ہوئی رای دن سے چوہدریوں کا اقبال زوال میں آگیا اور وہ تمام رعب و کمال اس شخص کے قدم چومنے لگا اس سے بعد وہ تاحیات دربار اقدس پر حاضری دیتا رہا۔

والی ریاست کی عقیدت مندی

والی ریاست جموں وکشمیر ایک دفعہ حضور کی زیارت کے لیے حاضر دربار کھڑی شریف ہوا تمام اہالیانِ ریاست اور راجہ امر سنگھ برادر خورد بھی ہمراہ تھا۔ اس وقت حضور بارگاہ عالیہ قلندریہ میں تشریف فرما تھے خادم نے جا کر عرض کی کہ یا حضرت مہاراجہ صاحب والئ جموں و کشمیر تشریف فرما ہیں اور بغرض سلام حاضر ہیں آپ ذرا باہر تشریف لے چلیں اس پر حضور نے نہایت خفگی سے ارشاد فرمایا جاؤ میں اپنے مہاراجہ کے حضور میں حاضر ہوں مجھے کسی اور مہاراجہ سے تعلق نہیں جب یہاں سے اجازت ہوئی پھر دیکھا جائے گا۔ وہ ڈرتا ڈرتا باہر آیا۔ پھر حضرت میاں بہاول بخش صاحب برادر کلاں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خادم کو ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور آپ کو اطلاع دو۔ پھر خادم اندر گیا اور ڈرتا ڈرتا باہر آیا بار ثالث جب خادم حضرت سجادہ نشین صاحب کے حکم سے اندر گیا تو حضور باہر تشریف لانے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ بڑی مشکل سے حضور باہر تشریف لائے اور قدم قدم پر سلام و نیاز بے انداز جس کا ذکر تحریر میں نہیں آسکتا۔ فرماتے ہوئے جب حضور باہر تشریف لائے تو مہاراجہ صاحب ازراہ ادب کھڑے ہو گئے تمام درباری و متعلقین بھی ازراہ ادب کھڑے ہو گئے جب حضور بیٹھ گئے تو مہاراجہ صاحب نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ حضرت کی خدمت میں نذر پیش کرو اس نے تھیلی سامنے دست بستہ رکھ دی، حضور نے فرمایا مہاراجہ اس میں کیا ہے۔ مہاراجہ نے عرض کی یا حضرت یہ آپ کی نذر ہے اسے قبول فرمائیں حضور نے تھیلی کھول کر اس میں سے ایک روپیہ نکال کر اور آنکھ پہ رکھ کر فرمایا مہاراجہ صاحب اس سے تو اگلی منظر بھی بند ہو گئی ہے آپ فرماتے ہو یہ نذر ہے۔ اس پر مہاراجہ صاحب نے نہایت انکسار سے عرض کی کہ حضور قبول فرمائیں۔ آپ نے وہی روپیہ لے کر خادم خاص کے

حوالے فرما دیا اور حکم دیا کہ مہاراجہ صاحب کی طرف سے اس کو لنگر میں داخل کر لو باقی رقم تھیلی میں واپس کر دی۔ اس پر مہاراجہ صاحب نے عرض کی کہ یا حضرت لنگر کے لیے کوئی جاگیر کوئی موضع دے دوں جس سے لنگر کا کام آسانی سے سرانجام ہو سکے حضور نے دربار گھربار کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ لنگر کا مالک ہر وقت اپنے لنگر کے انتظام کرنے والوں کی بھی خاطر خواہ دیکھ بھال کرتا ہے فقیر کو اس کی کوئی ضرورت نہیں البتہ آئندہ اس طرف دورہ نہ فرمائیں یہ رعیت عاجز اور غریب ہے اور بادشاہوں کے آنے سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ مہاراجہ صاحب نے عرض کی کہ یا حضرت دعا فرمائیں میرے گھر میں اولاد نہیں ہے خدا مجھے تاج و تخت کا وارث عطا فرمائے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ (موتی) ایک اور غوطہ خور تین یہ نہیں ہو سکتا۔ تین غوطہ خور سے مراد حضرت پیر بھاون شاہ صاحب اور کشمیر کے ایک ولی اللہ اور تیسرا اپنے متعلق فرمایا اگر اس دربار پر عقیدہ رکھو گے تو موتی سنگھ والی ریاست پیدا ہو گا اس کے بعد حضور کے خادمِ دربار کو حکم دیا کہ درخت کے دو پتے لا کر مہاراجہ صاحب کے حوالے کر دو۔ ایک خود کھانا اور دوسرا اپنی رانی کو کھلانا خدائے عزوجل اور غازی قلندر پیر دمڑی والا کی نظرِ عنایت سے (موتی سنگھ) پیدا ہو گا پھر مہاراجہ صاحب نے اجازت طلب کی تو آپ نے جس طرح عام آدمیوں کو رخصت فرمایا کرتے تھے اسی طرح اس کو بھی رخصت فرمایا۔

جب مہاراجہ چلا گیا تو حضرت میاں بہاول بخش صاحب برادر کلاں نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آپ تو تارک الدنیا فقیر ہو میں صاحب اولاد ہوں اگر مہاراجہ صاحب سے کچھ احتیاج فرماتے تو میرا کام ہو جاتا اس پر حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی صاحب حضرت بادشاہ غازی قلندر کی نذر و ہدایا اور آمدنی کیا ناکافی ہے کہ پھر مہاراجہ صاحب سے استدعا کی جاتی اگر اس پر اکتفا کیا جائے تو اس سے بہتر کوئی ذریعہ معاش نہیں چنانچہ حضرت کی اولاد کو کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

شاعری

حضرت میاں محمد بخش ؒ کو اشعار کہنے سے بڑا لگاؤ تھا آپ کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی محب کی طرف کوئی تحریر فرماتے تو اکثر و بیشتر نظم ہی ہوا کرتی، عام طور

پر ایسے ایسے خدام جو باوجود ناخواندہ ہوتے ان کی طرف بھی منظوم اور پُر تکلف نظم سے مزین کر کے خط تحریر فرماتے۔ طبیعت مبارک میں روانی بہت تھی۔

نظم فارسی، اردو، پنجابی میں بے تکلف اشعار تحریر فرماتے۔ عربی نظم و نثر میں بھی حضور کو ید طولیٰ حاصل تھا مگر اس کا اتفاق کم ہوا کرتا۔ آپ کے اشعار کو اگر بہ نظر غور مطالعہ کیا جائے تو ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ مشعلِ راہ اور نشتر کی مانند ہے۔ سلسلہ نظم کی روانی دریائے ناپیدا کنار کی طرح سے اشعار ارشاد فرماتے۔ اس وقت کوئی تیز سے تیز منشی بھی تحریر کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

تصانیف حضرت میاں صاحب سے متعدد تصانیف یادگار ہیں جو ان کے تبحر علمی، عقیدے کی پختگی، حسنِ عقیدت کی فراوانی، قدرت کلام اور فی البدیہ شعر گوئی پر شاہد عادل ہیں۔ آپ کی مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تحفۂ رسولیہ
۲۔ گلزارِ فقر
۳۔ کراماتِ غوث اعظم
۴۔ تحفۂ میراں
۵۔ ہدایت مسلمین
۶۔ تذکرہ
۷۔ قصہ شیخ صنعان
۸۔ شاہ منصور
۹۔ نیرنگِ عشق
۱۰۔ سخی خواص خاں
۱۱۔ مرزا صاحباں
۱۲۔ سوہنی مہینوال

ان میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت آپ کی تصنیف سیف الملوک کو حاصل ہوئی جو آج بھی لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہے اور خطہ پوٹھوہار میں قریباً تمام مرد و زن اسے بڑی عقیدت و محبت سے پڑھتے ہیں۔ سیف الملوک میں آپ نے محض بدیع الجمال اور سیف الملوک کے حسن و عشق کا قصہ ہی بیان نہیں کیا بلکہ بقول عارف رومی ؒ

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

عاشقِ صادق کو عشقِ حقیقی، تصوف کے گہرے اسرار و غوامض اور محبوبِ حقیقی کے

راستے میں پیش آنے والے طوفانِ مصائب کے سامنے مردانہ وار سینہ سپر ہونے کا درس بھی دیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بات مجازی، رمز حقانی، ون وناں دی کاٹھی
سفر العشق کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی

میاں صاحب واضح طور پر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سیف الملوک ایسا مجازی عاشق بے پناہ مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے اس کے باوجود اس کی ثابت قدمی میں فرق نہیں پڑتا اور بالآخر حصولِ مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ عاشقِ حقیقی کو تو اس سے بھی زیادہ ہمت و استقلال کا ثبوت دینا چاہیے اور کسی بڑی سے بڑی مصیبت کو خاطر میں لائے بغیر راہِ طلب میں گامزن رہنا چاہیے۔ میاں صاحب کا کلام اسرارِ معرفت کی عام فہم تشریح ہے اور اس سے اسی وقت استفادہ کیا جا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت کو مقصودِ قلب و نظر بنا کر پڑھا جائے ورنہ محض قصہ پڑھ لینے سے دل بہلانے کے علاوہ اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

وصال آپ کا وصال، ذوالحجہ ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ حافظ مطیع اللہ نے پڑھائی اور آپ کو حضرت پیرے شاہ غازی کی درگاہ کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔

مزار اقدس آپ کا مزار اقدس کھڑی شریف میر پور آزاد کشمیر میں مرجع خلائق ہے۔

ماخوذ:۔ (۱) تذکرہ اکابر اہل سنت از مولانا عبدالحکیم شرف قادری
(۲) دیباچہ سیف الملوک مطبوعہ محکمہ اوقاف آزاد کشمیر۔

حضرت قاضی سلطان محمود قادریؒ

وصال ۱۳۳۷ھ مزار اعوان شریف گجرات پنجاب

حضرت قاضی سلطان محمودؒ گجرات کی ان باکمال ہستیوں سے تھے جو اپنے دور میں علم شریعت اور علم معرفت میں یکتا تھے۔ آپ اعوان شریف کے رہنے والے تھے جو گجرات شہر سے شمال کی جانب کشمیر کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ آپ کا گھرانہ اعوان شریف میں بڑا معزز سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ آپ کے اجداد کے علم وفضل اور شرافت نسبی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

پیدائش آپؒ ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام غلام غوثؒ تھا اور دادا کا نام غلام مصطفےٰ تھا۔ دادا نے ہی سلطان محمودؒ نام رکھا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ نومولود ایک روز عالم ولایت کا سلطان اور سومنات ماسوائی کے لیے محمود ثابت ہوگا۔

تعلیم و تربیت ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ فرماتے ہیں "مجھ نادان کو علم ظاہر کے جو چند حروف آتے ہیں، وہ سب حضرت والد ماجد کی کمال سعی وہمت اور کوشش سے نصیب ہوئے تھے۔ خط نسخ اور خط نستعلیق کی مشق بھی والد ماجد کی زیر نگرانی کی۔ اس کے بعد ضلع گجرات کے مختلف دیہات کے مشہور اساتذہ سے علم حاصل کیا حاجی والا، ملکہ، چنن، گکھڑ وغیرہ کے علاوہ موضع کھائی (ضلع جہلم)، کدلنتھی، تھوآ محرم خاں، چکی رغوز عشقی، شمس آباد اور پشاور وغیرہ بھی علمی پیاس کی تسکین کے لیے گئے۔ فلسفہ منطق، ریاضی، تفسیر، اسماء الرجال وغیرہ علوم دقت کی مشہور ہستیوں سے پیدل جا جا کر پڑھے، رفاقتے برداشت کیے۔ یہ سلسلہ تیرہ چودہ سال تک رہا۔ موضع کدلنتھی کے استاد نے آپؒ کی علمی بصیرت اور وقتِ نظر کو دیکھ کر قاضی کے معزز خطاب سے نوازا۔ جو بعد میں ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ درس نظامی پر آپ کو کامل عبور تھا۔

حضرت اخوندؒ کی خدمت میں حاضری

تعلیم کے دوران موضع کافرڈھیری کے مولانا کے بھائی اکثر حضرت حاجی عبدالغفور اخوند صاحبؒ سیدو شریف والوں کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ درسی علوم کی تکمیل کے بعد آپ ایک طالب علم ساتھی کے ساتھ رمضان المبارک میں سیدو شریف سوات میں حضرت اخوند عبدالغفور قادری کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس زمانے میں حضرت اخوند صاحب کے علم و عرفان کی شہرت دور و نزدیک بہت پھیلی ہوئی تھی جب آپ پہنچے تو اخوند صاحبؒ کو اطلاع کرائی گئی کہ ایک طالب علم درسی کتابیں تمام کر کے دستار بندی اور دعائے خیر کے لیے حاضر ہوا ہے۔ آپؒ نے فرمایا "ڈیر مولہ" (بہت اچھا، چنانچہ جمعۃ الوداع کے روز خانقاہوں کے صاحبزادگان اور علماء و مشائخ کی موجودگی میں اخوند صاحبؒ نے دس گز گمٹی کے کپڑے کی دستار منگوا کر پہلا پیچ خود قاضی صاحبؒ کے سر باندھا۔ باقی دوسرے حضرات نے باندھے اور آخر میں دعائے خیر ہوئی۔

بیعت

آپ کی استدعا پر رمضان المبارک کے بعد عید کی چاند رات کو تہجد کے وقت حضرت اخوند صاحب نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا اور ساتھ ہی طریقت کا پہلا سبق نفی اثبات یعنی کلمہ طیبہ کا ذکر تلقین فرمایا انہوں نے تاکید کی کہ بیٹا بس اسی میں ولایت کا راز ہے لہٰذا بارگاہِ رب العزت میں اس کا خوب عجز و نیاز سے ورد کیا کرو۔ عید کرنے کے بعد آپ اپنے مرشد سے واپس لوٹے۔

صحبت مرشد

بیعت سے لے کر آپ حضرت اخوندؒ کے وصال تک گاہ بگاہ بارگاہ مرشد میں حاضر ہوتے رہے اور مرشد کی صحبت اور توجہ سے فیض اٹھاتے رہے۔ اس دور میں اعوان شریف سے لے کر سیدو شریف تک کا فاصلہ کافی حد تک دشوار گزار تھا مگر آپ بڑی خوشی سے پیدل سفر فرماتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دوسری مرتبہ ۱۲۸۳ کو حاضری دی اور دوسرا سبق الا اللہ تلقین فرمایا گیا اور شجرہ بھی دیا۔ مختلف اسباق مکمل ہونے کے بعد اخوندؒ صاحب نے چلے بھی کرائے جو کامیابی سے اختتام پذیر ہوئے۔

خلافت

۱۲۹۰ھ میں حضرت اخوندؒ نے آپ کو اجازت یعنی خلافت سے نوازا۔ اس کے متعلق یوں بیان کیا جاتا ہے کہ نویں بار سیدو شریف کی حاضری کے وقت حضرت اخوند صاحبؒ (جو اس وقت چارپائی پر آرام فرما تھے) نے ہاتھ پکڑ کر قریب کیا اور سر سینہ مبارک کے قریب کر کے فرمایا "مولوی از خانہ چند روز می آئی"؟ آپؒ نے جواب دیا "قربانت شوم گاہے بہ بنہ روز، گاہے بہ دہ روز" یہ سن کر اخوند صاحبؒ نے فرمایا "بارے مقام تو دور است، لبعد ازاں اگر دل تنگ شوی بہ زیارت شاہ دولہؒ برو، خوش حال شوی"۔

حسب حکم گجرات دربار شاہ دولہؒ پہنچے۔ کچھ مدت بعد یہاں سے پیر و مرشد کی خدمت میں پہنچنے کا حکم ہوا۔ لہٰذا پھر آپ سیدو شریف پہنچے تو حضرت اخوند صاحبؒ نے فرمایا۔ "مولوی راہ حق بگو"۔ (مولوی لوگوں سے بیعت لو اور انہیں خدا کا راستہ دکھاؤ)۔

باطنی فیوض کا حصول

آپ حسب الارشاد حضرت شاہ دولا گجراتی کے مزار اقدس پر حاضری دیتے رہے اور ان سے باطنی فیض حاصل کرتے رہے۔ پھر آپ نے حضرت شاہ دولا کے روحانی ارشاد کے مطابق مختلف بزرگانِ دین کے مقابر پر حاضری دی۔ ایک مرتبہ گجرات سے لاہور حضرت داتا گنج بخشؒ پھر ملتان کے مزارات پر حاضری دی اور اس کے بعد پھر سیدو شریف گئے۔ حضرت شاہ دولہؒ کے دربار پر قرآن شریف کھڑے ہو کر پڑھا۔ اس کے بعد پوٹھوہار۔ دھمنی۔ پنڈ۔ بھیرہ۔ ملحقاتِ لاہور۔ شاہ مقیم۔ شیر گڑھ بٹالہ۔ موضع مسانی۔ کھڑی شریف۔ دہلی۔ پانی پت۔ کلیر شریف۔ اجمیر شریف۔ سرہند شریف اور باؤلی شریف کے علاوہ نوگزی قبروں پر تشریف لے جاتے۔ موٹا دنز ڈانڈہ، ملہو کھوکھر شیخ چوگانی وغیرہ بھی گئے۔ ایک مکتوب میں خود بیان کرتے ہیں کہ "۲۶ رمضان ۱۳۱۵ھ کو دہلی پہنچا۔ تین شب یہاں قیام کر کے ۲۹ رمضان کو زوال کے وقت سوار ہو کر عید کے روز سے قبل بخیریت اجمیر پہنچا۔ انشاء اللہ کل دوشنبہ نصف شب کے بعد پانی پت کی طرف واپسی ہو گی"۔

فیوض و برکات

آپ کی دعاؤں سے بے شمار لوگ کو ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل ہوئیں چند واقعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مہاراجہ کشمیر کی عقیدت مندی

بیسویں صدی کے ربع آخر میں حکومت ہند نے مہاراجہ کشمیر کو کلکتہ طلب کیا تو مہاراجہ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ کوئی ضرور اہم بات ہے دو مرتبہ حیلے کر کے ٹال دیا آخر وائسرائے بہادر نے مجبور کیا تو مہاراجہ صاحب سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ پھر دریافت فرمایا کہ اس وقت کون صاحب کمال بزرگ ہیں جن سے دعا کرائی جائے کہ یہ بلا ٹلے۔ ایک شخص نے آپ کا پتہ دیا۔ قاضی صاحب (ان دنوں) دربار حضرت شاہ دولہ صاحبؒ میں تشریف فرما تھے مہاراجہ کشمیر نے اپنا آدمی بھیجا۔ پیر جعفر شاہ صاحب مرحوم نے مہاراجہ صاحب کا آدمی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ مہاراجہ صاحب کو کہہ دو کہ تین باتوں پر عمل کرے اللہ تعالیٰ مشکل آسان کر دے گا۔

۱۔ مسلمانوں پر ناجائز سختی نہ کرے۔

۲۔ اذان کی بندش نہ رہنے دے

۳۔ نکاح کے وقت ان سے ناجائز فیس نہ لے۔

اور جب تک ان کا اعلان نہیں ہو گا۔ اس کی مشکل بھی حل نہیں ہو سکے گی۔ یہ سن کر مہاراجہ کا ایلچی واپس چلا گیا اور آپ کا فرمان عرض کر دیا۔

مہاراجہ صاحب نے یہ سنتے ہی ملک میں منادی کرا دی اور اس قسم کی بندشیں دور کرا دیں اور پھر وہی قاصد آپ کی خدمت میں بھیج دیا کہ حکم کی تعمیل ہو گئی ہے۔

ادھر مہاراجہ صاحب کو (کلکتے سے) تار پر تار آتے تھے کہ جلدی پہنچو۔ مہاراجہ صاحب اتنے میں تیار ہو کر جموں سے ایک پڑاؤ آگے نکل آئے تھے کہ رات کے دو بجے ڈپٹی کمشنر صاحب سیالکوٹ ہمراہی بارہ سواروں کے مہاراجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وائسرائے

کی طرف سے یہ خاص مسرت افزا پیغام سنایا کہ مہاراجہ کلکتے آنے کا ارادہ ترک کر دیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ یہ خبر فرحت اثر سنتے ہی مہاراجہ نے شادیانے بجوائے اور واپس جموں چلے گئے اور قاصد کو حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ اگر اجازت ہو تو بندہ حاضر خدمت ہو کر نیاز حاصل کرے۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں تشریف لانے کی تکلیف نہ کریں۔ اس وقت سے مہاراجہ صاحب نے فرمان صادر کیا کہ قاضی صاحب اور اُن کے خاندان کے لیے کسی چیز کی ریاست میں درآمد و برآمد پر کوئی محصول نہ لیا جائے۔

اس واقعہ کے بعد جب تک مہاراجہ پرتاب سنگھ زندہ رہا۔ اس کے عقیدت مندانہ تعلقات دربار آوان شریف سے قائم رہے اور حضرت قاضی صاحبؒ مسلمان رعایا کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں جو مشورے اسے دیتے ان پر عمل کرتا۔ جناب صاحبزادہ منظور الحق صاحب ابن حضرت صاحبزادہ محبوب عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پرتاپ سنگھ کا ایک خط موجود ہے۔ جس میں مہاراجہ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے ان مشوروں پر عمل کرنے کا وعدہ کیا ہے اور ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ خط فارسی زبان میں ہے اور دربار کے کاتب نے اسے نفیس نستعلیق خط میں تحریر کیا ہے۔ خط کے آخر میں مہاراجہ کے انگریزی زبان میں دستخط ہیں۔ خط کی عبارت یہ ہے۔

"کاشف مکاشف امور ربانی واقف مواقف امور یزدانی حضرت قاضی صاحب زاد برکاتہم۔ بعد اظہار مراتب آداب و تسلیمات ہا مکشوف ضمیر بیضا تنویر گردانیدہ می آید۔ عنایت نامہ مکرمت شمامہ شرف نزول آوردہ باعثِ افتخار گشت نصائح کہ بنظر بہبودی و ترقی ریاست زیب تسطیہ یافتہ بود۔ شکریہ آں از تہ دل بجا می آرم۔ و بہر حال برآں پابند ہستم درامور سلطنت مابین ہندو مسلمان گاہے تفاوتِ خیال نمی کنم۔ و بہبودی ملازماں مدنظر دارم۔ الاحصیر این امور بر سر اقتدار است و امید واثق آں ست کہ آنجناب برائے ترقی مدارج و ازدیاد اقتدار درحق نیاز مند دعا خواہند فرمود۔ و باقی امور حامل نیاز ہذا مفصل زبانی عرض خواہد کرد۔

عرض حاجت در کریم حضرت تت محتاج نیست

راز کس مخفی نماند بر دل دانائے تو

اگرچہ اس موقع پر تو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پرتاب سنگھ کو آدان شریف حاضر ہونے سے منع کر دیا تھا لیکن اس کے بعد مہاراجہ کو کئی بار زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

"مناقب محمودی کے مصنف حکیم مولوی احمد دین کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں۔"

"راجہ رنبیر سنگھ کا انتقال ہو گیا تو مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئی ریاست ہوا۔ اسے بھی اپنے باپ کی طرح حضور کی قدم بوسی کا بہت شوق تھا۔ اور خوش نصیبی سے اس کی یہ تمنا پوری ہوئی اور کئی بار حاضری کا موقع ملا۔ ایک دفعہ سیالکوٹ میں منصف عبدالرحمٰن صاحب سے شرف قدم بوسی حاصل ہوا۔ اور ایک دفعہ نیلی ٹاہلی ریلوے سٹیشن پر آپ سے ملاقات ہوئی جب حضور اٹھے تو مہاراجہ نے پاپوش مبارک اٹھا کر سامنے رکھیں اور رخصت ہوتے وقت ادب کے خیال سے مصافحہ نہ کیا بلکہ ہاتھ لپیٹ کر زانوئے مبارک کو چھوا۔ مہاراجہ سے جب کسی نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ان ہاتھوں سے حضرت کی جوتیاں اٹھا چکا ہوں اب اس قابل نہ تھے کہ ان سے دست مبارک کو چھوتا۔

مہاراجہ کی ملاقات کا ذکر مولوی عبدالقادر صاحبؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ملاقاتِ مہاراجہ بسیار خوب شد کہ للہ بود نہ درہمے نہ دینارے حمد بسیار حمد۔

اب رہا یہ امر کہ (مہاراجہ کو کلکتہ کیوں طلب کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مہاراجہ کی نالائقی کی وجہ سے ریاست بدنظمی کا شکار ہو گئی تھی۔ رشوت عام تھی۔ خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ وائسرائے نے مہاراجہ کو لکھا۔

"آپ کی ریاست کے فراواں وسائل کے باوجود ریاست کا خزانہ خالی ہے اور ہر محکمے اور ہر دفتر میں رشوت اور بدنظمی کا زور ہے۔) جناب عالی اب تک ادنیٰ اور نالائق مصاحبین میں گھرے ہوئے ہیں۔

بہر حال اس مصیبت کے ٹلنے کے بعد مہاراجہ سنبھل گیا اور ریاست میں امن و امان اور خوشحالی کا دورہ ہو گیا۔

۲۔ آپ کی دعا سے شیر کے فتنے سے نجات مل گئی

سید محمد سعید صاحب ایک اور کرامت سائیں محمد دین صاحب کی معرفت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ حضرت قاضی صاحب پہاڑوں پر سفر کر رہے تھے۔ شام ہو گئی تو آپ نے ہمراہیوں کے ساتھ گاؤں سے باہر ایک مسجد میں ڈیرا لگا لیا۔ گاؤں والوں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ یہاں رات کو اکثر شیر آتا ہے اس لیے آپ گاؤں میں چلے آئیں ایسا نہ ہو کہ شیر نقصان کر جائے۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے فرمایا۔ آپ کی مہربانی، اللہ فضل کرے گا۔ ہم یہاں ہی رہیں گے چنانچہ حضرتؒ کے ساتھی تو سو گئے لیکن وہ خود عبادت میں مشغول ہو گئے۔ نصف شب کے قریب شیر چھلانگ لگا کر مسجد میں آیا تو حضرت نے واپس جانے کا اشارہ۔ شیر زور سے دھاڑا اور واپس چلا گیا۔ اسی طرح دو اور مرتبہ آیا اور دھاڑ کر واپس چلا گیا۔ گاؤں والوں نے جب شیر کے تین مرتبہ دھاڑنے کی آواز سنی تو وہ سمجھے کہ شیر باری باری مسافروں کو لے گیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو گاؤں والے مسجد میں آئے تو مسافروں کو بخیریت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لوگوں نے مسجد کے دروازے سے باہر دیکھا تو خون کے قطروں کی ایک لکیر پہاڑ کی سمت جا رہی ہے۔ لوگ اس طرف چل پڑے۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ شیر مرا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر گاؤں والے حضرت کے قدموں میں گر گئے اور بصد اصرار غلاموں میں داخل ہو گئے۔

۳۔ آپ کی دعا سے سکھ عورت مسلمان ہو گئی

سید محمد سعید شاہ صاحب ساکن دولو ملتانی ضلع قصور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت سائیں محمد دین صاحب جالندھری کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ایک سکھ مسلمان ہو گیا۔ لیکن اس کی بیوی ایمان نہ لائی اور اپنے میکے چلی گئی۔ سکھ مذکور حضرت قاضی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا تو میری بیوی کو بھی

مسلمان کردو، یا میں دوبارہ سکھ مذہب اختیار کر رہا ہوں۔ حضرت صاحب یہ سن کر مسکرائے اور کہا خدا خیر کرے گا۔ واپسی پر گجرات میں سائیں صاحب کے پاس پہنچا تو سجدے میں گر گیا سائیں صاحب اٹھے۔ اس کی پیٹھ پر اپنی مطہر (ڈنڈا) زور سے ماری اور کہا یہ کیا کر رہا ہے اور پھر حسب سابق اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ نومسلم کو سخت غصہ آیا کہ عورت بھی گئی اور مار بھی کھائی اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ غصہ سے سائیں صاحب کی ران پر دے ماری اور جب دوسری مرتبہ مارنے لگا تو سائیں صاحب پکار اٹھے جا وہ گھر آگئی ہے اور مسلمان ہوگئی ہے۔

چنانچہ وہ گھر واپس آیا تو دیکھا کہ وہ دروازے پر کھڑی ہے اور ہاتھوں پر آٹا لگا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کیسے آئی ہے۔ اس نے کہا ایک بابا پکڑ کر لے آیا ہے۔ اب جلدی مسلمان کرلو۔

۴۔ میاں عبدالباری کی وطن واپسی

میاں صاحب ۱۹۱۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم تھے کہ اپنے چند طالب علم ساتھیوں کے ساتھ گورنمنٹ ہند سے بغاوت کرتے ہوئے کابل کی طرف ہجرت کر گئے اس پر میاں صاحب کے والد منصف غلام جیلانی اور والدہ بہت پریشان ہوگئے۔ والد مرشد پاک کی خدمت میں آدان شریف حاضر ہوئے اور عبدالباری کی واپسی کے لیے دعا کرنے کی استدعا کی تو حضرت نے فرمایا۔

"ہر روز چار سیر گندم پیسا کرو، اور یہ وظیفہ ساتھ پڑھا کرو۔ آٹا غریبوں میں بانٹ دیا کرو۔ عبدالباری واپس آجائے گا"

میاں غلام جیلانی منصف تو گھر آکر وظیفہ میں مصروف ہوگئے۔ لیکن میاں صاحب کی والدہ (شہر بانو) زیادہ ہی بے قرار ہوگئیں اور آدان شریف حاضر ہوکر بیٹے کی جلد واپسی کے لیے عرض کیا تو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"شہر بانو اگر تم اپنے بیٹے کی واپسی جلدی چاہتی ہو تو اس حالت میں آئے گا کہ اس کے ہاتھوں پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اور اگر صبر کرو تو اس حالت میں آئے گا کہ اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ہوں گے لیکن میاں صاحب

کی والدہ بضد رہیں کہ ان کا بیٹا جلدی بلا کر دیا جائے ۔ وہی ہوا کہ عبدالباری صاحب ایران میں گرفتار ہوئے اور انگریز انہیں بیڑیاں پہنا کر ہندوستان میں لائے ۔

۵۔ حضرت کی دعا سے صحت ہو گئی

ملک محمد ٹھیکیدار صاحب بیان کرتے ہیں ”حضرت قبلہ (میاں محمد مصنف سیف الملوک) مرحوم نے انتقال فرمایا تو خاکسار کی نظروں میں جہان تاریک ہو گیا۔ خواب و آرام جاتا رہا۔ دل میں سخت درد اور غم پیدا ہو گیا۔ اسی غم میں دو ہفتہ کے بعد سخت بیمار ہو گیا۔ ایک ہفتہ تک بیہوش رہا۔ ڈاکٹر اور یونانی حکیم علاج کرتے تھے۔ خاکسار کی موت کی خبر شہر و اطراف میں پھیل گئی۔ آخر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ صاحب اسسٹنٹ سرجن نے میرے ورثا کو خبر دے دی کہ اب زندگی کی امید کم ہے۔ کسی سے حساب کتاب کا معاملہ ہو تو دریافت کر لو تمام گھر میں گریہ وزاری کی آواز آ رہی تھی۔ ناگاہ جناب قدوۃ الصالحین فخر الدین و آخرین حضرت قاضی صاحب آوان شریف سے جہلم تشریف لائے۔ اسٹیشن ریل پر کسی نے آپ کو خاکسار کی بیماری کی خبر دی۔ اس وقت ابر و باراں کا نزول تھا۔ ترشح ہو رہی تھی۔ آپ نے میری بیماری کی خبر سن کر سیدھے خاکسار کے غریب خانہ پر قدم رنجا فرمایا۔ میں سخت بے ہوش تھا۔ میرے شانہ پر دستِ شفقت پھیر کر فرمایا۔ یہ میاں صاحب کی نشانی ہے اور پانی پر دم کر کے مجھے پلایا۔ اسی وقت سے بیماری کی حالت روبہ صحت ہوتی گئی۔ بعد ازاں چند روز ہی میں تندرست ہو گیا۔

درس

سیر و سیاحت کے بعد جب آپ آوان شریف میں ہوتے تو اپنے پاس آنے والوں کو مختلف علوم پر درس دیتے خاص کر تصوف کے موضوع پر بڑے بڑے اعلیٰ اشارات بیان فرماتے۔ دور دور سے تشنگانِ علوم فیض یاب ہونے کے لیے آتے۔ اس طرح بہت سے لوگوں نے آپ سے روحانی فیض بھی حاصل کیا۔

اقوال

آپ کے چند اقوال حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آمد و رفت ضروری ہے۔ کوئی والدہ ایسی نہیں ہوئی کہ اس کا لڑکا پشاور یا کابل ہو اور وہ لاہور یا کشمیر بیٹھ کر اس کی پرورش کرے۔

٢۔ جو پڑھو۔ اس پر عمل بھی کرو۔

٣۔ فرض عبادات اچھے اوقات میں تمام شرائط کے ساتھ ادا کرو۔

٤۔ وقت کی ایک ساعت بلکہ لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔

٥۔ ذریعہ معاش بھی رکھو اور اللہ اللہ بھی کرو۔

٦۔ نمازیوں کے لیے مسجد میں پانی بھرنا اور غسل خانوں وغیرہ کی صفائی نماز توحیدی ہے۔

٧۔ ایک لاہوری صاحب کو لکھا حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری کے حضور قلب حاضر کے ساتھ جاؤ۔ اور دو چار ڈول پانی کھینچ لیا کرو۔ یہ دل کو حاضر رکھنے کی تدبیریں ہیں ورنہ ان کو خدمات کی ضرورت نہیں۔

٨۔ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔

٩۔ مسکینی اختیار کرو۔

١٠۔ جب تکمیل کا وقت آتا ہے تو زبان بند اور دل ذکر کرتا ہے۔

١١۔ اسرار الٰہی پوشیدہ رکھو۔ دوستوں کی باتیں راز ہوتی ہیں۔

١٢۔ وظیفہ محض زبان ہی سے نہ پڑھے بلکہ دل کا لگاؤ بھی رہے۔

١٣۔ رضائے الٰہی اور توکل درویشی کی بنیادیں ہیں۔

١٤۔ اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھو۔

١٥۔ اتباع سنت، کے بغیر نہ ظاہر کی نعمت ملتی ہے نہ باطن کی۔

خلفاء آپ کے خلفاء مریدین اور معتقدین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ آپ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

١۔ حافظ سید محمد عبداللہ
٢۔ مولوی سراج دین لاہور
٣۔ پیر شیر شاہ
٤۔ ملا نیاز الدین تیراہی
٥۔ پیر چمن شاہ راولپنڈی
٦۔ سائیں فتح دین
٧۔ مولوی خلیل الرحمٰن
٨۔ مستری احمد بخش
٩۔ صاحبزادہ محبوب عالم۔

آپ کے مریدوں میں علامہ اقبال، نواب مشوق حسین خاں، خان عبدالقیوم خاں، مولوی نور اللہ سیالکوٹی کے اسمار گرامی قابل قدر ہیں۔

وصال آپ کا وصال یکم شعبان ۱۳۳۷ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۱۹ء بروز جمعۃ المبارک ہوا۔ اور آپ کو آوان شریف میں دفن کیا گیا۔

حضرت فقیر نور محمد کلاچوی قادریؒ

حضرت نور محمد کلاچوی قادری چودھویں صدی ہجری کی ایک بلند پایہ روحانی شخصیت ہوئے ہیں۔ علم وعرفان کی دنیا میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہوا جس سے بے پناہ مخلوق خدا فیض یاب ہوئی۔ آپ فقیر کامل تھے۔ کشف القبور کشف القلوب لطائف اور باطنی علم میں آپ یگانہ روزگار تھے۔

خاندان آپ کے والد کا نام حاجی گل محمد تھا جو نہایت پرہیزگار اور متقی بزرگ تھے انہیں تین مرتبہ حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ سرحد کے دور افتادہ مقام کلاچی میں رہائش پذیر تھے جو ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں میں واقع ہے۔ آپ کے والد نسلاً پٹھان تھے اور گنڈہ پوری ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ گنڈہ پوری پٹھانوں کا تعلق سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ گیسو دراز سے ہے۔

پیدائش آپ کی پیدائش کلاچی ہی میں ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے نام کے ساتھ فیض کا لفظ لکھا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کی ساری زندگی فقر کے مقدس علم کے حصول کی خاطر گزری اور ساری فقر ہی میں گزری۔

علمی تربیت آپ بچپن ہی سے بڑے ذہین اور ذکی تھے۔ آپ کی علمی تربیت آپ کے والد کے زیر سایہ ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کلاچی میں حاصل کی۔ اوائل عمر میں سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ ڈیرہ اسماعیل خاں سے میٹرک کا امتحان

پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے لاہور تشریف لے آئے اور یہاں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں زیرِ تعلیم رہے۔

کیفیت گریہ

فقیر صاحبؒ کو سکول سے کالج تک پہنچنے اور پھر کالج چھوڑ کر تارک الدنیا ہونے اور درویشی اختیار کرنے تک جن ذہنی کیفیات اور خارجی مساعد اور نامساعد حالات اور کشمکش سے گزرنا پڑا، وہ انتہائی دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ بچپن ہی سے جب آپؒ نے کچھ ہوش سنبھالا تو ایک عجیب قلبی اور دماغی کیفیت سے دوچار ہوئے۔ وقتاً فوقتاً آپؒ کو اپنے اندر ایک غیر مخلوق نوری بجلی کی لہر محسوس ہوتی تھی جو آپؒ کے دل و دماغ میں ایک روحانی انقلاب برپا کر دیتی تھی۔ جب کبھی یہ لہریں وجود کے اندر دوڑتیں تو دل و دماغ کی ایک عجیب سی کیفیت ہو جاتی۔ دنیا کی تمام چیزیں ایک لازوال جمال کے جلووں میں ڈوبی ہوئی نظر آتیں۔ ہر شے میں حُسنِ فطرت تا حدِ کمال عریاں طور پر نظر آتا۔ اور آپؒ ان کے نظارے میں ہمہ تن محو و منہمک ہو کر بے خود سے ہو جاتے آپ کو اس حالت میں انتہائی لطف و سرور حاصل ہوتا۔ یہ کیفیت دیر تک رہتی۔ اکثر یہ حالت نماز میں پیش آتی۔ آپؒ اس کیفیت کو مسلسل جاری رکھنے کی خاطر بار بار نفلیں پڑھتے کچھ عرصہ یہ عالم رہا لیکن بعد میں یہ شدت اختیار کرتا گیا۔ چنانچہ اس کیفیت کے ساتھ ساتھ ایک گونہ رقت اور گریہ بھی طاری ہو جاتا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے کبھی کبھی جب تنہائی میں رات کے وقت دیر تک سکول کے کام اور مطالعے میں مصروف ہوتے تو خود بخود یہ کیفیت طاری ہو جاتی۔ پھر یہ کیفیت بڑھتے بڑھتے یہاں تک جا پہنچی کہ کلاس میں بیٹھے بیٹھے آنسوؤں کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور آپؒ اسے چھپانے کے لیے کتاب سامنے پکڑ لیتے تاکہ کوئی اس راز سے آگاہ نہ ہو جائے۔

جب آپؒ نے ڈیرہ اسماعیل خان میں میٹرک کا امتحان دیا تو یہ کیفیت انتہائی شدت اختیار کر گئی۔ اب آپ کو فکر اور اندیشہ لاحق ہو گیا کہ خدا جانے انہیں کیا ہونے والا ہے۔ ایک طرف اس باطنی کشش اور جذبے کی یہ حالت تھی۔ دوسری طرف آئندہ تعلیم جاری رکھنے اور کالج جانے کا خیال دامن گیر تھا۔ ایک عجیب الجھن تھی۔ کچھ سمجھ میں

نہیں آتا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ کالج جائیں یا نہ جائیں۔ چنانچہ اسی تردد اور پریشانی میں ایک دن صبح کے وقت ڈیرہ اسماعیل خان میں خانقاہ فقیر محمد اسلم صاحب میں دو رکعت نفل پڑھ کر استخارہ کیا اور تھوڑی دیر کے لیے چارپائی پر دراز ہو کر آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ نیند آ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپؒ حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ کے مزار پرانوار کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ اتنے میں آپؒ کے والد بزرگوار مزار اقدس سے نکلے اور نہایت شفقت سے فرمایا "بیٹا نور محمد! حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں کالج نہ جاؤ انگریزی تعلیم تمہیں راس نہیں آئے گی" یہ کہہ کر آپؒ کے والد صاحب پھر مزار مقدس کے اندر چلے گئے۔ فقیر صاحبؒ کی آنکھ کھل گئی۔ اُلجھن اور بڑھ گئی۔ اس خواب کے باوجود کالج جانے کا اشتیاق کم نہ ہوا۔ آپ کے دل میں مزید تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ جوانی کی اُمنگیں اور شباب کے ولولے تھے۔ والدین، خویش و اقارب اور خاندان کے تقریباً تمام افراد کی آپ سے دنیوی عروج اور ترقی کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ کیونکہ آپ ایک بہت قابل طالب علم تھے۔ ان تمام باتوں نے کالج کی تعلیم کی طرف دھکیل ہی دیا۔ چنانچہ آپ "ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" کہتے ہوئے اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کالج میں مسلسل دو سال تک ان دو متضاد اور مخالف ظاہری و باطنی جذبات کا خوب تصادم رہا۔ سابقہ رقت اور گریہ کی کیفیت یہاں بھی بدستور جاری رہی۔ بلکہ مزید شدت اختیار کر گئی۔ کلاس میں پروفیسر کی موجودگی میں بھی آپ اپنی طبیعت پر ضبط اور قابو نہ پا سکتے۔ آنسو چھپانے کے لیے کتاب آپؒ کا آخری سہارا تھا جو حجاب اور پردے کا کام دے جاتی تھی۔ رات کو جب ہاسٹل کے کمرے میں تنہائی نصیب ہوتی تو ساری رات روتے اور آنسو بہاتے گزر جاتی۔ دن کو بھی جب فرصت ملتی تو یہی عالم رہتا۔ رات کو رونے رونے آنسوؤں سے سرہانہ روزانہ اس قدر بھیگ جاتا کہ اُسے خشک کرنے کے لیے ہر روز دھوپ میں رکھنا پڑتا۔ جو سخت گرمی کے دنوں میں بمشکل دوپہر سے شام تک خشک ہوتا۔ اور یہ ہر روز کا معمول تھا۔ کثرت گریہ سے آنکھوں کی عجیب حالت ہو گئی تھی۔

حصول روحانیت

ایک مرتبہ آپ کالج ہاسٹل کے اندر سخت بیمار پڑ گئے اور کافی دن صاحبِ فراش رہے۔ جس کی وجہ سے اتنے کمزور ہو گئے کہ اٹھنے بیٹھنے کی سکت نہ رہی۔ ادھر روحانی کشش بدستور لاحق تھی۔ ڈیرہ اسماعیل خان والا خواب نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ چنانچہ آپؒ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر میں صحت یاب ہو گیا تو کالج کو خیر باد کہہ دوں گا۔ رات کو اپنے نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا اور صبح کو آپؒ نے خود کو بالکل تندرست محسوس کیا۔ آپؒ فوراً اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی باطنی قوت اور غیبی ہاتھ آپؒ کو کشاں کشاں لیے جا رہا ہو۔ جب آپ اسٹیشن پر پہنچے تو کسی قسم کی کمزوری اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آپ حیران تھے کہ اتنی جلدی میں کیسے اچھا ہو گیا۔ وطن پہنچ کر کچھ دن قیام کیا۔ سلسلہ تعلیم منقطع کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ خیال تھا کہ کچھ مزید پڑھ لیں تو کسی مقام پر پہنچ جائیں گے۔ اس خیال کے زیر اثر آپؒ پھر کالج چلے آئے اور پڑھائی کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ مذکورہ کیفیات اب بھی پوری شدت کے ساتھ جاری تھیں۔ ہر وقت گریہ و رقت طاری رہتی۔ آپؒ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح طبیعت پر قابو حاصل ہو جائے لیکن ناکام رہے۔ ان کیفیات کا مقابلہ کرنے کی مزید ہمت آپؒ میں نہ رہی۔ اب مجبوراً کالج چھوڑنا پڑ گیا۔ چنانچہ آپ لاہور سے شورکوٹ کے راستے سیدھے حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار اقدس پر پہنچ گئے کالج کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ آپؒ کا سارا سامان اور کتابیں وغیرہ کالج ہی میں رہ گئیں۔ دربار شریف پر دورانِ قیام میں پہلے پہل آپ کی طبیعت کسی سے نہ لگتی تھی۔ دل میں ایک عجیب اجنبیت سمائی ہوئی تھی۔ جب یہ حالت آپؒ کے رشتہ داروں اور ہمدردوں کو معلوم ہوئی تو وہ حیران رہ گئے۔ انہیں وہم و گمان تک نہ تھا کہ اتنا ہونہار اور قابل نوجوان یوں تبدیل ہو کر رہ جائے گا۔ سب کو آپؒ کے مستقبل پر رحم آتا تھا۔ جب آپؒ نے کالج اور گھر بار غرض تمام دنیوی تعلقات چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی تو آپؒ کو طرح طرح کے امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا لیکن آپؒ ثابت قدم رہے۔ درویشوں کے ہمراہ صرف آدھے پیٹ خشک روٹی کھانے، فرش زمین پر سونے اور ایک گودڑی اور

اور تہہ بند پہننے کے سوا کچھ میسر نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپؒ کا دل مطمئن، آنکھیں پُر نور اور رُوح مسرور تھی۔ خویش و اقارب اور گھر والے سب حیران تھے کہ اس تعلیم یافتہ اور روشن خیال نوجوان کو کیا ہو گیا ہے۔ فقیرانہ لباس میں دیکھ کر بہت لوگ آپؒ پر دیوانگی اور جنون کا شبہ کرنے لگے۔ جن لوگوں نے آپؒ کو زمانۂ طالب علمی میں کالج کے اپ ٹو ڈیٹ لباس میں دیکھا تھا اُن کی نگاہیں آپؒ کو اس حالت میں دیکھ کر ششدر رہ گئیں لیکن آپؒ کو ان باتوں کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ آپ کی شادی کالج کے ابتدائی ایام میں ہو چکی تھی اور اس وقت آپ کے دو تین بچے بھی تھے وہ بھی اپنے وطن میں خدا کے سپرد کر آئے تھے۔ ذکر الٰہی اور عبادتِ الٰہی آپؒ کا دن رات کا شغل تھا۔

بیعت آپؒ نے حضرت سلطان العارفین کے سجادہ نشین سوم حضرت صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی۔ ابھی آپ کمسن تھے کہ آپ کے والد مرحوم آپ کو دربار شریف لے گئے اور اپنے مرشد و مربی حضرت صالح محمد صاحب کے حضور میں پیش کر کے دست بیعت کرنے کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے بڑی شفقت سے آپ کو بیعت کیا۔ اس واقعے کے بہت عرصہ بعد جب آپؒ کالج چھوڑ کر درویشوں کی صورت میں دربار شریف پر قیام فرما ہوئے تو اُس وقت حضرت صالح محمد صاحبؒ وفات پا چکے تھے اور حضرت نور احمد صاحبؒ سجادہ نشین تھے۔ حضرت نور احمد صاحبؒ اکثر سفر پر دامان کے علاقے میں آیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپؒ مڈی تشریف لائے۔ یہ قصبہ کلاچی سے صرف چھ میل کے فاصلے پر ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف واقع ہے۔ فقیر صاحبؒ کلاچی سے ان کی زیارت کے لیے اپنے والد صاحبؒ کے ہمراہ مڈی گئے تھے اور وہیں اُن سے بیعت کی تجدید کر لی تھی۔ حضرت نور احمد صاحبؒ آپؒ کی بہت عزت کرتے اور ہمیشہ محبت سے پیش آتے تھے۔ حضرت نور احمد صاحبؒ نے آپؒ کو پروانۂ خلافت بھی اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر دے دیا تھا۔ اس خوشگوار اور یادگار دور کے بعد حضرت نور احمد صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت امیر سلطان رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا۔ حضرت امیر سلطانؒ صاحب کو بھی آپ سے خاص

اُنس تھا۔ آپؒ نے فقیر صاحبؒ کو اپنا خاص ہم نشین اور مصاحب بنا لیا تھا۔ آپؒ اکثر حضرت فقیر صاحب سے تصوف کے اہم مسائل اور دینی و روحانی امور پر مذاکرات اور بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؒ نے فقیر صاحب کو اپنے صاحبزادگان کا اتالیق خاص مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ موجودہ سجادہ نشین اور ان کے ہر سہ برادران برسوں تک آپ کے حلقۂ تلمذ میں شامل رہے ہیں۔ فقیر صاحبؒ کو حضرت پیر السید علی حیدر القادری الگیلانی بغدادی مرحوم کے صاحبزادوں کے اتالیق رہنے کا بھی شرف حاصل رہا ہے۔

علمی ذوق

انہی ایام میں حضرت سلطان العارفینؒ کی ایک قلمی کتاب آپؒ کی نظروں سے گزری۔ اُس کا بہت غور سے مطالعہ کیا۔ آپؒ نے یوں محسوس کیا کہ معرفت اور فقر کا ایک بیش بہا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ اس کے مطالعے میں اس قدر لطف آیا کہ برسوں حضرتؒ کی کتابوں کے مطالعے میں گزار دیے۔ اس کے بعد اور بہت سی قلمی کتابیں ہاتھ لگیں اور آپؒ اُن سے اپنی روحانی پیاس بجھاتے رہے۔ چنانچہ تیس چالیس کے قریب مختلف قلمی کتابیں جمع کیں۔ ایک ایک نسخے کو کئی بار نقل کیا اور سینکڑوں بار پڑھا لیکن طبیعت سیر نہ ہوتی تھی اور آخر وقت تک سیر نہ ہوئی۔ مسلسل بیسیوں سال تک یہ کتابیں قلم سے لکھتے لکھتے آپ کا خط اتنا ترقی کر گیا کہ آپ پورے خوشنویس بن گئے۔ ان کتابوں کو آپؒ نے پیر صحبت بنایا اور انہی سے سب کچھ حاصل کیا۔ ان کتابوں کی کتابت کے دوران بعد میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ دن کے وقت آپؒ کو سلوک کے جس مقام، حال منزل اور جس باطنی و روحانی معاملے اور واقعے کو لکھنے کا اتفاق ہوتا۔ رات کو حضرت سلطان العارفینؒ کی باطنی توجہ اور نوری نگاہ سے وہ منزل اور مقام طے ہو جاتا اور تحریر شدہ باطنی معاملہ اور واقعہ آپؒ پر منکشف ہو جاتا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت سلطان العارفینؒ نے یہ کتابیں صرف میری ہی خاطر قلم بند فرما کر چھوڑی تھیں۔ کیونکہ آج تک ان کتابوں کو میری طرح نہ کوئی سمجھ سکا ہے اور نہ ہی کوئی ان سے اس قدر روحانی استفادہ کر سکا ہے جس قدر میں نے کیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ کی کتابوں کی حقیقت سے دنیا کو متعارف کرانے اور اُن کے فقر سے طالبانِ راہِ حق کو روشناس

اور آگاہ کرنے کا شرف اور سعادت صرف آپؒ کے حصے میں آئی ہے۔

سلسلہ رشد و ہدایت

ابتدائی ایام میں آپؒ حضرت سلطان العارفین کے مزار پرانوار کی زیارت کے لیے سینکڑوں مرتبہ تن تنہا پیدل گئے ہیں تقریباً بارہ سال تک آپؒ صحرا نورد اور بادیہ پیمار ہے ہیں سینکڑوں راتیں تھل کے بے آب و گیاہ ریگستانوں اور جنگلوں میں بے بالین و بستر فرش خاک پر بسر کی ہیں۔ اس دوران میں آپؒ نے کوئی دنیاوی شغل اختیار نہیں کیا۔ دن رات ایک گونہ خمار کا عالم طاری رہتا تھا۔ ایک روحانی نشہ تھا جو آپؒ کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز اور بیگانہ رکھتا تھا۔ لوگوں سے کنارہ کشی اور خلوت گزینی کی یہ حالت کافی مدت تک قائم رہی لیکن بعد میں رفتہ رفتہ طبیعت میں سکون آتا گیا۔ اور جب سلوک کا راستہ مکمل طور پر طے کر لیا اور فقر کی تکمیل ہو گئی تو تنہائی اور گوشہ نشینی کی شدت کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ترکِ تام کا یہ دور ختم ہو گیا اور پھر مذہبی فرائض کے ساتھ ساتھ دنیوی فرائض کی طرف بھی توجہ دینی شروع کی۔ اس دور میں آپؒ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا جو آخر تک جاری رہا۔ آپ کی ذات بابرکات سے ہزاروں گم گشتگان بادیہ ضلالت کی رہنمائی ہوئی۔ ہزاروں عقیدت مندوں کو آپؒ کا روحانی فیض پہنچا۔ اور ہزاروں اشخاص آپؒ کے ہاتھوں ہدایت پاکر راہ راست پر آ گئے۔ کئی قادیانی آپؒ کی کتاب "عرفان" پڑھ کر قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ کثیر تعداد میں غیر مقلدین اور منکرین اولیاء کرام اہلِ سنت والجماعت کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ آپ کی تصانیف کا ہر حرف تاثیر اور تاثر سے لبریز ہے۔ ان کتابوں کی عبارت میں آپؒ کی باطنی توجہ اور روحانی جذبہ نہایت شدت کے ساتھ کارفرما ہے اور آپؒ کی روح ہمیشہ آپؒ کی کتابوں میں کارفرما رہے گی۔ اس چراغ ہدایت سے لوگوں کے سینے اور دل ہمیشہ روشن اور منور ہوتے رہیں گے۔ آپؒ کے احباب عقیدت مندوں اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ پنجاب کا علاقہ خاص طور پر آپؒ کے ارادت کیشوں کا مرکز رہا ہے۔ اپنے مریدوں کی دینی و دنیوی بھلائی کا آپ کو ہر وقت خیال رہتا۔ حضرت فقیر صاحبؒ کا تصنیف و تالیف کے سوا اور کچھ شغل نہیں تھا۔ آپؒ سادگی کو بہت پسند فرماتے۔ مشائخانہ ٹھاٹھ باٹھ اور

پیرانہ تصنع اور بناوٹ کے سخت مخالف تھے۔ سرمایہ داروں اور دولتمندوں کے ملاپ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ غریبوں اور درویشوں سے آپؒ کو خاص طور پر اُنس تھا۔ آپؒ آخر بڑھاپے کی کمزوری کے باوجود بھی سال میں دو مرتبہ دربار حضرت سلطان العارفینؒ پر حاضری دیتے تھے
جس زمانے میں فقیر صاحب دربار حضرت سلطان العارفینؒ پر قیام پذیر تھے۔ اُس زمانے میں حافظ موسیٰ صاحب مرحوم بقید حیات تھے جن کا درس حفظ قرآن کا ایک مثالی درس تھا۔ فقیر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حافظ موسیٰ صاحب نے پرانے دربار شریف پر میاں محمد مالی کے کنوئیں پر سرکنڈوں کی ایک منی بنا رکھی تھی۔ جس پر طالب علم رات کو قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز دوپہر کو میں اس منی کے نیچے چارپائی ڈال کر لیٹا ہوا تھا کہ مجھ پر ایک غیبی نور مستولی ہو گیا اور اُس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُس وقت میرے جسم کے تمام بال چکر کھا رہے تھے۔ اور اللہ ھو، اللہ ھو کا ذکر پکار رہے تھے کہ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ حافظ موسیٰ صاحب میرے پاس چارپائی ڈالے بیٹھے ہیں اور مجھے حیرت سے دیکھ رہے ہیں اور دل پر اللہ ھو، اللہ ھو۔ کی ضرب لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فقیر صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں حافظ موسیٰ نے میرا ذکر سلطان کسی طرح محسوس کر لیا تھا اور وہ اس کی نقل اتارنے کی کوشش کر رہے تھے۔

نیز فقیر صاحبؒ فرماتے کہ جن دنوں پُرانے دربار شریف کو دریائے چناب گرا رہا تھا اور حضرت سلطان العارفینؒ کا صندوق مبارک باہر نکلا ہوا پڑا تھا۔ لیکن حضور کا روحانی پرتو اکثر نئے دربار میں بہ نسبت پرانے دربار کے زیادہ جلوہ گر معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ ہم نے اکثر پرانی روائتیں سن رکھی تھیں کہ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کو محرم کے دنوں میں دریا گرائے گا اور جس وقت آپؒ کا صندوق مبارک نکلے گا تو آپ اُس صندوق مبارک سے باہر نکل کر نعرہ لگائیں گے تو جو لوگ موجود ہوں گے، وہ سب نعرہ سن کر اولیاء اللہ زندہ دل ہو جائیں گے۔ میں نے جب معاملہ بالکل خلاف توقع دیکھا تو رات کو حافظ موسیٰ صاحب کے حجرے کے اندر دل شکستہ اور بہت مایوس ہو کر سویا ہوا تھا کہ میں نے عالم رویا میں دیکھا کہ میں شور کوٹ کے قریب سارنگ خاں بلوچ کی اُس بستی میں پھر رہا ہوں جہاں

حضرت سلطان العارفینؒ کے والدین حضورؒ کے بچپن کے زمانے میں بود و باش رکھتے تھے چنانچہ میں بغیر ارادہ اتفاقاً حضورؒ کے اُسی پرانے گھر میں داخل ہو گیا جہاں حضور نے پرورش پائی تھی۔ میں نے ایک سرکنڈوں کے جھونپڑے کے اندر دیکھا کہ آپؒ کے والد صاحب ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور کی والدہ محترمہ مائی راستی صاحبہؒ زمین پر چولھے کے قریب تشریف فرما ہیں۔ جب مائی صاحبہ نے مجھ کو مکان کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو آپؒ نے حضرت سلطان العارفینؒ کی ننھی معصوم صورت کو ہاتھوں میں اٹھا کر میرے سامنے کر کے فرمایا۔" نور محمد! یہ میرا بچہ باھُوؒ ہے۔ میں نے اسے اس طرح اپنے ہاتھوں میں پالا پوسا ہے۔ جب آنحضرتؒ کی روشن نوری نگاہیں میری طرف پھریں تو مجھے وجد آگیا اور حق باھُوؒ، حق باھُوؒ کہتے آنکھ کھل گئی۔

آپؒ نے دعوت القبور کے سلسلے میں ہندوستان بھر کا کئی بار دورہ کیا تھا اور تقریباً تمام سربرآوردہ اولیاء کرام اور بزرگان عظام کے مزارات مقدسہ پر دعوت پڑھ کر روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ فرماتے کہ کسی ولی کی قبر پر صرف ایک رات کی دعوت سینکڑوں چلوں اور اعتکافات اور برسوں کی ریاضت و مجاہدے سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔ اگر روحانی اہل قبر تعاون کرے تو صرف ایک رات میں اہل دعوت کو وہ تمام مقامات طے کرا دیتا ہے جو اس نے طویل عرصے میں طے کرنے ہوتے ہیں۔

وصال آپ کا وصال ۲۶ ربیع الثانی بروز منگل ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں فیصل آباد میں ہوا مگر وہاں سے آپ کو کلاچی لے جایا گیا۔ جہاں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا اور آپ کا مزار اقدس کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں میں مرجع خاص و عام ہے۔

ماخذ:۔ عرفان جلد اول از فقیر نور محمد سروری قادری۔

حضرت سیّد قطب علی شاہ قادریؒ

وصال: ۱۳۴۶ھ مزار اقدس سند ھیلیانوالی ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب

حضرت سید قطب علی شاہ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم و عارف تھے۔ آپ ظاہری و باطنی علوم میں صاحب فضل اور باکمال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل میں یکتائے عصر اور بے مثال بنایا تھا۔ آپ کا اصل نام قطب علی تھا اور والد ماجد کا اسم گرامی سید امام شاہ بخاری تھا۔ آپ کے والد ماجد نہایت ہی متقی اور پرہیز گار تھے۔ پابند صوم الصلوٰۃ کے تھے نہایت ہی فیاض اور سخی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی بڑی مہمان نواز غریبوں اور محتاجوں کی حامی تھیں۔ مجسمہ شرافت تھیں۔ بڑی عفت والی اور باحیا تھیں۔ جود وسخا اور فیاضی میں بے مثل تھیں۔

پیدائش حضرت سید قطب علی شاہؒ بروز اتوار ستمبر ۱۸۵۰ء میں سند ھیلیانوالی ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسبی تعلق حسینی سادات سے تھا۔ آپ عہدِ طفولیت میں بڑے حسین و جمیل تھے۔

عادات بچپن آپ بچپن ہی میں نیک طبع اور باادب ہونہار اور ذہین تھے۔ بچوں کی طرح کھیل کود سے نفرت اور والدین اور بڑوں کا عقیدت سے احترام کرتے تھے۔ والدین نے پوری کوشش سے اچھی طرح سے تربیت کی۔ آپ کی طبیعت بچپن ہی سے نیک کاموں کی طرف رغبت رکھتی تھی۔

تعلیم آپ کو چھوٹی عمر میں تعلیم کے لیے داخل کیا گیا۔ مدرسہ کی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ آپ جو پڑھتے ازبر فرما لیتے۔ آپ نے اکابر علماء سے تعلیم حاصل کرکے سند حاصل کی۔ آپ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہمعصر تھے اور ان سے خاص عقیدت تھی۔

تعلیم کے بعد اشتیاق پیدا ہوا کہ کسی مردِ حق کے دست پر بیعت کی جائے۔ اس

جستجو میں کئی جگہ گئے اور بڑے اللہ کے بندوں کی زیارت کی مگر دل میں یہی نیت تھی کہ جہاں اللہ کو منظور ہو گا وہیں سے نظر کرم ہوگی۔

بیعت آپ نے حضرت مولانا سید چراغ علی شاہؒ کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ قادریہ میں داخل ہوئے۔ بسخت مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد خرقہ خلافت وا جازت حاصل کی۔ جس طرح آپ علم میں ممتاز تھے اسی طرح آپ نے روحانیت میں بھی ممتاز مقام حاصل کی۔

سلسلہ طریقت عالم بے بدل حضرت مولانا سید قطب علی شاہ۔ روحانیت کے علمبردار حضرت مولانا سید چراغ الدین شاہ۔ حضرت سید علی شاہ حضرت سلطان شاہ عرف امان اللہ شاہ ہاتھی وان۔ حضرت سید غوث شاہ۔ حضرت سید گل حیدر شاہ۔ حضرت سید مجتبےٰ شاہ۔ حضرت سید محمود جیلانی شاہ۔ حضرت سید مصطفےٰ شاہ حضرت سید عبدالرزاق شاہ۔ حضرت سید گل زین العابد شاہ۔ حضرت سید عبدالوہاب شاہ حضرت سید عبدالقادر شاہ۔ حضرت سید مرتضےٰ شاہ۔ حضرت سید محمد شاہ۔ حضرت سید عبدالقادر۔ حضرت سید غوث محمد شاہ۔ حضرت سید شمس الدین شاہ۔ حضرت سید میر شاہ حضرت سید نور شاہ۔ حضرت سید مسعود شاہ۔ حضرت سید احمد گل شاہ۔ حضرت سید گل ابوالفرح شاہ۔ حضرت سید فضل حق شاہ۔ حضرت سید عبدالوہاب شاہ۔ حضرت سید عبدالقادر محی الدین شاہ جیلانی بغدادی الخ۔ علیہم اللہ اجمعین۔

فیض عام آپ سے علاقہ سند صیلیا نوالی میں فیض عام جاری ہوا اور ہر آنے والے کی جھولیاں فیض سے بھر دیں۔ آپ جود وسخا اور فیاضی میں بمثل سمندر تھے آپ اپنے وقت میں جلیل القدر عالم دین اور عارف باللہ، مستجاب الدعا، فنا فی الرسول عاشق رسول، عالم باعمل، الصلوٰۃ معراج المومن، مجسمہ خشیت الہٰی، مہمان نواز، غریب پرور بیواؤں، یتیموں۔ محتاجوں کا سہارا، متقی زاہد اور عابد تھے۔ آپ سے ہزاروں آدمی علم دین اور روحانیت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کشف وکرامات کے مالک تھے آپ سے بہت کرامات ظاہر ہوئیں۔ آپ کی وجہ سے یہ بنجر علاقہ روحانی فیض سے سرسبز ہوا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءؕ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کر دے۔

آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت العلام سید چراغ علی شاہؒ کی خدمت میں رہ کر اپنی جان سے بڑھ کر ان کی خدمت کی اور ہمہ وقت حکم بجا لانے کے لیے مستعد رہتے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جب تک مرید اپنے پیر و مرشد پر پروانہ وار نہ ہوگا۔ اپنی منزل مقصود کو کبھی نہیں پا سکتا اور ساری عمر حیران پریشان پھرتا رہے گا۔ مرید صادق الیقین اور حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے والا بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کرنے صوم وصلوٰۃ کا اور احکام شریعت پر سختی سے عمل کرنے والا وہ یقیناً اپنی منزل مقصود جلد سے جلد حاصل کرے گا۔

آپ کا فضل و کمال آپ کی تصانیف سے معلوم ہوتا کہ آپ ایک ممتاز مصنف بھی تھے۔

تصانیف اسرار معرفت (سلوک کے مسائل پر) ۲۔ مناظرہ ہیر و قاضی (قاضی کی جانب سے شریعت کی تلقین اور بزبان ہیر عشق و معرفت کی حکایات ر ۳۔ رسالہ رد شیعہ بقول امامیہ ر ۴۔ شوائظ البرقات فی رد رمی الجمرات (رد شیعہ میں لاجواب کتاب ہے) ۵۔ انوار قدسیہ فی رد رموز بدلیعہ۔ (رد شیعہ) ۶۔ فہرست نہج البلاغہ (رد شیعہ)

مسلک آپ مسلکاً اہل سنت والجماعت حنفی تھے اور تمام عمر اسی کی تبلیغ فرماتے رہے اور جگہ جگہ تبلیغی دورے کرتے رہے۔ آپ ایک وقت میں علامۃ الدہر، روحانیت میں بلند مقام، اعلیٰ مبلغ و خطیب اور بلند پایہ کے مصنف بلکہ ہمہ صفت موصوف تھے۔

وصال وہ شمع روحانی جو سندھیلیانوالی علاقہ پیر محل کی بنجر قدیم کو سرسبز کرنے کے لیے آئی تھی۔ کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت اللہ الصمد پڑھتے پڑھتے صمد کے پاس جا گزیں ہوگئی۔ جمادی الاخر ۱۳۴۶ھ مطابق نومبر ۱۹۲۷ء میں واصل بحق ہوئے۔ وہیں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے اور سالانہ عرس پر بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ آپ ایک بہت

بڑے زمیندار بھی تھے۔ فیصل آباد کے ڈویژن میں بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے ہیں۔

قطعہ تاریخ وصال درج ذیل ہے

یوم خمیس از جمادی الآخر دیدہ ام حادثہ یکے پُر درد
کرد از ما جدا قضائے قدیر قطب اقطاب کامل اکمل مرد
گفت ہاتف کہ آہ احمد دین
قطب شاہ از جہاں رحلت کرد
۱۳۴۴ھ

ماخوذ:۔ ارباب طریقت از حاجی محمد ادریس، تذکرہ اکابر اہل سنت از عبدالحکیم شرف قادری۔

حضرت پیر کبار چشتیؒ

وصال ۵۵۰ھ مزار کوہستان علاقہ۔ پشاور سرحد

حضرت پیر کبار کا اصل نام وتو تھا۔ لیکن وہ اپنی عظمت و بزرگی کے لحاظ سے پیر کبار کے نام سے اس طرح مشہور ہوئے کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے۔ وہ قوم افغان سے تھے۔ قوم شوربانی و خویشگی کے وہ لوگ جو فقرائے اہل چشت سے تعلق رکھتے ہیں انہیں کی اولاد سے ہیں۔ پیر کبار کے والد کا نام شورہ بن خویشگی ہے۔ شورہ کے تین صاحبزادے تھے، ایک پیر کبار، دوسرے حسین خویشگی، تیسرے خلف خویشگی۔ ان تینوں صاحبزادوں میں پیر کبار اپنی عمر اور مرتبے کے لحاظ سے افضل ترین تھے۔

بیعت جب ان میں جذبۂ شوق الہیٰ بیدار ہوا تو وہ ایک طویل عرصے تک شیخ کامل کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ جس شیخ کی خدمت میں اسی تلاش و جستجو میں وہ حضرت قطب الدین خواجہ مودود چشتی کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت مودود چشتی

نے ان کو اپنے پاس رکھا، اور باورچی خانے کے لیے پانی لانے کی خدمت ان کے سپرد کی۔ چالیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر اس خدمت کو بجا لاتے رہے، یہاں تک کہ جب حضرت خواجہ مودود چشتی کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے پیر کبار کو بلا کر خلعت اور خرقہ خاص سے سرفراز فرمایا اور اپنے وطن واپس جانے کا حکم دیا، لیکن وہ اپنے پیر کی وفات کے بعد شدت محبت کی بنا پر وہیں مقیم رہے۔ اور اپنے پیر کے مزار گوہر بار کی جاروب کشی کرتے رہے۔ دوسری مرتبہ پھر پیر نے عالم رویا میں ارشاد فرمایا اور تاکید کی کہ وہ اپنے وطن واپس جائیں۔

وطن کی واپسی اپنے پیر کے مکرر ارشاد پر اپنے وطن کوہستان پشاور میں واپس لوٹے۔ کوہستان کے لوگ ان سے کرامت کے طالب ہوئے، چنانچہ ان سے بعض کرامات کے صدور کو دیکھ کر عام طور پر کوہستانی لوگ ان کے مرید ومعتقد ہو گئے، خصوصاً قبیلہ خویشگی تو بالکلیہ ان کا مرید ہو گیا۔

رشد و ہدایت پیر کبار نے اس علاقے میں شمع رشد و ہدایت کو روشن کیا اور بہت سے طالبان حق نے ان سے ہدایت کی راہ پائی۔

وصال پیر کبار ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) میں واصل الی اللہ ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے ذیل کے قطعے میں ان کی تاریخ وفات قلم بند کی۔

از جہاں چوں شیخ دتو شیخ دیں
رفت در دربار جنت یافت بار
متقی آمد وصال پاک او
۵۵۰ھ

ہم ولی دو جہاں پیر کبار
۵۵۰ھ

خلفاء پیر کبار کے خلفاء میں جس بزرگ نے شہرت و عظمت حاصل کی وہ شیخ بنگ ہیں صاحب "خزینۃ الاصفیاء" ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

از اکمل مریدان وے شیخ بتنک بود کہ صاحب
کشف و کرامت و ولایت و ہدایت و ارشاد شد

پیر بتنک کے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ وہ خویشگی کے صاحبزادے اور پیر کبار کے بھائی کے لڑکے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ بتنک خواجہ مودود چشتی کے نواسے تھے اور ان کے والد کا نام خواجہ عمر تھا، پیر کبار نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ تا قیام قیامت ان کی اولاد اور مرید معرفت سے خالی نہ ہوں۔

ماخوذ :۔ تذکرہ صوفیائے سرحد از اعجاز الحق قدوسی۔

حضرت تاج الدین سرورؒ چشتی شہید

مزار اقدس بستی تاج سرور چشتیاں بہاولنگر پنجاب

حضرت بابا تاج الدین سرور چشتی شہید سلسلہ چشتیہ کے اکابر بزرگان سے ہیں آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ بدر الدین تھا جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے فرزند ارجمند تھے اور حضرت بابا صاحب کے وصال کے بعد ان کی مسند پر زیب سجادہ بنے۔ اس لحاظ سے حضرت بابا تاج الدین سرور شہید بابا صاحب کے پوتے تھے۔

آپ کی ولادت پاک پتن ہی میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی۔ آپ کی اپنی والد ہی سے باطنی فیوض و برکات حاصل کیے اور ان کی ہدایت پر بے پناہ ریاضت و عبادت کے کئی چلے کاٹے اور آہستہ آہستہ منازل ولایت کو عبور کیا۔ آخر جب روحانیت میں ہر طرح سے کامل ہو گئے تو آپ نے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دینے لگے اور مختلف مقامات پر پھر کر آپ نے تبلیغ اسلام کی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے دست مبارک پر ریگستان بیکانیر و جیسلمیر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جوئیے اور رکھو یرے خاص طور پر آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت

خواجہ نور محمد مہاروی بھی بڑی باقاعدگی سے آپ کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اپنے آخری ایام میں جب ضعف پیری کی وجہ سے پاک پتن شریف جانا دشوار ہو گیا تھا تو آپ جمعہ کی نماز یہیں آکر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

"شیخ تاج الدین سرور علیہ الرحمۃ کامل بزرگ اور خدارسیدہ ولی تھے مگر صاحب ارشاد نہ تھے"۔

شیخ تاج سرور کے مجاہدے اور ریاضت کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے مزار کے قریب لکڑی کا ایک خربوزہ لٹکا ہوا ہے جس پر دانتوں کے نشان بھی پڑے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ آپ اکثر بے خور دخواب چلے کھینچتے تھے اور جب روزہ کھولنے کی خواہش ہوتی تھی تو لکڑی کے خربوزے پر اصلی خربوزہ سمجھ کر منہ مار لیتے تھے۔

بایں ہمہ آپ کا حلقہ اثر بیکانیر و جیسلمیر تک پھیلا ہوا تھا اور آپ اسلام کی تبلیغ کے لیے اکثر ان مقامات پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہی تبلیغی مساعی آپ کی جان لیوا ثابت ہوئیں، راجپوت جنہیں آپ کی تبلیغی سرگرمیاں قطعی پسند نہ تھیں آپ کے درپے آزار ہو گئے اور ایک دن انہوں نے موقع پا کر آپ کو شہید کر دیا۔ اور آپ جس مقام پر رہتے تھے وہیں آپکو دفن کیا گیا جو بعد میں بستی تاج سرور کے نزد چشتیاں منڈی ضلع بہاولنگر کے نام سے مشہور ہوئی۔ آپ کے مزار اقدس پر ایک بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے۔ ہر سال آپ کا عرس بھی منایا جاتا ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ قحط سالی کی صورت میں اگر خانقاہ تاج سرور میں آکر نماز استسقا ادا کی جائے تو بارش ہو جاتی ہے۔ لوگ یہاں بچوں کی منتیں مانتے ہیں اور صحت امراض کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں۔

ماخوذ:۔ اولیائے بہاولپور از مسعود حسن شہاب۔

حضرت بدر الدین اسحٰق چشتیؒ

وصال ۶۹۰ مزار پاک پتن ساہیوال پنجاب

آپ کا اسم مبارک بدرالدین تھا اور آپ کے والد ماجد کا نام علی اور دادا کا نام اسحٰق تھا آپ کا خاندان اہل تقویٰ سے تھا۔ اور آپ کے والد ماجد محبانِ اولیاء سے تھے۔

تحصیلِ علم آپ نے دہلی میں علم تفسیر قرآن، حدیث، فقہ، ادب، منطق اور صرف نحو پڑھی فارغ التحصیل کے بعد سند تعلیم حاصل کی۔ آپ اپنے وقت میں علم وفضل کی اس منزل عالی پر فائز ہوئے کہ دہلی کے علماء کرام میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ کے ذہن میں کچھ علمی مسائل پیدا ہوئے جن کے حل کے لیے آپ نے کئی سفر اختیار کیے مگر ان کا خاطر خواہ حل نہ ملا۔

بیعت وخلافت پیر کامل تلاش کرنے کی غرض سے آپ سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے پاک پتن پہنچے۔ اس وقت حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے علم وولایت کی شہرت عالم دنیا میں پھیل چکی تھی۔ اور طالبان حق دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت مولانا بدرالدین اسحٰقؒ کو ہم سفر دوست نے اصرار کیا کہ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان علمی مسائل کو حل کریں۔ جن کے لیے آپ طویل سفر طے کر رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے دوست کے اصرار پر حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پہلی ہی صحبت میں تمام علمی مسائل کو اس طرح حل کر دیا کہ مولانا بدرالدین اسحٰق حیران رہ گئے۔ انہوں نے ایسے علمی نقطے بیان فرمائے کہ جو مشکل سے مشکل مسئلہ تھا بالکل آسان طریقہ سے بیان فرما دیا۔ آخر حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے علمی وروحانی مقام سے متاثر ہو کر ان کے دست حق پر بیعت کر لی پھر انہی کی صحبت میں رہ کر ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

سلسلہ طریقت حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق حضرت مولانا شیخ فریدالدین گنج شکرؒ

حضرت خواجہ بختیار کاکی۔ خواجہ معین الدین اجمیری ؒ الخ۔

شادی آپ کی شادی فاطمہ بی بی بنت حضرت فریدالدین گنج شکرؒ سے ہوئی۔ اس طرح آپ کو داماد گنج شکر ہونے کا اعزاز بھی ملا اور پھر آخری دم تک آپ بابا صاحب کی خدمت میں رہے۔ ان کے بطن سے آپ کے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک کا نام خواجہ محمد امام اور دوسرے کا نام خواجہ موسیٰ تھا۔

گریہ زاری جب آپ نماز پڑھتے تو نماز میں بہت رویا کرتے تھے اور سجدہ کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو جایا کرتی تھی ؎

پیش سیاست عشق روح چہ نطق منیر ند　　　اے زہزار صعوہ کم پس تو نواجہ میزنی

آپ تمام دن اس شعر کو ذوق کی وجہ سے عالم تحیر میں رہے اور آنسو جاری تھے شام کا وقت ہوگیا۔ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے ان کو امامت کے لیے حکم دیا۔ انہوں نے قراءت کے وقت یہی شعر پڑھا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو حضرت باباجیؒ نے دوبارہ امامت کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ آپے میں رہو۔ اس دفعہ نماز مکمل ختم ہوئی۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝

وفات آپ کا ۶۹۰ھ پاک پتن میں انتقال ہوا۔ جامع مسجد کے صحن میں دفن کیے گئے۔ سید مبارک کرمانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا بدرالدینؒ جلتی ہوئی شمع کی طرح آئے تھے اور جلد ہی کمالات کو پہنچے۔ اور جلد ہی حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ سے جا ملے۔

حضرت اخوند پنجو بابا چشتیؒ

وصال سنہ ۱۰۴۰ھ مزار مصری پورہ پشاور سرحد

دسویں صدی ہجری کے صوفیہ میں جن بزرگوں نے مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اصلاح۔ باطن پر خاص طور پر زور دیا اور ان تمام آلودگیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ جنہوں نے روحانی زندگی کو خراب کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک اخوند پنجو بابا بھی تھے جنہوں نے سرحد میں سلسلۂ چشتیہ کے چراغ کو روشن کر کے اس سرزمین کے لوگوں کو عرفان و ہدایت کی روشنی دکھائی اور ان کی خانقاہ صوبۂ سرحد کے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا مرکز بنی۔

نام و نسب آپ کا اصل نام تو سید عبدالوہاب تھا لیکن آپ عوام میں اخوند پنجو بابا مشہور ہوئے۔ کہتے ہیں کہ آپ چونکہ بنیادی طور پر ارکان خمسۂ اسلام کی تعلیم دیتے تھے، اس لیے ابتداً آپکے مخالفین نے آپ کو استہزاءً "پنجو بابا" کہنا شروع کیا، جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے مخالفین آپ کو استہزاءً "پنجو بابا" کہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میری خوش نصیبی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ میرا نام پانچوں بنائے اسلام کی تبلیغ کی بنا پر میرے مخالفین نے "پنجو بابا" رکھا ہے، خدا کرے کہ قیامت تک میرا یہی لقب ہو۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ "پنجو بابا" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

ترکِ وطن "آئین اکبری" میں ابوالفضل نے آپ کو شیخ پنجو سنبھلی لکھا ہے۔ یہ اس بنا پر کہ آپ کے اجداد سنبھل کے رہنے والے تھے۔ جب ابراہیم لودھی نے پانی پت کے میدان میں بابر سے شکست کھائی اور افغان امراء اور فوجی افسروں کا زوال شروع ہوا تو ان میں سے اکثر ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اسی افراتفری کے زمانے میں آپ کے والد محترم حضرت غازی بابا بھی براہ ہزارہ یوسف زئی کے علاقے میں تشریف لائے۔ اور وہاں علاقہ مندنڑ میں گجو خاں بانڈہ کے قریب موضع ترکی میں سکونت اختیار

فرمائی۔ حضرت غازی بابا بھی صاحب صلاح و تقویٰ بزرگ تھے۔ انہوں نے جناب صالح محمد صاحب معروف بہ دیوانہ بابا کی خالہ سے شادی کی۔

ولادت

صاحب تذکرہ علماء و مشائخ سرحد کا بیان ہے کہ ۹۴۵ھ میں حضرت اخوند پنجو بابا کی ولادت باسعادت موضع الکلائے علاقہ یوسف زئی میں ہوئی۔ یہ ملک گجو خان کی سرداری کا زمانہ تھا۔

تعلیم

حضرت اخوند پنجو بابا نے علوم ظاہریہ میں کن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تذکروں میں اس کی تفصیل نہیں ملتی، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں موضع چوہا گجر میں ایک بڑے عالم رہتے تھے جو قاضی بھی تھے۔ حضرت غازی بابا نے اس گوہر ولایت کو ابتدائی تعلیم کے لیے ان بزرگ کے سپرد کیا اور انہیں بزرگ سے اخوند پنجو بابا نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ حصولِ تعلیم کے لیے ہندوستان تشریف لے گئے اور تعلیم کے سلسلے میں آپ کا قیام روہیل کھنڈ میں زیادہ رہا اور وہیں کے علماء سے آپ نے علومِ ظاہریہ کی تکمیل کی۔

وطن کو واپسی

علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد آپ شاہ ڈھنڈ تشریف لائے۔ اسی اثنا میں آپ کے والد موضع گوجر سے ترکِ سکونت کر کے شاہ ڈھنڈ تشریف لے آئے تھے، جو پشاور بالاحصار کے قریب گھاس کا ایک وسیع جنگل تھا اور یہاں مویشیوں کے لیے چارہ کافی تھا۔ یہیں حضرت غازی بابا نے وفات پائی۔ آج بھی آپ کا مزار قلعۂ بالاحصار کے پیچھے وائرلیس گراؤنڈ میں موجود ہے۔ ترکہ پدری سے جو نقدی اور بھینس حضرت اخوند پنجو بابا کو وراثت میں ملی تھیں وہ سب آپ نے خیرات کر دیں۔ تھوڑے دن کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی وفات پائی اور ان کی میراث کو بھی جو آپ کو ملی تھی وہ بھی راہِ خدا میں آپ نے دے دی۔ صرف کتابیں رہنے دیں۔

اکبر پورہ میں تشریف آوری

پینتالیس سال کی عمر میں حضرت اخوند پنجو بابا نے ۹۹۰ھ میں شاہ ڈھنڈ کی سکونت ترک کر کے موضع اکبر پورہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔

رشد و ہدایت اسی موضع میں مقیم ہو کر آپ رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور اس سرچشمۂ علم و معرفت سے ہزاروں طالبانِ علم و معرفت فیض یاب ہوئے۔

درس و تدریس درس و تدریس حضرت اخوند پنجو بابا کا خاص مشغلہ تھا۔ قاضی میرا احمد شاہ رضوانی صاحب "تحفۃ الاولیاء" کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ درس دینے میں مشغول رہتے۔ آپ کی درس گاہ سے تقریباً تین سو علماء علم کا آفتاب بن کر نکلے جنہوں نے اپنی تبلیغی ضوفشانیوں سے اس علاقے کی سرزمین کو منور کر دیا۔

تبلیغ و اصلاح کہتے ہیں کہ آپ کے تشریف لانے سے پہلے موضع اکبر پورہ چالیس محلوں پر مشتمل تھا۔ ہر محلے میں ایک بیٹھک تھی جس میں لوگ بھنگ اور چرس پی کر گانے بجانے میں مصروف رہتے۔ اتنے بڑے گاؤں میں ایک بھی قابلِ ذکر مسجد نہ تھی۔ اس گاؤں کے لوگ عیش و سرمستیوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو چکے تھے آپ نے سب سے پہلے یہاں تشریف لا کر ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آئندہ چل کر کھجور والی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی مسجد میں آپ نے نمازِ جمعہ کا اہتمام کیا اور ان بگڑے ہوئے لوگوں میں اصلاح و تبلیغ کا کام شروع کیا، امر بالمعروف کے لیے اطراف و اکناف میں تبلیغی وفود بھیجے، عوام کو ابتداءً اسلامی عقائد یعنی ارکانِ خمسہ اسلام سے واقفیت کرانے کی کوشش کی۔ مواعظ کے ذریعہ سے اخلاقی قدروں کو بلند کیا اور اس خرابے میں علم و عرفان کی وہ شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کھنچ آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔

بیعت اتفاق سے ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) میں حضرت میرا ابو الفتح قنباچی جو کہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری (۲) کے مرید و خلیفہ تھے۔ پشاور ہوتے ہوئے اکبر پورہ تشریف لائے۔ اخوند پنجو بابا نے سلسلہ چشتیہ میں انہیں بزرگ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

ریاضتیں اور مجاہدے

عبادت و ریاضت اور کیفیات میں بھی آپ پر سلسلہ چشتیہ کے اکابر شیوخ یعنی حضرت احمد عبد الحق ردولوی حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی اور حضرت جلال تھانیسری کا رنگ غالب تھا۔ استغراق کی کیفیت زیادہ طاری رہتی تھی، نماز کے وقت اُن کے مریدین اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر بیدار کرتے اور وہ عالم جذب و استغراق سے باہر آ کر نماز ادا فرماتے، حضرت اخوند پنجو بابا پر بھی سکر و استغراق کی یہی کیفیت طاری رہتی تھی۔ نماز کے وقت آپ کے خدام یا حق یا حق کہہ کر اٹھاتے تھے آپ اٹھ کر وضو کرتے، نماز ادا فرماتے اور پھر استغراق میں غرق ہو کر ماسوا اللہ سے بے خبر ہو جاتے۔

اخلاق

آپ کے آئینہ اخلاق میں سخاوت اور استغنا کا وصف سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ کوئی حاجت مند آپ کے در سے خالی نہ جاتا تھا۔ استغنا و بے نیازی کی یہ کیفیت تھی کہ اُمراء و حکام کے تحفے قبول نہ فرماتے تھے۔ شاہان مغلیہ نے کئی مرتبہ لنگر کے مصارف کے لیے کچھ پیش کرنا چاہا مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا۔

شاہان وقت کی عقیدت

شاہان وقت کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ۹۲۳ھ میں جب پیر روشان نے مغل حکومت کے خلاف شورش کی، تو خود سلطان جلال الدین اکبر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا۔ اس وقت آپ کھجور والی مسجد میں مقیم تھے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

معمولات

آپ کے روز و شب کے معمولات یہ تھے کہ صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز تک ذکر میں مصروف رہتے، دوپہر تک حبس دم اور دیگر اوراد و وظائف پڑھتے، نماز ظہر کے بعد تھوڑی دیر قیلولے کے بعد طلبہ کو درس دیتے۔ عصر سے مغرب تک صلوٰۃ الوسطیٰ میں مشغول رہتے۔ مغرب کی نماز کے بعد درس قرآن مجید دیتے۔ عشاء کی نماز کے بعد اوراد و وظائف اور مراقبات میں مشغول ہو جاتے۔ اس طرح آپ کا تمام وقت یاد الٰہی اور اطاعت رسول میں گزرتا تھا۔

فضائل ومناقب

"صاحب خزینۃ الاصفیاؔ" مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ شیخ پنجو پشاوری اپنے وقت کے مشائخین کاملین میں تھے، عبادت وعشق میں غرق اور اہل چشت کے طریقے کو پھیلانے میں سرگرم عمل اور ساعی رہتے تھے۔ ان کا طریقہ مولانا درویزا پشاوری کے طریقے کے مطابق تھا، وہ انکی تصنیف "مخزن الاسلام" کو بہت عزیز رکھتے تھے اور لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اگرچہ افغانی زبان میں گفتگو کرتے، لیکن فارسی زبان میں شعر کہتے اور ہندی (اردو) میں گفتگو فرماتے تھے۔ ان کے مریدوں میں مولانا چالاک میانہ، شیخو شاہجہانپوری اور شیخ علی وغیرہ مشہور ہیں جنہوں نے علوم دینی سے آپ کی خدمت میں رہ کر بڑا حصہ حاصل کیا تھا۔

وفات

آپ عہد شاہجہانی میں ۹۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کی تجہیز وتکفین میں میاں عثمان اخون سالک کابگرامی میاں علی بابا اور حضرت شیخ رحمکار جیسے جلیل القدر بزرگ شریک تھے۔

آپ کے صاحبزادے عثمان میاں کے مشورے کی بنا پر آپ کو اکبر پورے کے قریب مصری پورہ میں دفن کیا گیا، جہاں آج بھی آپ کا مزار پُرانوار مرجع خلائق ہے۔

مزار

آپ کا مزار مبارک پہلے بالکل سادہ بنا ہوا تھا، لیکن ۱۲۲۲ھ میں پشاور کے رہنے والے ایک صاحب مصطفیٰ نامی نے اسے پختہ تعمیر کرایا اور اس پر سنگ مرمر کا کتبہ نصب کرایا۔ سکھوں نے اپنے دور اقتدار میں اس مزار کو توڑا۔ شمس العلما قاضی میر احمد رضوانی اکبرپوری نے لوح مزار کے یہ چند شعر نقل کیے ہیں، جن سے اس مزار کی تعمیر کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔

حامی ملت رسول اللہ
شیخ پنجو اخون جی بابا
قطب دوراں وغوث خلق خدا
چیدۂ صاحبان صدق وصفا
الف درصد وبست ویک بالا
شد معمر مزار او والا

انگریزوں کے عہد میں اس مزار پر گنبد کی تعمیر ہوئی۔

اولاد حضرت اخوند پنجو بابا نے اپنے بعد چار صاحبزادے چھوڑے۔ جن کے نام یہ ہیں۔
(۱) عثمان میاں (۲) سلیمان میاں (۳) لقمان میاں (۴) فریدالدین میاں۔

عرس حضرت اخوند پنجو بابا کا عرس ۲۷، ۲۸ رجب کو ہر سال بڑے اہتمام سے منعقد ہوتا ہے۔

حضرت اخوند درویزا چشتیؒ

وصال ۱۰۴۸ھ مزار ہزار خوانی پشاور

حضرت اخوند درویزا کو صوبہ سرحد میں رشد و ہدایت اور اسلامی تعلیمات پھیلانے اور اپنی تبلیغی کوششوں سے اس علاقے میں عرفان و ہدایت کو عام کرنے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اس علاقے میں قدیم صوفیاء کے طرز پر تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا، اور اپنی زبان و قلم سے عین اس وقت شمع رشد و ہدایت روشن کی، جب کہ اس علاقے کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے، مذہب کی روح اوہام کے تار و پود میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ان کی کتابوں کا پڑھنے والا یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان میں شدید دینی جذبہ ہے اور انہوں نے اپنی تحریروں میں ہر اس شخص کا جو ان کے عقائد سے ذرا بھی ہٹا ہوا تھا نہایت ہی حقارت سے تذکرہ کیا ہے، ان کے خلوص نیت اور ان کے جذبہ ایمانی سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس علاقے میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کو انہوں نے احیاء بخشا، اور وہ آخر دم تک احیائے ملت اور احیائے کلمۃ الحق میں مشغول رہے۔

حضرت اخوند درویزا رحمۃ اللہ علیہ حضرت میر سید علی غواص کے خلفاء میں تھے، جنہوں نے حضرت شیخ نظام الدین بلخی سے خلافت حاصل کی تھی اور جو سلسلہ چشتیہ صابریہ

کے جلیل القدر شیوخ میں سے تھے۔

حضرت اخوند درویزا کی جلالتِ شان اور علم و فضل کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ریورٹی جس کا شمار پشتو ادبیات کے بڑے عالموں میں ہوتا ہے، اس کا بیان ہے کہ افغانوں میں سب سے مشہور اور عالم بزرگ حضرت اخوند درویزا ہی ہیں۔

خاندان

اخوند درویزا اگرچہ پٹھان نہ تھے لیکن وہ ایک عرصے تک قبیلۂ یوسف زئی، اور علاقہ یوسف زئی میں مقیم رہے۔ خود ان کے بیان کے مطابق ان کے بزرگوں میں سے سب سے پہلا شخص جو لمغان کی جانب سے ننگھار آیا وہ جیون بن جلنتی تھا وہ اپنے آبائی نسب کے سلسلے میں اپنے اجداد کا تعلق تاجک ترکوں سے، اور اپنے مادری شجرۂ نسب کو سلاطین بلخ سے ملحق کرتے ہیں۔

ولادت

حضرت اخوند درویزا کی ولادت اور مقام ولادت کے متعلق مولوی رحمان علی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب "تذکرۂ علمائے ہند" میں ان کا سنہ ولادت سنہ ۹۴۰ھ (۱۵۳۳ء) لکھا ہے۔ اس کا صحیح پتہ نہیں چلتا کہ حضرت اخوند درویزا کا اصل نام کیا تھا۔ ان کے تمام تذکرہ نویس انہیں "اخوند درویزا" ہی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

"یوسف زئی پٹھان" کے مؤلف اللہ بخش صاحب یوسفی نے اس ضمن میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ اخوند اور درویزا دونوں لقاب ہیں، اول الذکر علامہ کے مترادف ہے، اور موخر الذکر اس وجہ سے مشہور ہوا کہ طلباء کو محلے یا گاؤں کے گھروں سے آواز دے کر وظیفہ (سامانِ خوراک) دینے کی رسم انہوں ہی نے جاری کی تھی اور اس وقت تک پشاور اور مردان کے بعض علاقوں میں مساجد کے طلباء "وظیفہ لاؤ ایماندارو" کی جو آواز دیتے ہیں، وہ انہیں اخوند درویزا کی رسم کہن کی یادگار ہے۔

بچپن کا زمانہ

اپنے بچپن کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے اخوند درویزا لکھتے ہیں کہ میں نے زمانہ طفولیت ہی سے فطرۃ زہد و ریاضت کی طرف میلان پایا تھا۔ میں نے اپنے بچپن سے لے کر اس وقت تک اس رجحان میں کوئی کمی محسوس نہیں کی۔ بلکہ اس میں ایک زیادتی ہی محسوس کی ہے۔ میں ابھی بچہ ہی تھا اور حال و

کیفیات کا مجھے شعور نہ تھا۔ اس وقت بھی میرے شب و روز گریہ و زاری میں گزرتے تھے، اکثر اوقات مجھے گریہ وزاری میں دیکھ کر میری والدہ میرے طمانچے مارتی تھیں۔ کبھی کبھی تو شدت گریہ سے میری جان پر بن جاتی تھی اور میں اس کی کوئی تعبیر نہیں کر سکتا۔ کہ مجھے یہ رونا کیوں آتا ہے۔ اور کیا یہ رونا عذاب تنگیٔ قبر کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ یہاں تک کہ میں نے کچھ اور ہوش سنبھالا۔ اب میں راتوں کو عبادت کرتا، دنوں کو روزے رکھتا اور ہمیشہ با وضو رہتا اور شرعی اوامر و نواہی کی شدت سے پابندی کرتا، یہاں تک کہ مجھ کو تزکیہ بدن اور تصفیہ قلب حاصل ہو گیا۔ میں اور بھی امور دین میں اہتمام کرنے لگا، جس کی بدولت میں صفائی باطن میں ترقی کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں بلوغ کی حد تک پہنچ گیا۔ چونکہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی بنیاد علم پر ہے اور جاہل واردات شیطانی اور رحمانی میں فرق نہیں کر سکتا۔ میں بھی ان واردات میں کوئی فرق نہ کر سکتا تھا بلکہ تمام واردات قلبی کو حقانی جانتا تھا۔ یہاں تک کہ میں افغانوں کا کامل و مکمل شیخ ہو گیا۔

اپنے استاد کے سامنے ایک پیشنگوئی

اسی زمانے میں ایک دن میرے استاد ملا سنجر پابینی نے مجھ سے کہا کہ آج کل ترکلانی قبیلے کے لوگوں نے، چکاں سرائے قبیلے کے لوگوں کو قلعہ بند کر رکھا ہے معلوم نہیں کہ ان کا کیا انجام ہوگا۔ میں جانتا تھا کہ میرے استاد محترم چکاں سرائے قبیلے کے لوگوں کی فتح کے لیے رجحان رکھتے ہیں۔ میں نے دل میں اس پر غور کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان سے کہا کہ چکان سرائے ایک موضع ہے جو دو دریاؤں کے درمیان ہے حالانکہ میں نے کبھی موضع چکاں سرائے نہ دیکھا تھا۔ پھر میں نے اس کے کچھ اور علامات بیان کیے۔ میرے استاد نے کہا کہ تم نے صحیح کہا، پھر میں نے کہا کہ ترکلانی کے لوگوں نے شکست کھائی۔ چنانچہ جب ان کے شکست کی خبر ہمارے ہاں پہنچی تو ان کی شکست کا وقت وہی تھا، جس وقت میں نے کہا تھا۔

تحصیل علم اور پہلا استاد

اپنے تحصیل علم کے واقعات کی تفصیلی بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا لکھتے ہیں کہ ایک روز

میں بنیر میں اپنے دوستوں کے ساتھ کوہ جعفر کے مشرقی جانب جا نکلا، اور ایک درخت کے نیچے مکین گاہ میں شکار کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ میں تیر کو ظاہراً طور پر کمان میں چڑھائے ہوئے تھا لیکن میری روحی توجہ اس سے غافل تھی۔ میں اسی حال میں تھا کہ دو سفید ریش شخص عصا ہاتھ میں لیے پہاڑ پر سے اتر کر اچانک میرے سامنے آئے اور انہوں نے کہا۔ احسن الخالقین ورب العالمین۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئے۔ چونکہ میں اس وقت تک الف ب بھی نہ جانتا تھا مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے کیا کہا۔ لیکن یہ بات مجھے یاد رہی اور میں نے اس کا تذکرہ اپنے استاد مخدومی ملا مصر احمد سے کیا، جو سید محمود ولی بخاری کی اولاد میں تھے۔ انہوں نے پوری کیفیت سن کر فرمایا کہ اے فرزند دلبند! میں نے رات خواب میں دیکھا کہ تم ایک خطرناک دریا میں غرق ہو رہے ہو۔ ہر چند میں نے تم کو اس دریا سے نکالنے میں ہاتھ پاؤں مارے، لیکن میں جتنے بھی ہاتھ پاؤں مارتا تھا اُتنے ہی تم غرق ہوتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ میں تم کو نہ پا سکا۔ میری والدہ اس خواب کی تعبیر کو سوچ کر بہت پریشان ہوئیں، اور خوف زدہ ہو گئیں۔ حضرت مخدومی ملا مصر احمد نے فرمایا کہ میرے اس خواب کی تعبیر اور تمہارا مشاہدہ آپس میں تطابق رکھتے ہیں۔ اگر تم نے طلب علم میں کوشش کی تو تم اس بلند مرتبے پر فائز ہو گے کہ ہم سے اور اپنے زمانے کے اکثر علماء سے سبقت لے جاؤ گے۔ یہ سن کر اسی وقت میری والدہ نے تھوڑا سا میوہ حضرت مولانا مصر احمد کی خدمت میں پیش کیا اور حضرت ملا احمد نے ایک تختے پر حروف تہجی لکھ کر مجھے دیے اور مجھے پڑھانا شروع کیا۔ اسی دن میں نے نماز عشاء تک سات مرتبہ قواعد حروف تہجی کو سیکھ لیا، آٹھویں مرتبہ میں نے ابجد کو پڑھا، یہاں تک کہ میں نے سمجھ لیا کہ احسن الخالقین ورب العالمین کا یہ کلمہ کلمات علم میں سے تھا اس کے بعد ہر روز میں دو سورتیں پڑھتا یہاں تک کہ میں نے سورۂ فجر ختم کی۔ پھر میں ہر روز ایک سورۃ پڑھتا۔ یہاں تک کہ میں نے ایک سال میں پورا قرآن مجید چند کتابوں کے ساتھ پڑھ لیا۔ یہاں تک کہ مخدومی مصر احمد مجھ سے تحصیل علم کرنے لگے۔ خدا کا فضل میرے شامل حال تھا، جو کچھ میں سنتا میرے حافظے میں پتھر کی لکیر ہو جاتا اور میں اسے نہیں بھول

سکتا تھا۔

زمانۂ طالب علمی میں خشیت الٰہی

اپنی زمانۂ طفلی کی خشیت الٰہی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا نے لکھا ہے کہ یوں تو میں بچپن سے لے کر زمانۂ بلوغ تک ہمیشہ خوف الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتا تھا لیکن جب میں علم حاصل کرنے میں مشغول ہوا تو میں نے اپنے اساتذہ ملا مصر احمد وغیرہ کو اپنے سے بھی زیادہ خشیت الٰہی کی وجہ سے لرزاں و ترساں پایا۔ ان کی خشیت کو دیکھ کر مجھ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ میری یہ حالت ہو گئی کہ بعض مرتبہ تو میں یہ سمجھتا تھا کہ خشیت الٰہی سے میری جان نکل جائے گی۔

ملا جمال الدین سے تعلیم

یہاں تک کہ جب میں ملا جمال الدین ہندوستانی کی خدمت میں طلب علم کے لیے حاضر ہوا، اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے لگا، تو میں نے وہاں کے شاگردوں کے حالات کو مختلف پایا۔ وہ اکثر اوقات متبسم و خنداں نظر آتے اور قہقہے لگاتے رہتے تھے، اور آپس میں مذاقیہ باتیں کرتے رہتے تھے، ان کے قلب میں خوف، خطرۂ قیامت اور مرنے کا خوف کم دیکھنے میں آتا تھا۔

شیخ سید علی ترمذی کی خدمت میں حاضری

اپنے پیر و مرشد حضرت سید علی کی خدمت میں حاضری کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا لکھتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ ایک دن میرے استاد ملا سنجر ازراہِ شفقت مجھے شیخ الاسلام والمسلمین، امام المومنین، سراج الامتین شیخ علی ترمذی علیہ الرحمہ والغفران کے مکان پر لے کر حاضر ہوئے۔ میں نے ملاقات کے بعد حضرت سے اپنے حالات وکشف وکرامات کو بیان کیا، حضرت سید علی نے ہنس کر فرمایا اب تو تم افغانوں کے پیر ہو گئے ہو، لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ ریاضت میں بغیر شیخ فانی کے اس قسم کا اقدام بسا اوقات گمراہی تک پہنچا دیتا ہے۔ مبتدی کو چاہیے کہ وہ شروع میں زہد و ریاضت اس طرح کرے کہ وہ اپنے گفتار و کردار میں رسول اکرم کا ہو بہو متبع ہو، ورنہ وہ مردود دارین

ٹھہرے گا، اگرچہ اس کا عمل بظاہر مجاہدہ دکھائی دیتا ہو۔

تجدید توبہ

اس کے بعد میرے پیر حضرت سید علی نے کچھ اور موعظت و نصیحت کی باتیں فرمائیں، یہاں تک کہ میں تجدید توبہ کے شرائط بجا لایا۔ توبہ کا شرف حاصل کرنے کے بعد میرے پیر نے مجھے اوامر۔ واجبانہ کا حکم دیا، جیسا کہ ایام بیض کے روزے صلوٰۃ، اوابین اور پانچوں وقت کی نماز کو با جماعت ادا کرنا وغیرہ۔ اگرچہ میں ان معاملات و عبادات میں پہلے سے ثابت قدم تھا، لیکن میرے پیر نے بحیثیت پیر کے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مجھے ان باتوں کا حکم دیا تھا۔

بیعت

ایک مدت کے بعد میرے استاد مدقق اور خواجہ محقق حاجی الحرمین ملا زنگی بابینی نے حضرت سید علی سے گزارش کرتے ہوئے کہا کہ اخوند درویزا آپ سے تشغل و تلقین کا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ اس کا اہل بھی ہے، امید ہے کہ آپ اس کو اپنی بیعت سے مشرف فرمائیں گے۔ حضرت سید علی کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ عموماً تلقین ذکر سے احتراز کرتے تھے، صرف خاص خاص ہی لوگوں کو تلقین فرماتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ذکر امانت الٰہی ہے۔ اس امانت کو اس کے اہل ہی کو دینا چاہیے اور اس کے اہل علمائے اتقیاء ہیں، نہ کہ عوام و جہال کی جو اس کے شرائط و لوازم کے پورا کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اس کی گرمی کو برداشت نہیں کر سکتے اور آخر ضلالت و گمراہی میں اور الحاد و بدعت میں جا پڑتے ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کا فضل میرے شامل حال تھا، حضرت شیخ نے بھی میرے استاد ملا زنگی کی بات سن کر فرمایا واقعی وہ اس کا اہل ہے۔ پھر شرائط تلقین ادا کرانے کے بعد ظہر کے وقت آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے خوب اچھی طرح غور کر کے بتلاؤ کہ کون سے وقت اگر تمہیں ذکر کی تلقین کی جائے تو وہ تمہارے قلب کی گہرائیوں میں اتر سکے گا میں نے غور و فکر کے بعد عرض کیا کہ بعد نماز عشا مناسب ہو گا۔

ریاضت و عبادت

چنانچہ اس کے بعد چند دن کی حضوری نے مجھ میں یہ کیفیت پیدا کر دی کہ میں کھانے پینے، سونے اور لوگوں کے میل جول سے بہت دور ہو گیا۔ کبھی کبھی میں نیند میں ہوتا تھا۔ اس نیند سے میرے جسم کو آرام ضرور ملتا تھا

لیکن اگر اس جگہ کوئی بات کرتا تھا تو میں سونے میں بھی وہ ساری بات سن لیتا تھا، میری نیند یہاں تک کمزور ہو گئی کہ اگر مکھی بھی اڑ کر اس طرف سے گزرتی تو اس کے پروں کی بھنبھناہٹ سے میری آنکھ کھل جاتی۔ وہ کیفیات ناموجہ جو اہل اللہ کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔ اس سے قبل میرے قلب پر وارد ہوتی تھیں۔ وہ یکبارگی مفقود ہو گئیں۔ میں نے تھوڑی ہی مدت میں خدا کے فضل اور اُس کی مشیت اور پیر کی توجہ سے علم باطنی میں نمایاں ترقی کی۔

شیخ کا ارشاد

حضرت شیخ نے میری روحانی ترقیات کو دیکھ کر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ وقت طلب علم تصوف میں نہایت ہی جدوجہد اور احتیاط کا ہے اسی وقت سے عارف کو اپنے آپ کو شریعت محمدانی کے مطابق بنانا چاہیے، تاکہ وہ اپنے ایمان کو اور جماعت کثیر مومنین اور مومنات کے ایمان کو زوال سے محفوظ رکھے اور مسلمانوں کو تشبیہ و تعطیل سے موسوم کرے۔ چونکہ اکثر اہل ہوا اس زمانے میں بغیر ادائی شروط مذکورہ کے جب اس علم کے اشارات و عبارات سے عاجز رہتے ہیں تو معرفت بیچون و بیچگون میں غلطی کھا کر کفر کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ بعض اس غلطی میں مبتلا ہو کر خدا کو صورت میں منصور کرتے ہیں، اور بعضے خدا کو کسی مکان پر جانتے ہیں، اور بعضے ارواح و انفاس کو خدا جانتے ہیں اور بعضے تمام اشیاء کو ایک وجود اور ایک ذات جان کر خدا کہتے ہیں، اور بعضے خدا کو خلق میں اور خلق کو خدا میں محو جانتے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو کر ایسے کلمات زبان پر لاتے ہیں جو شریعت محمدیہ کے خلاف ہوتے ہیں، اور ان کلمات اور اس قسم کے معتقدات سے کافر ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الکفر بعد الایمان۔

پس چاہیے کہ علم تصوف کو ایسے استاد حقانی اور شیخ ربانی سے حاصل کرے کہ جس کا ظاہر و باطن شریعت محمدیہ سے آراستہ ہو، تاکہ علم تصوف کے اشارات کو شریعت کے علم کے مطابق کرے۔

رسالۂ جام جہاں نما کی تعلیم

پھر اسی وقت آپ نے مجھ کو رسالہ حضرت شیخ جام جہاں نما عنایت فرمایا۔ آپ اس کا درس دیتے جاتے تھے اور میں سنتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے اس رسالے کے کلمات کے متعلق تقریر

فرمائی۔ میں اس تقریر پہ ایک رات اور ایک دن غور کرتا رہا۔ کیونکہ اس علم کی بنیاد تامل و تفکر پر ہے۔ آخر میں نے اپنے تفکر و تامل کے نتائج کو اپنے شیخ کے سامنے پیش کیا اس کے باوجود کہ میں نے جانا اور سمجھا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نہ کچھ جانتا تھا نہ سمجھتا تھا

اس کے علاوہ میں نے اور چند رسالے جیسا کہ لمحات اور سوانح اور دیوان خواجہ قاسم انوار ہے۔ حضرت کے سامنے نظر سے گزرے۔

شیخ کی تاثیر گفتار اور کردار

میرے شیخ (حضرت سید علی) کے تاثیر گفتار اور کردار کا یہ عالم تھا کہ تصوف کے اکثر طالب علم تھوڑا ہی سا پڑھ کر اور بہت ہی کم زمانے میں حضرت شیخ کی توجہ سے متبحر عالم ہو جاتے تھے۔

خلافت

مختصر یہ کہ ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہا۔ چونکہ حضرت کو متقدمین مشائخ سے پانچ خانوادوں میں بیعت کی اجازت حاصل تھی، چار میں اپنے شیخ سالار رومی کی طرف سے اور ایک میں اپنے جلد کی طرف سے۔ آپ نے چار خانوادوں میں مجھے اجازت عطا فرمائی۔ وہ خانوادے جن میں ان کے شیخ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ان کی صراحت کرتے ہوئے حضرت اخوند درویزا نے لکھا کہ وہ سلسلۂ کبرویہ، سلسلۂ عزیزیہ چشتیہ، سلسلۂ سہروردیہ اور سلسلۂ شطاریہ ہیں۔

شیخ کی وفات

حضرت اخوند درویزا نے اپنے شیخ کی وفات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ۱۵۸۳ء (۹۹۱ھ) میں میرے شیخ (حضرت سید علی ترمذی) نے وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد ہی اکبر بادشاہ نے اس علاقے کے لوگوں کی طرف توجہ کی۔ میرے شیخ کا ارادہ کسی وقت بھی اس علاقے میں رہنے کا نہ تھا لیکن یہاں کے قیام کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آب و دانے کی قید لوہے کی قید سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ آپ کے شیخ حضرت سالار رومی نے بھی میرے شیخ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہارا مسکن "کوہستان" ہوگا۔ یہ دو چیزیں آپ کو یہاں سے منتقل ہونے میں مانع آتی تھیں۔ اس پر بھی جب کبھی آپ یہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتے تو قبیلے کے لوگ آپ سے گڑگڑا کر عرض کرتے کہ صرف ایک سال اور قیام

فرمایا ہے۔ چونکہ تقدیر میں اسی خاک میں ملنا مقدر تھا، وہ مجھے بھی یہاں سے جانے سے روکتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد الحمد اللہ کہ آپ کی اولاد بھی آپ ہی کے نقش قدم پر رہے اور درگاہ ذوالجلال سے امید ہے کہ آپ کے خاندان والے کبھی ہوا و بدعت کی طرف مائل نہ ہوں گے۔

رشد و ہدایت اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت اخوند درویزا نے اس علاقے میں گمراہیوں کو دور کرنے اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں، اگرچہ شدت دینی کی وجہ سے انہوں نے ان لوگوں پر جو ان سے ذرا بھی اختلاف رکھتے تھے بڑی لعن وطعن کی ہے اور اپنے مخصوص عقائد سے ہر اختلاف کرنے والے کا ذکر نہایت حقارت سے کیا ہے جس کو ہم نے ان کے حالات کے خاتمے پر تفصیل سے پیش کریں گے مگر اس کو ہم نے ان کے حالات کمزوری کہا جاسکتا ہے، لیکن ان کے خلوص نیت پر کوئی حرف نہیں لایا جاسکتا ہمیں بایزید کے مسئلے میں ان کی رائے سے خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، لیکن ہمیں اس اعتراف میں ذرا بھی باک نہیں کہ افغانوں سے بدعات کے دور کرنے، علم کو عام کرنے، اور طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے اور روحانی مطلق العنانی کو دور کرنے میں ان کی زبان اور قلم کا بڑا حصہ ہے۔

شاعری اخوند درویزا نہ صرف اہل قلم تھے، بلکہ پشتو زبان کے شاعر بھی تھے۔ میر احمد شاہ رضوانی مرحوم نے اپنی کتاب بہارستان میں ان کی ایک مثنوی صبر کی فضیلت پر نقل کی ہے۔

پشتو زبان وادب پر اخوند درویزا کے احسانات

حضرت اخوند درویزا پشتو وادب کے محسنین میں ہیں۔ انہوں نے پشتو زبان کے ارتقاء میں غیر معمولی حصہ لیا ہے۔ انہوں نے پشتو میں کتابیں لکھ کر اس زبان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا، اس لیے ان کا نام پشتو زبان کے خدمت گزاروں میں ہمیشہ عظمت سے لیا جائے گا۔

وفات حضرت اخوند درویزا آخر عمر میں علاقہ یوسف زئی سے نکل کر پشاور میں مقیم

ہو گئے تھے جہاں انہوں نے سنہ ۱۰۴۸ھ (سنہ ۱۶۳۸ء) میں عہد شاہجہانی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک پشاور میں موضع ہزار خانی کے قریب مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت نور محمد ثانی نارووالہ چشتیؒ

وصال ۶ جمادی الاول سنہ ۱۲۰۳ھ مزار اقدس حاجی پور ضلع راجن پور

حضرت مولانا نور محمد ثانی نارووالہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی چشتیؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے بے نظیر عالم تھے۔ آپ حضرت قبلہ عالم کے خاص محرم راز تھے۔ آپ عالم دین ہونے کے ساتھ عارف کامل بھی تھے۔ آپ کو اپنے پیر بھائیوں میں خاص مقام حاصل تھا۔ آپ کے والد کا نام صالح محمدؒ تھا۔ آپ حاجی پور ضلع راجن پور کے رہنے والے تھے مگر بعد میں چاہ نارووا ضلع ڈیرہ غازی خاں میں آکر آباد ہو گئے۔

واقعہ بیعت حضرت حافظ محمد سلطانؒ آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے اور علوم ظاہری میں آپ کے ہمدرس تھے۔ جب حافظ محمد سلطان پوری حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں صاحبؒ سے بیعت ہو کر اپنے ملک واپس آئے تو حضرت نارووالہ صاحب کی خدمت میں آکر علوم ظاہری کی تحصیل کرنے لگے۔ اکثر اوقات حضرت مولانا صاحب کی توجہ سے حافظ صاحب پر ایسی حالت مستی وارد ہوتی کہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتے حضرت نارووالہ صاحبؒ نے جب حافظ صاحب کا یہ حال دیکھا تو ان کے دل میں بھی اہل اللہ کی بیعت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور حافظ صاحب مذکور کے ہاتھ ارسال کیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ مثنوی مولانا روم کا مطالعہ کریں نیز کچھ اوراد و اشغال بھی عطا فرمائے اور یہ بھی لکھا کہ اگر بیعت کی خواہش ہو تو میاں صاحب نور محمد مہارویؒ سے بیعت کریں کہ ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔

حضرت نارووالہ صاحبؒ کچھ عرصہ وظائف واشغال اور مطالعۂ مثنوی میں مصروف رہے
آخر غلبۂ شوق سے بے قرار ہو کر بیعت کے ارادہ سے بہار شریف کی طرف روانہ ہوئے
حضرت قبلہ عالمؒ اُن دنوں حضرت مولانا صاحبؒ کی زیارت کے لیے دہلی گئے ہوئے تھے
حضرت نارووالہ صاحبؒ نے راستہ میں یہ خبر سنی تو کچھ لمحہ خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے
لیے ضروری ہے کہ ہم بہار شریف جائیں اور حضرت قبلہ عالمؒ کی آستاں بوسی کریں۔ خواہ آپ
وہاں ہوں یا نہ ہوں۔ جب بہار شریف پہنچے تو دیکھا کہ حضرت قبلہ عالمؒ ایک رات پہلے سے
بہار شریف میں موجود ہیں۔ حضرت قبلہ عالم نے فرمایا کہ ہمارا معمول تھا کہ جب ہم دہلی حضرت
مولانا صاحب کی خدمت میں جاتے تھے تو دو تین ماہ وہاں قیام کرتے تھے مگر اس دفعہ
ابھی چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ مولانا صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ وطن کے لیے جلد روانہ
ہو جاؤ کہ ایک مرد دور دراز سے بیعت کے ارادہ سے آپ کے گھر آرہا ہے۔ پس میں
جلد دہلی سے روانہ ہو کر تمہارے لیے یہاں آیا ہوں۔" خلیفہ صاحب آپ کی قدم بوسی سے
مشرف ہو کر محظوظ ہوئے۔ اور خدا کا شکر بجا لائے۔ اس دور دراز سفر کی تھکان دیدار
فیض آثار سے مبدل بہ راحت و نعمت ہو گئی۔ رات کو جناب قبلہ عالمؒ صاحب نے کچھ دودھ
اور کھانا آپ کی ضیافت کے لیے بھیجا۔ اور آپ کے اتقاء اور بزرگی کا خیال فرمایا کہ یہ کھانا
اور دودھ وجۂ حلال سے ہے۔ اس کے گوارا کرنے میں تامل نہ فرمائیے۔ ہمارا قاعدہ ہے
کہ جناب مولانا صاحب کی خدمت میں دو تین ماہ رہتے ہیں۔ لیکن ابھی چند دن گزرے تھے
کہ انہوں نے مجھے فرمایا۔ وطن کو جلد لوٹ جاؤ۔ کیونکہ ایک مرد خدا دور دراز فاصلہ سے تمہاری
بیعت کے لیے آرہا ہے۔ اس لیے جتنا ممکن ہو سکا ہم پہنچ گئے۔ الغرض دوسرے دن
خلیفہ صاحب آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ کچھ مدت وہاں رہے۔ پھر نارووالہ چلے گئے
چند ماہ نہ گزرے تھے کہ خود حضرت قبلہ عالمؓ نارووالہ تشریف لے گئے۔ اُن دنوں بارش
کا موسم تھا پہاڑی نالے جاری تھے۔ عبور بڑا مشکل تھا۔ حضرت قبلہ عالم ایک ندی کے کنارے
پر پہنچے۔ ندی کو خیریت سے عبور کیا۔ لیکن پاؤں مٹی سے ایسے آلودہ ہو گئے کہ بار بار دھونے
کے باوجود صاف نہ ہوتے تھے۔

جناب خلیفہ صاحب بھی یہ حال دیکھ رہے تھے کہ مبادا میرے پیرومرشد کا دل ملول ہوجائے۔ حضور نے نورِ معرفت سے ان کی ضمیر کا تجسس کیا اور فرمایا کہ سبحان اللہ یہاں کی مٹی بھی وفادار ہے کہ اترنے میں نہیں آتی۔ یہ محبت آمیز کلمات سن کر خلیفہ صاحب کا کاسہ دل خوشی سے لبریز ہوگیا۔ اور باری تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

واقعات فیوض وبرکات

آپ کی ذات گرامی کی دعاؤں اور نگاہِ عنایت سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچا چند واقعات فیوض وبرکات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کشتی کا واقعہ

خیر الاذکار میں ہے کہ ایک دفعہ آپ کشتی میں سوار تھے کہ یکایک کشتی کا ایک چوبی تختہ ٹوٹ گیا اور کشتی پانی سے بھر کر غرق ہونے لگی۔ خلق نے واویلا شروع کر دیا۔ آخر کشتی آپ کی برکت سے غرق ہونے سے بچ گئی۔ آپ کے ایک مرید محمد موسیٰ والا نے کہا کہ یہ کشتی کس طرح غرق ہوتی کہ اولیاء اللہ کی کشتی غرق نہیں ہوتی۔ آپ کو غصہ آگیا۔ فرمایا کہ "اس کشتی میں کونسا ولی تھا۔ ہوسکتا ہے تم ولی ہو"۔ تمام لوگ ہیبت سے خاموش ہوگئے۔

۲۔ اصلاح کی دعا

مہار قوم کے ایک مرد کو اپنی عورت سے اُنس اور محبت نہ تھی۔ ایک دن عورت خلیفہ صاحب کی خدمت میں آئی اور عرض کی کہ خدا کے لیے غور فرمائیں کہ میرا خاوند مجھ سے راضی ہو۔ آپ حالت استغراق میں تھے۔ فرمایا کونسا خاوند۔ اس نے کہا۔ فلاں اچھا میں تو سمجھتا تھا کہ تم خاوند حقیقی کو راضی کرنا چاہتی ہو۔ اب جاؤ خاوند مجازی تجھ سے راضی ہوجائے گا۔ جونہی گھر پہنچی تو دیکھا خاوند عورت کیلیے بے قرار ہے۔ قریب آیا اور محبت کا اظہار کیا کہ حد بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی میں مرتے دم تک یہی انس قائم رہا۔

۳۔ روحانی طور پر اطلاع دینے کا واقعہ

مولوی محمد حسن راجن پوری کی روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت خلیفہ

صاحب کے عرس سے چند روز پہلے خواب میں دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں اے محمد حسن! میرے تمام دوستوں کو خط لکھو کہ وہ عرس پر حاضر ہو جائیں۔ میں نے خواب کی حالت میں ان کے نام بنام خط لکھے۔ جب میں بیدار ہوا تو حیران رہا، یہاں تک کہ عرس کی تاریخیں آ پہنچیں۔ میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رقعے لکھے گئے تھے وہ سب کے سب موجود ہیں۔ تب سے مجھے یقین ہو گیا کہ شیخ کی کشش کے بغیر مرید کی ہر کوشش بیکار ہے اور کوئی بھی ان کے دروازہ پر نہیں آسکتا۔ جب تک آپ نہ بلائیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے:۔ ے

تا کہ از جانب معشوق نہ باشد کششے
کوشش عاشق بیچارہ بجائے نرسد

ہرگز نہ نند بلبل یار در صفِ گلزار
تا گل بہ طلبگاری اولب نکشاید

۴۔ کھانے میں برکت کا واقعہ

سنگھڑ میں کسی شخص نے آپ کی دعوت کی اور قیاس کے مطابق دس بارہ آدمیوں کا کھانا تیار کیا۔ جب آپ تشریف لائے تو آدمیوں سے زیادہ آپ کے ہمراہ تھے۔ وہ بیچارہ گھبرا گیا۔ مفلس اور مسکین شخص تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر آپ مسکرا دیے اور تسلی دی۔ جب کھانا لایا گیا تو اپنا ہاتھ مبارک اس میں ڈال دیا۔ کھانے میں اتنی برکت ہوئی۔ کہ حاضرین نے بھی کھایا اور بچا کچھا دیہات میں تقسیم کیا گیا۔

۵۔ اللہ کے بندے کو کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی

میاں یار محمد قوم بجار جو خلیفہ صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ ایک کنوئیں کی احداثی پر مامور کیا گیا۔ یہ کنواں حضور خود اپنے خرچ پر گھر میں بنوا رہے تھے۔ ایک دن میاں یار محمد اپنے گھر کے کنگن لے کر آیا اور عرض کی کہ اسے قبول فرمائیں کہ ایک دو روز کی مزدوری نکل آئے گی آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ ہم فقیروں کا کام محض خدا کے ذمے ہے۔ خود بخود سرانجام ہوتا رہتا ہے۔ ایک دفعہ جب آپ حجرہ میں تشریف فرما تھے اور خلوت کا وقت تھا تو میاں یار محمد پاؤں کے دبانے کے عذر سے اندر چلے گئے۔ موقع پا کر عرض کی کہ میری نذر قبول فرمائیں۔ حجرہ میں اندھیرا تھا اور دروازہ بند تھا۔ یکایک اُجالا ہوا اور بے سبب بوریا اٹھ گیا۔ میاں مذکور کی

جو نظر پڑی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بوریے کے نیچے زمین پر سونے کا فرش بچھا ہوا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہوئی۔ چپ رہا۔ باہر چلا آیا۔ اور یقین کیا کہ قرض وغیرہ اٹھانا ان لوگوں کا بہانہ ہوتا ہے ورنہ دراصل غیب کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔

۶۔ حکم مرشد کی اطاعت

خیر الاذکار میں مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں تحصیل علم کے بعد آپ کی بیعت سے مشرف ہوا تو مجھے تلقین فرمائی کہ اگر تم سے کوئی شخص مسئلہ پوچھنے آئے تو کتاب دیکھ کر بتلا دیا کرو۔ اس فقرے کی یہ تاثیر ہے کہ آج تک کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جو کسی نے پوچھا ہو اور میں نے صحیح نہ بتایا ہو۔ ایک بار میں آپ کی خدمت میں مشرف ہوا تو مجھ سے طلباء کا حال پوچھنے لگے میں نے عرض کی کہ قبلہ بعض طالب علم آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں تھوڑے ہیں جو آتے ہیں مگر رہ جاتے ہیں۔ فوراً یہ شعر پڑھا ؎

اگر بیائی بیا کہ درباں نے نیست
ور بروی برو کہ پا بہانے نیست

۷۔ ایک علمی مسئلے کا حل

مولوی صاحب مذکور لکھتے ہیں کہ اسی سفر میں آپ بستی کوڑا خاں میں فروکش تھے۔ عشا کا وقت تھا۔ لوگوں نے نماز ادا کرنے کی تیاری کی میں بھی وضو کر کے حضور کے قریب آ بیٹھا۔ دوستوں میں سے ایک شخص حافظ کے اس مصرعہ کو گنگنانے لگا۔ ع

راست بگو کہ ایں زماں تاتوا زان کیستی

مجھے جنبش ہوئی۔ یہاں تک کہ میں اپنی جگہ سے اچھلا اور صف سے نکل پڑا پھر اٹھ کر اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسری رات جب ہم سفر کر رہے تھے۔ میں اور حافظ محمد سلطان پوری حضور کی سواری کے پیچھے تھے۔ میاں محمد فاضل بھٹہ نے مجھ سے پوچھا کہ اگلی رات جب تم پر حالت طاری ہوئی اور بے ہوش ہو گئے تو نماز عشاء اسی وضو کے ساتھ کیوں پڑھی۔ وضو تازہ کر کے نماز پڑھنی چاہیے تھی تو میں اس کے جواب میں خاموش رہا۔ حافظ صاحب بھی خاموش تھے لیکن جناب خلیفہ صاحب مخاطب

ہو کر فرمانے لگے کہ یہ مسئلہ "رشحات" میں اس طرح لکھا ہے کہ جب صوفی پر وجد کی حالت طاری ہوتی ہے تو نفس کلی نفس جزوی پر غالب آجاتا ہے۔ بشری خواص چلے جاتے ہیں۔ اس لیے وضو کا اعادہ لازم نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ مسئلہ تو یقیناً یہی ہے مگر ہمارے بزرگوں کا معمول یہی ہے کہ اگر صوفی کو اس حالت میں اپنی حرکات و سکنات اور افعال کا شعور رہے۔ یعنی جانتا ہو کہ اب میرا حال یہ ہے اور پہلے یہ تھا تو وضو فاسد نہیں ہوتا لیکن اگر مستی کے جوش میں اپنے احوال سے بے خبر ہو جائے تو وضو کا اعادہ لازم ہے کیونکہ یہ حالت جنون سے ملتی جلتی ہے اور جنون فقہ میں ناقضِ وضو ہے۔ پھر میں نے اپنے حال میں غور کی۔ میں نے سوچا کہ میں اپنے حال سے بے خبر نہ تھا اور خالی اضطراب تھا

۸۔ علمی مسئلہ کا بہتر حل پیش کیا

ایک دفعہ جناب خلیفہ صاحب مہار شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ موضع صالح پور میں شیخ محمد قریشی نے آپ کی دعوت کی۔ اثنائے دعوت میں بعض علمی مسائل پر بحث چھڑ گئی۔ مولوی نور احمد ساکن نوشہرہ۔ حافظ محمد سلطان پوری۔ قاضی محمد یار ساکن داؤد جال وغیرہ بہت سے بزرگ اور عالم اس مجلس میں موجود تھے۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث کے مطابق حکم ہے کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار۔ الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار اور کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک بار پڑھنا بے حد ثواب کا موجب ہے سوال یہ ہے کہ ان اعداد کی تعیین کیوں کی گئی ہے۔ آیا اس لیے کسی کو کمتر پڑھنے کی جرأت نہ ہو یا کہ اس کا ثواب انہی اعداد سے مربوط ہے اور اس میں کمی بیشی جائز نہیں۔ سب بزرگوں نے پہلی بات پر اتفاق کیا۔ یعنی کہ لوگ اس سے کم پڑھنے نہ پائیں۔ مولوی محمد گھلوی صاحب اس مجلس میں موجود تھے۔ عرض کی کہ میں نے حصن حصین کے حاشیہ میں دیکھا ہے کہ وہاں مصنف نے اس کی توضیح اس مصرعہ سے کی ہے۔ ع

من زاد اللہ فی حسناتہٖ

یعنی جس نے زیادہ پڑھا اس نے باقی نیکیوں کو بڑھایا۔

حضرت خلیفہ صاحب چُپ تھے۔ اور ہر ایک کی بات سن رہے تھے۔ اس پر

ارشاد کیا کہ اعداد کی تعیین اس ورد میں لازم ہے نیز ثواب موعود کا حاصل ہونا۔ انہیں اعداد سے مشروط ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کچھ خزانہ مٹی کے نیچے دبا لیتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے نکالنے کا ارادہ کرتا ہے۔ جب وہ مٹی کھودتا ہے تو کدال ایسی جگہ لگتا ہے جو اس کا مقررہ نشان نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس خزانہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہی حال اس ورد میں ہے۔ اگر اعداد مقررہ کے مطابق ورد نہ کیا جائے تو موعودہ ثواب نہیں ہوگا۔ تمام بزرگوں نے تسلیم کیا۔

۹۔ روحانی کمال کا واقعہ

حضرت چچا خواج محمود صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اپنے پیر و مرشد قاضی محمد عاقل صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میں حضرت قبلہ عالم کے تمام خلفاء کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں اور ہر ایک کے کمالات کے حالات سے تھوڑا بہت واقف ہوں۔ مگر خلیفہ صاحب کا وصال میری بلوغت سے پہلے ہو چکا تھا اس لیے میں ان کی زیارت سے محروم رہ گیا۔ آپ نے ازراہ عنایت مجھے ایک ورد بتلایا جو آپ کو حضرت قبلہ عالم صاحبؒ سے ملا تھا حکم کے مطابق میں نے تعمیل کی اور حجرہ میں بیٹھ کر مراقبہ کرنے لگا۔ ایک رات دیکھا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے نوری جلوے آسمان سے نازل ہو رہے ہیں۔ جب میں نزدیک آیا تو دیکھا کہ یہ انوار نبیری جناب خلیفہ صاحب کے سر پر ہے۔ میں بدستور مراقبہ میں مشغول رہا۔ پھر دیکھا کہ وہی نور آسمان سے برس رہا ہے اور جناب خلیفہ صاحب کے سر پر جلوہ پاش ہے۔ تین بار اسی طرح دیکھا۔ چوتھی دفعہ نور کی بارش خود میرے سر پر ہونے لگی۔ الحمد للہ علی ذالک۔

۱۰۔ راز کی بات

حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب کے خلیفے میاں احمد فرماتے ہیں کہ ایک رات خلیفہ صاحب اپنے سجادہ پر جلوہ افروز تھے۔ میں بھی قریب سویا ہوا تھا۔ حجرے میں اندھیرا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرۂ انور چمکنے لگا اور چودھویں کے چاند کی طرح حجرہ نور سے منور ہو گیا۔ خلیفہ صاحب اٹھے اور نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ چھت میں ایک سوراخ بھی ہو گیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد

پھر اترے اور مصلیٰ پر بیٹھ کر مشاغلِ نماز ہو گئے ہیں۔ میں نے ان سے اس کی کیفیت پوچھی تو فرمایا وعدہ کرو کہ یہ راز میری مدتِ حیات میں کسی سے بیان نہ کرو گے۔ میں نے عہد کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب عارف کمالِ متابعتِ نبی میں محبوبی درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو یہی کیفیت اس کو نصیب ہوتی ہے۔

روحانی کمالات

آپ کو کشف پر بہت عبور حاصل تھا۔ آپ کے کشف کے چند واقعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ بھولی ہوئی بات بتا دی

مولوی محمد میاں جان محمد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے فرزند حقیقی حافظ محمد صاحب کی شادی تیار تھی۔ مجھے حکم ملا کہ شہر اوچ (جو سندھ میں ایک قصبہ ہے)، کو جاؤ اور فلاں فلاں کپڑے لاؤ۔ میں نے کپڑے خریدے۔ لیکن بیچک میں کچھ رقم زائد درج کرا کے لے آیا جو دراصل میری خیانت تھی۔ حاضر ہو کر میں نے حساب کا فرد پیش کیا تو فرمایا۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو کچھ ہوا النفع ہی نفع ہے۔ میں نے فرد پیش کرنے اور قیمتوں کی تفصیل سنانے میں اصرار کیا۔ چار و ناچار سننے لگے۔ حساب کے صرف ایک دو فرد سنے اور فرمایا کہ فلاں کپڑا تو تو نے اس قیمت پر لیا۔ زیادہ قیمت کیوں درج کی۔ اپنے لیے جو فلاں فلاں چیزیں خریدیں۔ ان کی قیمت کہاں سے دی۔ میں اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور معافی مانگی۔

۲۔ خادم کے دل کی بات کہہ دی

مولوی محمد گھلوی میاں محمد جوایا سے روایت کرتے ہیں کہ محمد جوایا جناب خلیفہ صاحب کا غلام تھا۔ ایک دن خلیفہ صاحب مسجد کے باہر چھجے میں قیلولہ فرما رہے تھے میں بھی وہاں سو گیا۔ نماز ظہر کا وقت آیا۔ میں جاگ پڑا اور ان کی خدمت میں بیٹھ گیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ آج تو ہم غلام حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کے فیض سے دنیا میں خوش و خرم ہیں۔

دیکھیے ان کے وصال کے بعد ہمارا کیا حال ہو۔ آپ میری دلی کیفیت سے واقف ہو گئے
آسمان کی طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ میاں، ایسے خیالات دل میں مت لایا کرو۔ اولیاء کرام
اپنی حیات دنیا میں دو حصے خدا کے ساتھ مشغول رہتے ہیں اور ایک حصہ مخلوق کے ساتھ
مگر وصال کے بعد مخلوق کے ساتھ توجہ دگنی اور خالق سے توجہ ایک گنی رہ جاتی ہے۔
اور اگر چاہیں تو یہ حصہ بھی لوگوں کو دے دیتے ہیں۔

۳۔ میاں جان محمد کی ہوئی بات کہہ دی

ایک دن حضور فاضل پور میں تشریف رکھتے تھے۔ میاں جان محمد بھی ہمراہ
تھے۔ لوگ جو نذر و نیاز لاتے تھے میاں جان محمد اٹھا لیتے تھے۔ اس میں بھی کچھ خیانت کی
رات کے وقت کچھ گڑ مصری نذر آئیں تو فرمایا کہ مجھے ان کی حاجت نہیں۔ اس قسم کی تمام
مٹھائی کو اپنے کام میں لایا کرو۔ جب وہ اصرار کرنے لگا تو فرمایا کہ مصری تو خود کھا جاتے ہو
اور گڑ مجھے دیتے ہو۔ اس اشارے سے وہ سمجھ گیا اور اپنے کیے سے پشیمان ہوا۔

۴۔ ایک خبر پہلے بتا دی

حضرت خلیفہ صاحب کی اہل پردہ کسی مرض میں مبتلا تھیں
آپ کی عادت تھی کہ خواہ وہ کسی حالت میں ہوئیں جناب
خلیفہ صاحب مہار شریف چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جناب مائی صاحب سخت بیمار
ہوئیں۔ یہاں تک کہ کفن بھی تیار کر لیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود آپ مہار شریف روانہ
ہو پڑے۔ تمام لوگ حیران تھے کہ مریضہ کو اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ حاجی پور
کے باہر زائرین کا ہجوم ہو گیا۔ اور ہر ایک شخص رخصت ہونے لگا۔ میاں محمد موسیٰ والا ایک
شخص تھا۔ جو حضرت قبلہ عالم صاحب کا مرید اور خلیفہ صاحب کا خاص خادم تھا اور ہر
قسم کے عرض معروض کرنے میں بے باک رہتا تھا۔ عرض کرنے لگا کہ میاں صاحب آپ سے
سیدھی بات کوئی نہیں کہہ سکتا۔ بیمار قریب المرگ ہے اور آپ جا رہے ہیں۔ حضور
اس کے قریب آئے۔ اور کان میں آہستہ سے کہا کہ میاں موسیٰ اس دفعہ بیمار نہیں مرے گی
اس پر دہشت طاری اور چپ ہو گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مائی صاحب شفایاب ہو گئیں
اور حضور کے وصال تک زندہ رہیں۔

۵۔ ذوق سماع کا واقعہ

میرے چچا نور حسین صاحب فرماتے تھے کہ مجھے بچپن کی عمر کا ایک واقعہ یاد ہے کہ نواب غازی الدین نے ایک غزل تصنیف کی اور حضور قبلہ عالم کو اپنے خلفاء سمیت دعوت دی۔ حضور خود بدولت مع خواص تشریف لائے، میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ جب قوال گانے لگے، یہاں تک کہ آپ کا پاؤں زمین سے آدھا گز اونچا ہو گیا۔ تاہم رقص جاری تھا۔ تھوڑے وقت کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ کا وجود فیض آمود گم ہو گیا۔ اور صرف پیرہن مبارک زمین پر رہ گیا۔ پھر دیکھا کہ پیرہن مبارک میں آموجود ہوئے اور بدستور رقص کرنے لگے۔ مجھے یہ خطاب تک نہیں بھولتا۔ اسی کے مطابق مولوی محمد گھلوی کی ایک روایت ہے جو خیر الاذکار میں شاہ احمد بارکہ کی زبانی منقول ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں جناب مولانا صاحب کے عرس پر حاضر ہوا۔ قوالی ہو رہی تھی۔ جناب خلیفہ صاحب وجد میں آئے اور زمین کے اوپر چکر لگانے لگے۔ مخدوم حامد گنج بخش جیلانی سجادہ نشین اچ سے روایت ہے کہ ایک رات خلیفہ صاحب ہمارے ہاں مہمان تھے۔ میری استدعا پر قوالی کی مجلس منعقد ہوئی۔ آپ تشریف لائے۔ آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ برابر گھنٹے تک زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہو کر رقص کرتے رہے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے اور زمین کے درمیان ایک گز کا فاصلہ ہے۔

۶۔ تین وصیتیں

لکھا ہے کہ جناب خلیفہ صاحب کو اخیر عمر میں ایک لاعلاج مرض لاحق ہو گیا۔ موضع سیت پور میں تشریف فرما تھے۔ ارادہ کیا کہ حضور قبلہ عالم صاحب کی خدمت میں جا کر شربت وصال نوش کریں۔ اور وہاں ہی جان جہان آفریں کے سپرد کریں۔ لیکن علاج معالجے کے لیے چند دن قاضی محمد عمر حکیم کے پاس ٹھہر گئے ایک دن قاضی صاحب نے آپ کے مزاج میں کمزوری دیکھی تو آنکھ میں آنسو بھر آئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو شفا دے۔ کیونکہ حضرت قبلہ عالم کے بعد روئے زمین پر خلیفہ آپ ہی ہوں گے۔ ان کو جوش آیا۔ اور فرمایا کہ خلیفہ وہی ہے جو ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے روانہ ہوا۔ قاضی صاحب متاثر ہوئے اور رونے لگے

جب وصال کا وقت قریب آیا تو اپنے دوستوں سے تین وصیتیں فرمائیں۔

۱۔ قوالوں کو عشقیہ غزلیں پڑھنے کا حکم دیا جائے۔

۲۔ میرے عین نزع کے وقت ایک دنبہ ذبح کیا جائے کیونکہ یہ فعل سکرات موت کی سہولت کا موجب ہوتا ہے۔

۳۔ تین چار دوست اس وقت مل کر بیٹھیں اور اللہ ہو کا ذکر کریں کیونکہ ضعف جسمانی کی وجہ سے شاید مجھے اس کی طاقت نہ ہو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کا وصال اثنائے راہ میں ہو گیا۔ دوستوں نے اللہ ہُو کا ذکر تو کر دیا لیکن باقی دو وصیتوں کی تعمیل نہ ہو سکی۔ آپ کے وصال کے بعد جب تک کہ آپ کو غسل نہیں دیا گیا تھا۔ آپ کے لب مبارک ہل رہے تھے اور ان میں ہُو کا ذکر نزدیک سے سنائی دیتا تھا۔ باقی لوگ تو حضور کے فراق کے جوش میں رو پیٹ رہے تھے لیکن میاں محمد بخش۔ میاں محمد جوایا کے بھائی نے یہ ذکر اپنے کانوں سے سنا۔ قطب واہ کے کنارے شاہ پور کے نزدیک آپ کو غسل دیا گیا۔ اس کے بعد ذکر قلبی بند ہو گیا۔ یہ بھی شریعت کے حکم کی تعمیل تھی کہ موت کے بعد آدمی کا بدن ناپاک ہو جاتا ہے۔ ایسا یقین کیا جاتا ہے کہ حضور کا ذاکر تھا۔ کہ:۔

الذاکر کمثل الحی   والغافل کمثل المیت

اخلاق عادات

حضرت ناروواله صاحبؒ جامع شریعت وطریقت تھے۔ شریعت ظاہری کی مراعات کا پاس بدرجہ اتم تھا کہ کوئی مستحب فوت نہ ہوتا تھا۔ آپ کی محفل میں کسی کو جراءت نہیں تھی کہ دنیاوی امور کا ذکر کرے۔ آپ قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام اور قلت اختلاط مع الانام میں کمال مبالغہ رکھتے تھے۔ دو تین لقمہ سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ پانی بھی کم پیتے تھے اور خاموشی و کم خوابی بھی بہت زیادہ تھی، ہر وقت مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

اللہ کا خوف کمالِ عبودیت کی نشانی ہے اور یہ ہر وقت آپ پر طاری رہتا تھا بلکہ اس قدر غالب تھا کہ جب آپ مرضِ وصال میں تھے تو آپ نے ارادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح اسی حالت میں قبلہ عالم کی خدمت میں پہنچ جائیں تاکہ اپنے مرشد کے روبرو فوت ہوں۔

قاضی حکیم محمد عمر آپ کے معالج تھے۔ حکیم صاحب نے جب آپ کے جسم مبارک میں ضعف تمام دیکھا تو باچشم پُرنم کہا کہ حق تعالیٰ آپ کو شفائے کامل عطا فرمائے کہ حضرت قبلہ عالمؒ کے بعد روئے زمین پر خلیفہ برحق آپ کی ذات مبارک ہے۔ آپ یہ سُن کر جوش میں آ گئے۔ فرمایا "اے قاضی کیا کہتا ہے۔ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو اپنے سرمایۂ ایمان کو سلامت لے جائے" یہ سُن کر قاضی صاحب پر گریہ طاری ہو گیا۔

وصال آپ نے ۶ ماہ جمادی الاول ۱۲۰۳ھ کو وفات پائی۔ آپ کا مزار شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں کے ایک قصبہ حاجی پور میں ہے جو زیارت گاہ عوام ہے۔

اولاد آپ کے ہاں صرف ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جن کا اسم گرامی حافظ محمد تھا جو حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر ان کے تین فرزند ہوئے۔ ایک کا نام میاں عبدالرحمٰن تھا۔ دوسرے کا نام میاں عبدالرحیم اور تیسرے میاں غلام رسول تھے۔ صاحبزادہ میاں عبدالرحمٰن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام صاحبزادہ غوث بخش اور دوسرے کا نام صاحبزادہ نور بخش تھا۔ میاں عبدالرحیم لاولد فوت ہوئے۔ میاں غلام رسول کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جن کا نام محمدؒ ثانی تھا۔

خلفاء آپ کے خلیفے بہت تھے لیکن ان میں سے منتخب روزگار تھے۔ حضرت عبداللہ خان چانڈیہ بلوچ ساکن ڈیرہ غازی خاں جن کی تعریف حد تحریر سے باہر۔ اپنے شیخ کے حین حیات میں ہی کامل ہو گئے تھے۔ ان کے وصال کے بعد کسی دوسرے شیخ کے محتاج نہ ہوئے۔

دوسرے خلیفہ :۔ مولوی نور محمد بوڑا محمد پوری تھے جو آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے لیکن ان کے پیر صحبت قاضی محمد عاقل صاحب تھے۔ خلیفہ صاحب نے ان کو قاضی صاحب کے حوالے کیا تھا اور انہی سے فیض پایا۔

تیسرے خلیفہ :۔ مولوی محمد حسن پنانی راجن پوری تھے۔

چوتھے خلیفہ :۔ مولوی ابوبکر تھے۔ یہ دونوں آخری خلفا بیعت سے تو مشرف ہوئے لیکن سلوک کا اتمام جناب حافظ محمد جمال صاحب ملتانیؒ سے کیا۔

ماخوذ:۔ گلشن ابرار از خواجہ امام بخش چشتی۔

حضرت حافظ غلام حسن بھٹی چشتیؒ

وصال ۱۲۰۴ھ۔ مزار اقدس چشتیاں ضلع بہاولنگر پنجاب

سلطان التارکین فخر العاشقین حضرت حافظ غلام حسن بھٹی چشتی نظامی قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ راہ طریقت کے ہادی اور اپنے دور کے شیخ کامل تھے آپ حضرت قبلہ عالم کے عاشق صادق تھے۔

آپ کے والد ماجد بستی کڈن علاقہ کھائی چک نودنگ شاہ ملتان کے رہنے والے تھے۔ ان کا اسم گرامی حافظ حامد تھا جو حافظ قرآن اور ایک بلند پایہ عالم دین تھے اور خاندانی طور پر اسراو بھٹی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد ازاں کچھ وجوہات کی بنا پر بستی سے ہجرت کر کے موضع کھلانیاں میں آکر آباد ہو گئے۔

خاندانی عظمت

آپ کے جد امجد کو حضرت خضر علیہ السلام سے فیض حاصل ہوا تھا اس جذبہ کی تاثیر آج تک آپ کے خاندان میں بدستور چلی آتی ہے جس سے آج بھی آپ کے خاندان کے جملہ مرد و مستورات حافظ قرآن ہیں اور سب عالم دین اور پرہیز گار ہیں۔ حضور کی دعا اور یمن کی برکت سے پہلے واہن کا نام مخزن حفاظ مشہور ہے۔

ولادت و ابتدائی تربیت

آپ کی ولادت بستی کڈن ملتان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ کو حصول روحانیت کا شوق پیدا ہوا۔ اس شوق کے تحت آپ اللہ والوں کی تلاش میں رہتے۔ سب سے پہلے آپ نے قرآن پاک حفظ کیا پھر قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

بیعت پہلے آپ کا خیال تھا کہ حضرت سلطان العاشقین محکم الدین صاحب اکسیرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت شرعی مستحکم کریں۔ مگر ایک روز ایک صاحب کمال مجذوب آپ کے پاس آئے اور کہا۔ حافظ صاحب جی! خدائے رب العالمین کے محبوب حضرت قبلہ عالم نور محمدؒ دہلی سے دہار شریف تشریف لائے ہیں اور رحمتِ عام کے باعث خدارسانی میں مصروف ہیں۔ آپ کو اس شہنشاہ جہاں پناہ کا وزیر ہونا ہے۔ جائیے اور اس دربار سے فیض نعمت حاصل کیجیے۔ آپ حسبِ ارشاد روانہ ہو پڑے اور دہار شریف میں پہنچ کر اس آفتاب جہانتاب کی زیارت عالم افروز سے منور ہوئے اور پھر سعادتِ بیعت سے مشرف ہونے کے بعد چمنستانِ جنت نشان سے خدادانی کے لطیف پھول توڑتے اور خدابینی کے لذیذ ثمر کھاتے رہے۔

صحبت شیخ کامل جب دہار شریف کے اس مکتب عشق میں حضرت بھٹی صاحبؒ حاضر ہوئے تو اس سے پیشتر حضرت صاحب نارووالہ صاحب والے اور حضرت عاقل محمد صاحبؒ کوٹ شریف والے، حضرت قبلہ عالم کی خلافت سے ممتاز ہو چکے تھے اور نوبت تعلیم محبوب رب متعال حضرت حافظ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جنہیں حضور اقدس تخلیہ میں لوائح شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس محفل تخلیہ میں ازراہ عنایت انہیں بھی شامل فرمانے لگے۔

اسی عرصہ میں ایک روز حضور نے آپ سے پوچھا کہ حافظ صاحبؒ ہم جو حکایات تخلیہ میں حافظ صاحب ملتانی سے بیان کرتے ہیں کیا آپ کو ان کی کچھ سمجھ آتی ہے؟ آپ نے عرض کیا غریب نواز جب حضور مسئلہ بیان فرماتے وقت میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔ تو کچھ ایسی تاثیر ہو جاتی ہے کہ سینے کے اندر دل تڑپ اٹھتا ہے اور میرے تمام بدن میں حرکت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ حضور نے فرمایا: الحمد للہ۔ متوجہ اور منتظر رہیے۔ اسی قلیل سی حرکت میں مطالب منکشف ہوتے جائیں گے۔ انہی ایام میں حضرت صاحب نارووالہ بھی دہار شریف میں حاضر ہوئے اور انہیں آپ سے کمال محبت پیدا ہو گئی۔

اس سے پہلے حضور میں رات کی خدمات پر ایک قصاب تعینات تھا۔ اور درگاہ

کے غلامان میں سے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور کے پلنگ پر جانے کے بعد قریب جا سکتا یا کوئی عرض کر سکتا۔ تنہا وہی شخص حاضرِ خدمت رہتا تھا۔ مگر ایک روز عشا کے بعد حضرت صاحب نارو والے انہیں خدمت اقدس میں لے گئے۔ اور عرض کیا کہ آئندہ خدمات شب پر یہ حافظ صاحبؒ مقرر رہیں گے۔ آج سے تصاب موقوف ہے۔ حضور عالی نے بکمال شفقت اس التماس کو شرف قبولیت بخشا۔ اور اس کے بعد بھٹی صاحبؒ ہی اس خدمت خاص پر مقرر رہے اور اس کی بدولت اس دریائے رحمت اور ابر کرامت سے خاص الخاص نعمات اور عطیات سے بہرہ افروز ہوئے۔ چنانچہ حضرت قبلۂ عالمؒ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ میاں صاحبؒ نارو والہ نے ہم سے نعمت حاصل کی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا نصیب قوی تھا اور خدا تعالیٰ کی مرضی یہی تھی۔ قاضی صاحبؒ کوٹ والا نے اس نعمت کو مال و زر سے خریدا ہے۔ حافظ صاحب ملتانیؒ نے اسے عجز و انکسار سے حاصل کیا ہے۔ اور حضرت صاحب تونسوی سے، گو یہ مدارج اپنی ریاضات اور مجاہدات سے میسر ہوئے ہیں۔ مگر بھٹی صاحبؒ نے محض خدمت اور جاں نثاری کے بدلے یہ دولت پائی ہے۔ پاک اور حلال مزدوری میں عجیب لذت ہے۔ جس میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

حضرت بھٹی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک رات حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا: حافظ صاحب کوئی شعر سنائیے۔ میں نے عرض کیا ؎

کالی بنگڑی کانچ کی دمڑی دمڑی بیچ جس دم ہاتھ پیا کے آوے لاکھ لاکھ کی ایک

اس پر حضرت قبلہ وجد میں آ گئے اور مجھ پر بھی وجد ہو گیا۔ پھر کبھی میں قوال بنتا اور وہ صوفی بنتے تھے اور کبھی وہ قوال بنتے تھے اور میں صوفی۔ رات بھر وہ کیفیت رہی کہ جس پر بہشت بریں کی لذتیں قربان ہیں۔

فرماتے تھے۔ ایک شب حضرت قبلۂ عالمؒ نے مجھ سے پوچھا کہ حافظ! کیا غوث الثقلین محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی شان کی کچھ خبر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بندہ نواز جب تک حضور کی خدمت سے مشرف نہیں ہوا تھا اس وقت تک اس خدا کے محبوب کی شان کو کما حقہ جانتا تھا مگر اب اس درگاہ پاک سے عقیدہ میں کچھ قصور واقع ہو گیا ہے۔

حضور نے فرمایا عیاذاً باللہ۔ اس درگاہ عالی سے قصور کے کیا معنی؟ میں نے عرض کیا کہ حضور پہلے میں غوث الاعظم کی جناب کو عین نور خدا۔ اور عین نور رسول سمجھتا تھا لیکن اب غوث الاعظم ہی سمجھتا ہوں۔ فرمایا: اس ذات پاک کو اسی نظر سے دیکھتے رہو۔ جس نظر سے پہلے دیکھتے تھے۔

ایک شب عرض کیا کہ پہلے میرا ارادہ حضرت صاحب اکسیر سے شرف بیعت حاصل کرنے کا تھا۔ آپ نے فرمایا: حافظ! اس فقیر سے کیا تقصیر دیکھی تھی کہ ادھر کا ارادہ رکھتے تھے میں نے عرض کیا کہ جس وقت جمال پاک کو آکر دیکھا ہے۔ پروانہ کی طرح تصدیق بھی تو ہو گیا ہوں حضرت بھٹی صاحبؒ نے اپنے خاندان میں رشتہ کی درخواست کی ہوئی تھی۔ مگر جب قبلۂ عالم کے حضور میں باریاب ہوئے تو سب کچھ بھول گئے۔

فرمایا کہ جب تصوف کی کتابیں پڑھنے کی نوبت آئی تو حضرت نے پہلے پہل تخلیہ میں مجھے بھی لوائح شریف شروع کرائی۔ ایک روز حافظ صاحب ملتانی نے مجھے کہا کہ حضور سے التماس کرنا کہ آج لوائح شریف کے درس میں مجھے بھی شامل فرمایا جائے۔ چنانچہ میں نے عرض کیا۔ مگر حضرت نے اس روز کوئی جواب نہ دیا۔ جب تخلیہ سے فارغ ہو کر باہر آیا تو دروازہ پر حافظ صاحب کو منتظر پایا۔ مگر جواب لا حاصل تھا۔ انہوں نے کہا کل پھر کہنا۔ دوسرے روز میں نے پھر اسی موقع پر عرض کیا۔ مگر آپ نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ حافظ صاحب نے کہا کل پھر کہہ دیکھنا۔ چنانچہ میں نے تیسرے روز پھر عرض کیا کہ حافظ صاحب ملتانی آرزو رکھتے ہیں کہ انہیں بھی مسئلہ سمجھانے کے وقت شامل فرمایا جائے۔ آپ نے فرمایا کون؟ حافظ محمد جمال؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: مضائقہ نہیں۔ میں نے اسی وقت حافظ صاحب کو بلا لیا اور وہ بھی شامل محفل رہنے لگے۔ فرمانے لگے اگرچہ حافظ صاحب نے ہم سے پہلے علم راہِ خدا حضرت قبلۂ عالمؒ سے حاصل کیا تھا۔ مگر یہ راستہ کچھ ایسا باریک اور پیچیدہ ہے کہ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ جو حل نکات اور فوائد تمہاری رفاقت میں حاصل ہوئے ہیں پہلے نہیں ہوئے۔

آپ ہمیشہ حضرت قبلہ عالمؒ کی نعلین مبارک اٹھانے کی خدمت انجام دیتے تھے جب حضور مسجد میں تشریف لے جاتے تو آپ نعلین مبارک اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیتے

اور جب مسجد سے باہر تشریف لاتے تو انہیں درست کر کے سامنے رکھ دیتے تھے مگر جب وہ وقت آیا کہ حضرت قبلہ عالمؒ نے آپ کو اپنی ذات کا مثیل بنا دیا تو بموجب مثائل اپنے خلیفہ رشید کا ادب فرمانے لگے۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے حسب معمول نعلین معلےٰ اٹھائیں تو حضور نے ممانعت فرمائی۔ اور کہا کہ حافظ صاحب آئندہ آپ نعلین نہ اٹھایا کیجیے۔ کیونکہ ادب مانع ہے۔ آپ یہ سُن کر جوش میں آ گئے۔ اور کہا کہ حضور اغوثی قطبی رتبہ کسی اور کو بخش دیجیے ہم عاشق ہیں۔ نعلین کو نہیں چھوڑیں گے۔ حضور مسکرا پڑے۔ اور تسلیم فرمالیا۔

حضرت قبلہ عالمؒ نے بوقت وصال اولاد پاک اور حرم اطہر کا معاملہ آپ کے سپرد فرمایا تھا۔ صاحبزادگان کی باہمی نسبت اور خاندان کے تمام معاملات کا مدار آپ کی ہی مرضی پر منحصر تھا۔ حضرت قبلہ عالمؒ کے تین شہزادے تھے۔ حضرت صاحبزادہ نور الصمدؒ، حضرت صاحبزادہ نور احمدؒ اور حضرت صاحبزادہ نور حسنؒ، حضرت صاحبزادہ نور الصمد کی شہادت کے بعد گو شہید صاحب کی اولاد موجود تھی۔ مگر حضرت قبلہ عالم کے چاروں خلفاء نے بالاتفاق حضرت صاحبزادہ نور احمد صاحب کو گدی نشین کیا۔ صاحبزادہ نور حسن صاحب حسین تھے اور عنفوان شباب میں عیش پسندی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ گدی نشین صاحب کی نظر میں صاحبزادہ صاحب کے یہ امور نامناسب معلوم ہوئے۔ جس پر قبلہ عالمؒ کے جملہ خلفاء حضرت قاضی صاحبؒ حافظ صاحبؒ، جناب تونسوی صاحبؒ اور حضرت بھٹی صاحب نے مناسب وقت سمجھ کر صاحبزادہ نور حسن صاحب کو حکم دیا کہ آپ جدھر چاہیں چلے جائیں۔ اب آپ مہار شریف رہنے کے قابل نہیں رہے۔ چنانچہ صاحبزادہ نے گھوڑے پر زین رکھی اور سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے ساتھ جاتا۔ مگر ہاں ایک کتا جو لنگر کے طویلے میں رہتا تھا اور سائیسوں کے نیچے کھچے ٹکڑوں پر گزارہ کیا کرتا تھا۔ چپ چاپ اٹھ کر ساتھ چل پڑا۔ یکایک حضرت بھٹی صاحبؒ بھی محفل سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کمر باندھ لی اور صاحبزادہ نور حسن کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑنے لگے۔ صاحبزادہ صاحبؒ کو آپ کے جلال سے ہیبت آتی تھی۔ مگر آپ انہیں تسکین دیتے تھے۔ آخر ایک مقام پر پہنچے جہاں حضرت صاحب نے صاحبزادہ صاحب سے کہا کہ صاحبزادے گھوڑے سے اترو۔ اور کوئی لکڑی اٹھاؤ۔ میں

تمہارے شہر کا کلہ گاڑھ دوں۔ صاحبزادہ صاحب نے تعمیل کی اور عرض کیا کہ حضرت کلہ مضبوط ہو۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو ایسا مضبوط ہے کہ قیامت تک محفوظ رہے اور کوئی حادثہ اسے نہ ہلا سکے۔ اس مقام پر اب منگھیراں شریف کا شہر آباد ہے۔

جب حضرت بھٹی صاحبؒ صاحبزادہ نور حسن صاحبؒ کو وہاں آباد کر کے واپس مہار شریف پہنچے تو تمام خلفاء جمع ہو گئے اور کہا کہ واہ حضرت آپ نے یہ کیا کیا کہ خود ہی ہمارے ساتھ مشورہ میں شریک ہوئے اور پھر خود ہی صاحبزادہ صاحب کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آپ نے فرمایا جس وقت صاحبزادہ صاحب تنہا سوار ہو کر جا رہے تھے اور بجز اس وفادار کتے کے کوئی ان کا رفیق نہ تھا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ قبلۂ عالم مزار پاک سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے فرزند پر کیا گزرتی ہے۔ اور کون اس کا رفیق حال ہوتا ہے۔ مجھے شرم آئی اور دل میں سوچا کہ غلام حسن یہ کتا صرف چند روز سے ریزہ چین ہے اور تو تمام عمر اس درگاہ کا نمک کھاتا رہا۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ آج یہ کتا نمک حلالی میں تجھ پر سبقت لے جائے اسی خیال سے بے تاب ہو کر صاحبزادے کے گھوڑے کے آگے دوڑ پڑا تھا۔ اس کے بعد چونکہ حضرت بھٹی صاحبؒ کی توجہ منگھیراں شریف میں متواتر اپنے اس پیرزادہ کے حال پر مبذول رہی۔ ان کی حالت چند ہی روز میں بدل گئی۔ اور وہ روز افزوں ترقی کر کے مقبول درگاہِ الٰہی ہوئے اور حضرت قاضی محمد عاقل صاحبؒ سے خلافت حاصل کی۔ چنانچہ آج تک منگھیر وی صاحب کی اولاد کی محبت کا سلسلہ حضرت صاحب کوٹ والا سے چلا آتا ہے۔

حضرت بھٹی صاحب کو قبلۂ عالمؒ کی اولاد پاک سے اس قدر بے پایاں محبت تھی کہ اگر کسی صاحب کو کسی قسم کی تکلیف کا عارضہ ہو جاتا تو آپ کو بھی وہی تکلیف محسوس ہوتی تھی جس پر آپ جا کر دریافت فرماتے تھے کہ آج آپ حضرات میں سے کس صاحب کو فلاں بیماری کی تکلیف ہے کہ فقیر غلام حسن کو اس کا احساس ہو رہا ہے۔ جس وقت آپ کی دعا کی برکت سے صاحبزادگان کو شفا ہو جاتی تھی۔ تو آپ کو بھی آرام ہو جاتا تھا۔

نواب صادق محمد خاں صاحب والیٔ بہاولپور کو چند مہمات درپیش تھیں۔ نواب کی بیعت حضرت قاضی صاحب کوٹ والا سے تھی۔ اور ان کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ

چاہتا تھا کہ حضرت بھٹی صاحب سے شرف نیاز حاصل کرے اور انہیں اپنا مربی بنائے۔ چنانچہ اس نے حضرت قبلۂ عالم کے صاحبزادگان سے التماس کیا کہ حضرت بھٹی صاحب تارک الدنیا ہیں اور دنیاداروں سے التفات نہیں فرماتے۔ اگر آپ کے وسیلۂ جمیلہ سے بندہ درگاہ صادق محمد حضرت ممدوح کی خاکبوسی سے بہرہ اندوز ہو جائے تو کمال عنایت ہوگی۔ ان صاحبان نے حضرت بھٹی صاحب کی مہربانیوں کے بھروسہ پر بلا استمزاج لکھ بھیجا کہ آپ آجائیں۔ ملاقات بخوبی ہو جائے گی۔ چنانچہ نواب صادق محمد خاں لشکر و سامان سمیت احمد پور سے روانہ ہو کر منزلیں طے کرتا ہوا شہر فرید پہنچ گیا اور اپنے ورود کی اطلاع دے کر صاحبزادگان سے دریافت کر بھیجا کہ قدم بوسی کس وقت نصیب ہوگی۔ حضرت صاحبزادگان جمع ہو کر حضرت بھٹی صاحبؒ کی خدمت میں گئے۔ اور عرض کیا کہ نواب صادق محمد خاں والئی ملک ہمارا بالواسطہ دامنگیر ہے۔ جناب کے لطف و کرم کے بھروسہ پر محض قدم بوسی کے لیے احمد پور شرقیہ سے چل کر شہر فرید آگیا ہے اور ارشاد عالی کا منتظر ہے۔ ہماری صدہا دنیاوی حاجتیں وا لیے ریاست سے وابستہ رہتی ہیں۔ اس کا سلام اور ملاقات منظور فرمائیں۔ حضرت کو یہ عبارت سخت ناگوار گزری۔ اور جوش میں آکر فرمایا۔ کہ قبلہ عالم نے غلام کو حرم کی دربانی اور اولاد کی دایہ گیری کے لیے مامور فرمایا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اپنا سر اسی غلامی میں فدا کر کے قبر میں جا سکوں مجھے حضرت نے دنیاداروں کی ملاقات سے منع فرمایا تھا کہ یہ ایمان کی قاتل ہے اور راہ خدا کی قتل کرنے والی۔ مجھے اس ریاست کا چھوڑنا اور یہاں سے چلا جانا منظور ہے لیکن نواب کی ملاقات کا ہرگز روادار نہ ہوں گا۔ یہ فرمایا اور روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

صاحبزادگان مہاوری کو عجیب تفکرات کا سامنا ہوا۔ انہوں نے اپنے حق میں دو نقصانات عظیم ہوتے دیکھے۔ ایک تو قبلہ عالمؒ کے خلیفہ اور ان کے وسیلہ و محافظ ناراض ہو کر جا رہے تھے۔ دوسرا یہ کہ ریاست کا والی اور رئیس ان کی تحریر کے بھروسہ پر آیا اور اس کی مراد حاصل نہ ہوئی۔ اس زمانہ میں حضرت قبلہ عالمؒ کی صاحبزادی اور سجادہ نشین صاحبزادہ نور احمد صاحب کی ہمشیرہ معصومہ موجود تھیں۔ سب مل کر ان کی خدمت میں گئے۔ اور عرض کیا۔ حالت نازک ہے۔ امید ہے کہ آپ کے باعث حضرت بھٹی صاحب مہربانی فرمائیں گے۔ حضرت

مائی صاحبہ نے آپ کو ڈیوڑھی پر طلب کیا۔ اور پوچھا کہ اے بھائی! ہم نے سنا ہے کہ آپ کسی طرف کو جا رہے ہیں۔ کیا معاملہ ہے؟ حضرت نے جملہ واقعات صادق محمد خاں کے آنے اور صاحبزادگان کے وسیلہ سے ملاقات کی درخواست کرنے کے بیان فرمائے اور بی بی صاحبہ سے رخصت طلب کی معصومہ عفیفہ نے فرمایا کہ برادر! کوئی سواری آپ کے پاس ہے، آپ نے جواب دیا۔" آپ کو معلوم ہے۔ غلام حسن کجا! اور سواری کا رکھنا کجا!" بی بی صاحبہ نے فرمایا،" ذرا ٹھہریے! ہم اپنا برقعہ اٹھا لائیں۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے اپنی اولاد کو آپ کے سپرد فرمایا تھا۔ آپ والد صاحب کے قائم مقام ہیں۔ اگر آپ جاتے ہیں تو میرا ایمان اور کون وارث ہے۔ جہاں آپ جائیں گے میں بھی ساتھ جاؤں گی۔

یہ سن کر حضرت صاحب کی آہ نکلی اور گریہ فرمانے لگے۔ نیز ارشاد ہوا۔ اگر قبلہ عالمؒ کی اولاد کے پیچھے ایمان جاتا ہے تو جانے دو!" غرض صادق محمد خاں کو ملاقات کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مگر فرمایا کہ اُس سے کہو کہ وہ بھی قبلۂ عالم کی خانقاہ معلیٰ پر حاضر ہو اور فقیر بھی حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو تیار ہے۔ وہیں ملاقات ہو جائے گی۔ جب یہ بات طے ہو گئی تو حضور بمع صاحبزادگان خانقاہ معلیٰ پر پہنچے۔ صادق محمد خان بھی چند اراکین سلطنت سمیت پیشتر درگاہ معلیٰ میں حاضر تھا۔ گلے میں کپڑا ڈال کر شرف قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ مگر نواب کو دیکھ کر حضور کی طبیعت مبارک میں جلال آ گیا اور جوش میں آ کر فرمایا۔" تو صادق نیست کاذب ہستی"!

اس وقت مولوی گل محمد صاحبؒ جو قاضی صاحب کے خلفاء میں سے تھے۔ موجود تھے انہوں نے عرض کیا۔

"غریب نواز! نص قرآن مجید موجود ہے کہ اولی الامر کی اطاعت ضروری ہے" حضرت صاحب نے پھر جوش میں آ کر فرمایا کہ "تم ملا لوگ حرام خوری کے باعث دنیا داروں کی خوشامد کرتے ہو۔ خدا تمہارے نفس کے شر سے بھی محفوظ رکھے"۔ صادق محمد خاں اور اس کے اراکین پر لرزہ طاری ہو گیا اور ایک گوشہ میں جا کر زار زار رونے لگے۔ صاحبزادگان نے بمنت عرض کیا کہ قبلہ عالمؒ کا صدقہ امیر صادق محمد خاں کے حال پر رحم فرمایا جائے۔ اپنے شیخ کا اسم گرامی سن کر یک لخت آپ کی کیفیت رحم سے مبدل ہو گئی۔ فرمایا" اچھا! اس کے

حال پر شرطیہ رحم ہوگا۔ شرط اول یہ ہے کہ فقیر کے روبرو کوئی نذرانہ پیش نہ کیا جائے گا، دوم کہ نواب فقیر کی ملاقات کے لیے پھر کبھی نہیں آئے گا۔ اور سوئم کہ فقیر سے خط و کتابت بھی نہیں رکھے گا۔ پوچھو! اگر یہ شرطیں منظور ہیں تو آئے اور ملاقات کرے۔

صادق محمد خان کو یہ شرائط سنائی گئیں۔ اس نے منظور کیں اور دوبارہ عجز و نیاز کے ساتھ قدمبوس ہوا۔ اور نقیبوں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔ ایک تحریری عریضہ پاس تھا۔ اس میں تین سوال درج تھے۔ اول کہ صادق محمد خاں کی عمر دراز ہو۔ دوم کہ خاتمہ باالخیر ہو۔ اور سوئم کہ یہ ملک ہمیشہ عباسیوں کے تصرف میں رہے۔ آپ نے ملاحظہ فرما کر زندگی کے بارے میں فرمایا۔

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ

حسنِ خاتمہ کے متعلق فرمایا "تم مردِ کامل کے دامن گرفتہ ہو۔ اندیشہ مت کرو، وقت حاجت مدد پہنچے گی" اور معاملہ ابدقراری سلطنت کی نسبت ارشاد فرمایا کہ انشاءاللہ تعالےٰ نقیر ذمہ دار ہے۔

نواب صاحب نے عرض کی کہ سند ذمہ داری بخشیے۔ آپ نے فرمایا میں ذمہ دار ہوں نواب صاحب نے دوبارہ عرض کیا "فیاضِ من! سند ضرور لکھ دیجیے۔ جس پر آپ مسکرائے اور فرمایا "اگر آپ نے میرے بڑے بھائی قاضی محمد عاقل صاحبؒ سے کوئی سند اپنے حق میں حاصل کی ہوئی ہے تو میں بھی لکھ دوں گا۔ صادق محمد خاں کی جیب میں ایک کاغذ تھا جس پر حضرت قاضی صاحبؒ کے قلم سے تحریر تھا کہ "خداوندا! صادق محمد خاں و ملک او را بتو سپردم جب آپ نے ملاحظہ فرمایا تو وہی الفاظ آپ نے بھی اپنی قلم مبارک سے تحریر کر دیے اس کے بعد نواب صادق محمد خاں نے عرض کیا کہ رنجیت سنگھ اس غلام کا سخت دشمن ہے حضور کی توجہ مطلوب ہے۔ یہ سنتے ہی جوش میں آکر ارشاد فرمایا "جاؤ! رنجیت کے ساتھ جنگ کرو" مگر نواب نے رنجیت کی حشمت و شوکت اور ساز و سامان کے مقابلہ میں اپنے اندر جنگ کرنے کی طاقت نہ سمجھی اور آمادۂ جنگ نہ ہوا۔

چشتیاں شریف میں ایک ہندو عامل آیا۔ جس کے عمل کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ

جس بھینس، کتے یا دیگر جانور کی طرف غضب کی نگاہ سے دیکھ لیتا تھا۔ تو وہ جانور وہیں مر جاتا تھا
اس علاقہ کے لوگ ڈر کے مارے اس کے پاس جانے لگے اور اس کی اطاعت کا دم بھرنے
لگے۔ یہ خبر بہار شریف میں آپ کو پہنچی۔ اتفاقاً اس وقت آپ کے بھائی غلام مرتضےٰ صاحب
بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ آپ نے ان کو ساتھ لیا اور چشتیاں پہنچے۔ دیکھا کہ بہت سے
آدمی اس ہندو کے گرد جمع ہیں۔ اور خدمت کر رہے ہیں۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے
فرمایا کہ او کافر ذرا ہم پر بھی وہی نظر ڈال جس سے تو مخلوقِ خدا کی روحیں قبض کرتا ہے۔ یہ سُن
کر اسے ہراس پیدا ہوا۔ آپ نے پاؤں سے جوتا اتار کر اسے مارنا شروع کیا۔ اس کے سر کے
بالوں سے ایک تعویذ نکلا۔ جس کی تاثیر دراصل ان تمام روح فرسا نگاہوں کا باعث تھی۔ آپ
اس کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے رہے۔ اور وہ شور و فریاد کرتا رہا۔ مگر آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا
اور آخر آپ نے اسے بہ ہزار رسوائی نکلوا دیا۔

چوروں کا انجام

ایک دفعہ علاقہ بھڈیرہ کے بھٹی لنگر کی گاؤ میشاں لوٹ کر لے گئے
حضرت صاحبزادہ نور احمد صاحبؒ نے تعاقب کیا اور حضرت قبلہ
کو بھی ساتھ لے گئے۔ چند روز گزر گئے مگر ان بدبختوں نے واپسی مال کا کوئی ارادہ ظاہر نہ کیا
علاقہ ریگستان کا تھا۔ صاحبزادہ صاحب گھبرا اٹھے۔ حضرت بھٹی صاحب سب سے الگ
ریت کے ایک ٹیلے پر یادِ حق میں مشغول رہتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب ایک روز آپ کی
خدمت میں گئے اور عرض کیا۔ افسوس! کہ میں نے حضور کو بھی تکلیف دی اور خود بھی تنگ آگیا ہوں
مگر نالائق مطلب براری کرتے نظر نہیں آتے۔ بلکہ الٹا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ حضرت بھٹی صاحب
نے ان کے سردار قوم کو بلایا اور فرمایا تم بڑے نالائق ہو۔ محبوب خدا کا سجادہ نشین اتنے دور
سے تکلیف اٹھا رہا ہے اور میں بھی تمہارا ہم قوم تمہارے پاس آیا ہوں۔ مگر تم نے میرا بھی
کوئی لحاظ نہ کیا۔ تمہیں چاہیے کہ لنگر کے مویشی اب فوراً واپس دے دو۔ مگر اس خانہ برباد
نے جواب دیا کہ بڑا فقیر بنا بیٹھا ہے۔ جاؤ! نہیں دیتے! جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ یہ سُن کر طبیعت
میں جلال آیا۔ اور فرمایا "بہتر ہے ابھی دیکھ لو"۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس روانہ ہوا کہ
گھوڑے نے بگڑ کر وہیں اس مقہور سردار کو زمین پر پٹخ دیا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی

اور آنا فانا مر گیا۔ ساتھ ہی اسی وقت شہر بھٹیر میں آگ لگ گئی۔ اس روز صاحبزادہ صاحب حضرت بھٹی صاحبؒ کے جلال سے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ فوراً خیمے اکھڑوا دیے اور واپسی کی تیاری کر لی اور حضرت بھٹی صاحب بمعیت چل پڑے۔ آپ کے پیچھے قوم بھٹی کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر دوڑے۔ قرآن مجید کو وسیلہ لائے۔ اصلی بھینسوں کے علاوہ بہت سی اور بھینسیں بطور نذر پیش کر کے معافی مانگنے لگے۔ مگر جن کی تقدیر میں مصیبت لکھی تھی انہیں پہنچی البتہ جو باقی تھے وہ بچ گئے اور حضرت صاحب لنگر کا مال لے کر بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے۔

عرس حضرت بابا صاحبؒ پر حاضری کی کیفیات :

ایک مرتبہ حضرت بابا صاحب غریب نواز کے سفر عرس پر جناب حافظ محمد جمال صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بھٹی صاحب اکٹھے تشریف لے گئے۔ راستہ میں بستی سہو کا میں قیام شب کا اتفاق ہوا۔ صبح حضرت بھٹی صاحب تخلیۂ معمول سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور حضرت حافظ صاحب ابھی اوراد و وظائف میں مشغول تھے کہ ایک مریض حاضر ہوا جو اُسی بستی کا باشندہ تھا عرض کیا کہ حضرت مدت سے تیسرے کے بخار سے پامال ہو رہا ہوں۔ چوری پیشہ آدمی ہوں۔ بال بچے مارے فاقوں کے عاجز آ گئے ہیں۔ توجہ فرمائیے کہ اس بخار سے نجات پاؤں۔ اُس وقت فضل کا دریا موجزن تھا فرمایا اے سائل کیا چاہتا ہے تمام عمر بخار تیرے نزدیک نہ آئے۔ یا عمر بھر چوری کرتا رہے۔ اور کوئی تجھ سے باز پرس نہ کرے ان دونوں باتوں سے ایک مانگ لے۔ اُس نے عرض کیا قبلہ بخار رفع ہو جائے فرمایا۔ تیرا بخار رفع ہو چکا۔ انشاء اللہ پھر نہ ہوگا۔ خدا کے فضل سے واقعی اُس شخص کو تمام عمر کسی قسم کے بخار نے نہ ستایا جب حضرت حافظ صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ماجرا سنا۔ تو فرمایا۔ اگر میں اُس وقت حاضر ہوتا کہ جس وقت یہ دریائے فیض موجزن تھا تو عجیب نعمت حاصل کرتا۔

القصہ دونوں صاحبان حضرت بابا صاحب کی آستان بوسی سے مشرف ہوئے ختم عرس کی مجلس میں حضرت بھٹی صاحب کو اس شعر پر وجد عظیم پیدا ہوا ہے

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست ، گویم آں کس کہ ربود سے ایں دل دیوانۂ ما

اس وجد میں حضرت پر ایسی کیفیت طاری ہوئی تھی کہ لوگوں نے سمجھ لیا۔ وصال ہو چکا ہے اور روح مبارک پرواز کر چکی ہے۔ محفل سماع مجلس ماتم بن گئی تھی۔ حضرت بابا صاحب کے گدی نشین دیوان صاحب نے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے اور گریہ وزاری شروع کر دی تھی۔ حضرت حافظ صاحب ملتانیؒ آپ کے سر مبارک کو زانو پر رکھ کر روتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ بابا صاحب کے دربار میں قبلہ عالم کے خلیفہ اعظم کو شہید کرا کے جا رہا ہوں۔ اسی حالت میں دوپہر گزر گئے اور نماز جمعہ کا وقت آ گیا۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے چند مرتبہ آواز بلند آپ کے کان میں کہا کہ افسوس نماز ظہر قضا ہو رہی ہے۔ اسی اثناء میں کسی شخص نے کہا۔ میں نے حضرت کی دائیں پاؤں کی انگلی کو حرکت کرتے دیکھا۔ حضرت حافظ صاحب نے قوالوں سے فرمایا کہو!

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست ، گویم آنکس کہ ربود سے ایں دل دیوانۂ ما

قوالوں نے وہی شعر گانا شروع کیا۔ یکایک وجود مبارک متحرک ہوا اور آپ اٹھ بیٹھے ہر طرف مبارکباد کا غل مچ گیا۔

خزانۂ غیب سے امداد

ایک صاحبزادہ صاحب بہادری نے التماس کیا کہ یا حضرت میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اخراجات وسیع ہیں۔ خزانۂ غیب سے امداد فرمائی جائے۔ فرمایا۔ جب برات روانہ ہو تو ہم سے رخصت لے کر جائیں۔ چنانچہ جس روز برات روانہ ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب حاضر ہوئے اور یاد دہانی کرائی۔ آپ نے از راہ عنایت اپنا جبہ مبارک عطا کیا اور فرمایا اسے پہن لیجیے اور حسب حاجت جیب میں ہاتھ ڈال کر رقم نکال لیا کیجیے۔ انشاء اللہ تمام ضرورتیں پوری ہوتی رہیں گی۔ انہوں نے اسی وقت پہن لیا۔ جس قدر روپیہ درکار ہوتا۔ جیب سے بوقت ضرورت برابر مہیا ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ ہزاروں خرچ ہو گئے اور صاحبزادہ صاحب شادی کر کے خوش وخرم واپس آئے اور جبہ شریف لا کر خدمت اقدس میں پیش کیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر آ کر کہنے لگے کہ حضور وہ جبہ کہاں ہے ذرا عنایت فرمائیں کہ رقم کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"صاحبزادہ صاحب! آپ کا سوال شادی کے اخراجات کا تھا۔ سو خدا کے

فضل سے شادی کا معاملہ بخوبی سر انجام ہو چکا ہے۔ آپ نے بخوبی جبہ واپس کر دیا ہے اب معاف فرمایئے۔

سماع میں مراتب کی بلندی

ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم کے عرس کے موقعہ پر شامیانہ کے نیچے مجلس سماع منعقد تھی۔ اُس زمانہ میں ابھی مجلس خانہ تیار نہیں ہوا تھا۔ قوالی ہو رہی تھی۔ حضرت قبلہ عالم کے تمام خلفائے عظام موجود تھے۔ جناب بھٹی صاحب پر حالت وجد طاری ہوئی۔ سخن یاد نہیں کیا تھا۔ حضرت نے کھڑے ہو کر خیمہ کی چوب تھام لی۔ اور کچھ دیر مراقبہ میں کھڑے رہے۔ قبلہ عالم کے خلیفۂ مکرم حضرت قاضی عاقل محمد صاحب بھی اٹھ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جب آپ بیٹھ گئے تو وہ بھی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ جب حاضرین نے بعد میں حضرت قاضی صاحب سے ماجرا دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ آج حضرت بھٹی صاحب کو جناب کبریا سے ارشاد ہوا تھا کہ اگر چاہیں تو نگاہ ڈالیں۔ جن جن پر نگاہ پڑے گی غوث اور قطب کر دیے جائیں گے۔ میں سامنے کھڑا ہو گیا۔ شاید چشم رحمت کھلے تو میں مقابل نظر رہوں مگر اُس قلزم عمیق کو خدا نے وہ ظرف عالی دیا ہے کہ کسی پر نظر ہی نہیں اٹھائی۔

عبدالرحمٰن قوال پر ناراضگی اور معافی

نقل ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ عرس شریف حضرت قبلہ عالم کا ذکر خیر ہو رہا تھا تو عبدالرحمٰن قوال نے جو حاضر محفل تھا بطور ظرافت کہا کہ آپ کو عرس سے کیا تعلق۔ عمر گزر رہی ہے۔ کبھی بھی عرس پر ایک چادر کے سوا کچھ نہیں دیا۔ حضرت نے ناراض ہو کر فرمایا کہ امسال تو یہ بھی تجھے نہیں ملے گی۔ عرس مبارک کا موقع آیا تو عبدالرحمٰن نے ہر چند قوالی کی کوشش کی مگر کسی صوفی پر وجد کی حالت طاری نہ ہوئی۔ اور نہ ہی اسے کچھ وصول ہوا بے چارہ اپنے کیے پر پریشان ہوا اور حضرت سے معافی مانگی۔ چنانچہ آپ راضی ہو گئے۔ چوتھی ماہ ذوالحج کو عرس شریف کے ختم کے بعد جب لوگ رخصت ہو رہے تھے تو قوالی شروع کر دی تو شیخ کی برکت سے بڑے بڑے صوفیوں پر وجد کی ایک ایسی حالت طاری ہوئی۔ کہ اُس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ خود حضرت بھٹی صاحب بھی متاثر ہوئے اور حسب دستور چادر بخش دی اور لوگوں نے بھی بہت سے

پارچات اور نقدی رقم دی۔ جس سے وہ مالامال ہوگیا۔

شریعت کی معمولی خلاف ورزی بھی سماع پر اثر انداز ہوئی:

سید فرید شاہ کوریہ والا جو حضرت کے مرید خاص اور ایک صاحب ذوق صوفی تھے حضرت قبلہ عالم کے عرس میں شریک ہوئے۔ اُن پر پہلی مجلس میں اثر سماع ظاہر نہ ہوا۔ اپنی حالت حضور میں عرض کی۔ فرمایا خیال کریں۔ کوئی بات خلاف شریعت ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ عیاذاً باللہ۔ مگر دوسری مجلس میں بھی یہی صورت رہی۔ تو آپ نے حضرت سے جاکر فریاد کی۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کوئی امر خلاف شریعت ہے۔ انہوں نے غور کیا تو جسم پر کچھ بال حد شریعت سے متجاوز تھے۔ انہیں صاف کیا۔ اور جب پھر مجلس میں گئے تو ایسی کیفیت ہوئی جو بیان میں نہیں آسکتی۔

محفل سماع میں ایک مخدوم زادہ کی سحر انگیز توجہات کا آپکے غلام پر بے اثر ہونا

حضرت میاں سلطان بالا صاحب جو جناب شمس العاشقین حضرت شیخ عبدالخالق صاحب مرشد طریقت حضرت صاحب السیر رحمۃ اللہ کے سجادہ نشین تھے اور نہایت صاحب ذوق صوفی تھے۔ انہیں حضرت بھٹی صاحب کے ساتھ کمال رابطۂ محبت تھا۔ جب حضرت قبلہ عالمؒ کے عرس کے ایام قریب آئے۔ تو میاں سلطان بالا جی نے حضرت بھٹی صاحب سے مجالس عرس میں شریک ہونے کی اجازت مانگی۔ اور آپ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ شریک مجالس ہوتے رہے۔ انہیں مجلس میں تمام وقت وجد رہتا تھا۔ ان کی جزع فزع کے باعث دوسرے صوفیوں کو کیفیت کی گنجائش ہی نہیں ملتی تھی۔ یہ عام حاضرین مجلس میں سے جس پر نگاہ کرتے تھے اُسی پر حالت وجد طاری ہو جاتی۔ آخر وقت آیا کہ میاں صاحب موصوف نے سید فرید شاہ صاحب کوریہ والا پر جن کا ذکر خیر پہلے گزر چکا ہے۔ نگاہ ڈالی مگر اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔ انہوں نے پھر نگاہ کی اور کچھ تاثیر نہ ہوئی۔ اس کے بعد بار بار نگاہوں کے وار کرتے تھے مگر وہ جوں کے توں چپ بیٹھے تھے اور مطلق اثر نہ ہوا۔ مجلس برخواست ہوئی تو حضرت صاحب نے

مسکرا کر فرمایا کہ اے لڑکے آج تم نے ہمیں شرمندہ نہیں کیا۔ اگر تمہیں جوش پیدا ہوتا تو میاں سلطان بالا جی سمجھا کرتے کہ میں نے غلام حسن کے فقیروں کو بھی نظر سے گرا دیا تھا۔ سید فرید شاہ نے عرض کی کہ ذات مبارک کے فیض عطا سے ہمیں اس قدر تقویت حاصل ہے۔ کہ کسی کی مجال نہیں جو ہمیں کشش میں لا سکے فرمایا خوب! حضرت قبلہ عالمؒ کے خلفاء نے آپ سے میاں سلطان بالا جی کے اس طرز عمل کے خلاف شکایت کی کہ نہ وہ خود وجد سے فارغ ہوتے ہیں اور نہ کسی اور کو کیفیت حاصل ہونے کا موقعہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آئندہ خدائے پاک میاں سلطان بالا جی کو ان مجالس عالیہ میں نہیں لائے گا۔ چنانچہ اُس کے بعد وہ کبھی عرس کی مجلس سماع میں شریک نہ ہو سکے۔

تجلیاتِ الٰہی کا نزول

نقل ہے کہ حضرت قبلہ عالمؒ ایک مرتبہ حضرت بابا گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے عرس پر تشریف لے گئے حضرت بھٹی صاحب بھی ہمرکاب تھے۔ پاک پتن شریف میں پہنچ کر حضرت قبلہ عالم نے آپ سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ حافظ صاحب جی۔ اس جگہ ہندوستان کے بہت سے رندانِ مست پھرتے رہتے ہیں اور گفتگو رندانہ کیا کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے احتراز مناسب ہوتا ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے اس کے بعد ایک روز اتفاقاً حضرت بھٹی صاحب ایک ٹیلہ پر بستی سے علیحدہ بیٹھے ہوئے تھے ایک مست الست آپ کے روبرو آیا اور دست بستہ سوال کیا کہ یا حضرت وہ کہتے ہیں کہ روز قیامت اللہ جل جلالہٗ کا دیدار ہوگا۔ یہ کیا بات ہے؟ اللہ پاک نہ جوہر ہیں نہ عرض۔ نہ بلندی نہ پستی نہ یمیں و لیسار۔ ایسی ذات پاک کا دیدار کیونکر ہوگا؟ حضور نے فرمایا۔ یوں ہوگا جس طرح غلام حسن کو اب حاصل ہے۔ اُس نے کہا ہم کیا جانیں ہمیں تو کچھ حاصل نہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی۔

جو یہاں اندھا ہے وہاں بھی اندھا رہے گا"۔ شاید یہ کلام از راہ جمال تھی کہ دفعتہً اُس کے دل پر تجلیات الٰہی کا نزول شروع ہوا۔ ہائے وائے کرتا تھا اور کہتا تھا یا ہادی اعمیٰ عجب احسان فرمودی عجب احسان فرمودی۔

بیابان میں مرید کی فریاد رسی اور امداد

ایک شخص میاں نصرت چولستان کا رہنے والا آپ کا مرید صادق نہیں بلکہ عاشق صادق تھا۔ یا خواجہ غلام حسن کا وظیفہ رکھتا تھا۔ عام لوگ اُسے میاں نصو کہا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک سال ایام قحط میں یہ نصو میاں اور ان کے چند رفیق سفر چولستان سے غلہ خرید کر لا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ قضائے ایزدی سے ان کے لدے لدائے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ گر کے رہ گیا۔ ہمراہیوں نے کہا کہ اونٹ زندہ رہنے کے قابل نہیں رہا۔ آؤ اسے ذبح کر ڈالیں اور سامان تقسیم کر کے دوسرے اونٹوں پر بار کر دیں۔ میاں نصو نے کہا میں اپنا اونٹ ساتھ لے کر جاؤں گا۔ ساتھیوں نے سمجھایا کہ ابھی وقت ٹھنڈا ہے۔ رات رات میں ریگستان سے نکل جائیں گے۔ ہمارے پاس پانی بھی کم ہے۔ چلو جلدی روانہ ہو جائیں۔ ورنہ اس بیابان بے آب وگیاہ میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر بن گے۔ مگر میاں نصرت نے نہ مانا اور کہا میرا رفیق میرا شیخ ہے۔ تم جاؤ۔ میں اونٹ چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ وہ سب روانہ ہو گئے اور یہ مسکین تن تنہا وہاں بیٹھا رہ گیا۔ روتا تھا اور کہتا تھا۔ اے خواجہ وقت امداد ہے۔ مدد فرما۔ اسی حالت میں نیند آگئی۔ حضرت صاحب کو دیکھا کہ فرماتے ہیں۔ میاں نصرت غمگین نہ ہو۔ ہم نے بفضل خدا سے تیرے اونٹ کو لوہے کی ٹانگ لگا دی ہے۔ جلدی سامان لادلے اور سوار ہو کر تیز قدم چلتا جا۔ اپنے ساتھیوں سے مل جائے گا۔ بے چارہ غمزدہ نصرت اپنے مرشد پاک کی بشارت پر بیدار ہوا۔ اونٹ کو تندرست بیٹھا دیکھا۔ اور جب اٹھایا تو اس کا بازو صحیح سالم پایا۔ چنانچہ سامان لاد کر سوار ہو گیا اور بہت جلد ہمسفران قافلہ کو جا ملا۔ اللہ اللہ۔

شیر مردانند، در عالم مدد ہر کجا فریاد مظلومان رسد

مرض الموت سے نجات دلوائی

حضرت صاحب ایک لڑکے محمد احسن پسر رمضان قصاب ساکن بستی منٹھ جھیڈو پر پدرانہ شفقت فرماتے تھے۔ محمد احسن ایک دفعہ بیمار پڑا۔ اس قدر کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ اُس کے باپ رمضان نے جب بیٹے کی حالت نازک دیکھی تو اُسے اٹھا کر مہار شریف کی طرف روانہ ہو پڑا۔ ادھر مہار شریف میں بیٹھے بیٹھے ان بندہ نواز وفا شعار نے نور عرفان سے اپنے

غلام کی حالت زار ملاحظہ فرمائی اور دستگیری کے لیے خود اُس کی طرف چل پڑے۔ ٹھار شریف اور مٹھ جھیڈ دکے درمیان ایک وسیع جھیل ہے۔ جسے ہر یاری کہتے ہیں۔ ہر یاری کے اس کنارے پر آپ پہنچے تھے اور دوسرے کنارے پر رمضان کہ اُس کے بیٹے محمد احسن پر کیفیت موت طاری ہوگئی۔ رمضان نے بیٹے کو رکھ دیا اور رونے پیٹنے لگا حضرت صاحب بُسرعت تمام اُس کے پاس پہنچے اور پوچھا رمضان کیوں روتا ہے؟ اُس نے عرض کی کہ احسن فوت ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی احسن کی موت کا وقت نہیں آیا۔ اُس نے کہا۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ اب تو اُس کی روح بھی بدن سے پرواز کرچکی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ ابھی احسن کی موت کا وقت نہیں آیا۔ اور اس کے بعد میت کے ہاتھ کو زور سے ہلا کر آواز دی۔ محمد احسن او محمد احسن۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے دوست کے طفیل محمد احسن کو نئے سرے سے زندگی بخشی اور وہ آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔ پیر بابا۔ کیا ہے؟ کیا کہتا ہے؟ فرمایا۔ اٹھ رمضان کو تسلی دے۔ وہ تجھے مردہ سمجھ چکا تھا۔ سبحان اللہ۔ اسے کہتے ہیں مرشد کامل کی مدد محمد احسن اس کے بعد پچاس برس کے قریب زندہ رہا۔ کاتب حروف فقیر محمد عاقل اُس کی دولتِ صحبت سے مسرت حاصل کرچکا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت شیخ کی نشانی تھا۔

حضرت صاحب کھوڑی پر عنایت عظیم

چیلے واہن شریف میں چند اشخاص کے درمیان ایک قطعہ زمین موسومہ سیدی والہ کی ایک ملکیت کا مقدمہ چل رہا تھا جب ٹھار شریف میں حضرت بھٹی صاحبؒ کے سامنے یہ ذکر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ اس متنازعہ معاملہ میں میاں صاحب کھوڑی کی توجہ کس کی طرف ہے۔ عرض کنندہ نے بیان کیا کہ حضرت کی توجہ فلاں فریق کی طرف ہے۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ فتح یقیناً اسی کی ہے۔ اس کے بعد فرمایا میرے میاں صاحب کو خدا تعالےٰ نے ایسا تصرف عظیم عطا فرمایا ہے کہ اگر چاہیں تو چیلے واہن سے زمین کا ٹکڑا اٹھا کر ٹھار شریف میں ڈال دیں اور ٹھار شریف کی زمین کا قطعہ اٹھا کر چیلے واہن میں پھینک دیں۔

مرشد کے قدموں میں دفن ہونے کی شدید آرزو

ایک روز حضرت صاحبزادہ نور احمد صاحب سجادہ نشین

بطور خوش طبعی آپ سے پوچھ رہے تھے کہ وصال کے بعد ذاتِ مبارک کی تدفین کہاں ہو گی آپ فرماتے تھے۔ خانقاہ سے باہر اپنے محبوب حضرت قبلہ عالمؒ کی پائنتی میں صاحبزادہ صاحب نے کہہ دیا کہ ہم آپ کو وہاں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت جوش میں آگئے اور فرمایا۔ اے صاحبزادہ! خدا پاک کی قسم ہے۔ اگر تم مجھے ایران میں بھی دفن کرو تو اسی وقت حضرت قبلہ عالمؒ کے مزار کی پائنتی میں زمین کھود کر دیکھ لینا۔ غلام حسن قبلہ عالمؒ کے قدموں میں پڑا ہو گا۔

وصال مبارک مرض وصال میں حضرت خواجہ حافظ غلام مرتضٰے صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے بھائی اور خلیفہ معظم حاضر خدمت تھے۔ مرض مفاصل تھی حضور نے اپنے بھائی کو ملال اور تشویش میں دیکھا تو فرمایا کہ یہ معاملہ زلیست امکانی نہیں اور بوستان سعدیؒ کے یہ بیت پڑھتے تھے۔

شتر بچہ با مادر خویش گفت	پس از رفتن آخر زمانے نخفت
بگفت از بدست من اندنے مہار	نہ دیدے کسم بارکش در قطار

آخر نہم ذی القعدہ ۱۲۵۰ھ میں ذاتِ مہتاب آسمان ہدایت نے غروب ہو کر وصال فرمایا اور حضرت قبلہ عالم کے پائے مبارک کی طرف اُن کے وزیر اعظم کو دفن کیا گیا جہاں آپ کی چو کھنڈی جنت الماوہٰی کی صورت آج تک قائم ہے۔

حضرت خواجہ محمد عاقل چشتیؒ

وصال ۱۲۵۳ھ مزار کوٹ مٹھن ڈیرہ غازی خاں پنجاب

حضرت خواجہ محمد عاقل حضرت خواجہ نور محمد مہاوری کے ممتاز خلفاء میں سے تھے آپ نے سلسلہ نظامیہ چشتیہ کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ان کے علمی مقام پابندی شریعت اخلاق اور مروت کی شہرت دور و نزدیک بہت جلد پھیلی اس لیے لوگوں کی خاصی

تعداد ان کی خدمت میں حاضر ہوتی اس طرح تبلیغ دین کی آپ نے تن من دھن سے خدمت کی۔

نسب وخاندان

خواجہ قاضی محمد عاقلؒ چشتی فاروقی ہیں اور ان کے بزرگوں کا خاندانی لقب "کوریجہ" ہے۔ ان کے ایک بزرگ حضرت محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمدؒ تھے۔ ارادت خان وزیر شاہجہان ان کا مرید تھا اور شاہجہان نے ان کو پانچ ہزار بیگہ اراضی اخراجات کے لیے دی تھی۔ شاہجہان کے بعد اورنگ زیب عالمگیر اور شاہان مابعد نے بھی اس خاندان کے بزرگوں کو جاگیریں عطا کیں۔ قاضی صاحب کا شجرہ نسب یہ ہے: قاضی محمد عاقل بن مخدوم محمد شریف بن مخدوم محمد یعقوب بن مخدوم نور محمد کوریجہ آخر میں یہ شجرہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک منتہیٰ ہوتا ہے۔

والد ماجد

قاضی محمد عاقل کے والد عالم باعمل اور صاحب تقوٰی وتقدس بزرگ تھے، انہوں نے یاروالی میں سکونت اختیار کر لی تھی، جہاں بکثرت لوگ اُن سے بیعت ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد وہ کوٹ مٹھن آگئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی جسے ان کے مرید مٹھن خاں بلوچ نے آباد کیا تھا۔

پیدائش

خواجہ محمد عاقل کی ولادت باسعادت ۱۱۵۱ھ کو غالباً کوٹ مٹھن ہی میں ہوئی۔

تعلیم

انہوں نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے والد محترم مخدوم محمد شریف سے تعلیم پائی جو اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم اور محدث تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے شاہ فخر اور خواجہ نور محمد مہاروی ؒ سے علوم کی تحصیل کی، شاہ فخرؒ سے انہوں نے شرح عبدالحق اور سواد السبیل پڑھی۔ اور خواجہ نور محمد مہاروی ؒ سے حدیث کی سند حاصل کی۔

تلاش مرشد کامل

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد خواجہ محمد عاقلؒ علم باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں مرشد کامل کی تلاش ہوئی۔ اگرچہ خود اُن کے والد بزرگوار بلند پایہ اور صاحب باطن بزرگ تھے، لیکن ان کا نصب العین بھی بلند تر تھا۔

بیعت

اُس وقت خواجہ نور محمد مہاروی کی شہرت کا آفتاب بلند ہو چکا تھا، اتفاق سے خواجہ محمد عاقل کے بھائی کی ملاقات موضع یارے والی میں خواجہ نور محمد مہاروی سے ہوئی۔ اُن کے بھائی نے اُسی رات کو اپنے بھائی خواجہ محمد عاقل کے بلانے کے لیے کوٹ مٹھن آدمی بھیجا، خواجہ محمد عاقل آئے، اور انہوں نے اُچ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

دادا مرشد سے ملاقات

آپ چند مرتبہ اپنے دادا پیر حضرت شاہ فخر کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، پہلی مرتبہ جب وہ مہار سے اپنے مرشد کے ساتھ دہلی گئے تو پیدل گئے، جب خواجہ نور محمد مہاروی نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ میں حضرت شاہ فخر کی خدمت میں پیدل جاؤں گا۔

دوسری مرتبہ وہ اپنے مرشد سے ملنے کے لیے مہار آئے۔ وہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ اُن کے مرشد دہلی تشریف لے گئے ہیں، یہ سُن کر وہ براہ بیکانیر دہلی روانہ ہو گئے، جب وہ دہلی پہنچے تو حضرت شاہ فخر کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے سوائے ایک لوٹے کے کچھ اُن کے پاس نہ تھا۔ انہوں نے وہ لوٹا آٹھ آنے میں فروخت کیا اور اُس کی قیمت سے شاہ فخر کے لیے مٹھائی خریدی۔ اُن کے پیر و مرشد خواجہ نور محمد مہاروی کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے خواجہ محمد عاقلؒ کو چار اشرفیاں دیں تاکہ وہ حضرت شاہ فخرؒ کی خدمت میں پیش کریں۔

دوسری مرتبہ جب وہ شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فیوضِ باطنی اور تصوف کے بعض اہم مسائل بھی اُن سے سمجھے۔

آخری مرتبہ جب خواجہ محمد عاقل، شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو شاہ فخر نے اُن کو چار کتابیں دیں، اُن میں سے ایک مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی۔ دوسری کتاب مطول، تیسری سواء السبیل۔ چوتھے ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی، قصیدہ حمزیہ اور شرح رباعیات جامی وغیرہ تھیں۔ مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی صاحب مناقب المحبوبین نے بھی موضع مکھیراں میں جو آپ کے صاحبزادے کے پاس بھی زیارت کی تھی ان کا بیان ہے کہ نسخہ نہایت خوش خط تھا، اور اُس کے حاشیہ پر شاہ فخرؒ کے دستخط تھے۔

ریاضت و مجاہدہ

خواجہ محمد عاقل نے مختلف اور بہت سخت مجاہدات کیے، اُن کے پیر بھائی حافظ محمد جمالؒ کا بیان ہے کہ جتنے مجاہدات خواجہ محمد عاقلؒ نے کیے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ ان کو ذکر بالجہر میں بہت شغف تھا۔ اگرچہ بڑھاپے میں بہت نحیف اور کمزور ہو چکے تھے۔ لیکن ذکر بالجہر بڑی پابندی سے کرتے تھے۔ اُن کے مجاہدوں میں حبس دم بھی شامل تھا۔

عبادت میں محویت کی یہ کیفیت تھی کہ عبادات میں محو و استغراق کی وجہ سے ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے تھے ان سے پوچھتے کہ کہاں رہے وہ عرض کرتے کہ ہم تو پابندی سے حاضر ہوتے ہیں، فرماتے میں نے تو تمہیں دیکھا نہیں۔

خواجہ محمد عاقل کے برادر بزرگ قاضی نور محمدؒ نے نواب جمے خاں خراسانی سے جو اُس زمانے میں سلاطین خراسان کی طرف سے صوبے دار تھا۔ چند دیہات اجارے پر لیے تھے۔ خواجہ محمد عاقل اُن کے ضامن تھے۔ ایک دفعہ بعض مجبوریوں سے قاضی نور محمد اجارے کی رقم ادا نہ کر سکے، شہر کے حاکم نے وہ رقم خواجہ محمد عاقلؒ سے طلب کی، اسے وہ بھی ادا نہ کر سکے تو اُس نے انہیں قید کر دیا۔ نو مہینے تک خواجہ محمد عاقلؒ نے قید کے مصائب تکالیف برداشت کیے۔ قید خانے میں اُن کا سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا قید سے چھوٹے تو فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ نو مہینے جو میں نے قید میں گزارے ہیں اگر مجھے حاصل نہ ہوتے تو میں شاید ذکر و شغل کے نتیجے سے محروم رہتا۔

اُس زمانے میں جب کہ خواجہ محمد عاقلؒ قید میں تھے۔ اُن کے پیر و مرشد خواجہ نور محمد مہاورہیؒ نے قید خانے میں بہت سے عمل اُن کو بھیجے لیکن انہوں نے کوئی عمل نہیں پڑھا۔ لوگوں نے جب اُن سے پوچھا کہ آپ نے عمل کیوں نہیں پڑھا، فرمایا اپنے چھٹکارے کے لیے عمل پڑھنے سے مجھے شرم آئی۔

سلسلۂ درس و تدریس

آپ نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ایک دار العلوم قائم کیا۔ جس میں اعلیٰ دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ فقہ، تصوف اور حدیث کی کتابیں آپ خود پڑھاتے تھے۔

بڑے بڑے عالم اس مدرسہ میں درس دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ایک بڑا لنگر خانہ تھا جہاں سے علماء اور طلباء کو دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔

بعد میں جب آپ کوٹ مٹھن سے موضع شدانی میں منتقل ہو گئے تو وہاں بھی ایک بڑا مدرسہ قائم کیا اور طلباء واساتذہ کے لیے لنگر خانہ سے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

اتباعِ سنت

خواجہ قاضی محمد عاقلؒ، اتباع سنت کا خاص خیال رکھتے تھے، ان کا ہر عمل اور قول وفعل کتاب وسنت کے مطابق ہوتا تھا۔ وصال سے پیشتر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں۔

تو مارا لبسیار خوش کردی کہ ہمگیں	تو نے ہمیں بہت خوش کیا ہے
سنتہائے مارا زندہ کردی۔ ۴	کیونکہ تم نے ہماری تمام سنتیں زندہ کر دی ہیں۔

سماع

مناقب المحبوبین میں ہے کہ قاضی محمد عاقلؒ سماع سے غیر معمولی ذوق رکھتے تھے اور اکثر سماع کی محفل میں اُن پر بے حد کیفیت طاری ہو جاتی۔

سلسلہ رشد و ہدایت

خواجہ محمد عاقل کو جب، خواجہ نور محمد مہاروی نے خلافت سے سرفراز فرمایا تو وہ ایک عرصے تک اشغال واذکار میں لگے رہے لیکن سلسلہ نظامیہ کے فیوض وبرکات کو عام کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے خواجہ نور محمد مہارویؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے نہایت سختی سے لکھا کہ تم لوگوں کو بیعت کر کے اپنے سلسلے کے فیض کو کیوں عام نہیں کرتے۔ اگر اب بھی تم نے ایسا نہیں کیا تو میں اس کی اطلاع حضرت شاہ فخر کو دوں گا۔ اس روز سے آپ نے باقاعدہ لوگوں میں سلسلہ رشد وہدایت جاری کیا اور بہت جلد آپ کی شہرت گرد و نواح میں پھیل گئی۔

معمولات

خواجہ محمد عاقلؒ اپنے اوقات کے بڑے پابند تھے، معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد وہ ذکر وشغل میں مصروف ہو جاتے، پھر کھانا کھاتے اور عشا کی نماز باجماعت ادا فرماتے۔ نماز عشاء کے بعد مریدوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوتا، جو نصف شب تک جاری رہتا۔ تہجد کی نماز ادا فرمانے کے بعد ذکر بالجہر فرماتے

اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، اور شام کو طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔

لباس و غذا

عادت مبارک تھی کہ غذا لطیف اور لباس عمدہ پہنتے تھے، ان کے دادا مرشد، شاہ فخرؒ نے ہدایت کی تھی کہ وہ عمدہ لباس اور لطیف غذا استعمال کریں، شروع میں ان کو اپنے پیر کی اس ہدایت پر بہت تعجب ہوا، لیکن پھر آپ نے فوراً عمل شروع کر دیا۔

عموماً خواجہ محمد عاقلؒ کا قمیض اُن کے سینے پر سے چاک رہتا تھا، کلاہ قادری پہنتے تھے، جب کہیں باہر جاتے تو سر پر دستار یا سلاری (لنگی)، باندھ لیتے تھے۔

شاہان وقت کی عقیدت

مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ چیچک کے عمل کا تذکرہ سن کر فرمایا اثر کی اپنی طرف نسبت کرنا شرک ہے۔ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اکبر شاہ ثانی سے خواجہ محمد عاقل کا اس درجہ معتقد تھا کہ اس نے شہزادہ جہاں خسرو، اور کاؤس شکوہ کو ان کا مرید قرار دیا تھا۔ بہادر شاہ ظفر بھی اُن سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔

وصال

آپ چار ماہ بیمار رہے۔ آخر ۸ رجب ۱۲۲۹ھ آپ کا وصال ہوا آپ کو شدانی سے لا کر کوٹ مٹھن میں سپرد خاک کیا گیا۔

جانشین

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ قاضی احمد علیؒ جانشین ہوئے۔ انہوں نے ۹ رشعبان ۱۲۳۱ھ کو وصال فرمایا۔ کوٹ مٹھن میں سپرد خاک کیے گئے۔ قاضی احمد علیؒ کے دو صاحبزادے تھے۔ (۱) میاں خدا بخش اور (۲) خواجہ تاج محمود۔ دونوں سے الگ الگ سلسلہ چلا۔

قاضی محمد عاقلؒ کے خلفا

خواجہ قاضی محمد عاقلؒ کے خلفا بکثرت تھے جن میں سے مشہور بزرگ حسب ذیل ہیں۔

(۱) خلیفہ اکبر صاحب (۲) مولوی عبداللہ صاحب (۳) مولوی محمد اعظم
(۴) میاں شریف الدین (۵) مولوی گل حسن (۶) خواجہ گل محمد احمد پوری

خواجہ گل محمد احمد پوری نے کتاب تکملہ سیر الاولیا میں بزرگان سلسلہ کے حالات

قلمبند کیے ہیں اور اسی کتاب میں خواجہ قاضی محمد عاقل رح کے ملفوظات بھی لکھ دیے ہیں۔ خواجہ گل محمد احمد پوری ۹ محرم ۱۲۴۳ھ کو احمد پور علاقہ بہاول پور میں فوت ہوئے۔

حضرت مولانا محمد علی مکھڈی چشتی رح

وصال ۱۲۵۳ مزار مکھڈ شریف پنجاب

حضرت محمد علی مکھڈی علم و عمل میں یگانہ روزگار تھے اور حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے اکابر خلفاء سے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے والد کا نام محمد شفیع تھا اور دادا کا اسم گرامی داؤد جلال آبادی تھا۔

ولادت آپ کے آباؤ اجداد کا اصل وطن بٹالہ مشرقی پنجاب، در ہند ہے، آپ بٹالہ میں ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔

خاندان آپ حضرت شاہ غلام علی بٹالوی ثم الدہلوی (م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا آپ کے بچپن میں ہی انتقال ہوگیا اور آپ کے بڑے بھائی مولانا عبدالرسول نے آپ کی پرورش اور تربیت کی۔

شاہ غلام علی صاحب بٹالہ سے دہلی چلے گئے اور وہیں کے ہو رہے اور مولانا محمد علی مکھڈ (ضلع کیمبلپور) آگئے اور یہیں کے ہو رہے۔

تعلیم و تربیت آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالرسول صاحب سے حاصل کی، بٹالہ میں میاں حبوۃ اللہ سے فنِ کتابت سیکھا۔ اس کے بعد سفر اختیار کیا اور مولوی اسداللہ بہاولپوری، میاں مصطفیٰ اچی پشاوری، میاں مرتضیٰ صاحب جبیالوی کی خدمت میں رہ کر عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے آپ مولانا محکم الدین مکھڈی کی خدمت میں بمقام مکھڈ (ضلع کیمبلپور) حاضر ہوئے۔ مولانا محکم الدین متبحر عالم تھے، اس زمانہ میں ان کے علم کی بڑی شہرت تھی، آپ عرصہ دراز تک مولانا موصوف

کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مولانا محکم الدین مکھڈی کا انتقال ہوگیا اور مولانا محمد علی کو ان کو جانشین مقرر کیا گیا۔

تبحر علمی و شغل تدریس

آپ نے مکھڈ میں مستقل طور پر مقیم ہو کر سلسلۂ تدریس جاری کر دیا۔ اور بہت جلد مغربی پاکستان کے شمالی مغربی علاقے میں آپ کے علم و فضل کا شہرہ ہوگیا۔ دور دراز کے شہروں، کابل، بخارا، قندھار تک کے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہونے لگے۔

علوم معقول یعنی منطق و فلسفہ میں آپ کی دسترس کی بڑی شہرت تھی۔ اُس دور کے جید علما منطق و فلسفہ کے دقیق مسائل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حل کراتے تھے آپ کے جانشین اول محمد عابد جی بہاوریؒ، جانشین دوم مولانا زین الدینؒ اور خواجہ شمس الدین سیالویؒ آپ کے نامور شاگردوں میں سے ہیں۔

تلاش مرشد

ایک عرصہ تک علم ظاہری میں مشغول رہنے کے بعد آپ کے اندر جذبۂ خدا طلبی پیدا ہوا۔ حصول علم باطن اور کسی رہبر کامل کی تلاش میں اپنے عزیز شاگرد (خواجہ) شمس الدین سیالویؒ کو ہمراہ لے کر دیوانہ وار مکھڈ سے نکل کھڑے ہوئے۔

مکھڈ سے نکل کر موضع انب (علاقہ سون) میں ایک درویش میاں ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن قلبی تسکین نہیں ہوئی۔ پھر کئی اور مقامات سے ہوتے ہوئے اور مختلف بزرگوں سے ملتے ہوئے تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جس وقت تونسہ شریف پہنچے، حضرت خواجہ تونسویؒ مجلس عام میں تشریف فرما تھے مولانا صاحب سلام عرض کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ حضرت تونسویؒ نے پوچھا، کہاں سے آئے ہو"؟ عرض کیا "مکھڈ سے،، آیا ہوں تو اس پر حضرت خواجہ نے فرمایا۔

"مکھڈ میں تو ایک "مولوی،، رہتا ہے جس کے علم کی بڑی شہرت ہے"۔ مولانا نے عرض کیا: "مولوی مجھے ہی کہتے ہیں،،۔ یہ سُن کر حضرت خواجہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ سے

معانقہ کیا اور اپنے پاس بٹھایا۔

بیعت و خلافت

مولانا محمد علی مکھڈی چھ ماہ تک متواتر حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں رہ کر اکتسابِ فیض کرتے رہے، لیکن بیعت نہیں کی۔ چھ ماہ کے بعد حضرت تونسوی نے آپ کو ایک پیغام بھیجا جس کا مطلب یہ تھا۔ "اے صوفی! یہاں کیوں آئے ہو، ہم تو رند مشرب لوگ ہیں اور آپ زہد و پارسائی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہمارا آپ کا کیا جوڑ"۔

اس کے جواب میں مولانا محمد علی صاحب نے اسی وقت ایک رباعی، جو آپ کی طبع زاد تھی، لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیج دی۔ وہ رباعی یہ ہے۔

آمدم تا دین و ہم بر روئی تو	من برائے دین فروشی سوئی تو
چونکہ پا اندا ختم در کوئی تو	ننگ و ناموسم نہ ماندہ حبّہ ای

ساتھ ہی بیعت کی استدعا کی، حضرت خواجہ بہت خوش ہوئے، آپ کو بیعت فرمایا اور توجہ باطنی سے نوازا تھوڑے عرصہ بعد خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ مکھڈ میں جا کر رہو اور خلق خدا کی رہنمائی کرو۔

ارشاد و تلقین کا سلسلہ

مکھڈ واپس پہنچ کر آپ نے سلسلہ تدریس کے ساتھ سلسلہ ارشاد و تلقین بھی جاری کر دیا، اور اس علاقہ میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کی، اس علاقہ کے متعدد علماء آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے افادۂ عوام کے لیے آپ نے ایک وسیع لنگر بھی جاری کیا اور علماء اور طلبہ کے قیام و طعام کا بھی معقول انتظام کیا۔

مصنف "قصر عارفان" آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ جن کو علم و	مولانا شاہ محمد علی مکھڈی کہ فضیلت
فضل میں کمال اور علم معقول و منقول	کمال و تبحر در معقول داشت و طبع
میں تبحر حاصل تھا اور طبیعت موزوں	موزوں و فکر رسا و در طریقت
اور ذہن رسا کے مالک تھے اور	استعداد کافی و در سخا و رضا

وصبر وتحمل وصفا منزلت رفیع، دور تعلیم طالبان خاصیت کیمیا۔

طریقت میں بلند استعداد اور سخاوت درضا اور صبر وتحمل وصفا میں عالی منزل تھے، اور طالبین کی تعلیم میں مانند اکسیر تھے۔

حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوبین، آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ایشاں (مولانا محمد علی مکھڈیؒ) عالم علوم ظاہری و باطنی بودندو صاحب وجد وسماع۔

مولانا محمد علی مکھڈی، علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور اہل وجد و سماع تھے۔

مرشد سے عقیدت

مولانا محمد علی اگرچہ خواجہ تونسوی سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ پھر بھی جب تک زندہ رہے، تعلق بیعت کے بعد ہر سال حضرت تونسوی کی خدمت میں آخر عمر تک حاضر ہوتے رہے۔ حاجی نجم الدین لکھتے ہیں۔

"باوجود کمال ضعف وعمر کلاں ہر سال بخدمت حضرت صاحب آمدہ چند ماہ می ماندند، وباز می رفتند۔ حضرت صاحب روزی در حق ایشاں فرمودند کہ مولوی ضعیف شدہ است۔ اما عشق جوان است کہ ایں را ہر سال بر در من می آرد۔"

ضعف وکمزوری اور پیرانہ سالی کے باوجود ہر سال حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں آکر چند ماہ ٹھہرتے اور واپس چلے جاتے۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان نے ایک روز اُن کے بارے میں فرمایا کہ مولوی بوڑھا ہوگیا ہے۔ لیکن اس کا عشق جوان ہے جو اسے ہر سال میرے دروازے پر لے آتا ہے۔

سفر آخرت

۲۹ رمضان المبارک ۱۲۵۳ھ ر ۱۸۳۷ء میں چند دن بیمار رہ کر حضرت خواجہ تونسوی کی زندگی ہی میں آپ کی وفات ہوگئی۔ انہیں مکھڈ میں سپرد خاک کیا گیا۔

جہاں مزار مبارک زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

اولاد حضرت مولانا محمد علی مکھڈی ؒ نے تمام عمر تجرد میں بسر کی۔ اس لیے ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔

اخلاق و آداب مولانا محمد علی مکھڈی کے تمام اخلاق و عادات سیرت نبوی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ طلبہ پر بڑے شفیق تھے، نماز تہجد کے بعد سماع سنتے تھے۔ مزاج میں نفاست تھی۔ ہمیشہ صاف اور اعلیٰ قسم کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ طبیعت میں استغنا تھا۔ اہل دول کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

تصنیفات مولانا محمد علی مکھڈی نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی۔ البتہ آپ کا فارسی اور پنجابی زبانوں میں عارفانہ کلام موجود ہے۔

آپ کے ملفوظات "تذکرۃ المحبوب" کے نام سے مولوی عبدالنبی نے فارسی زبان میں جمع کیے جن کے ساتھ آپ کے حالات بھی آ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے حالات کے متعلق ایک کتاب "تذکرۃ الولی" ہے۔ جو مولوی محمد الدین مکھڈی نے لکھی۔

حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری چشتیؒ

وصال ۱۲۴۳ھ مزار احمد پور شرقیہ پنجاب

بہاولپور میں چشتیہ نظامیہ فخریہ سلسلے کے آپ بھی بڑے جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں خواجہ قاضی محمد عاقل ؒ کے مرید خاص اور خلیفۂ مجاز تھے۔ تکملہ سیر الاولیاء کے جامع ہونے کی وجہ سے آپ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ اور اس فن مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کی پیدائش اوچ میں ہوئی تھی۔ نواب صادق محمد خاں ثالث نے جو آپ کے مداح و قدر دان تھے۔ آپ کو اوچ سے بلا کر احمد پور شرقیہ میں قیام کی درخواست کی۔ اس کے بعد آپ یہیں مقیم رہے۔ اور لوگوں کا جسمانی و روحانی علاج کرتے رہے۔

آپ کا خاندان حضرت خواجہ معروف کرخی سے منسوب ہے۔ آپ کے بزرگوں میں سے شیخ ظہیر الدین شاہجہان بادشاہ کے عہد میں ملتان آئے تھے اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔ شیخ ظہیر الدین کے ایک فرزند شیخ بدر الدین بخارا کے بادشاہ عبدالعزیز کے مرشد واستاد تھے۔ دوسرے فرزند شیخ رحم علی ملتانی میں پیدا ہوئے تھے۔ شیخ بدرالدین کے بیٹے کریم داد اپنے والد کی وفات کے بعد بادشاہ اورنگ زیب کے عہد میں اپنے دادا شیخ ظہیر الدین کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے ملتان آئے۔ اس کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب سے ملاقات کی جس پر آپ کی بے حد قدر کی اور آپ کو ملتان میں بیش قیمت جاگیر عطا کی انہیں کی اولاد میں مولوی محمد بخش مرحوم خواجہ گل محمد کے دادا تھے۔ جنہوں نے اوچ شریف میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ بھی بڑے صاحب علم وفضل بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت بیعت تھی۔ آپ کے صاحبزادے مولوی حکیم اللہ یار فن طبابت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے خواجہ گل محمد کو بھی طب کی تعلیم دی۔ دینی علوم آپ نے دیگر علما کے علاوہ صاحب تحفہ غوثیہ حضرت غوث بخش رح سے بھی حاصل کیے۔

حضرت خواجہ قاضی محمد عاقل رح نے جب کوٹ مٹھن میں مدرسہ قائم کیا آپ بھی بطور طالب علم اس میں داخل ہوئے۔ علوم ظاہری کے علاوہ آپ نے قاضی صاحب رح سے روحانیت کا درس بھی لیا۔ قاضی صاحب آپ پر بہت مہربان تھے اور آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے معترف۔

حضرت خواجہ گل محمد نے اپنے پیر گھرانے کی روایت کے مطابق احمد پور شرقیہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور اس کے ساتھ ایک لنگر بھی جاری کیا۔ حکیم غلام سرور ملتانی کی یہ روایت تکملہ سیر الاولیاء کے تتمہ میں نجم الدین صاحب نقل کرتے ہیں۔

"من در پنجا احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور در مدرسہ عربی حضور تحصیل علم میکردم ونان از لنگر میخوردم کہ باندازہ دو صد نفر فقیر و مہمان و طلاب از لنگر نان میخورند"

جہاں قاضی صاحب کے خاندان فیض نشان سے خواجہ گل محمد صاحب کا تاحیات ارادتمندی کا تعلق قائم رہا وہاں حضرت ممدوح کے افراد خاندان بھی خواجہ گل محمد صاحب

کی بڑی قدر و منزلت کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے مزار پر حاضری دینا اور آپ کے عرس میں شرکت کرنا حضرت قاضی صاحبؒ کے خاندان کا ہمیشہ معمول رہا۔ اس بات کی تصدیق تکملہ سیر الاولیاء کے تتمہ کے اس اندراج سے ہوتی ہے۔

"حضرت میاں صاحب قبلہ شد انزی فرمودہ کہ حضرت صاحب قبلہ من خواجہ تاج محمود صاحب کہ ہمیشہ برائے زیارت حضور حضرت صاحب قبلہ احمد پوری و بر عرس در احمد پور تشریف می آوردند قریب کوٹھی فرنگی کہ بفاصلہ میل دو میل است از سواری زیر آمدہ پا پیادہ تا شہر می آمدند ہر گاہ در شہر تشریف فرما می شدند پا برہنہ تا خانقاہ شریف آمدہ چند یوم بعضے چہل یوم توقف می فرمودہ پا برہنہ ماندند"

نیاز و عقیدت کی یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ نجم الدین صاحب لکھتے ہیں کہ احمد پور کے دوران قیام نواب صاحب بہاولپور خانقاہ مبارک میں حاضر ہو کر بار بار حضرت خواجہ تاج محمود سے ڈیرہ نواب میں قدم رنجہ فرمانے کی استدعا کرتے لیکن آپ خانقاہ حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری کو چھوڑ کر نواب صاحب کے محل میں تھوڑی دیر کے لیے بھی جانا گوارا نہ کرتے۔

حضرت خواجہ گل محمد احمد پوریؒ نے سید محمد المعروف بہ میر خورد بن سید کمال الدین بن حضرت سید محمد کرمانی قدس اللہ ارواحہم کی مشہور تصنیف سیر الاولیاء کا تکملہ لکھ کر مشائخ و صوفیائے کرام کے تذکروں میں قابل قدر اضافہ کیا۔ اس میں دیگر سلاسل تصوف کے مشائخ عظام کے علاوہ سلسلۂ نظامیہ فخریہ کے بزرگان کرام بالخصوص اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قاضی محمد عاقل کے خانوادۂ جلیلہ کے مفصل حالات اور ملفوظات درج ہیں۔

حضرت خواجہ حکیم گل محمد کی تاریخ ولادت ۱۱۶۹ھ اور تاریخ وفات ۱۲۴۳ھ ہے مزار مبارک احمد پور شرقیہ میں مرجع خلائق ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں اس پر خوبصورت مقبرہ تعمیر کیا گیا تھا۔

خواجہ گل محمد کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک خواجہ محمود بخش اور دوسرے خواجہ محمد بخش بڑے صاحبزادے خواجہ محمود بخش آپ کے جانشین ہوئے۔ انہیں اپنے والد

کے علاوہ خواجہ خدابخش، میاں محمد شریف شدانوی اور حضرت خواجہ تاج محمود سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی۔ دوسرے صاحبزادے خواجہ محمد بخشؒ کو بھی ان سب حضرات سے فیض پہنچا تھا۔ ان کے ایک فرزند مولوی حاجی محمد نصیر بخش امیر بہاولپور کے دربار سے منسلک تھے اور وکالت کے عہدہ پر مامور تھے۔ خواجہ محمود بخشؒ کے دو فرزند تھے۔ ایک مولوی اللہ یار صاحب جو لاولد تھے۔ اور دوسرے مولانا نظام الدین جن کے تین فرزند مولوی دین محمد۔ مولوی سیف الدین اور مولانا نجم الدین تھے۔ آخر الذکر حضرت خواجہ گل محمدؒ کے سجادہ نشین و متولی خانقاہ تھے۔ آپ کے مریدین کا سلسلہ سابق ریاست بہاولپور کی تمام حدود میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمود بخش (جن کا مزار اپنے والد گرامی کے پاس ہے)، پھر ان کے صاحبزادے خواجہ نظام الدین (جن کا مزار احمد پور شرقیہ کی ہی خانقاہ میں ہے)، رونق دہ سجادہ ہوئے۔

ماخوذ :۔ اولیائے بہاولپور از مسعود حسن شہاب۔

خواجہ خدابخش خیرپوری چشتیؒ

وصال صفر ۱۲۵۰ھ مزار خیرپور ٹامیوالی بہاولپور

حضرت خواجہ خدابخش خیرپوری سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ان بزرگوں میں سے ہیں جنہیں بارہویں صدی ہجری میں زہد و تقویٰ، علم و فضل اور روحانی فیوض و برکات میں دور و نزدیک میں بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ آپ حافظ جمال اللہ ملتانی چشتی کے اکابر خلفاء سے ہیں۔

ولادت آپ کے والد ماجد کا نام مولانا قاضی جان محمد تھا جو عالم باعمل باشرع اور صاحب زہد و تقویٰ تھے اور قصبہ تلنبہ میں رہتے تھے۔ وہیں آپ کی ۱۱۵۰ھ میں ولادت ہوئی۔

تحصیل علم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی پھر ذرا بڑا ہونے پر مزید تعلیم کے یے والد ماجد کے کہنے پر دہلی میں تشریف لے گئے اور مدرسہ رحیمیہ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ کی شاگردی اختیار کر لی۔ اور ان سے دینی علوم کی تکمیل کی دہلی میں قیام کے دوران تحصیل علم کے ساتھ ساتھ آپ نے چند دیگر مشائخ سے بھی استفادہ حاصل کیا۔

درس و تدریس کا سلسلہ

علم حاصل کرنے کے بعد واپس تلنبہ تشریف لے آئے اور والد گرامی کے زیر سایہ وہیں زندگی کے شب و روز گزارنے لگے کچھ عرصہ کے بعد یہاں سے نقل مکانی کر کے ملتان میں سکونت پذیر ہو گئے ملتان کے محلہ کمہار پورہ میں آپ کی رہائش تھی یہیں آپ نے درس و تدریس کا آغاز کیا تھوڑے عرصہ میں آپ کے درس کی شہرت گردو نواح میں پھیل گئی اور طالب علم دور دور سے آپ کے پاس آنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے چالیس سال تک ملتان میں قرآن و حدیث کا درس دیا اور ہزاروں لوگ آپ کے علمی فیض سے مستفید ہوئے درس و تدریس کے دوران ہی آپ کی طبیعت روحانیت کی طرف مائل تھی مگر کسی پیر کامل تک رسائی نہ ہوئی۔ تلاش مرشد کی خاطر آپ نے کئی مقامات کا سفر بھی کیا اور متعدد بزرگوں سے ملاقات بھی کی مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔

بیعت

بڑی تلاش اور جستجو کے بعد آپ حافظ جمال اللہ ملتانی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ آپ کی بیعت کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے کہ جب آپ کو زمانہ کی کچھ پریشانیوں نے آگھیرا اور دلی سکون حاصل نہ ہوا تو آپ نے دل میں ارادہ کیا کہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہو کر راہ حق کا متلاشی ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ ان کا یقین تھا کہ شیخ کامل کی امداد کے بغیر صفائی باطن اور کشود کار ناممکن ہے۔ آپ نے سنا کہ حضرت گنج شکر کی اولاد میں سے مولوی عبدالحکیم صاحب چشتی گڑھی اختیار خاں میں ایک شخص رہتے ہیں جو بہت بڑے عالم اور قصیدہ بردہ کے عامل ہیں۔ اس لیے حصول مطلب کے لیے ان کی خدمت میں روانہ ہوئے

گرجب شجاع آباد میں (جو ملتان سے اٹھارہ میل جنوب کی طرف ہے) پہنچے تو وہاں کے لوگ آپ کی خدمت میں جمع ہو گئے۔ اور التماس کی کہ چند دن یہاں ٹھہریں اور اپنے علم و فن سے ہمیں بھی فیض بخشیں۔ ان کے التماس پر آپ دو تین ماہ وہاں ٹھہر گئے۔

سنا ہے کہ مولوی عبدالحکیم کے شاگردوں میں سے ایک شخص یہاں رہتا ہے۔ جو قصیدہ بردہ کے عمل میں مشہور ہے۔ ایک دن اس کے پاس گئے اور اپنا مطلب بیان کیا اور قصیدہ بردہ کے عمل کی اجازت مانگی۔ اس نے خیال کیا کہ شاید آپ کا مطلب فراخ روزی حاصل کرنے کا ہے۔ ایک بیت پڑھا دیا اور اس کے عمل کی ترتیب بتائی۔ جب آپ نے اس کا وظیفہ کیا تو تنگ دستی رخصت ہو گئی۔ اور ایک دو روپیہ روزانہ فتوحات کے طور پر حاصل ہو جاتے تھے۔ استاد کی خدمت میں پھر آئے اور کہا کہ اس وظیفہ سے میری غرض صرف دنیاوی تسخیر نہ تھی۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ شیخ کامل کی زیارت نصیب ہو۔ جس سے کہ میں فیوض باطنی حاصل کر کے مدعائے اصلی پر پہنچوں۔ استاد نے پھر وہی بیت ایک اور طریقہ پر بتلایا۔ جب آپ نے نئی ترتیب سے وظیفہ شروع کیا تو خواب میں ان کو حضرت حافظ محمد جمال اللہ صاحب ملتانی کی زیارت نصیب ہوئی۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو روح پر ایک خوشی اور مسرت کا عالم طاری تھا۔ یہ شعر پڑھا۔

یار در خانہ و من گرد جہاں مے گردم آب در کوزہ و من تشنہ لباں میگردم

اسی دن ملتان روانہ ہوئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ جناب حافظ صاحب وہاں نہیں ہیں اور مہار شریف تشریف لے گئے۔ جب کہ ایک دوست کی اطلاع پر آپ واپس ہوئے تو بیعت سے مشرف ہوئے۔ بیعت کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ ایک دن حضرت قبلہ عالم صاحبؒ حضرت حافظ صاحبؒ اور دیگر علماء حضرت مولانا فخر جہاں صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ذکر آیا کہ ملتان حضرت بہاؤالدین زکریا کے قبضے میں ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ وہاں کسی اور ولی کا عمل دخل ہو بلکہ وہ کسی کامل ولی کی اقامت کو بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ سن کر جناب مولانا صاحب خاموش رہے اور مثبت منفی کچھ بھی جواب نہ دیا۔ دوسرے دن جب انہی صاحب کے ساتھ مجلس آراستہ ہوئی تو

جناب مولانا صاحب نے حضرت قبلہ عالم صاحب کو مخاطب کیا اور کہا کہ میاں صاحب اس سے پہلے بے شک ملتان حضرت بہاؤالدین زکریا کے قبضے میں رہا مگر آج رات ملتان ہمیں بخشا گیا۔ تم اپنے آشنا حافظ محمد جمال اللہ صاحب کو حکم دو کہ بلا دریغ ملتان چلے جائیں اور خود حضرت غوث پاک کے مزار پر بیٹھ کر طالبان طریقت کو بیعت سے مشرف کریں۔ چنانچہ آپ جب مہار شریف لائے تو حضرت حافظ صاحب کو ملتان بھیجا اور فرمایا کہ جو شخص بھی تمہاری بیعت کرنا چاہے بلا تامل اس کو حضرت بہاء الدین ذکریا کے حضور میں بیعت سے مشرف کرد۔ حضرت حافظ صاحب جب ملتان آئے اور غوث صاحب کے دروازہ پر بیعت کا سلسلہ جاری کیا کسی نے مولانا صاحب کو اطلاع دی۔ دہلی دروازہ پر آکر ملیں۔ چنانچہ آپ آئے اور حافظ صاحب نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جناب غوث بہاؤالحق کی خدمت میں لائے۔ بیعت سے مشرف کیا اور روحانی نعمتیں عطا فرمائیں۔

روحانی مدارج

حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ کی مریدی اختیار کرنے کے بعد سلوک کے مدارج طے کرنے شروع کیے۔ بے حد ریاضت وعبادت کی رات دن اللہ کی یاد میں بسر کرنے لگے۔ مرشد سے محبت کا غلبہ دن بدن بڑھتا چلا گیا آہستہ آہستہ آپ روحانیت کے مرتبہ کمال کو پہنچ گئے اور علم کی شہرت تو پہلے ہی تھی مگر طریقت کی راہ گامزن ہونے سے آپ کو اور بھی شہرت مل گئی۔

خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت عالی میں

ایک دفعہ جناب حافظ صاحبؒ نے مہار شریف کا ارادہ کیا۔ اور مولانا خدا بخش صاحبؒ کو بھی ساتھ لے لیا ابھی مہار شریف میں نہ پہنچے تھے کہ جناب قبلہ عالم صاحب دوستوں سے کہنے لگے کہ اب کے حافظ صاحب عجیب تحفہ لیے آرہے ہیں۔ سب نے سمجھا کہ شاید ملتان کی کوئی بنی ہوئی چیز ہوگی۔ لیکن حضور نے فرمایا نہیں یہ تحفہ مولانا صاحب کی ذات خاص ہے۔ جسے حافظ صاحب میرے لیے لا رہے ہیں۔ الغرض جب مولانا صاحب پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے

تو پہلی ہی صحبت میں منظور نظر ہو گئے اور حضرت قبلہ صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص مشتئے اسلسلہ عالیہ ہے اور حافظ صاحب سے فرمایا کہ تم نے ایک بڑا شیر اپنے جال میں پھنسایا ہے بار ہا حضرت قبلہ عالم صاحبؒ اپنی زبان فیض ترجمان سے مولانا صاحب کے اوصاف بیان فرماتے اور ان کی فطری قابلیت اور استعداد کا اظہار فرماتے تھے۔

بلند مرتبے کا حصول

سنا ہے کہ جناب مولانا صاحب حضرت قبلہ عالم صاحب کی خدمت میں بیس دفعہ مشرف ہوئے۔ ہر ہر مرتبہ نیا مرتبہ پایا۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحب بھی بار ہا فرماتے تھے کہ مولانا صاحب کو میرے ساتھ تو فقط بیعت کا تعلق ہے۔ ان کو جو بلند مرتبے حاصل ہوئے ہیں خود حضرت قبلہ عالم صاحب سے ہوئے۔

علمی کمالات

روایت ہے کہ جذب اور سُکر آپ کے حال پر اتنا غالب ہوا کہ چلتے چلتے راستہ بھول جاتے تھے۔ ایک دن جناب حافظ صاحبؒ نے ان کی یہ کیفیت حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کے گوش گزار کی۔ فرمایا ان کے اور تمام شغل معطل کرادو۔ اور صرف تدریس کے کام پر مامور کرو۔ جو ہر خاص و عام کے لیے بہرہ تمام کا موجب ہے۔ اس لیے مولانا صاحب اپنے بزرگوں کی ہدایت کے مطابق علوم ظاہری کی تدریس میں مشغول ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف و نحو، منطق و معانی۔ بدیع و بیان وغیرہ جملہ علوم متعارفہ کی تعلیم دیتے تھے اور لوگوں کی فیض رسانی میں مشغول رہے اور آپ کے علمی کمالات کے چرچے خاص و عام میں پھیل گئے۔ عنفوان شباب سے لے کر اخیر بڑھاپے تک لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور لوگوں کو فیض دینے میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ہمیشہ رضائے الٰہی کے طالب رہے۔ اُن لوگوں کی تعداد بے شمار ہے۔ جنہوں نے آپ کے مدرسہ سے فارغ ہو کر دستار فضیلت باندھی۔ عام طالبعلموں کا تو شمار نہیں۔ آپ جود و کرم اور فیض اتم کے ایک سمندر بے کنار تھے جن کے علوم کے سیلاب سے ہزاروں پیاسوں نے اپنی طلب اور شوق کی پیاس بجھائی۔ ان کے دل کا ایک ایک قطرہ دُرِ نایاب تھا۔

کتاب توفیقیہ

ضعف بدنی کے باعث جب آپ میں درس و تدریس کی طاقت نہ رہی تو درود وظائف سے جو وقت بچ رہتا اپنی ؒشعر تصنیف توفیقیہ کے لکھنے میں مصروف رہتے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں شریعت کے احکام طریقت کے آدابِ حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کیے ہیں۔ اس رسالہ میں توحید کے ایسے دقیق مسئلے بیان کیے گئے ہیں کہ رازدارانِ معرفت نے کم لکھے ہوں گے۔ جو بھی صاحب ذوق آپ کے پاس آتا اُسے اس کو مسودہ دکھاتے اور فرماتے کہ ان کی تصحیح کرو۔ بعض کو تو نایاب موتی ہاتھ لگ جاتا۔ اور بعض کا انکار اہل اللہ کے کمالات پر ٹوٹ جاتا اور بعض بیچارے گمراہی اور ضلالت میں رہ کر محروم رہ جاتے۔ آخیر عمر میں جب لکھنے پڑھنے سے رہ گئے تو اذکار اور ہدایات سے لوگوں کو محفوظ کرتے رہے۔

توحید کا یہ حال تھا کہ دوسروں کے نفع کو اپنا نفع سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ مدعی جب آپ کے کمال و جمال کا تماشہ دیکھتے تو دعوے سے باز رہ جاتے جیسا کہ آئینہ میں انسان اپنی صورت دیکھ پاتا ہے۔ آپ کا وجود ہی کرامت تھا۔ دنیا کی ایک ایک چیز کو اپنا جزو سمجھتے تھے اس لیے اس کی ترقی میں کوشش کرتے۔ دنیا کے شیشہ میں آپ کی نظر مشہود حقیقی کے سوا کچھ اور نہ دیکھتی تھی اس لیے دنیا کا ایک ایک ذرہ آئینہ جمال تھا۔ توفیقیہ میں لکھا ہے کہ جو چیز بھی دیکھے سمجھے کہ جلوہ ذات مقدس کا ہے۔ اور یہ کتاب آپ کے حال کا مجموعہ ہے قال کا نہیں۔

اخلاقی وصف

اگر کوئی شخص آپ سے غصے ہوتا باوجودیکہ اس کا غصہ بے وجہ ہوتا تاہم اس کی تلافی اس طرح کرتے جس طرح ایک دوست اپنے دوست سے کرتا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔

ایک دن میرے استاد نے میری کتاب پر لکھ ڈالا کہ این کتاب حق مسکین خدابخش است۔ یہ پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔

جو شخص حضور کی خدمت میں دوزانو آکر بیٹھتا اسے کھل کر بیٹھنے کا حکم دیتے۔ اس بارے میں ایک قصہ بیان کرتے تھے کہ میں ایک بے پرواہ شخص کی خدمت میں گیا

دو زانو ہو کر بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ میرے گھٹنوں میں درد پڑ گیا۔ لیکن اس شخص نے اپنی زبان سے مجھے کھل کر بیٹھنے کا حکم نہ دیا۔ تب سے میں اپنی تکلیف یاد کر کے کسی کو بھی اس تکلیف میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ چھوٹا بڑا ہندو مسلمان جو بھی آپ کے پاس آتا۔ آپ کھڑے ہو کر اس کی تعظیم کرتے تھے۔ ایک دن ایک فاضل آپ کی خدمت میں کتاب پڑھ رہا تھا۔ ایک ہندو آیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کو بھی اٹھنا پڑا۔ چونکہ اس کو حرج ہوا تھا۔ کہنے لگا کہ حضرت کفار کی تعظیم تو شرعاً منع ہے۔ فرمایا۔ کیا کروں کہ تعظیم کے لیے اٹھنا میری عادت بن گئی ہے۔

عجز کا ایک واقعہ

آپ کی سادگی کمال کو پہنچ چکی تھی۔ ایک پٹھان آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ حضرت میرا ارادہ کہیں حد سفر کو جانے کا ہے کسی فقیر کو فرما دیجیے گا کہ وہ میرے گھر کا ضروری کام کاج اور سودا لا کر دیا کرے میری واپسی تک ہوتا رہے۔ آپ نے منظور فرمایا۔ وہ گھر میں ہدایت دے کر چلا گیا۔ اس کے بعد آپ روزانہ اس کے دروازہ پر جاتے، لونڈی سے کام کاج پوچھتے اور سرانجام دیتے رہے۔ ان پردہ نشینوں کو تو خبر نہ تھی کہ یہ آپ ہیں۔ یا کوئی فقیر وہ بھی بے دھڑک بتا دیتی تھی۔ ایک دن لکڑی نہ تھی تو آپ لکڑی کا ایک گٹھا سر پر رکھے ہوئے اس کے در پر آئے۔ اور آواز دی۔ اتنے میں پٹھان بھی سفر سے واپس پہنچ گیا اور حضور کو اس حالت میں دیکھا تو بہت ہی شرمسار ہوا۔ اور معذرت کرنے لگا۔ حضور نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ میں بھی تو ایک فقیر ہوں۔

توکل

آپ کے توکل کا یہ حال تھا کہ شروع شروع میں لنگر کا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے حرم محترم نے کپڑوں کے چند تھان آپ کے حوالہ کیے کہ انہیں بیچ ڈالیں اور اس کی قیمت لے آئیں۔ جو گھر کے کام آئے۔ توکل کے اس مجسمہ نے وہ تھان فقراء میں تقسیم کر دیا اور جب گھر سے اس کی قیمت طلب کی گئی تو فرمایا کہ میں نے ایک سچے آدمی کو دیا ہے۔ وہ قیمت پہنچا دے گا۔ دو تین دن کے بعد ایک شخص سکنہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں نے آ کر بہت سے روپے نذر کے طور پر دیے۔ ان میں سے مناسب

رقم گھر میں دی۔ اور باقی فقیروں میں تقسیم کر دی۔

کرامات

آپ سیف زبان تھے جو بات منہ سے نکلتے اللہ اپنی رحمت سے پوری کر دیتا اور آپ کی ذات اقدس دوسروں کے لیے سراپا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ تھی آپ کے کشف و کرامات وخوارق عادات بے پناہ ہیں۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ باطنی کشف کا واقعہ

میاں عبداللہ آپ کے خادم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بیٹھے بیٹھے آپ نے فرمایا کہ میرا گھوڑا زین کرو کہ میں احمدپور جانا چاہتا ہوں۔ لوگ حیران ہوئے اور وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ لوگ معترض بھی ہوئے، مگر پرواہ نہ کی اور چلے گئے۔ ہم میں سے بعض ان کے پیچھے دوڑتے ہوئے پہنچے۔ وہاں جا کر سنا کہ خان محمد صادق خاں نواب والیے بہاولپور سخت بیمار ہیں بلکہ نزع کی حالت میں ہیں۔ ان کا حال دگرگوں ہے اور زبان سے داد فریاد کے کلمات جاری ہیں۔ خود اس کے ڈیرہ پر پہنچے وضو کیا اور منہ مبارک ان کے کان کے قریب لے جا کر کلمہ شریف تلقین کیا۔ خان صاحب فوراً چپ ہو گئے اور کلمہ طیبہ کا ذکر بہ آواز بلند کرنے لگے اور اسی حالت میں ہی راہی ملکِ بقا ہوئے۔ پھر حضور نے اپنی نگرانی میں ان کی تجہیز و تکفین کی۔ اور ان کے بیٹے بہاول خان کو ان کی بجائے مسند ریاست پر بٹھلایا۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر خیرپور شریف تشریف لے آئے۔ جناب قاضی محمد عاقل صاحب فرماتے ہیں کہ خان صاحب آپ کے یاروں میں سے تھے۔ باطنی طور پر اس امر کا پتہ آپ کو ہو گیا تھا۔ اس لیے وہاں سے اتنی لمبی مسافت طے کر کے صرف اس کی ہدایت کے لیے پہنچے۔

۲۔ ایک وقت میں دو مقامات پر

حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی کے ایک مرید خاص حاجی محمد نصرت کا بیان ہے کہ جب میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر واپس آیا تو علاقہ حیدرآباد میں پہنچا

دیکھا کہ ایک جگہ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ کسی نے کہا کہ چند دن سے ایک عارف کامل یہاں آئے ہوئے ہیں، ہزارہا لوگ ہندو مسلم ان سے فیض پا رہے ہیں۔ مجھے بھی ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوگیا۔ جب میں قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک بزرگ بعینہ حضرت مولانا صاحب کی ہم صورت بیٹھے ہیں اور لوگ ستاروں کی طرح اس ماہ منیر کے گرد حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ میں حیران ہو کر آگے گیا تو بالکل مولانا صاحب کا ہم شکل پایا یہ بزرگ لوگوں کے ساتھ مشغول تھے اور کبھی کبھی گوشہ چشم میری طرف بھی کر لیتے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو میری طرف توجہ فرمائی اور کہنے لگے کہ حافظ نصرت حیران ہو کر دور کیوں کھڑے ہو قریب آؤ کہ میں بھی تمہارا پیر بھائی ہوں۔ تب مجھے یقین ہوا کہ یہ صاحب بذات خود مولانا صاحب ہی ہیں۔ قدم بوسی کی۔ اور عرض کی کہ حضور یہاں کیونکر تشریف لائے۔ فرمایا کہ مجھے امر الٰہی ہوا کہ جاؤ اور ان لوگوں کو فیض پہنچاؤ۔ لیکن دوست یہ راز ظاہر کرنے کا نہیں۔ ورنہ تمہارا خود نقصان ہوگا۔ الغرض میں روانہ ہوا اور لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے خیر پور شریف پہنچا۔ یہاں آیا اور دیکھا تو حضرت محبوب اللہ مولانا صاحب ظاہری شکل میں تشریف فرما ہیں۔ پھر قدم بوسی کی۔ تو آپ مسکرا دیے اور مجھے ملے۔ میں نے خادموں سے پوچھا کہ ان دنوں جناب مولانا صاحب کہیں تشریف بھی لے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں تب سے میں نے سمجھا کہ ولی اللہ عام لوگوں کی طرح ایک جسم میں مقید نہیں ہوتے بلکہ متعدد جسموں کی صورت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔

دل کی پوشیدہ بات کہہ دی

مولوی عبید اللہ صاحب حکیم خدا بخش خیر پوری سے مروی ہے کہ مولوی غلام محمد جناب حافظ صاحبؒ کے بھانجے تھے۔ جناب حافظ صاحب کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ ایک بار سبق پڑھ رہے تھے۔ ان کے دل میں کوئی خیال گزرا اور توجہ اکھڑ گئی۔ آپ نے نورِ معرفت سے معلوم کر لیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تنگی کے معاملہ سے دل کو فارغ کر دو۔ اور سبق پر توجہ دو۔ تنگی تمہیں مل جائے گی۔ حاضرین حیران ہوئے کہ ایک معمولی کلمہ آپ کی زبان پر کیونکر جاری ہوگیا۔ بے چارہ مولوی اپنے کیے پر نادم ہوا۔ اور سبق سے فارغ

ہو کر بیان کیا کہ ایک شخص نے دو لنگیاں حضور کی خدمت میں نذر گزاریں۔ آپ نے دو لنگیوں کو امانت رکھ دیا۔ جب میں حاضر ہوا تو امین سے کہا کہ ایک لنگی غلام محمد کو دے دو۔ اور دوسری فلاں کو۔ جب میں گھر آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میری لنگی کم قیمت اور دوسری لنگی بیش قیمت تھی۔ مجھے رنج ہوا کہ یہ مجھے کم قیمت لنگی کیوں دی گئی۔ حالانکہ مجھے نسبت قرابت بھی حاصل ہے۔ سبق پڑھتے ہوئے میرے دل پر اس پُر ملال خیال کا آنا تھا کہ پیر روشن ضمیر نے ٹوکا۔

آپ کی دعا سے بارش کا ہونا

ایک دفعہ آپ حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کے چند امورات سرانجام کرنے کے لیے قلعہ ڈیرہ میں تشریف فرما تھے۔ ان دنوں والیٔ ریاست بہاولپور بہادل خاں ثالث تھے۔ نواب صاحب آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی کہ میرے ملک میں خشک سالی کی وجہ سے لوگ بہت تنگ ہیں۔ خدا کے لیے دعا کریں۔ آپ نے دعا طلب کی اور خاں صاحب سے فرمایا کہ اپنے اہل کاروں کو حکم دیں کہ وہ مکانات کے پرنالہ وغیرہ ٹھیک کرلیں۔ مگر چونکہ وہ امیر آدمی تھے سستی کرکے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔ خدا کی قدرت اسی روز آسمان کے دروازے کھل گئے اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ آپ کے مکان کے سوا تمام سرکاری مکانات وغیرہ گرنے لگ گئے۔ خدا کی مخلوق بارش ٹھہر جانے کے لیے امان مانگ رہی تھی۔ خانصاحب پھر آپ کے خدمت میں پہنچے اور عاجزانہ التماس کی کہ ہم نے حضور سے بارش مانگی تھی نہ کہ سیلاب۔ خدا کے لیے غور فرمائیں کہ مینہ برسنا بند ہو جائے تاکہ لوگ نقصان سے محفوظ رہیں آپ نے پھر دعا کی خدا کی قدرت بارش تھم گئی۔

دریا کا پانی واپس چلا گیا

مشہور ہے کہ خیر پور شریف کے علاقہ میں موضع در پور کے قریب دریا چڑھ آیا۔ لوگوں کی زمینیں اور درخت گرنے لگے۔ نواب صاحب نے لوگوں کو دعا طلبی کے لیے حضور کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ بعض لکھتے ہیں کہ کچھ دم کرکے دیا اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں سے تھوڑا سا پانی منگا کر پی لیا۔ بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ دریا وہیں ٹھہر گیا اور اس موقع سے آگے بڑھنے نہ پایا۔

جہاں کہ آپ کی چارپائی رکھی ہوئی تھی راب تک وہی حالت ہے۔

آپ کی دعا سے کنویں کا پانی میٹھا ہو گیا

خیر پور شریف کے مغرب کی طرف پوہڑوں کی ایک بستی ہے۔ لوگوں نے وہاں ایک کنواں کھودا لیکن پانی کڑوا نکلا۔ لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور میٹھے پانی کی درخواست کی۔ حضور نے قدم رنجہ فرمایا کہ یہاں پانی کھود دو۔ لوگوں نے تعمیل کی تو نہایت خوشگوار اور میٹھا پانی نکلا۔

آپ کی دعا سے غیبی امداد

حضرت قبلہ عالم صاحب کے وصال کے بعد حضرت حافظ صاحب نے ایک چار دیواری بنوائی اور چاہتے تھے کہ خانقاہ شریف کے دروازہ کے آگے ایک وسیع چھجہ بنایا جائے۔ وہ اتنا وسیع ہو کہ اس کے زیر سایہ جتنے بھی لوگ آسکیں آرام کریں۔ بقضاءِ الٰہی آپ کا وصال ہو گیا اور یہ ارادہ تشنہ تکمیل رہا۔ جب ان کے بعد حضرت مولانا صاحب زیب آرائے مسند خلافت ہوئے تو اپنے پیر روشن ضمیر کے ارادہ پورا کرنے کی تڑپ ان کے دل میں ہو گئی۔ خیر پور شریف سے یہاں تشریف لائے اور اس کی تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا اور میرے دادا خواجہ نور احمد صاحب سے اجازت طلب کی۔ اس کے آثار کھودنے لگے تو میاں غلام رسول لانگری جو حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کے خاص غلام اور مجاور بھی تھے راس کی تعمیر سے مانع آئے اور کہا کہ اول اتنی رقم موجود کرو جو اس کار خیر کے لیے مکتفی ہو اور مجھے دکھاؤ پھر کام شروع کرو ورنہ بے سود آستانہ کی زمین کو مت کھودو۔ حضور نے تو یہ کام توکل الٰہی پر شروع کر دیا تھا اور کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لائے تھے۔ فرمایا کہ میرے پاس کوئی نقدی نہیں جو تمہیں دکھا سکوں اس نے کہا تو پھر خالی ہاتھ کیونکر اتنی بڑی تعمیر کا ارادہ کرتے ہو۔ آپ اس خیال کو چھوڑ دیں۔ اور چلے جائیں۔ اور جب تک کہ مجھے رقم نہ دکھاؤ گے۔ میں مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ چپ رہے اور چلے گئے۔ جب آپ تین کوس کے فاصلے پر بستی مبارک پور میں پہنچے تو وہاں نواب صاحب بہاولپور کے ایک امیر کبیر میاں محمد قائم کا کاردار خدمت میں پہنچا اور دو سو روپیہ نقد پیش کر کے کہا کہ مجھے میاں محمد قائم نے دعا طلبی کے لیے بھیجا ہے اور

بہ نذر دی ہے۔ آپ قبول فرمائیں اور دعا دیں فوراً روپیہ لے کر حضرت قبلہ عالم صاحب کی خدمت میں واپس گئے اور روپیہ میاں غلام رسول کو دکھا کر اجازت طلب کی۔ چنانچہ ان کے مشورہ کے مطابق کام شروع کیا گیا۔ خدا کی امداد شامل حال تھی کہ ابھی ایک رقم ختم نہ ہوئی تھی کہ دوسری رقم پہنچ جاتی۔ اس طرح ایک عالی شان چھجہ تیار ہو کر پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

ان کے معاملہ کی سچائی اور نیت کا خلوص ملاحظہ ہو کہ جس طرح آپ نے محض بہ توکل الہٰی اپنے پیر اور پیران پیر کے مزارات پر عمارت تعمیر کرائیں۔ رب تعالیٰ نے ان کے وصال کے بعد اتنے اور ان سے بھی زیادہ خوبصورت مکان تعمیر کرانے کے اسباب پیدا کر دیے۔

روحانی تصرف

قاضی محمد بخش راوی ہیں کہ قاضی محمد پناہ سکنہ موچ کھر کو آپ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ بہ توفیق الہٰی ایک مشکیزہ پانی سے پُر کر کے اور تھوڑا سا زادِ راہ لے کر ایک اونٹ پر سوار ہو کر چل دیا۔ کہیں جا کر سو رہا صبح کو اٹھ کر اونٹ کو تیار کیا۔ اور اپنا اسباب مضبوط باندھ دیا۔ روانہ ہونے کو تھا کہ اونٹ کی مہار ہاتھ سے گر گئی۔ اور وہ جنگل کو بھاگ نکلا۔ یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو گیا۔ ہر چند تلاش کی مگر نہ ملا۔ ظہر کے وقت اس پر پیاس اور تکان ایسی غالب آئی کہ حس و حرکت نہ کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ جان لبوں پر آ گئی اور زندگی کی امید نہ رہی۔ حواس ختم ہو گیا۔ ناچار ایک چادر نشان کے طور پر باندھ دی اور آپ اس کے نیچے زمین کھود کر پڑ رہا۔ رفتہ رفتہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ عالم بے خودی میں دیکھتا ہے کہ حضور تشریف لائے اور اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا محمد پناہ اٹھو۔ اور پانی پیو۔ اس نے سوچا کہ شاید میں حالت نزع میں ہوں اور میرے پیر روشن ضمیر آ موجود ہوئے۔ الغرض دو تین مرتبہ ایسا ہی فرمایا۔ تیسری دفعہ اُسے کچھ ہوش آیا اور دیکھا کہ آنحضرت میری تیمارداری میں مصروف ہیں اور میری زندگی کے پیسے مایہ حیات لائے ہیں۔ اٹھ کھڑا ہوا لیکن حضور کو نہ پایا۔ ادھر ادھر پھر ا دیکھا کہ مصفا پانی سے بھرا ایک چشمہ ہے جس کے ارد گرد تازہ سبزہ اگا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ اس ویران جنگل میں ایک ایسا چشمہ کہاں سے آیا۔ یقین کیا کہ یہ تصرف میرے پیر کا ہے۔

الغرض چشمہ سے اپنی پیاس بجھائی، وہاں کوئی نشان باندھ کر اونٹ کا پتہ لینے کے لیے چلدیا۔ چند قدم چلا ہوگا کہ اس کا اونٹ بھی مل گیا۔ پانی کے کنارے پر واپس آیا۔ مشکیزہ کا اگلا پانی گرا دیا۔ اور اسے اُس چشمہ غیب کے پانی سے پُر کر کے باندھ دیا اور زخیر و خوبی چل دیا۔ چند دنوں کی بادیہ پیمائی کے بعد حضور کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور زار و زار رونے لگا۔ آپ مسکرا دیے۔ اور پوچھا کہ سفر کیسے گزرا۔ قاضی کے سر پر جو مصیبت گزری تھی۔ بیان کی اور چشمہ غیب کے پانی کو تقسیم کر دیا۔

مرشد کی عنایت جب حضرت حافظ صاحبؒ کا وصال ہونے لگا تو بہ آواز بلند عام طور پر کہا کہ ہم نے خزانوں کی چابیاں مولانا صاحب کے حوالہ کر دی ہیں میرے بعد جن کو حاجت ہو ان کے پاس جائیے۔

کمال زہد جب حضرت قبلہ عالم صاحب کا وصال ہوا اور جنازہ تیار ہو گیا تو صلحائے زمانہ نے یہ رائے پیش کی کہ امامت وہی شخص کرے کہ جس سے کہ ساری عمر مستحب ترک نہ ہوا ہو۔ کسی کو اپنے تیئں بھروسہ نہ تھا۔ مولانا صاحب بھی اس عزت کے قابل ثابت ہوئے کہ امامت فرمائی۔

آپ کا روحانی مقام جن دنوں قلعہ ملتان کفار کے محاصرہ میں تھا حضرت محمد جمال اللہ صاحب کے بہت سے خادم وہاں محصور تھے۔ شورش فرو ہوئی تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ملتان میں ایک قطب ہیں۔ ان کے جیتے جی یہ قلعہ محفوظ ہے اور کبھی کسی دشمن سے فتح نہ ہوگا۔ جب یہ بات جناب حافظ صاحبؒ کے کان میں پہنچی تو اگرچہ یہ بات خود ان ہی کے متعلق تھی تاہم فرمایا کہ ہاں سچ ہے۔ حضرت مولانا صاحب قطب زمانہ یہاں موجود ہیں۔

تعمیری خدمات جب حضرت محبوب اللہ مولانا صاحب کی تشریف آوری کی خبر خانصاحب محمد صادق خان والیٔ ریاست بہاولپور کو پہنچی تو جناب نواب صاحب نہایت منت وزاری کے ساتھ ان کو خیر پور میں لے آئے۔ ان کے خدام کا روزینہ مقرر کیا اور لنگر شریف کا تمام خرچ اپنے ذمہ لیا۔ حضرت مولانا صاحب مدتوں میں اس شہر

میں رہے۔ خیر پور ایک محفوظ کنواں اور عمدہ مہمان سرائے۔ فقراء کے لیے حجرے اور دیگر لوگوں کے لیے عمارتیں تیار کیں۔

وصال یکم صفر ۱۲۵۰ھ بوقت اشراق مولوی خدا بخش خیر پوری نے اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ کا مزار اقدس خیر پور میں مرجع خاص و عام ہے۔

ماخذ:۔ گلشن ابرار از خواجہ امام بخش۔ ۲۔ مخزن چشت از خواجہ امام بخش۔

حضرت خواجہ غلام رسول توگیروی چشتیؒ

وصال: ۱۲۸۳ھ مزار اقدس توگیرہ شریف ضلع بہاولنگر پنجاب

حضرت خواجہ غلام رسول توگیروی علم و عرفان کی شمع بے مثل تھے۔ آپ کے دادا حضرت خواجہ حافظ محمد عظمت اللہ ولی اکمل اور عارف باللہ تھے اور وہ سلسلہ چشتیہ میں خواجہ نور محمد مہاروی چشتی کے اکابر خلفاء سے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سلطان محمود تھا۔ آپ کا خاندان شرافت اور صداقت میں معروف تھا۔

ولادت آپ کی ولادت باسعادت بروز اتوار ۱۲۳۰ھ میں آپ کے آبائی علاقہ توگیرہ میں ہوئی، توگیرہ دریائے ستلج کے کنارے بہاول نگر شہر سے سات میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

بچپن کا زمانہ بچپن کے زمانہ میں جب آپ نے ذرا ہوش سنبھالا۔ اور پڑھنے لکھنے کے قابل ہو گئے تو آپ نے اپنے دادا جان سے عربی قاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ آخری سات سال کی عمر تک قرآن مجید پڑھ لیا۔ پھر فارسی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ بچپن ہی میں نماز پنجگانہ پر قائم ہو گئے تھے۔

دینی علم کا حصول پندرہ سال کی عمر میں اپنے دادا کے کہنے پر مہار شریف چلے گئے اور وہاں مدرسہ عربیہ میں داخل ہو گئے اور وہاں کچھ عرصہ

مولوی اسداللہ اور مولانا محمد عمر تونسوی کی شاگردی میں رہے۔ بعد ازاں آپ مہار شریف سے رخصت ہو کر بہاول پور چلے گئے جہاں آپ نے مولانا محمد کامل سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر مولانا غلام رسول چنڑ مدرس علوم عربیہ سے بھی تعلیم حاصل کی، پھر یہاں سے رخصت ہو کر چیلہ وہن میں تشریف لائے اور مخزن اسرار حضرت مولانا محمد اکمل اور فخر الہند حضرت مولانا جان محمد بستری سے بھی چند روز کچھ اسباق پڑھے۔ پھر وہاں سے رخصت ہو کر لاہور تشریف لے آئے اور شرح عقائد مع خیالی وشرح وقایہ وغیرہ مکمل کر کے برائے تکمیل علوم و دورۂ حدیث دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ عربیہ مولانا مولوی محمد حیات علیہ الرحمۃ میں داخل ہوئے اور مولانا عبدالرحمٰن (پنجابی) نابینا سے باقی ماندہ علوم کے حصول میں مصروف ہو گئے۔ مطول۔ توضیح وتلویح، شرح مطالع وغیرہ علوم عربیہ عقلیہ ونقلیہ تحصیل کیا۔ اور دورہ حدیث مکمل کر کے گیارہ سال بعد اپنے وطن مالوف واپس تشریف لے آئے۔ حضرت فیاض عالم تونسوی قدس سرہ نے تحصیل علوم کے لیے انتہائی جدوجہد اور ریاضت ومشقت فرمائی اور شمع علم پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے۔

بیعت وخلافت

آپ نے اپنے دادا حافظ نعمت اللہ کی مریدی اختیار کی اور خرقہ خلافت وکلاہ فقر وولایت بھی انہی سے عطا ہوا اور حلت سے قبل حضرت خواجہ حافظ قدس سرہٗ نے نعمت باطنی کی امانت مع اوراد و وظائف دلائل الخیرات ولوائح جامی و ذکر خفی وجلی وغیرہ امانتاً خواجہ سلطان محمود علیہ الرحمہ کے سپرد فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب خواجہ محمد سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ میری فاتحہ خوانی کو تشریف لائیں تو یہ امانت فقر ونعمت باطنی ان کے سپرد کر دی جائے۔ جب مولانا دہلی سے واپس آئیں تو وہ تونسہ شریف جا کر اپنی بقایا نعمت حاصل کر لیں۔ چنانچہ ایک سال کے بعد آپ دہلی سے آ کر پھر تونسہ شریف حاضر ہوئے اور وہاں پندرہ روز قیام کے بعد اپنی نعمت باطنی حاصل کی اور واپس تونسوی آ گئے۔

درس وتدریس

تکمیل کے بعد درس وتدریس کا شغل اور خدمت اسلام کا سلسلہ آپ نے ۱۲۵۶ھ میں شروع کیا اور ۲۷ سال کامل خود

علوم دینیہ فارسیہ، عربیہ، عقلیہ، نقلیہ، فقہ، اصول، فروع، اصول علم التفسیر، علم معانی، علم حدیث علم منطق، علم کلام، علم ادب، علم اخلاق، علم معرفت، علم طریقت اور علم حقیقت پڑھایا اور ان تمام علوم میں سب کو کامل واکمل بنا دیا۔

حضرت فیاض عالم قدس سرہٗ کے تو گیرو شریف کے درس سے پہلے اس علاقہ میں اور کوئی درس گاہ قائم نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ مخزن علوم دینیہ کی یہ پہلی درس گاہ ہے جس نے اس علاقہ کو علوم ظاہری و باطنی سے سیراب کیا اور بفضلہ تعالیٰ آج تک وہی فیضان فیاض عالم جاری ہے اور آپ کے جلائے ہوئے چراغ آج بھی روشن ہیں، جن سے یہ علاقہ آج بھی جگمگا رہا ہے۔

واقعات فیوض و برکات

حضرت مولانا تو گیروی صاحب کشف اور صاحب کرامت تھے آپ مستجاب الدعوات تھے۔ بے پناہ لوگوں کو آپ نے دینی و روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے۔ چند واقعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ بیان کیا جاتا ہے کہ میاں امام الدین محمود پوری جب آپ کا مرید ہوا تو اس وقت بہت غریب اور مقروض تھا۔ آپ نے تین لاکھ درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا۔ حسب ارشاد وظیفہ مکمل کرتے تک اس کا تمام قرض اتر گیا اور وہ مالدار ہو گیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ امام دین کا لڑکا چند ایام کی عمر میں فوت ہو گیا۔ خدمت حضور میں حاضر ہوا۔ حضرت نے بعد از تعزیت ارشاد فرمایا کہ "بن گل بن جاسی"، چنانچہ بعدہٗ ایک فرزند بنام الٰہی بخش عمر دراز عطا ہوا۔

۲۔ ایک دن امام دین کے فرزند کو پیٹ میں شدید درد ہونے لگا۔ علاج معالجہ سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر پیر و مرشد کے حضور فریادی ہوا۔ بحالت خواب حضرت نے فرمایا کہ جو سورۃ تمہیں تعلیم کی ہوئی ہے، وہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پلا دو۔ چنانچہ ارشاد عالی کی تعمیل کی گئی تو بحکم شافی مطلق شفائے کاملہ نصیب ہوئی۔

۳۔ ایک دفعہ امام دین سرکاری چراگاہ سے اپنی گھوڑی لے جاکر گھاس کاٹنے لگا اور چراگاہ سرکاری کا اُسے علم نہ تھا۔ گھاس گھوڑی پر لاد کر لا رہا تھا کہ راستہ میں اسے ایک دوست ملا اور اس نے کہا: امام دین یہ گھاس تو تم نے سرکاری چراگاہ سے کاٹی ہے۔ سرکاری اہل کاروں کو علم ہو گیا تو تیری بے عزتی ہو گی۔ اور جرمانہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔ یہ سُن کر امام دین کچھ گھبرایا۔ سیدھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب ماجرا کہہ سُنایا۔

رات کو مطلع صاف تھا کہ حضور کی دعا سے آسمان پر آناً فاناً بادل چھا گئے۔ اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ جس کے باعث چراگاہ اور اس کے نواح میں اس قدر پانی جمع ہو گیا کہ سرکاری اہل کاروں کا وہاں تک پہنچانا ناممکن ہو گیا۔

۴۔ ایک دفعہ امام دین اور رشا دا زرگر ساکن موضع ماڑی میاں صاحب حضور فیاض عالم قدس سرہٗ کے نئے بنگلے کے آگے بعد از مغرب جنوبی دروازہ کے سامنے آتش دان پر بیٹھے ہوئے تھے اور حجرہ میاں نامدار کے اندر نوافل اوابین اور ورد وظائف میں شاغل تھے۔ ازیں اثنا ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کو آیا۔ پتہ دریافت کرنے پر شادا زرگر نے کہا کہ حضور اس حجرہ میں مشغول عبادت ہیں۔ شخص مذکورہ بلا اجازت حجرہ کے اندر چلا گیا مگر حضور کو نہ پایا۔ اس نے باہر آ کر شادا زرگر سے کہا کہ " باوجود سفید ریش اور عمر رسیدہ ہونے کے جھوٹ بولتے ہو کہ حضور اندر ہیں "! لیکن حضور اندر نہیں ہیں رشادا نے جواباً کہا کہ بھائی ہمیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضور کو اندر تشریف لے جاتے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے حتیٰ کہ حضور نے دروازہ بھی خود بند کیا۔ سائل دوبارہ اندر گیا مگر باوجود تلاش بسیار کے حضور کو اندر نہ پا کر واپس کر دیا۔ شخص مذکور کے واپس چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد حضور حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگ فقیروں کے حال سے واقف نہیں ہو؟ اس شخص کو تم نے حجرہ میں داخل ہونے کی اجازت کیوں دی۔ خبردار! آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا۔

۵۔ میاں عبدالرحیم ساکن موضع نظام دین شرقی اپنے ایک دوست کے ہمراہ حضور کی زیارت کے لیے گھر سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جنگل بیابان سے گزر ہوا کہ دونوں کو پیاس

کی شدت نے بہت پریشان کیا۔ اس لق دق میدان میں پانی کا ملنا ناممکن تھا۔ پیاس کی وجہ سے دونوں بے تاب تھے، ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور آں جناب سے فریاد کرنے لگے کہ یا حضرت ہماری امداد کو آئیے، ورنہ ہم آپ کی زیارت کے بغیر ہی پیاس کے ہاتھوں مر جائیں گے۔

اسی اثنا میں درخت کے نزدیک ہی ایک چھوٹا سا گڑھا نظر آیا جو صاف و شفاف پانی سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں نے اس چشمہ سے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر عبدالرحیم نے پیاس کی شدت سے بچنے کے لیے برتن کی ضرورت کا احساس کیا تو یکے بعد دیگرے تین کوزے دستیاب ہوئے جو پانی سے بھر لیے گئے۔ اس کے بعد وہ دونوں اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ حضور نے ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھ کر دور ہی سے فرمایا کہ عبدالرحیم! بے سروسامانی کی حالت میں سفر کرنا نہیں چاہیے۔ یہ سُن کر دونوں دوست حیران و ششدر رہ گئے۔

۶۔ پیر شیر شاہ ساکن موضع عاکو کا بیان ہے۔ ایک دن وہ حضور کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے تونسہ شریف روانہ ہونے کو تیار تھے۔ تو ایک ہمسایہ عورت نے کہا کہ شاہ صاحب میرے شکم میں بسا اوقات درد رہتا ہے۔ میرے لیے بھی حضور سے دعا کی درخواست کرنا۔

جب شاہ صاحب حاضر خدمت ہوئے اور مذکورہ عورت کے متعلق عرض کیا، تو حضور نے فرمایا کہ گنہگاری کرنا اور چند ساعات خواہش نفس سے لذت حاصل کرنا اور پھر سالہا سال تکلیف و عذاب میں مبتلا رہنا عجب دانشمندی ہے۔ یہ بات سُن کر شیر شاہ کو بے حد ندامت ہوئی کیونکہ اس کا خیال اس عورت کے متعلق اچھا نہ تھا۔ اس پر شیر شاہ دل ہی دل میں تائب ہو گیا۔ پھر اسی وقت حضور نے شیر شاہ سے فرمایا کہ آپ وہاں کے حکیم نور دین سے اس عورت کے لیے دوائی لے لینا۔ شفا ہو گی (انشاءاللہ)، واپس آ کر اس نے ایسا ہی کیا۔ عورت کو شفا ہو گئی اور شیر شاہ غیر خیال سے باز رہا۔

۷۔ ایک دن شیر شاہ مذکور اور اس کا بھائی اکبر شاہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! ہمیں سلامتی ایمان کا ہمیشہ خوف رہتا ہے۔ دعا فرمائیے کہ خاتمہ بالایمان ہو

یہ سُن کر آپ نے مراقبہ میں سر جُھکا لیا۔ شیر شاہ اٹھ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور نے پیر شیر شاہ کو بُلا کر فرمایا:

"شاہ صاحب! کسی بد بخت اور بے ایمان کو اللہ تعالیٰ اس دروازے پر نہ لائے۔ جو یہاں آئے گا، قادر مطلق اُسے دولتِ ایمان سے مالا مال کر دے گا۔

۸۔ میاں غلام علی قریشی ساکن "دہری کے" مرض بخار و ضعف جگر کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کافی علاج معالجہ کے باوجود وہ روبصحت نہ ہو سکا تو چند مریدین کی وساطت سے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا۔ حاضرین و مریدین سے حضور نے خود ہی مریض کا حال پوچھ کر اس کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائی۔ مریض اُسی وقت اور اُسی ساعت اچھا ہو گیا۔

۹۔ میاں عبدالحیٔ بُھک، حضور کے مرید صادق پر اس کی مخالف برادری نے اُس کے خلاف ایک مقدمہ دائر کر رکھا تھا جو ایک طویل عرصہ میں بھی ختم نہ ہو سکا۔ حضور پاک پتن شریف سے واپس تشریف لاتے ہوئے، میاں عبدالحیٔ کے گھر تشریف لے گئے تو اس کے بھائی نے قدم بوس ہو کر آپ کی خدمت میں مقدمہ کے بارے میں اپیل کی۔ حضور نے دعا فرمائی تو چند ہی دنوں میں مقدمہ ختم ہو گیا۔

۱۰۔ چشم دید مصنف احوال الشیخ مولوی جمال الدین صاحب ساکن "ماڑی میاں صاحب" چار پانچ سال کی عمر کے تھے کہ ان کا ایک بازو آگ سے جل گیا۔ حضور اُس کی عیادت کو اُن کے والدین کے گھر گئے۔ دعائے صحت یابی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "یہ لڑکا نہایت ذکی اور نیک بخت ہو گا۔ فی الواقعہ ایسا ہی ہوا کہ بڑے ہو کر بڑے جید عالم بنے۔

۱۱۔ مولوی جمال الدین زمانہ طالب علمی میں بعد شام "ماڑی" سے تو گیرہ شریف روزانہ دودھ لاتے نے دل میں خیال آیا کہ حضور کوئی حرف فرماتے کہ راستے میں ڈر نہ لگتا۔ واپسی پر حضور نے انہیں خود ہی وظیفہ فرما دیا کہ تمہیں راستے میں ڈر نہ لگے گا۔

۱۲۔ صبح کے وقت مولوی جمال الدین حضور سے "قطبی"، پڑھتے اور رات کو دوسری کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ ایک رات دل میں خیال آیا کہ علم ظاہری تو ایک بحرِ بے کنار ہے تو

علم معرفت حق کب حاصل ہوگا۔ چنانچہ مولوی صاحب کے دل کی بات معلوم کر کے خود ہی یہ شعر تعلیم فرما دیا ؂

علم باطن ہمچو مسکہ علم ظاہر ہمچو شیر
کے بود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

۱۳۔ مولوی عبدالحق ساکن سنتکے کی شادی کے موقع پر حضور پُر نور تشریف لے گئے۔ لوگوں کی کثیر تعداد ہونے کے باعث طعام قلیل ہونے کا اندیشہ پیدا ہوا تو حضور نے اہل خانہ کو بلا کر فرمایا کہ فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز برکت ہوگی۔ اور خلیفہ محمد اسماعیل صاحب کو تقسیم طعام پر مامور فرمایا۔ تقریب میں شامل تمام افراد نے خوب سیر ہو کر کھانا تناول فرمایا پھر بھی طعام وافر مقدار میں بچ گیا۔

۱۴۔ مولوی عبدالحق صاحب، مولوی اللہ جوایا صاحب ساکن مخدوم بستی والا اور مقدم رائے ہر سہ اصحاب نے حضور سے کتاب ملفوظ سیر الاولیاء فارسی کا سبق لیا۔ بعدہٗ بنگلہ شریف میں لالہ صاحب مذکور حضرت کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور قدرے توقف کے بعد خوشی خوشی باہر آئے اور ہم سبق بھائیوں سے کہنے لگے کہ حضور نے میرے دل کی بات معلوم کر کے کیا خوب جواب باصواب عنایت فرمایا۔ وہ یہ کہ میرے دل میں خیال تھا کہ حضور پہلے تو سماع کے وقت وجد و رقص فرماتے تھے مگر اب ایسا نہیں کرتے بلکہ خاموش و ساکت رہتے ہیں۔ تو بغیر عرض کیے خود ہی فرما دیا کہ :

" لالہ صاحب! پیر محمد پناہ علیہ الرحمۃ کبیر والہ کو اسی طرح پہلے سماع میں وجد و رقص طاری ہوتا تھا اور بعد میں خاموش بیٹھے رہنے لگے۔"

لوگوں نے آپ سے وجہ پوچھی تو فرمایا :

" وجد و رقص تو ہمیشہ محبوب کی جدائی میں ہوتا ہے۔ لیکن جب محبوب سامنے موجود ہو تو پھر رقص و وجد کس لیے۔"

پس یہ فرمان و جواب سن کر لالہ صاحب بہت شاد و مسرور ہوئے۔

۱۵۔ ایک روز مولوی عبدالحق صاحب حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سردی کا موسم تھا

عشاء کا وقت قریب تھا۔ بنگلہ میں سنتیں ادا کر کے فرائض کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے
آپ نے مسجد کی طرف جاتے ہوئے آگ بند کر دینے کے لیے فرمایا۔ تو مولانا نے عرض کیا کہ
یا حضرت! آگ کا ایک معمولی سا انگارہ ہے۔ ہوا بھی بند ہے۔ کوئی لکڑی وغیرہ بھی پاس نہیں ہے
اور پھر درویش نامدار بھی قریب سو رہا ہے اور آگ آتش دان میں بالکل محفوظ ہے۔ اس لیے
بظاہر آگ کا کوئی خطرہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس پر پہلے تو حضرت خاموش رہے، پھر "آتش بند کن"
فرماتے ہوئے مسجد میں چلے گئے۔ امامت کے فرائض خود انجام دیے۔ آخری دو رکعتیں
قدرے تعجیل سے ادا کیں۔ ابھی سلام نہ پھیرا تھا کہ آگ کے شعلے حجرہ سے باہر آ پہنچے۔
سب سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ لیکن حضور کا مصلیٰ، تسبیح اور رومال وغیرہ معجزانہ طور پر محفوظ رہے
یہ دیکھ کر تمام حاضرین نے حضور کی اکملیت کا اقرار کیا۔

عادات و خصائل

حضرت فیاض عالم قدس سرہ کے خرق عادات لاتعداد ہیں مگر یہاں مختصر طور پر درج کیے جا رہے ہیں۔ تاکہ طالبان حق اولیاء اللہ کے
روحانی تقدس اور ان کی عظمت سے روشناس ہو سکیں۔

حضرت فیاض عالم قدس سرہٗ ہر مریض کی عیادت فرماتے۔
ہر سائل کا سوال قبول فرماتے اور کسی کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹاتے۔
ہر حاجت مند کی حاجت روائی فرماتے۔
اہل ثروت افراد سے پرہیز فرماتے۔
یتامیٰ و مساکین پر شفقت فرماتے۔
غرباء و فقراء سے محبت اور اخلاق سے پیش آتے۔
علماء و فضلاء کی قدر و منزلت میں روحانی مسرت محسوس کرتے۔
اولاد امجاد حضرت قبلہ عالم غریب نواز علیہ الرحمۃ کی بے حد عزت و تکریم فرماتے۔
صحبتِ جہلا سے احتراز اور بداخلاق و کذاب افراد سے دور رہتے۔
کسی کی عیب جوئی کو گناہ کبیرہ تصور فرماتے۔
پردہ پوشی آپ کا شیوہ خصوصی تھا۔

دشمن سے عفو و درگزر اور نیکی فرماتے۔

عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے۔

صاحب دعوت کے گھر تشریف لے جاتے اور اس کے حق میں یہ دعا فرماتے۔

اللھم اغفر وارحم لصاحب ھٰذہ الدعوت وبارک فی جمیع امور الدین والدنیا بحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

علماء کو درس علم دین پڑھانے کی ترغیب و تلقین فرماتے۔

عرس مبارک حضرت خواجہ قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ پر سالانہ حاضر ہوتے۔

عرس مبارک سلطان الاولیاء زبدۃ الانبیاء حضرت خواجہ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ضرور جاتے۔

اس کے علاوہ اوقات صرف اپنے آستانہ پر تشریف فرما رہتے اور درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے۔

"سماع" بے مزامیر سماعت فرماتے کبھی رسم خواجگان کے موقع پر "بامزامیر" بھی سماعت فرما لیتے۔

بسا اوقات ذوق و وجدان میں رہتے۔ وحدت الوجود کا غلبہ وار و حال رہتا۔

تمام کائنات کو آئینہ تصور فرماتے اور اس میں جمال حق تعالےٰ کے جلوے دیکھتے۔

مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔

نہایت رحیم و کریم، صائم الدہر اور قائم اللیل شخصیت تھے۔

ایک دفعہ دوران سفر حضور کو پیاس محسوس ہوئی۔ کسی نے پیالہ پانی کا پیش کیا۔ آپ نے وہ پانی نہ پیا۔ پھر ایک دوسرا شخص پیالے میں پانی لایا۔ آپ نے پھر بھی نہ پیا اور خاموش رہے۔ تیسری بار میاں صاحب مانیکی والے نے ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ حضرت نے وہ خوش ہو کر نوش فرما لیا۔ پہلے گرم پانی لانے والوں کو شکوہ نہ کیا۔

حضور پر نور کا حجرہ مبارک اسی درس گاہ میں تعمیر کیا ہوا تھا۔ آپ اس میں نشست و

برخاست فرماتے۔ طلباء کے لیے اوقاف مقرر تھے۔ درس و تعلیم کا وقت بعد از ورد و وظائف و نوافل اشراق مقرر تھا۔ بعد ازاں حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے۔ پھر قیلولہ فرماتے اور نماز ظہر ادا کر کے سبق شروع فرماتے اور عشاء تک مصروف تعلیم اور مشغول ورد و وظائف رہتے۔

ذوق سماع

حضرت فیاض عالم قدس سرہ کی کیفیت وجد و سماع ہر ایک سے مختلف تھی وجد و سماع میں آپ کا بال بال ذاکر ہو جاتا۔ ہر موئے تن سے محویت و استغراق کا احوال رونما ہوتا تھا۔ آنکھیں مبارک سرخی مائل ہو جاتیں۔ اور خون کی طرح سرخ ہو جاتیں جیسے خون ظاہر نکلتا ہے اور سر مبارک سے آتش عشق کی آگ بھڑک اٹھتی کہ گھڑ دل ٹھنڈے پانی ڈالتے یا کسی ندی میں جا کر دیر کے بعد افاقہ ہوتا۔

سماع "بے مزامیر" اکثر سماعت فرماتے کبھی کبھی "بامزامیر" بھی رسم خواجگان کے مطابق سماعت فرماتے۔

سادہ اشعار اور زبانی گفت گو پر بھی آپ کا احوال اکثر بدل جاتا اور آپ پر شورش و وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔

ایک دفعہ موضع چاویکا کے قریب جاتے ہوئے حضور پر کیفیت وجد طاری ہو گئی۔ قریب ہی پانی کے ایک تالاب میں بیٹھ کر غوطا لگانا شروع کر دیا۔ وقت غوطہ جب آپ کا سر مبارک سطح آب کے نیچے ہوتا تو اوپر سے پانی اُبلتا ہوا نظر آتا۔

یہ کیفیت آپ کے سب ہمراہیوں نے بچشم خود دیکھی۔ کافی دیر کے بعد آپ ہوش میں آئے تالاب سے باہر نکلے، لباس مبارک تبدیل کیا اور روانہ ہوئے۔

ایک دفعہ چند خواجہ سرا جمع ہو کر پنجابی زبان کے یہ عامیانہ اشعار گانے میں مشغول تھے

گھر چھڑیاں دے جانویں — کیوں پھرنی ایں بانوری

گھر چھڑیاں دے نیویں موری — چھڑے نہ چھڈدے کالی تے گوری

اہناں نیں سوجا کھیاں کرنیں — کیوں پھرنی ایں بانوری

ہاڑا گھر چھڑیاں دے جانویں

یہ اشعار سنتے ہی حضرت فیاض عالم قدس سرہ سرمستی و بے خودی کے عالم میں جھومنے اور سر دھننے لگے اور آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ اپنے احوال سے نادیر بے خبر رہے جب قدرے ہوش میں آئے تو لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی اور عرض کیا کہ حضرت! یہ تو محض دنیاوی لہو ولعب کا قصہ الاپ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

مجھے خبر نہیں! اچھے بڑے کلمہ طیبہ کے حروف ہیں اور خودی کو مٹا کر جانا ہوتا ہے، نیوی موری کا مطلب ہے کہ وہاں کالے اور گورے کا امتیاز نہیں اور دل کے اندھے بھی نورِ کلمہ سے بینا ہو جاتے ہیں "پھر سب نے حقیقت و معرفت کے اس انکشاف پر سبحان اللہ کہا، حضرت ٹبی والے بھی اسی سرمستی میں بے خود تھے۔ جو بعد میں بھی کئی بار اس مصرع پر سر دھننے اور جھومنے لگ جاتے۔

تقویٰ و پرہیز گاری

حضور پر نور قدس سرہٗ، تقویٰ و پرہیز گاری میں جنید زماں تھے۔ دائمی وضو کے پابند۔

حرص و ہوا سے مبرا و بے نیاز۔

خواہشاتِ نفسانیہ سے بری۔

زندگی بھر کسی نامحرم کی جانب آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

خواتین کے مجلس سے پرہیز۔

کسی کے آگے دست طلب دراز نہ کرنا۔

بجز رضائے الٰہی کوئی کام نہ کرتے۔

قاطع بدعت ہے۔

ہر کام کا آغاز و انجام خدائے بزرگ و برتر سے منسوب فرماتے۔

خیر و شر اللہ کی طرف سے جانتے۔

اذکار الٰہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یاد کرو تم اللہ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھے ہوئے اور کروٹوں کے بل لیٹے ہوئے اور تفکر و تصور معرفت کرو بیچ پیدائش و مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ جو زمین و آسمان میں ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا طریقہ اور امر فرمایا ہے اور زمین و آسمان کی پیدائش میں فکر کرنے اور حق و معرفت کی جو تلقین فرمائی ہے اور راہنمائی کی ہے حضرت فیاض عالم قدس سرہ عین اس کے مطابق شب و روز، اٹھتے بیٹھتے ہر آن یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ حتیٰ کہ آپ کا ایک لمحہ، ایک سانس بھی بجز یاد خدا کے غافل نہ تھا اور ظاہر طور پر وردو وظائف میں اس طرح مشغول رہتے۔

نماز پنجگانہ دائمی، نماز تہجد۔ نوافل اشراق۔ چاشت، اوابین، ہدیۃ الرسول حفظ الایمان پر مدارمت فرماتے۔ تلاوت قرآن پاک صبح و شام آپ کا معمول تھا۔

مسبعات عشر، دلائل الخیرات، درود مستغاث، درود تاج، اسبوع شریف۔ ختم خواجگان کا بلا ناغہ اور با قاعدہ ورد فرماتے۔ درود شریف اکثر آستانہ عالیہ میں پڑھا یا جاتا۔ صلوات الحاجات اور صلوٰۃ التسبیح بھی ہر شب جمعہ کو ادا فرماتے۔ صاحب ترتیب تھے علاوہ ازیں ذکر خفی و جلی، نفی اثبات، قلبی روحی سری اور حدت سرمدی بھی ہمیشہ جاری و ساری رہتے۔

حلیہ مبارک

آپ کا قد درمیانہ تھا۔ رنگ گندم گوں سرخی و سفیدی مائل تھا۔ چشم مبارک بڑی خوبصورت اور سرمگیں تھیں۔ گفتگو فرماتے وقت اپنی بائیں چشم قدرے بند رکھتے۔ ابرو خمدار، مژگان نوکدار، پیشانی فراخ، بینی مبارک، صاف سیدھی، ہمچو الف، گردن مبارک متوسط۔ عارض تاباں و درخشندہ ریش مبارک مشت بھر۔ بال گھنگھریالے جسم مبارک نرم و نازک و تابدار، دندان مبارک ہمچو، گوہر ہائے چمکدار، لب باریک دست و بازو، نرم و لچک دار۔ زیر لب قدرے موٹے مبارک سفید۔ جن پر سرخ مہندی لگاتے۔

لباس

حضرت فیاض عالم قدس سرہٗ بالکل سادہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے سفید کرتہ، ٹوپی چہار گوشہ، دستار مبارک ۷ گز کی، بوقت جمعہ و عیدین۔ زیرین چادر، نیلا رنگ۔ پاپوش مبارک سادہ وضع، موسم سرما میں دھاری دار طرز کی روئی دار ٹوپی و صدری بھی زیب تن فرماتے۔ ہاتھ میں عصا بشکل ل وم۔ تسبیح صد دانہ ہمہ وقت ورد وظیفہ میں مشغول۔ زبان فیض ترجمان ہمیشہ یاد الٰہی میں مصروف اور کلام حقیقت و معرفت

میں کشادہ، کبھی خاموشی میں بھر سکوت ہوتی تو دل ہر آن ذکر خدا میں شاغل رہتا۔

اکثر لنگی چارخانہ۔ سفید یا سُرخ ڈورے ریشم کے زیب تن فرماتے۔ کرتہ تکمہ دار بطرز قدیم ایک طرف سے گلا نکلا ہوا پہنتے۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں سے مولوی غلام علی قریشی۔ خواجہ نور اللہ توگیروی۔ خواجہ الٰہی بخش۔ خواجہ نور دین۔ پیر عبدالحلیم۔ پیر محمد مراد۔ مولانا قمرالدین۔ سید سردار شاہ شیخ نتھو۔ مولانا جمال الدین۔ مولانا کرم الدین۔ مولانا غلام حیدر۔ مولانا غلام علی۔ سید احمد شاہ مجذوب۔ سید احمد شاہ۔ مولانا عبدالحق کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

وصال آپ کا وصال ۲۸ رمضان المبارک ۱۲۸۳ھ بروز اتوار ہوا اور آپ کو توگیرہ میں آپ کے دادا جان حافظ نعمت اللہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مزار اقدس پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔ توگیرہ ضلع بہاولنگر پنجاب میں ہے۔ آپ کا سالانہ عرس ہر سال بڑے تزک احتشام سے منایا جاتا ہے۔

ماخوذ:۔ تذکرہ مشائخ توگیرہ شریف از مولانا الٰہی بخش و خواجہ عبدالحلیم۔

حضرت خواجہ خدا بخش چشتی رح

وصال ۱۲۶۹ھ مزار کوٹ مٹھن ڈیرہ غازی خاں

نام و نسب آپ کا اسم گرامی خدا بخش، آپ کے والد محترم کا نام احمد علیؒ اور دادا کا نام خواجہ محمد عاقلؒ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔

بیعت و خلافت خواجہ خدا بخش نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں اپنے والد خواجہ احمد علی رح کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت حاصل کی اور اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے سجادہ نشین ہوئے۔

کوٹ مٹھن سے ہجرت

سجادہ نشینی کے بعد خواجہ خدا بخش کچھ عرصے اپنے وطن کوٹ مٹھن میں مقیم رہے، لیکن اُسی زمانے میں سکھوں کے مظالم کی خبریں ڈیرہ غازی خاں سے آپ کے پاس پہنچنے لگیں، مسلمانوں نے خود اُن سے سکھوں کے مظالم بیان کیے اور بتایا کہ سکھ اس قدر مظالم کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں نماز پڑھنے، اذان دینے اور تلاوت قرآن مجید سے روکتے ہیں، اور اگر ان کی کوئی بات نہ مانے تو اُسے بے دریغ قتل کر دیتے ہیں، لوگوں کی زبان سے یہ باتیں سُن کر آپ رونے لگے، اور فرمایا کہ مجھ سے مسلمانوں پر یہ مظالم نہیں دیکھے جاتے۔ چنانچہ آپ ہجرت کر کے چاچڑاں تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

رشد و ہدایت

چاچڑاں تشریف لانے کے بعد آپ کی خانقاہ رُشد و ہدایت کا وہ مرکز بنی کہ دور دور سے لوگ آپ کے پاس ارشاد و تلقین کے لیے حاضر ہوتے تھے، آنے والوں کے لیے آپ نے اگرچہ اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر لنگر کا انتظام فرمایا تھا، جس سے عمدہ عمدہ کھانے لوگوں کو ملتے تھے لیکن خود سوکھی روٹی کھاتے تھے بیماروں کے علاج اور اُن کی دیکھ بھال کے لیے آپ نے ایک دواخانہ بھی قائم کیا تھا جس میں ایک طبیب ملازم تھا۔ جو باقاعدہ مریضوں کا علاج اور اُن کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

مناقب فریدی میں ہے کہ اس کثرت سے زمیندار اور رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ روزانہ بارہ بارہ من غلہ گھوڑوں کی خوراک میں خرچ ہوتا تھا۔

اتباعِ شریعت

اتباع شریعت کا یہ عالم تھا کہ آپ کسی حالت میں بھی ترک سنت نہ فرماتے تھے۔

استغنائ

خواجہ خدا بخش کے آئینہ اخلاق میں استغناء اور بے نیازی کا وصف نمایاں نظر آتا ہے۔ متعدد مرتبہ بعض رئیسوں اور نوابوں نے اُن کی خدمت میں جاگیریں پیش کیں۔ لیکن آپ نے قبول نہیں فرمائیں۔ ایک دفعہ نواب بہاول پور نے چند مواضعات پیش کیے تو اُسے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے مشائخ نے کبھی یہ چیزیں قبول نہیں کیں۔ اس لیے میں بھی یہ قبول نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ ان مواضعات کے

قبول کرنے میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ زمیں داری کے ساتھ مال گزاری کے جھگڑے پیش آئیں گے۔ پھر کبھی نہ کبھی عدالت اور کچہری کی نوبت پیش آئے گی۔ ان جھگڑوں میں پڑ کر فقیری کہاں باقی رہتی ہے، مجھے ان کی ضرورت نہیں، خدا مسبب الاسباب ہے۔

مدارس کا قیام خواجہ خدا بخش کے زمانے میں کئی مدارس قائم ہوئے، وہ ان مدارس میں صبح کے وقت نہایت پابندی سے حدیث، فقہ اور تصوف کا درس دیتے تھے۔

وفات خواجہ خدا بخش نے ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ کو وفات پائی، مزار پاک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

خلفا آپ کے خلفا میں (۱) غلام فخر الدین (۲) صاحبزادہ نصیر بخش (۳) کریم حیدر (۴) مولوی غلام کبریا (۵) مولوی محمد صالح ملتانی (۶) مخدوم عنایت شاہ (۷) حیدر بخش (۸) قاضی فتح محمد ملتانی (۹) سید لال شاہ۔ مشہور ہیں۔

اولاد خواجہ خدا بخش کے دو صاحبزادے تھے، بڑے صاحبزادے کا نام مولانا فخر الدین اور چھوٹے صاحبزادے کا نام مولانا غلام فریدؒ تھا۔ خواجہ خدا بخشؒ کی وفات کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے مولانا فخر الدین مسند سجادگی پر متمکن ہوئے مولانا فخر الدین نے ۵ رجمادی الاول ۱۲۸۸ھ کو وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا غلام فرید نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی چشتیؒ

وصال ۱۲۹۹ھ مزار تونسہ شریف

سلسلہ چشتیہ سلیمان تونسوی کے خلفاء اور جانشینوں میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ کیونکہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی وفات کے وقت آپ کے دو پوتے خواجہ اللہ بخش اور خواجہ خیر محمد فرزندان خواجہ گل محمد موجود تھے، خواجہ تونسوی کا فیض روحانی خواجہ اللہ بخشؒ کو حاصل ہوا اور وہی آپ کے جانشین ہوئے۔

ولادت

آپ کا اسم گرامی اللہ بخش، آپ کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ گل محمد تھا۔ خواجہ اللہ بخش تونسوی حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے پوتے تھے خواجہ اللہ بخش ماہ ذی الحجہ ۱۲۱۴ھ کو تونسہ میں پیدا ہوئے۔

بچپن

آپ بچپن ہی میں بڑے ہوشیار تھے اور عام بچوں کی طرح کھیل کود اور وقت ضائع کرنے کو برا سمجھتے تھے اور بچپن ہی میں آپ کی پیشانی پر نور ولایت چمکتا تھا کیونکہ آپ کا چہرہ بڑا معصوم تھا۔

تعلیم

جب آپ کی عمر تعلیم پانے کے قابل ہوئی تو حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی نے آپ کو تعلیم پانے کے لیے مولوی محمد امین کے سپرد کیا جو آپ کے مرید اور عالم باعمل تھے اس لیے خواجہ تونسوی نے اپنے پوتے کو تعلیم کے لیے انہی کے سپرد کیا۔ خواجہ اللہ بخشؒ صاحب نے پہلے قرآن شریف پڑھا، پھر فارسی نظم و نثر اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد حدیث و تفسیر کی کتابیں بھی مولوی صاحب موصوف سے پڑھیں۔ علاوہ ازیں انشا پردازی اور خوشنویسی میں بھی مہارت حاصل کی۔

تصوف کی بعض کتابیں اپنے جدامجد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے پڑھیں۔

باطنی تعلیم

علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے دادا حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کی ابتدائی تربیت نے ہی آپ کو بچپن میں نماز و

روزے کا پابند بنا دیا تھا، لیکن جوں جوں عمر بڑھتی گئی۔ آپ کی دلچسپی عبادت و ریاضت سے اور بھی بڑھتی گئی۔

پراثر واقعہ

صاحب مناقب المحبوبین کا بیان ہے کہ ایک روز میں نوافل اشراق پڑھ کر مولوی محمد حسین کے حجرے سے نکلا، اُس وقت خواجہ اللہ بخش تونسوی حجرے کے باہر کسی سے گفتگو میں مصروف تھے۔ میں نے آپ کو دیکھ کر سلام کیا آپ نے ازراہ بندہ پروری نہایت تپاک سے میرے سلام کا جواب دیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا خلیفہ صاحب! ہمارے لیے بھی دعا کیجیے۔ میں نے دست بستہ عرض کیا کہ قبلہ! ہم غلام شب و روز حق تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت (شاہ محمد سلیمان تونسویؒ) کی اولاد کو ہمارے حضرت کے درجے پر پہنچائے اور وہ اعلیٰ مقامات جن پر ہمارے حضرت فائز ہیں اُن کی اولاد کو بھی نصیب کرے، اور اُن کی اولاد کو ذوق و شوق اور اپنی محبت عطا فرمائے۔

بیعت و خلافت

تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے اپنے جد امجد خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے دست مبارک پر بیعت کی اور ریاضت و مجاہدات کی زندگی اختیار کی۔ ابتدائے شباب میں شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے بہترین لباس اور اعلیٰ سواری رکھتے تھے۔ لیکن بیعت کے بعد آپ نے فقر و درویشی اور ریاضت و مجاہدہ کی زندگی اختیار کی۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے صفر ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء میں سفر آخرت کی تیاری کی تو خواجہ اللہ بخشؒ بر سر بالین آئے اور عرض کیا۔

"بابو (بابا)، من از تو ہیچ چیز دیگر نمی خواہم بس ہمیں می خواہم کہ نعلین فقیراں ترا راست کنم"۔	بابا میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ بس یہی چاہتا ہوں کہ آپ کے فقیروں کی جوتیاں سیدھی کرتا رہوں۔

حضرت خواجہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

"و نفخت فیہ من روحی" (یہ اشارہ تھا عطائے خلافت کی طرف)

نیز ارشاد فرمایا:۔

"الحمد للہ! مراد من ایں چنیں بود، انشاء اللہ تعالیٰ مقبول حق خواہی شد، دو بار بار ایں ابیات بر لفظ مبارک راندند"

الحمد للہ! میری مراد بھی یہی تھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ حق تعالیٰ کے مقبول ہو گے اور بار بار یہ اشعار پڑھتے رہے۔

آہن کہ بہ پارس آشنا شد | فی الحال بہ صورت طلا شد
اگر گیتی سراسر باد گیرد | چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

جانشینی

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے وصال کے تیسرے روز حضرت خواجہ کے اُن خلفا نے جو حضرت کے وصال کے وقت تونسہ شریف میں موجود تھے۔ خواجہ اللہ بخشؒ کے سر پر دستار خلافت اور انہیں ان کے جدامجد کے سجادے پر بٹھایا۔

حضرت خواجہ تونسوی نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے اوراد و وظائف کی کتاب "دلائل الخیرات" خواجہ اللہ بخشؒ کے حوالے کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ اب ہم سے نہیں پڑھی جاتی۔ تم پڑھا کرو۔ نیز فرمایا تھا کہ خلفا اور مریدین کے شجروں پر میری طرف سے تم ہی دستخط کر دیا کرو۔

خدمت سلسلہ

خواجہ اللہ بخشؒ نے مسند نشین ہو کر اپنے علم و تقویٰ، خلق عظیم اور لطف و کرم سے ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور حضرت کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے زمانہ میں سلسلہ نے بہت ترقی کی۔ طالبان حق دور دور سے آپ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لیے حاضر ہونے لگے۔

سفر زیارت

آپ کو بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کا بڑا شوق تھا۔ لہٰذا جانشینی کے بعد آپ نے خواجگان چشت کے مزارات کی زیارت کے لیے ایک طویل سفر اختیار کیا۔ چنانچہ ۱۲۷۰ھ میں بہت سے مریدین کے ہمراہ اونٹوں اور گھوڑوں پر ایک بڑے قافلے کی صورت میں یہ سفر اختیار فرمایا۔ تونسہ شریف سے مہار شریف آئے اور صاحبزادہ غلام فخر الدین مہارویؒ اور صاحبزادہ امام بخش

مہاروی کو ہمراہ لے کر بیکانیر کے راستے اجمیر شریف کو روانہ ہوئے۔ بیکانیر میں تین روز قیام فرمایا۔ بیکانیر کے بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ والی بیکانیر راجہ سردار سنگھ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے منظور نہیں کیا۔ پھر ناگور حاضر ہوئے اور حضرت سلطان التارکین حمید الدین ناگوریؒ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے، ناگور کے بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے وہاں سے میرٹھ تشریف لائے اور میرٹھ کے لوگوں کو داخل سلسلہ کیا۔ ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۰ھ کو اجمیر شریف حاضر ہوئے اور خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری کی زیارت سے مشرف ہوئے، تقریباً دس روز آپ نے اجمیر میں قیام فرمایا۔ اجمیر کے ہزاروں لوگ آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے، وہاں سے روانہ ہو کر آپ کشن گڑھ ہوتے ہوئے جے پور پہنچے۔ وہاں کا راجہ رام سنگھ نہایت عقیدت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جے پور سے آپ دہلی تشریف لائے، پہلے حضرت بابا قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر اپنے دادا پیر خواجہ فخر الدینؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ اس کے بعد حضرت چراغ دہلیؒ کی درگاہ میں حاضر ہوئے اُن کی زیارت سے اور شیخ علامہ کمال الدینؒ کی زیارت سے جو حضرت چراغ دہلیؒ کے پائینتی دفن ہیں مشرف ہوئے۔ جب ابو المظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کو معلوم ہوا تو وہ ملاقات کے لیے آئے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ آپ کی ملاقات کے لیے آئے ہیں تو آپ دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ لوگ منت سماجت سے آپ کو واپس لائے۔ بادشاہ نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی، وہاں سے آپ درگاہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ میں حاضر ہو کر حضرت محبوب الٰہی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے شاہجہان آباد تشریف لائے۔ وہاں اُمراء اور درباریوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ محلات کی بیگمات بیعت ہوئیں، اور خود بہادر شاہ نے بھی نذر پیش کی۔

وہاں سے مولانا نظام الدین نبیرہ حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کے مکان پر تشریف

لے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ وہیں دہلی کے اکابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔

دہلی سے ہانسی تشریف لے گئے اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے مزار کی زیارت کی۔ سجادہ نشین اور ہانسی کے لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ ہانسی سے سرسہ گئے اور خواجہ عبدالشکور سالمیؒ کے مزار کی زیارت کی۔ اس کے بعد بہار شریف سے ہوتے ہوئے تونسہ شریف واپس تشریف لائے۔

سفر حج

۴ رجمادی الثانی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء کو حج کے لیے آپ ایک بڑے قافلہ کے ہمراہ تونسہ شریف سے روانہ ہوئے اور بذریعہ ریل ملتان سے لاہور اور لاہور سے دہلی پہنچے۔ پھر اجمیر شریف پہنچے اور بہت لوگوں کو واپس کر دیا۔ صرف اسّی آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے۔ صاحبزادہ محمود صاحب اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ اجمیر سے احمد آباد (گجرات) تشریف لے گئے۔ وہاں سے بمبئی گئے اور بذریعہ بحری جہاز جدہ پہنچے۔ وہاں سے مکہ معظمہ گئے۔ ڈیڑھ ماہ قیام کر کے واپس جدہ آ گئے۔ اور جدہ میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ دو ماہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ پھر مکہ معظمہ آئے اور مناسک حج ادا کر کے واپسی کا سفر اختیار کیا۔ جدہ سے بمبئی پہنچے اور بذریعہ ریل ۲۷ محرم ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء کو بمبئی سے تونسہ شریف پہنچ گئے۔ اس سفر میں اکابر مشائخ وعلماء حرمین شریفین سے آپ کی ملاقات ہوئی۔

انتظام درگاہ

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے زائرین اور طلبہ اور فقراء کی آسائش کے لیے تونسہ شریف میں متعدد آرام دہ عمارتیں بنوائیں۔ تونسہ شریف کی عالی شان مسجد، کنواں، حوض، گھنٹہ گھر، مہمان سرائے، لنگر خانے، مسافر خانے، شیش محل وغیرہ آپ ہی کے تعمیر کردہ ہیں۔ قدرت نے آپ کو ایک انجینیر کا دماغ دیا تھا اس لیے تمام عمارات کے نقشے آپ نے خود ہی بنائے۔

زہد

مناقب المحبوبین میں ہے کہ ابتدا خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کو نفیس پوشاک بہترین گھوڑوں اور شان وشوکت کی زندگی بسر کرنے کا بہت شوق تھا لیکن

جب بڑے ہوئے تو اس ظاہری شان و شوکت سے دل برداشتہ ہو کر زہد کی طرف اس درجہ مائل ہوئے کہ رات اور دن میں کئی کئی جوڑے بدلنا چھوڑ کر، نیلا تہبند، پرانی ٹوپی اور معمولی کپڑے پہننے اختیار کر لیے۔

اخلاق

انوار العارفین کے مصنف اُن کی اخلاقی بلندی اور پاکیزگی کے متعلق رقم طراز ہیں۔

دریں زمان نبیرہ ایشاں (خواجہ محمد سلیمان) میاں اللہ بخش بر مسند ارشاد نشستہ اند، طالبان را ارشاد می کنند و از آیندگان و روندگان آنجا معلوم گردید کہ کریم النفس و خوش اخلاق اند۔

اس زمانے میں خواجہ محمد سلیمان کے پوتے میاں اللہ بخش مسندِ ارشاد بیٹھے ہیں اور طالبوں کو ارشاد و تلقین فرماتے اور وہاں کے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ وہ نہایت کریم النفس اور خوش اخلاق ہیں۔

غربا نوازی

دوست و دشمن اور امیر و غریب کے امتیاز کے بغیر ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آنا خواجہ اللہ بخش تونسوی کا امتیازی وصف تھا۔ خصوصاً وہ غرباء کے ہمدرد اور اُن پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ نے اپنی ایک مجلس میں اُن کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

در نظر خواجہ اللہ بخش صاحب اہل دنیا اہل دنیا را بمقدار یک ذرہ ہم وقعت و قدر نبود بسیار غریب نواز بودہ اند، دنیا داران را بسیار حقیر و بے مقدار دانند۔ ہمچوں خواجہ اللہ بخش صاحب ہیچ فقیر دیدہ و شنیدہ نشد۔

خواجہ اللہ بخش کی نظر میں اہل دنیا کی ایک ذرہ کے برابر وقعت اور قدر نہ تھی۔ بہت غریب نواز تھے۔ دنیا داروں کو بہت حقیر اور بے مقدار جانتے تھے، خواجہ اللہ بخش کے مانند کوئی فقیر دیکھا اور سنا نہیں گیا۔

وصال

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی نے ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء مطابق ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ کو وصال فرمایا اور روضہ مبارک خواجہ سلیمان تونسوی میں دفن کیے گئے۔

اولاد خواجہ اللہ بخش کے تین صاحبزادے تھے۔
(۱) حافظ محمد موسیٰ۔ (۲) میاں احمد (۳) خواجہ محمود صاحب۔
میاں احمد صاحب کا آپ کی زندگی میں ۱۲۹۷ھ ر ۱۸۷۹ء میں انتقال ہوگیا۔
خواجہ حافظ محمد موسیٰ صاحب اور خواجہ محمود صاحب دونوں کو آپ نے اجازت و خلافت دی اور دونوں سے الگ الگ سلسلہ چلا۔

حضرت غلام حیدر شاہ چشتیؒ

وصال ۱۳۲۶ھ مزار جلالپور گجرات پنجاب

حضرت غلام حیدر شاہ جلالپوری۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مشہور خلفاء سے ہے۔ آپ نے سلسلہ چشتیہ کے فروغ کے لیے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اس لیے آپ کو دیگر خلفاء سے بہت زیادہ شہرت اور عظمت حاصل ہوئی۔ آپ سومادی اور فرنگی تہذیب و تمدن کے خلاف اسلام اور روحانیت کے احیاء کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

نام آپ کا نام حضرت غلام حیدر شاہؒ ہے۔ آپ کے والدگرامی کا اسم مبارک جمعہ شاہؒ تھا جو بڑے عابد اور زاہد بزرگ تھے۔ دادا سید سخی کے نام سے مشہور تھے۔ والدہ ماجدہ کا نام سجادہ بیگم تھا۔ جو پنجاب کے مشہور بزرگ غلام شاہ کی صاحبزادی تھیں جو موضع کھیوہ ضلع گجرات میں رہتے تھے۔

ولادت آپ ۳ صفر ۱۲۵۴ھ بمطابق ۲۶ اپریل ۱۸۳۸ء کو جلال پور شریف میں پیدا ہوئے۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔

پاکیزہ ماحول آپ نے جس گھر میں جنم لیا وہاں گھر کا ماحول بہت دین دار تھا۔ آپ کی والدہ ہر نماز وقت پر ادا کرتیں۔ کسی سائل کو خالی نہ جانے دیتی ماہ صیام کے پورے روزے باقاعدگی سے رکھتیں۔ طہارت کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے

اپنے فرزند کی منور و روشن پیشانی پر نور ولایت کی روشنی دیکھی تو بے وضو دودھ پلانا چھوڑ دیا۔ اور جب مدت رضاعت بیت گئی تو ساری عمر وضو کے بغیر نہ آٹا گوندھا، نہ روٹی پکائی، بلکہ حالت حدث میں کسی برتن کو ہاتھ تک نہ لگاتیں، غرضیکہ گھر کا ایک پاکیزہ ماحول تھا جس میں آپ کی ولادت، پرورش اور تربیت ہوئی۔

بچپن

آپ کی ولادت آپ کے والدین کے لیے ہزار خیر و برکت کا باعث ہوئی۔ تنگ دستی اور افلاس سب دور ہو گئے اور سارا خاندان خوشحالی اور فارغ البالی سے ہمکنار ہو گیا۔ کم سنی ہی میں آپ کو کھیل کود اور شور و غل سے فطری نفرت تھی۔ خلوت گزینی کا شوق عروج پر تھا۔ فطرت صالح تھی۔ خلا طفت و مدار آپ کا شعار تھا۔ آپ ۵، ۶ برس کے تھے کہ رمضان شریف کا مبارک مہینہ آن پڑا۔ انتہائی شدت کی گرمی کا موسم تھا۔ آپ کو بھی روزہ رکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ صبر آزما گرمی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی کمسنی کا واسطہ دے کر والدین نے آپ کو بہتیرا سمجھایا بجھایا کہ روزہ رکھنے سے باز رہیں لیکن آپ کے پیہم اصرار کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ بڑی جی داری سے روزہ رکھ لیا۔ آفتاب جوبن پر آیا تو آسمان سے گویا آگ برسنے لگی۔ بڑے بڑے جی دار شدت گرما سے تڑپنے لگے۔ آپ تو آخر بچہ ہی تھے۔ جب کرب و اضطراب بڑھ چلا۔ پیاس سے حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا تو آپ ایک تالاب پر تشریف لے گئے اور باقی وقت وہیں گزارا۔ پھر لذت افطار نے آپ کے سمند شوق پر اور بھی تازیانے کا کام کیا۔ اور اس کے بعد تو ماہ صیام کے پورے روزے رکھ ڈالے۔

مجذوب کی پیشین گوئی

ایک دفعہ آپ اپنے ہم عمر لڑکوں کی معیت میں کہیں جا رہے تھے کہ ایک مجذوب بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اپنی چادر بچھا کر آپ کو اس پر بٹھایا۔ آپ کے ساتھیوں کو بڑا رشک آیا اور مجذوب صاحب سے اس ادب و احترام کو وجہ پوچھی لیکن انہوں نے ٹالنا چاہا۔ لڑکے اور بھی شوخی میں آ گئے۔ اور مجذوب سائیں کو گھیر گھار کر ایک گھر میں لے گئے اور کچھ بتانے پر مجبور کیا تو سائیں صاحب نے فرمایا "آپ کی پیشانی انوار ولادت سے درخشندہ و تابندہ ہے۔ آپ کے فیض و برکات سے ایک

عالم مستفیض ہوگا۔

تحصیل علم

والدین نے مسنون طریقے سے تعلیم دلانا شروع کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تعلم پر بڑا زور دیا ہے۔ اسی لیے حضرت سید غلام حیدر شاہؒ کی تعلیم کی طرف حالات کے مطابق بڑی توجہ دی گئی۔ میاں خاں محمد اعظم پوری اور چچا سید امام شاہ نے کلام اللہ پڑھایا۔ میاں عبداللہ چکڑوی نے فارسی اور اُردو کی کتابوں کی تعلیم دی۔ اپنے استاد گرامی میاں عبداللہ چکڑوی اور ان کی اولاد کے ساتھ آپ ہمیشہ عزت اور تواضع سے پیش آتے رہے۔ جلال پور میں تحصیل علم جس قدر ممکن تھی ہو چکی تو آپ کو پنن وال میں قاضی محمد فاضل صاحب کے درس میں بھیجا گیا۔ یہ قصبہ چند میل مغرب میں ہے۔ اس جگہ آپ نے کتب فقہ کا درس لیا۔ ان ایام میں علم و فضل کے اعتبار سے مفتی غلام محی الدین سرآمد روزگار تھے۔ وہ ایک بار پنن وال آئے اور آپ کے بشرے سے متاثر ہو کر آپ کو کنز الدقائق پڑھاتے رہے زمانہ تعلیم میں مقدر پر اسرار طور پر آپ سے اپنا نام "حیدر شاہ بادشاہ" لکھوایا کرتا تھا۔

والد کی نصیحت

ایک دفعہ آپ کے والد ماجد نے نصیحت کی "حیدرا رکھیں ناڑا پھریں لاڑا" جس کا مطلب ہے "اے حیدر۔ اگر ازار بند کی حفاظت کرو گے تو دنیا میں دولہا کی طرح برگزیدہ رہو گے"۔ آپ عفت و عصمت کا پیکر تھے۔ ایک بار فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد مسجد سے باہر نکل رہے تھے تو ایک عورت نے بازو پکڑ لیا۔ جھٹکے سے بازو تو چھڑا لیا۔ مگر اس بات پر تل گئے کہ جو حصہ غیر محرم عورت کی گرفت میں آیا ہے اُسے کٹوا دیں۔ مگر لیکایک ایک باخدا مجذوب آ گئے۔ انہوں نے بمشکل یہ کہہ کر روکا کہ ایسے کرنے میں ترک شرع کا خوف ہے۔ کلمہ شہادت پڑھ کر بازو پانی سے دھو لیا جائے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں ماموں زاد لڑکی سے آپ کی شادی ہو گئی۔

والد کا انتقال

آپ کی عمر کے سترہ سال ختم ہوئے تو آپ کے والد ماجد وفات پا گئے آخری سانس تھے تو انہوں نے پاس بلا کر آپ کو وصیت کی کہ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا۔ بڑوں کا ادب ملحوظ رکھنا اور چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا، اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور فیض باطنی حاصل کرنے کے لیے سید میران شاکر

رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر روزانہ حاضری دینا۔ میراں شاکر شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر تھے۔ جن کا مزار لاہور میں اکبری اور دہلی دروازہ کے درمیان ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ذکر الٰہی کا شوق

حضرت میراں شاکر شاہ کی خانقاہ جلال پور سے دو میل کے فاصلے پر پہاڑی پر واقع ہے اور رستہ بھی پہاڑوں کے درمیان سے گزر کر جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے وہاں روزانہ حاضری شروع کر دی اور بعد عشاء واپس تشریف لاتے۔ کئی بار آپ رات بھر وہاں رہے اور ذکر و فکر اور مراقبے میں محو رہتے تھے اس طرح جانے آنے میں کئی عجیب و غریب واقعات بھی رونما ہوئے۔ ان ایام میں اپنے دادا بزرگوار سید سخی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تصرفات خصوصی طور پر آپ کی خبر گیری اور حفاظت کر رہے تھے۔ آپ ویسے بھی پہاڑ کی غاروں میں راتوں کو عبادت کیلیے چلے جایا کرتے تھے۔

اس زمانے میں مسافروں کی بلا امتیاز خدمت کرنا اور انہیں کھانا کھلانا آپ کا معمول تھا۔ کبھی گھر سے نہ ملتا تو قرض وام لینے سے بھی دریغ نہ کرتے اور اہل محلہ کے گھروں سے مانگ کر لے آتے۔ ایک بار مہتمم بندوبست نے جلالپور میں قیام کیا۔ سکھوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد انگریزوں کی عملداری تھی۔ اہل غرض کا ہجوم رہتا تھا اور آپ خالصتہً للہ، آنے جانے والوں کے کھانے کا بندوبست کرتے۔ یہ دراصل عالم الغیب کی طرف سے اس وسیع لنگر شریف کا اعلان تھا جو حصول خلافت کے بعد آپ نے شروع کرنا تھا۔ مہتمم بندوبست کو جب پتہ چلا کہ ایک نیک بخت سید زادے پر مفت کا بوجھ پڑ رہا ہے جو ہندو ساہوکاروں سے قرض لے کر لوگوں کی خاطر مدارت کرتا ہے تو اپنا کیمپ اٹھا کر ہرن پور چلا گیا۔

بیعت

ایک دن آپ حضرت میراں شاکر شاہؒ کے مزار اقدس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو غلام شاہ صاحبؒ ہرن پوری کے پاس جانے کا اشارہ ملا۔ چنانچہ آپ نے شاہ صاحب کے پاس پہنچ کر حالِ دل کہہ سنایا۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ

آپ کا فیض حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔ چنانچہ تیسرے دن شاہ صاحبؒ کی معیت میں سیال شریف پہنچے۔ حضرت خواجہ شمس الدین نے آپ کو دیکھا اور از راہ اخوت کھڑے ہو کر آپ کو گلے لگایا۔ خواجہ صاحب نے ان کی باطنی کیفیت کو دیکھ لیا جو اس نوخیز سید زادے کی جبین میں جلوہ کناں تھا۔ خواجہ غریب نواز سید غلام حیدر شاہ کی عمر مبارک اس وقت صرف سترہ سال تھی۔ حضرت خواجہ شمس العارفین ۵۷ ستاون سال کے عارف کامل تھے اور خواجہ نور محمد مہارویؒ کی سنت پر عمل کر رہے تھے جنہوں نے خواجہ محمد سلیمان تونسوی کو اسی طرح کم سنی میں دولت عرفان سے نوازا تھا۔ اس سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگوں کی نگہ رسا کا اندازہ لگایئے۔ سید غلام شاہ صاحبؒ نے عرض کیا حضور یہ سید زادے آپ کی بیعت کے دلدادہ ہیں۔ شمس العارفین پہلے سے تیار تھے۔ نگاہ محبت ڈالی اور بیعت فرما لیا۔ اس دن ۷ رجب ۱۲۷۱ھ تھی۔

حاضری مرشد

آستانہ عالیہ پر دو تین دن قیام کرنے کے بعد واپس گھر تشریف لائے لیکن مرشد سے والہانہ عقیدت و محبت نے گھر پر چین نہ لینے دیا ایک دن ہی ٹھہرے تھے کہ دل بے تاب ہو گیا اور اگلے روز سیال شریف روانہ ہو گئے۔ پھر یہ ضرورت ہو گئی کہ مہینے میں دو تین بار ضرور جاتے۔ ایک بار آپ کے چچا سید امام شاہ آپ کے ساتھ تھے۔ واپسی کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ آپ کے چچا جانا چاہتے ہیں تو اجازت ہے۔ آپ ٹھہریں۔ چچا کی نسبت میں آپ کیلئے بہتر ہوں۔ واقعی اب خون کا رشتہ کیا حقیقت رکھتا تھا۔ اب تو معنوی رشتہ استوار ہو چکا تھا

ایک بار خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ نے انہیں اپنے پاس ایک ماہ ٹھہرا کر مرقع شریف اور کشکول وغیرہ کتب تصوف کی تعلیم دی۔ خود کابل وغیرہ تک سفر کر کے علوم میں کمال حاصل کیا تھا اس لیے توجہات باطنی کے ساتھ اپنے محبوب مرید کو نکات تصوف بھی بڑی عمدگی کے ساتھ سکھائے اور تکمیل فقر کرائی۔

عطائے خلافت

جب مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تو انہوں نے آپ کو خرقہ خلافت اور اجازت بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ بڑی دیر تک شیخ طریقت اور مرید باصفا خلوت میں آمنے سامنے بیٹھے رہے۔ کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ مگر خواجہ غریب نواز جب جلوت میں آئے تو محویت عالم تھا۔ بیعت و تلقین کے آداب ظاہری سکھائے گئے۔ دستار کی جگہ چار ترکی ٹوپیاں عطا ہوئیں عمر مبارک بائیس سال تھی۔ اس کے بعد آپ پر محویت اور استغراق کی ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ سارا سارا دن سجدے میں پڑے گزر جاتا۔ اور ہر وقت مدہوش و بے خود رہتے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ آپ راہ سلوک میں آ گئے۔

محبت مرشد

سیال شریف کے ساتھ آپ کی نیازمندی کا کیا عالم تھا۔ اپنے مرشد طریقت پر آپ قربان تھے اور بہت زیادہ ادب کیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے کبھی کوئی بات نہ کی۔ سیال شریف کے بغیر اور کہیں نہ گئے اور نہ کسی اور بزرگ سے سروکار رکھا۔

ایک دفعہ عرس کے موقع پر سیال شریف حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص اپنی غوثیت اور قطبیت کا دعویٰ کر رہا تھا، اور لوگ اس کی باتوں سے بے حد متاثر ہو رہے تھے۔ کوئی اس کا ہاتھ چومتا تو کوئی اس کی قدم بوسی کر رہا تھا۔ حد یہ کہ خواجہ صاحب کے بڑے بڑے مریدین باصفا اس کے دام میں پھنس رہے تھے۔ آپ نے اس منظر کو دیکھا تو تعجب ہوا کہ لوگ آئے کدھر تھے اور جا کہاں رہے ہیں۔ لیکن آپ نے اس نام نہاد قطب کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور سیدھے اپنے شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ وہاں بھی قطب مذکور کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ حضرت شمس العارفین رح نے دریافت فرمایا "کیوں شاہ صاحب! آپ نے بھی غوث میاں کی زیارت کی ہے؟ آپ نے عرض کیا۔

دیکھی ہے جب سے اس رخ پرنور کی جھلک ۔۔۔ جچتی نہیں کسی کی صورت نگاہ میں

سارے جہاں کے خوبرو تیری قسم تیرے سوا ۔۔۔ جچتے نہیں نگاہ میں اپنی نظر کو کیا کروں

حضرت خواجہ سیال شریف یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا

الحمد للہ تعالیٰ کے آپ اپنے یقین میں کامل ہو گئے۔ "یہ شخص نہ غوث ہے نہ قطب بلکہ اللہ تعالے نے اس کو ہمارے مریدوں کے امتحان کی غرض سے بھیجا ہے"۔ چنانچہ دوسرے ہی دن وہ آدمی خود بخود غائب ہو گیا۔

اوچ کے ایک مخدوم زادے سادات کے شجرے درست کرتے کرتے جلال پور شریف پہنچے۔ آپ نے اپنی شرافت اور نجابت کے اظہار سے اعراض کیا اور خوشی اور فخر کے ساتھ اپنا سلسلہ خواجہ سیالوی اور خواجہ تونسوی سے قائم کیا۔ ایک دفعہ سیال شریف میں مکان کی تعمیر کا کام شروع تھا۔ سر مبارک پر اینٹ اور گارا رکھ کر آپ معماروں کو دینے لگ گئے۔

سیال شریف کی تقدیس کا بڑا احترام تھا۔ وہاں پا برہنہ چلا کرتے تھے۔ رات کو چارپائی پر کبھی آرام نہ فرمایا، فرش پر بستر ہوتا۔ رفع ضروریات کے لیے ڈیڑھ میل باہر تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ گھوڑے پر سفر کیا۔ سیال شریف سے چار میل دور اتر پڑے اور پا پیادہ حاضر ہوئے۔ جب کوئی شخص سیال شریف کے لیے روانہ ہوتا تو رخصت کرنے کے لیے چند قدم ساتھ چلتے اور تعظیم و تکریم فرماتے۔ ایک ہندو لڑکے نے کہا سیال قوم سے ہوں۔ آپ احتراماً کھڑے ہوئے اور خاصی مقدار میں بتاشے پیش کیے۔ قلبی اور معنوی محبت و احترام کا عجیب رنگ تھا۔

اپنے شیخ کا ادب و احترام اس حد تک کرتے تھے کہ ایک دفعہ تونسہ شریف حاضری نصیب ہوئی تو جب خواجہ محمد سلیمان تونسوی نور اللہ مرقدہٗ کے روضہ مبارک پر حاضری کا وقت آیا تو دہلیز مبارک پر بوسہ دیا اور باہر ہی سے فاتحہ خوانی کر کے واپس چلے آئے۔ دیکھنے والوں نے آپ کی اس عجیب حرکت کا سبب پوچھا تو آپ خاموش رہے۔ جب استفسار زور پکڑ گیا تو آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اپنے مرشد کی بوسہ گاہ میں اپنا قدم بلند کرنا مجھے گوارا نہ تھا۔

حضرت خواجہ کی خاص نظر التفات

حضرت خواجہ شمس العارفین کی طرف سے بھی اتحاد و یگانگت کا رشتہ

اور رابطہ انتہا درجہ کا روح پرور اور دل نواز تھا۔ حضرت صاحب سیالوگی کی آمد کے منتظر رہا کرتے تھے۔ حاضر ہوتے تو اٹھ کر سینے سے لگاتے۔ پیشوائی فرماتے۔ آپ محجوب ہوتے مگر پھر بھی حضور کا اصرار جاری رہتا۔ جلال پور شریف کی طرف کے لوگ بیعت کے لیے حاضر ہوتے مگر شمس العارفینؒ فرماتے۔ شاہ صاحب کی خدمت میں جائیں، ان کی بیعت اور ہماری بیعت میں فرق نہیں۔ حضرت خواجہ محمد الدین کی شادی ہوئی تو برات کے ساتھ آپ کو قائم مقام کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ کم نظری کے باعث کوئی آکر آپ کی شکایت کرتا تو شمس العارفین سخت برا مانتے۔ ایک بار خواجہ غریب نواز بیمار ہوئے تو سیالوی حضور بے قرار ہو گئے۔ درگاہ الٰہی میں عرض کی۔ شاہ جی کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا ہو۔ میری عمر بھر کی کمائی ہے۔

رشد و ہدایت

جلال پور شریف میں سب سے پہلے اپنی والدہ کو بیعت فرمایا۔ عبادت و ریاضت کے آپ شروع سے عادی تھے۔ اب مشائخ چشت کی سنت کے مطابق اوراد و وظائف مختلف اوقات کے نوافل، نماز تہجد، تسبیحات مختلفہ کا آغاز اس اہتمام اور پابندی سے فرمایا کہ اچھے اچھے اہل علم دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔

مزاج میں لطافت، نظافت، نفاست بدرجہ کمال تھی۔ ذکر و فکر کی مداومت نے انہیں فی الواقعہ نور مجسم بنا دیا۔ آپ کے مقدس اور فیوض باطنی کی شہرت پھیلنے لگ گئی۔ طالبان رشد و ہدایت فوج در فوج پہنچنے لگ گئے۔ علماء اور فضلاء حاضر ہو رہے تھے۔ امراء اور حکام نے نیاز مند بن کر آتے اور شرف بیعت حاصل کرتے، عوام کا تانتا بندھا رہتا۔ زیارت سے مشرف ہوتے اور عشق الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن دل میں لے کر واپس ہوتے۔ حضور کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا زندگی کے تمام امور کتاب اللہ اور سنت مبارکہ کے مطابق سے ڈھلے پاتے تھے۔ حضور کا نمونہ ہر لحاظ سے آنے جانے والوں کی زندگی کو ایک پاکیزہ سانچے میں ڈھال رہا تھا جس میں روح فقر کی تڑپ ہوتی تھی شام کو اور پچھلی رات تکبیر و تہلیل کی آواز فضا میں پھیل جاتی تھی، لوگ بڑے ذوق و شوق سے ذکر کرتے تھے۔ دین و شریعت کو نئی زندگی ملی۔ یہ مبارک اثرات دیار و امصار میں پھیل گئے۔ بظاہر حکومت انگریز کی تھی لیکن لوگوں کو پختہ یقین ہو چکا تھا بوریائے فقر پر جو بزرگ بیٹھے ہیں حقیقی حکومت ان کی ہے۔

خدمت خلق

حضور کے فقر کا جلال برداشت کرنا مشکل تھا۔ تصرف اتنا تھا کہ حیوان سے انسان کا کام لے سکتے تھے۔ زبان مبارک سے جو بات نکلتی پوری ہو جاتی تھی۔ دعائے خیر فرماتے اور حاجات کی تکمیل ہو جاتی۔ جن لوگوں کی فطرت بلند تھی وہ حضور کے نفس گرم کی برکت سے مدارج فقر طے کرتے اور خلقت خلافت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

فتوحات کا سلسلہ جلد ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس کا مستقل انتظام بھی جلد ہوا۔ ہر قسم کے کام انجام دینے والے اصحاب مقرر ہوئے۔ حضور کا قائم کردہ لنگر اپنی آن بان کے ساتھ اب بھی جاری ہے۔ جس میں کھلے دل سے اب بھی کھانا دیا جاتا ہے۔ یہ حضور کی وسیع النظرفی کا بین ثبوت ہے۔ آپ مختلف عرس مناتے تھے۔ لیکن سب سے بڑا عرس ۷ صفر کو خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا منعقد ہوتا تھا۔ قوالی مزامیر کے بغیر ہوتی تھی۔ لنگر کے اجرا سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔

مہمانوں کے لیے مکانات کی ضرورت تھی۔ تعمیر ہونے لگ گئے۔ تعمیرات کا خاص ذوق آپ کے فرزند سید مظفر علی شاہ کو ودیعت ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اس طرح نظر آنے لگا کہ تمام قصبے کی ہیئت بدل گئی ہے۔

وصال مرشد کا صدمہ

آپ کے لیے حضرت خواجہ شمس الدین قدس سرہٗ العزیز کا ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ مطابق ۴ جنوری ۱۸۸۳ء کو وصال ہوا۔ صدمہ جانکاہ تھا۔ باہمی محبت و یگانگت کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے۔ اپنے ہادئ طریقت اور رہبر حقیقت کے سایہ عاطفت میں آپ نے غیر معمولی ظاہری اور باطنی فیوض و برکات اور صوری و معنوی کمالات حاصل کیے تھے۔ ۲۹ سال کے طویل عرصہ تک یہ سایہ سر پر قائم رہا تھا۔ اس لیے خبر ملتے ہی طبیعت پر بے خودی طاری ہو گئی۔ چھ سات روز تک کھانا مطلق نہ کھایا طبیعت میں سکون آیا تو ایک ہفتے کے بعد سیال شریف حاضر ہوئے۔ روضہ شریف کی تعمیر میں خاص حصہ لیا۔ اور جلال پور شریف میں پورے آداب اور اہتمام سے چالیسویں کی رسم ادا کی۔

قیام درس

آپ نے بالخصوص بچوں کی تعلیم کے لیے جلال پور شریف میں درس کا انتظام بھی کیا۔ جید علماء منگوائے گئے، طلباء کی رہائش اور پڑھائی کا بندوبست کیا گیا۔ بہت سے طلباء شریک درس ہوتے تھے۔ یہ درس بعد میں باقاعدہ جامع العلوم کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

اللہ کی رحمت کا ایک خاص واقعہ

صفر ۱۳۲۵ھ مطابق مارچ اپریل ۱۹۰۷ء میں جلال پور شریف میں طاعون کی وبا پھیلی اس کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ اس سے آپ کے وقار فقر کی عظمت نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔ دوسرے ماخذ کے علاوہ راقم سطور نے وہ خطوط بھی پڑھے ہیں جو صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے ان ایام میں اپنے استاد گرامی مولانا عبدالرحیم صاحب ساکن کرڑی شریف کو لکھے اور ان میں اس وبا کا حال بھی درج فرمایا۔ روزانہ تعداد اموات چالیس تک پہنچ گئی۔ ہوا سخت متعفن تھی، لوگ گھروں کو چھوڑ گئے اور قرب وجوار کی آبادی ویران ہو گئی۔ خیر خواہان سرکار نے رائے دی کہ آپ بھی باہر باغ میں تشریف لے جائیں مگر آپ توکلاً علی اللہ صبر و تحمل اور تسلیم و رضا اختیار کر کے مع جمیع متعلقین اپنے مکان پر رونق افروز رہے۔ ایک روز حفظان صحت کے خیال سے صاحبزادہ صاحب نے گھروں میں گوگل کا دھواں دیا۔ آپ کو بو آئی تو آپ نے فرمایا دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں یا تو گوگل سلگا لو اور توکل چھوڑ دو یا توکل اختیار کر دا اور گوگل چھوڑ دو۔ متعفن گلٹیوں والے مریض آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ ان پر سے کپڑا ہٹا کر دم ڈالتے اور شفقت آمیز کلمات اور دعائے خیر سے تسکین دیتے۔ صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا، باشندگان گردو نواح سے کہہ دیا جائے کہ طاعون کی شدت کے زمانے میں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھیں اور یہاں نہ آئیں۔ آپ نے فرمایا میں کیونکر منع کر سکتا ہوں۔ وہ رنج و مصیبت میں میرے پاس پناہ کے لیے آتے ہیں۔ اگر میں انہیں دنیا کے رنج و مصیبت میں چھوڑ دوں تو انہیں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ دین کے معاملے میں ان کے کسی کام آؤں گا۔

خداوند کریم کی ایسی مہربانی ہوئی کہ لنگر شریف کا ایک آدمی بھی طاعون کا شکار نہ ہوا

وبا کے ایام میں ۷، صفر کو خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا عرس حسب معمول منعقد ہوا۔ تقریباً ۱۲ ہزار آدمی جلال پور شریف میں وارد ہوئے لیکن حضرت کی برکت و کرامت سے کسی شخص کو اس مہلک مرض کی شکایت نہ ہوئی۔

معمولات

آپ کا کوئی وقت اور کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نہ تھا۔ علی الصباح استنجا اور طہارت سے فارغ ہو کر لکڑی کی چوکی پر وضو فرماتے اور مصلی پر بیٹھ جاتے اسمائے الٰہی کا ورد فرما کر دو رکعت نماز سنت فجر ادا کرتے اور مسجد میں جا کر نماز با جماعت پڑھتے پانچویں وقت کی نماز کے بعد دس مرتبہ درود شریف، دس مرتبہ سورہ اخلاص اور سو مرتبہ یا وہاب پڑھتے۔ نماز فجر کے سبعات عشر پڑھتے اور کچھ تسبیحوں کے اوراد پھر جو شخص بیعت کے لیے آتا اسے بیعت کرتے جو رخصت چاہتا دعائے خیر کے ساتھ رخصت فرماتے۔ نوافل اشراق پڑھ کر وظائف دیر تک پڑھتے رہتے۔ ضحیٰ کے وقت نوافل ضحیٰ پڑھ کر کھانا تناول فرماتے ازاں بعد ایک مجلس عام ہوتی جس میں ہر کہ و مہ شریک ہو سکتا تھا۔ پھر کبھی کبھی قیلولہ فرماتے۔

ظہر کی نماز کسی قدر تاخیر کے ساتھ پڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت ترتیل اور قراءت سے فرماتے بعد ازاں کچھ تسبیحیں پڑھتے وقت عصر آتا تو تجدید وضو کر کے چار رکعت نماز سنت ادا فرماتے اور نماز با جماعت بھی تجدید وضو کے ساتھ ادا کرتے۔ اس کے بعد نوافل ادا ہین پر حفظ الایمان اور سوموار کی رات کو صلوٰۃ السعادت اور کبھی کبھی صلوٰۃ تسبیح بھی پڑھا کرتے۔ بعد ازاں چند وظائف تسبیح ہوتے اور مراقبہ فرماتے۔ اور ختم خواجگان چشت پڑھتے اور بیعت فرماتے۔ لنگر تیار ہو جاتا تو دعائے خیر اور اجازت تقسیم فرماتے۔ خود حرم خانہ میں تشریف لے جا کر تناول فرماتے کچھ دیر کے لیے باہر آ کر چارپائی پر آرام فرماتے۔ اور سعادت مند پاؤں دابنے کا شرف حاصل کرتے۔ ہر قسم کی گفتگو ہوتی۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر جاتا تو نماز عشاء با جماعت ادا فرماتے اور ضروری اوراد پڑھ کر آرام فرماتے۔ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تو حضور انور بیدار ہو کر نماز تہجد خواجگان چشت کے معمول کے مطابق ادا فرماتے اور پھر مصلے شریف پر بیٹھ کر تسبیح پر ورد خوانی ہوتی رہتی۔ جمعہ کے روز غسل اور حجامت معمول تھا۔

حلیہ اور لباس مبارک

آپ نہایت وجیہہ جوان تھے، سفیدی مائل گندمی رنگ اٹھتا ہوا قد، بھرا بھرا جسم، انوار ولایت سے دمکتا ہوا چہرہ، منور آنکھیں، ابرو ہلال گوں، سفید مصفےٰ دانت مبارک۔ گردن بلند۔ سر میانہ زلفیں کبھی بردوش کبھی تابہ گوش، ریش مبارک نہ زیادہ گھنی نہ پتلی اور آواز میں جہر تھا۔ گرمیوں میں ململ کا سفید کرتہ۔ لٹھے کا تہبند اور چار ترکی ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔ بازات کا کھلی آستینوں کا کوٹ، پشمینہ کا دھسہ۔ روئی دار گرم ٹوپی۔ سفید ململ کا دوپٹہ۔ آپ کا سردیوں کا لباس تھا۔ کفش مبارک جہلمی طرز کا بالکل سادہ سا استعمال فرمایا کرتے تھے۔

وصال

آپ نے ۲۴ مارچ ۱۹۰۸ء کو سیال شریف کا آخری سفر اختیار فرمایا۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رح کے عرس مبارک کا موقع تھا۔ چند سال سے آپ اس تقریب سعید میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ راستے میں جہاں جہاں سے آپ گزرے لوگ آپ کی زیارت کے لیے موجود ہوتے تھے۔ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب آپ کے ہمراہ تھے جن کی عمر چودہ سال تھی۔ ہرن پور میں آپ سید غلام شاہ مرحوم کے مزار پر گئے اور جیب مبارک سے رقم ان کے روضے کی مرمت کے لیے دی۔ یہ آپ کی احسان شناسی اور وفا داری کا ثبوت تھا۔ ہرن پور سے خوشاب تک ریل کا سفر تھا۔ ہر سٹیشن پر زائرین کا اجتماع عظیم ہوتا تھا خوشاب سے سیال شریف تک دریا کے ذریعے کشتی پر سفر کیا۔

سیال شریف پہنچے تو عشاء کا وقت تھا۔ لوگوں کے بے پناہ ہجوم نے آپ کو گھیر لیا۔ صاحبزادہ سعد اللہ صاحب رح ولد خواجہ محمد الدین صاحب سجادہ نشین سیالوی چھڑی سے لوگوں کو ہٹاتے تھے بصد مشکل روضہ شریف تک پہنچے۔ اندر داخل ہو کر فاتحہ خوانی کی۔

حضرت سجادہ نشین رح بیماری اور نقاہت کے باوجود درویشوں کے کندھوں کا سہارا لے کر دروازے تک استقبال کے لیے آئے۔ حضرت جلالپوری رح پوری طرح آداب بجا لائے۔ مد نظر پیش کی۔ احترام کا یہ عالم تھا کہ اُدھر سے جو سوال ہوتا اس کے جواب سے ایک لفظ بھی زیادہ زبان پر نہ لاتے تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رح بھی تشریف لائے ہوئے تھے جب سیال شریف سے رخصت ہونے لگے تو آپ سے ملاقات کی۔ دعائے خیر کرائی اور کہا میں نیاز مند ہوں۔

سیال شریف سے آپ تشریف لائے تو تین ماہ بعد آپ کو خفیف سا بخار ہوا اور اگلے روز پیر کے دن قبل ظہر اسم اللہ زبان سے نکلا اور آپ دارالبقا کی طرف مراجعت فرما ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ منگل کے دن ۷ جمادی الثانی کو جہاں اب عالیشان روضہ مبارک موجود ہے آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا وصال ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق جولائی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔

مزار اقدس آپ کا مزار اقدس جلال پور شریف ضلع جہلم میں ہے۔

اولاد آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) بدیع الزمان شاہ (۲) محمد منظفر علی شاہ (۳) محمد رسول شاہ (۴) محمد قائم الدین شاہ۔ حضرت کی وفات کے بعد محمد منظفر علی شاہ جانشین بنے۔

حضرت خواجہ احمد میروی چشتیؒ

وصال ۱۳۳۰ھ مزار میرا شریف

آپ کا اسم گرامی احمد اور والد کا نام برخوردار ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا اصل وطن کنارہ دریائے چناب (پنجاب) ہے۔ آپ کے دادا سکھوں کے عہد میں اپنے قبیلہ کے ہمراہ بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں ہجرت کر گئے۔ اور وہیں بلوچوں کی ایک شاخ بزدار قوم میں شادی کی۔ جس سے خواجہ احمد کے والد میاں برخوردار پیدا ہوئے۔ میاں برخوردار نے بھی اسی بزدار قوم میں شادی کی۔ میاں برخوردار خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مرید تھے۔ ان کا مزار منگروٹھہ (متصل تونسہ شریف) میں ہے۔

ولادت خواجہ احمد، بلوچستان کے علاقہ میں ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دوسرے بھائی کا نام یعقوب تھا جو بچپن میں انتقال کر گئے۔

تعلیم و تربیت آپ نے قرآن مجید اپنے والد میاں برخوردار کی زیر نگرانی بلوچستان ہی میں پڑھا۔ ابھی آپ بچے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور آپ کی تربیت و کفالت آپ کے ماموں علی خاں مرید خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کرنے لگے

خواجہ احمد بچپن میں ایک دفعہ اپنے ماموں علی خاں کے ہمراہ تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت تونسوی نے بڑی شفقت فرمائی اور حضرت کی محبت کا نقش آپ کے دل پر قائم ہو گیا۔ خواجہ تونسوی کی وفات کے بعد آپ مستقل طور پر تونسہ شریف میں مقیم ہو کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔ اور متواتر نو سال تک تونسہ شریف کے علماء سے علم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد ملتان گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کر کے مزید دینی علم حاصل کیا۔ پھر کلور کوٹ تحصیل عیسیٰ خیل پہنچ کر مولوی سلوک علی کی خدمت میں اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کی۔

تلاش مرشد بچپن میں جب آپ اپنے ماموں علی خاں کے ہمراہ تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو اسی وقت حضرت تونسویؒ کے دام محبت میں گرفتار ہو گئے تھے اور حضرت تونسوی کی غلامی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بیعت چنانچہ دوسری دفعہ آپ اکیلے ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد چار مرتبہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر جلد ہی حضرت تونسوی کا وصال ہو گیا۔

ریاضت و عبادت خواجہ تونسوی کے وصال کے بعد جب آپ تونسہ شریف میں مقیم ہو کر تحصیل علم میں مصروف ہوئے تو فارغ اوقات میں حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ اور مولانا احمد تونسویؒ خلیفہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتے رہے، ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت میں مشغول رہ کر تزکیہ باطن میں بھی لگے رہے۔ تکمیل علم کے بعد آپ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلیفہ خواجہ محمد فاضل شاہ (م ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳م) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور

ان کی صحبت میں رہ کر سلوک و عرفان کی منازل طے کرتے رہے۔

حصول خلافت

کچھ عرصہ کے بعد مکھڈ شریف میں حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے عرس کے موقع پر خواجہ محمد فاضل شاہؒ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اس کے بعد جب تونسہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

اقامت در میرا شریف

میرا شریف، تحصیل پنڈی گھیب، ضلع کیمبل پور میں ایک مختصر سی بستی تھی۔ خواجہ احمد صاحب سیاحت کے دوران اس جگہ آئے تو یہ مقام آپ کو پسند آیا اور آپ نے مستقل طور پر یہاں رہائش اختیار کر لی۔ رفتہ رفتہ طلبہ، علماء اور فقراء یہاں آ آ کر آباد ہوتے گئے، اور مسجد، خانقاہ، لنگر خانہ وغیرہ کی تعمیر سے یہ ایک اچھا خاصا قصبہ بن گیا۔

دور رشد و ہدایت

خواجہ احمد میروی ؒ نے میرا شریف میں مقیم ہو کر طلبہ، غرباء اور مساکین کے لیے لنگر عام جاری کیا۔ آپ کے پاس چند ایسے علماء جمع ہو گئے جو طلبہ کو بغیر کسی معاوضہ کے تعلیم دیتے تھے اس لیے میرا میں ایک دینی درس گاہ بھی قائم ہو گئی۔

آپ نے میرا شریف کے مضافات میں بھی چند مسجدیں تعمیر کروائیں اور بعض مقامات پر زائرین کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرنے لگے۔

سیاحت

آپ نے میرا شریف میں مقیم ہونے کے بعد متعدد مقامات کا سفر کیا۔ پنجاب، سرحد اور کشمیر کے مختلف مقامات پر گئے اور جہاں کسی صاحب دل کا پتہ چلا اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کیا۔ نیز ان اسفار میں بہت لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

روابط با مشائخ معاصر

مندرجہ ذیل مشائخ معاصر کے ساتھ آپ کے خصوصی روابط تھے۔

(۱) خواجہ محمد رمضان لاہوری خلیفہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ۔

(۲) مولانا زین الدین مکھڈیؒ (م ۱۳۹۵ھ / ۱۸۷۸ء م)

(۳) پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ (م ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء م)

آپ بارہا ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ حضرات بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

روابط با حکومت وقت

آپ کے زمانہ میں انگریزوں کا برِعظیم پاک وہند پر کامل تسلط ہو چکا تھا لیکن خواجہ احمد انگریز کو، اسلام کا متعصب دشمن سمجھتے ہوئے۔ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اور انگریز کی لائی ہوئی تہذیب کی برملا مخالفت کرتے رہے۔

ایام پیری

آپ کی صحت آخر دم تک بہت اچھی رہی اور اپنے معمولات باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔ ۲۱ ذی الحج ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء کو آپ کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اور اس سے آپ کا مرض موت شروع ہوا۔

اتباع سنت

خواجہ احمد میروی کے تمام افعال شریعت محمدیہ کے عین مطابق تھے نماز با جماعت ادا فرماتے تھے۔ اخلاق بہت بلند تھا۔ آپ ایک متواضع، منکسر المزاج، متوکل اور ایثار پیشہ بزرگ تھے۔ اپنے مریدین و متعلقین کی اصلاح بڑی نرمی و شفقت سے کرتے تھے۔ کبھی کسی پر ناراض نہیں ہوئے۔

طبیعت میں استغنا تھا۔ ایک دفعہ نواب بہاولپور کے وزیر احمد خاں نے تونسہ شریف کے علما و طلبہ کو وظائف دینے کے لیے ایک فہرست تیار کی جب آپ کو معلوم ہوا کہ میرا نام بھی اس فہرست میں درج ہے تو نہایت غمگین ہوئے اور اپنے اُستاد سے کہہ کر اپنا نام فہرست سے خارج کرایا اور کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا۔

وصال

اَسی سال کی عمر میں ۵ محرم ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء کو آپ کا وصال ہو گیا اور میرا شریف میں دفن ہوئے۔

اولاد و خلفا آپ نے عمر بھر شادی نہیں کی اس لیے آپ کی اولاد نہ تھی۔ خلفا میں مندرجہ ذیل بزرگ مشہور ہیں۔

(۱) سید فیض اللہ شاہ ساکن چھبر (م ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) (۲) سید لعل شاہ (۳) مولوی میرا احمد لساوی (۴) مولوی فخر الدین بیر بلوی (۵) سید عنایت اللہ شاہ ساکن چھبر۔ ضلع جہلم۔

حضرت خواجہ محمد یار فریدیؒ

وصال ۱۳۶۷ھ مزار گڑھی اختیار خاں

چودھویں صدی ہجری میں جن بزرگوں کے دم سے تصوف و طریقت کا بھرم قائم رہا۔ ان میں حضرت خواجہ محمد یار فریدی کا اسم گرامی سر فہرست ہے۔ آپ تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خاں کے مشہور مردم خیز قصبہ گڑھی اختیار خاں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد جب مزید علوم کی تحصیل کی دل میں لگن پیدا ہوئی تو آپ نے چاچڑاں کا رخ کیا۔ اس زمانے میں چاچڑاں علم و فضل کا مرکز تھا۔ اور حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کی سرپرستی میں یہاں کا دائرہ علوم بڑے عروج پر تھا۔ اسی درس گاہ میں آپ نے علم کی پیاس بجھائی اور یہیں روحانیت کا درس لیا۔

بیعت آپ نے حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر چشتیہ نظامیہ سلسلے میں باقاعدہ بیعت کی اور مرشد کی عنایات سے خوب بہرہ در ہوئے یہ آپ ہی کی باطنی توجہ کا اثر تھا کہ حضرت خواجہ یار محمد کی رگ رگ میں عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوز گداز بھرا ہوا تھا اور زبان میں ایسی تاثیر پیدا ہوگئی تھی کہ سنگ دل سے سنگ دل بھی چند نقرے سن کر موم ہو جاتا تھا۔

خطابت آپ کی خطابت کا دور دور چرچا تھا۔ لوگ بڑی عقیدت اور توجہ سے آپ کا وعظ سنتے تھے۔ مشکل ہی سے پنجاب کا کوئی شہر اور قریہ ایسا ہوگا جہاں

جہاں جا کر آپ نے تقریر نہ کی ہو۔ آپ خود بھی عاشق رسول تھے اور دوسروں کو بھی اسی کا درس دیتے تھے۔ آپ کی تقریر سن کر عشق رسول کا جذبہ خود بخود ابھرتا تھا۔ آپ مثنوی شریف بڑے دلکش انداز میں پڑھتے تھے اور اس کی تشریح ایسے دلچسپ پیرائے میں کرتے تھے کہ ہر شعر کے رموز و اسرار آئینے کی طرح روشن ہو جاتے تھے۔

خلافت

حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا تھا اور اجازت بیعت بھی عطا کی تھی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کا حلقہ ارادت بہت وسیع ہو گیا۔ شہر لاہور میں آپ کے معتقدین کی تعداد کافی تھی جن کی خواہش پر آپ اکثر لاہور تشریف لے جایا کرتے تھے۔

عشق رسول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے عشق کا عالم یہ تھا کہ جہاں کسی نے حضور کا نام لیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو گیا۔ خاندان نبوت کا بھی آپ کے دل میں بے حد احترام تھا۔ اگر اہل سادات میں سے کوئی شخص آپ کی محفل میں آجاتا تو آپ اسے سب سے نمایاں جگہ دیتے اور اس کی ہر طرح تعظیم و تکریم کرتے۔

ذوق سماع

سلسلہ چشتیہ کی روایت کے مطابق سماع سے بھی آپ کو خاص لگاؤ تھا اور قوالی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سنتے تھے، لیکن آداب سماع کا خیال رکھتے تھے اور کوئی شخص محفل سماع میں بے ادبی یا بدتمیزی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کو شاعری سے بھی شغف تھا اور اردو فارسی۔ عربی اور سرائیکی زبان میں شعر کہتے تھے۔

دیوان محمدی

آپ کا مجموعہ کلام "دیوان محمدی" کے نام سے موسوم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان میں بہت سی نعتیں ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے شیخ اور کئی دیگر بزرگوں کی منقبتیں بھی ہیں۔ آپ کا تمام کلام تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے اور عرفان و آگہی کا ایسا دفتر ہے کہ پڑھنے والا اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

وصال آپ نے ۶۷ سال کی عمر میں ۱۴ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ کو وفات پائی۔ آپ کا عرس ہر سال ۱۲۔۱۳۔۱۴ رجب کو گڑھی اختیار خاں میں ہوتا ہے۔ جس میں عقیدت مندوں کی کافی تعداد شریک ہوتی ہے۔ آپ کے مزار سے متصل علوم عربیہ کی ایک درس گاہ "قطب المدارس" کے نام سے آپ کی یادگار کے طور پر قائم ہے۔ جس میں مقامی طلباء کے علاوہ بیرونی علاقوں سے بھی علم دین کے جویا آتے ہیں اور علم کی پیاس بجھاتے ہیں

اولاد آپ کا ایک صاحبزادہ تھا جس کا نام حضرت مولانا غلام نازک تھا۔
ماخوذ:۔ اولیائے بہاولپور از مسعود حسن شہاب۔

حضرت میاں علی محمد چشتیؒ

وصال ۱۳۷۵ھ مزار پاک پتن ساہیوال

حضرت میاں علی محمد سلسلہ عالیہ چشتیہ کے باعظمت بزرگوں سے تھے۔ آپ کی شخصیت علم وفضل کے لحاظ سے یگانہ وقت تھی۔ آپ ظاہری و باطنی علم وعرفان کا ایک دلکش مرقع تھے۔ آپ کی زندگی شریعت اور معرفت کا پیکر تھی۔ سینکڑوں دلوں کی ویران بستیاں آپکی نظر کیمیا سے دین ودنیا سے مالامال ہوئیں۔

ولادت آپ کے والد ماجد حضرت محمد عمر خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ صاحب علم وفضل، فقیر منش زمیندار تھے۔ "یادپیر" اور "تہذیب دھرم" (رد ہنود) وغیرہ تصانیف یادگار ہیں۔

والد گرامی آپ کے والد ماجد حضرت محمد عمر خاں رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب علم وفضل، فقیر منش زمیندار تھے۔ "یادپیر" اور "تہذیب دھرم" (رد ہنود) وغیرہ تصانیف یادگار ہیں۔

شفقتِ نانا آپ کے نانا حضرت خواجہ میاں محمد خاں المعروف میاں محمد شاہ چشتی نظامی فخری قدس سرہ اپنے دور کے ولی کامل تھے۔ ان کا مزار لبسی نو متصل ہوشیارپور میں مرجع خلائق ہے۔ ایک مرتبہ بچپن میں آپ کہیں کھیل میں مصروف ہو گئے، واپسی دیر سے ہوئی۔ والد گرامی حضرت میاں محمد عمر خاں علیہ الرحمۃ نے قدرے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ بات آئی گئی ہوگی۔ اگلے دن حضرت میاں محمد عمر خاں کے ہاں سلام کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، بھئی عمر خاں علی محمد ہمیں دے دو، ہم خود ہی اسے پڑھائیں گے اور تربیت کریں گے اپنے پاس ہی رکھیں گے۔ والد گرامی نے یہ سنا اور جھوم اٹھے۔ اپنے سعادت مند بیٹے کے مقدر پر ناز کیا اور فوراً تعمیل کی۔ یہ پہلا دن تھا کہ حضرت میاں محمد خاں صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے نواسے حضرت میاں علی محمد خاں صاحب علیہ الرحمۃ کو آغوشِ تربیت میں لیا۔

تعلیم و تربیت مشفق نانا نے اپنے پیارے نواسے حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ فرمائی۔ اور آپ کی تعلیم کے لیے وقت کے جلیل القدر علماء کرام کی خدمات حاصل کیں۔ آپ بڑے ذہین تھے۔ دوران تعلیم آپ کے اساتذہ آپ کی محنت و ذہانت کے بے حد معترف ہوئے۔ آپ نے تفسیر حدیث فقہ علم الکلام کے علوم میں خاصی مہارت حاصل کی۔ حتیٰ کہ درس نظامی کا مکمل کورس پڑھا۔ آپ نے طب یونانی کی بھی تعلیم حاصل کی اور آہستہ آہستہ اس میں مکمل دستگاہ حاصل کی۔ آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب علم کیا ان میں حضرت مولانا دین محمد (مدفون لبسی نو) مولانا حکیم محمد عبداللہ جگرانوی اور مولانا مرید احمد خاں کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ یہ علماء اپنے دور میں علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب ہوئے ہیں۔

بیعت آپ نے اپنے نانا حضرت میاں محمد خاں کے ہاتھ پر بیعت کی، چونکہ آپ انکی کفالت میں تھے اس لیے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ کے نانا نے آپ کو باطنی علوم سے نوازا۔ آپ سفر و حضر میں اپنے پیارے نواسے کو ساتھ رکھتے۔ عبادت و ریاضت کی عملی تلقین فرماتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے بہت جلد سلوک کی منزلیں طے کر لیں۔

عطائے خلافت آپ کے مرشد یعنی ناناجی نے حضرت میاں علی محمد خاں چشتی نظامیؒ کو وصال سے قبل ہی خلافت سے نواز دیا تھا اور لوگوں کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وصال سے چند روز قبل منشی عالمگیر حاضر ہوئے اور عرض کی حضور دین محمد کو سلسلہ میں داخل فرمالیجیے تو آپ نے فرمایا "دین محمد میاں علی محمد کے ہاتھ پر بیعت کرو، یہ بیعت ہمارے ہاتھ پر ہی ہوگی۔

اعلان سجادگی حضرت محمد خاں علیہ الرحمۃ کی تقریب چہلم کے موقعہ پر ہزاروں ارادت مندوں کی موجودگی میں پاک پتن شریف کے سجادہ نشین حضرت دیوان سید محمد علیہ الرحمۃ نے حضرت میاں صاحب قبلہ کے زہد و تقویٰ علم و عمل اور عبادت و ریاضت کی بنا پر آپ کی سجادگی کا اعلان فرمایا۔

دینی خدمات حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی پوری زندگی دینی مدارس کی ترقی و بہبود اور مساجد کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ آستانہ عالیہ بسی شریف میں ایک عظیم دینی درس گاہ قائم فرمائی۔ جس میں سینکڑوں تشنگان علوم سیراب ہوئے۔ ہجرت کے بعد ایک مدرسہ غلہ منڈی پاک پتن شریف میں جاری فرمایا۔ لاہور میں حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے عقب میں مدرسہ علویہ جاری فرمایا۔ ۱۹۶۳ء کو ساہیوال میں عظیم دینی درس گاہ جامعہ فریدیہ (رجسٹرڈ) کا سنگ بنیاد رکھا۔

قبولہ شریف (پاک پتن شریف) میں ایک عربی مدرسہ کی اعانت فرماتے رہے۔

مدینہ منورہ میں زرکثیر سے ایک عمارت تعمیر کروائی۔ اور وقف اسلام کی بے شمار نادار لوگوں کو حج کروایا۔ اور بیوگان و یتامیٰ کی سرپرستی فرماتے رہے۔

تحریک پاکستان کی حمایت حضرت میاں صاحب قدس سرہ بزم رشد و ہدایت کی شمع نورانی تھے، ملکی سیاست سے کبھی تعلق نہ رکھا البتہ تحریک پاکستان کے ایام میں مکمل طور پر تحریک کے حامی اور معاون رہے ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف، پاک پتن شریف عرس کے موقع پر مشائخ کرام سے ملے اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں مشورے کرتے رہے۔ حضرت میاں صاحب سے بھی ملے

اور ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت تک گفتگو ہوتی رہی۔ بعد ازاں ان کا ایک نمائندہ بسی نو پہنچا اور علیحدگی میں کچھ گفتگو کر کے فوراً واپس چلا گیا۔ انتخاب بالکل قریب آ گئے تو عقیدت مندوں اور تحریک کے قائدین نے اصرار کیا کہ آپ ایک بیان کے ذریعے اپنے نیاز مندوں کو حکم دیں کہ دوٹ مسلم لیگ کو دیں۔ چنانچہ آپ کا بیان نوائے وقت میں شائع ہوا۔ تحصیل امرتسر سے چوہدری نصر اللہ اور ہوشیار پور سے رانا نصر اللہ خاں محض آپ کی حمایت کی بنا پر منتخب ہوئے تھے۔ لدھیانہ میں یونینسٹ پارٹی کا نمائندہ آپ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ہزار کوشش کی کہ حضرت میاں صاحب اس کی حمایت فرمائیں لیکن آپ کسی طور پر رضامند نہ ہوئے اور مسلم لیگ کا نمائندہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔

علمی مقام

حضرت میاں صاحب علم و فضل اور تصوف و معرفت کے بحرِ بے کراں تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر علمار کرام نے بہت کچھ لکھا ہے شیخ اکبر محی الدین علیہ الرحمۃ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اختلاف علماء و مشائخ کا موضوع بنا رہا ہے۔ حضرت علامہ ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے ایک پیر بھائی شیخ سردار محمد صاحب نے اس عنوان پر پیش آمدہ پیچیدگیاں حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کے سامنے پیش کیں تو آپ نے اس عنوان پر شیخ صاحب کے نام مکتوب گرامی لکھا جو شائع ہو گیا۔ حضرت کی یہ تحریر دہلی کے ایک مشہور فاضل۔ بلند پایہ صوفی اور محقق مولانا محمد عبد السلام علیہ الرحمۃ کی نظر سے گزری تو وہ برہم ہو گئے اور اس تحریر پر اعتراضات لکھ کر حضرت کے ہاں بھیجے پھر یہ سلسلہ سوال و جواب چل نکلا حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی تائید میں حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی تالیف "کشف المحجوب" اور حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کی تالیفات کی عبارات نقل فرمائیں۔ حضرت مولانا محمد عبد السلام علیہ الرحمۃ ان دلائل کے بعد مطمئن ہو گئے اور پھر کوئی مکتوب نہ لکھا۔ اس سے حضرت میاں صاحب کے علمی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

ذوق تصوف

حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو کتب تصوف سے خصوصی ذوق تھا شیخ اکبر کی کتاب "فصوص الحکم" سے خاص ربط تھا اور اسے کئی

مرتبہ پڑھایا۔ امام ابوالقاسم کی تالیف "رسائل قشیریہ" امام عبدالرحمن سلمی کی "طبقات صوفیہ" امام ابوالنصر سراج کی کتاب اللمع سے لگاؤ تھا، فارسی کتب تصوف میں "کشف المحجوب" اور "فوائد الفوائد" کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ کثیر علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، اوران کی کتب کو سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔

ان کتب تصوف کے علاوہ درس قرآن وحدیث کا بھی سلسلہ رہتا، جید علماء آپ کی محفل میں بیٹھنے کو فخر سمجھتے۔ بلند پایہ صوفی اپنی حاضری کو سعادت جانتے۔ مختلف علوم کے ماہرین اپنے علوم میں استفادہ کرتے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کی تالیف مثنوی شریف سے بھی خاص لگاؤ تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا تھا حضرت پیر طریقت علامہ ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ میرے ساتھ ایک مولانا بغرض سلام وزیارت حاضر ہوئے یہ مولانا میرے مسلک کے نہیں تھے۔ آتے ہی چند لمحہ بعد مولانا رومی علیہ الرحمۃ کے اس مصرعہ۔ "اولیاء اللہ اللہ اولیاء پر برہم ہو گئے اور تنقید شروع کردی کہ اس مصرعہ میں مولانا نے توحید کی حدود کو توڑ دیا ہے کہ فرماتے ہیں "اولیاء اللہ ہیں اور اللہ اولیاء ہے"، آپ نے دلائل الخیرات سے ذرا توجہ ہٹا کر فرمایا مولوی صاحب! آپ کو غلط فہمی ہو گئی۔ مولانا رومی تو اولیاء پر تعجب فرما رہے ہیں۔

"اولیاء ——— اللہ اللہ ——— اولیاء

اللہ اللہ اولیاء کے مقام کا کیا کہنا، اس جواب پر مولانا خاموش ہو گئے۔ راہِ قرد ا

تفسیر سورہ القلم اور میلاد نامہ کے مطالعہ سے بھی آپ کے علمی مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ہمعصر علماء کی عقیدت مندی

تمام معاصر علماء و مشائخ آپ کو محبت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سے ملاقات کرنے کے لیے حزب الاحناف

لاہور تشریف لائے۔ اس وقت امام المحدثین یہ حدیث بیان کر رہے تھے:

"النظر الی علی عبادۃ" (الصواعق المحرقہ، ص ۱۲۳)

ترجمہ۔ علی مرتضیٰ کی زیارت عبادت ہے۔

حضرت میاں صاحب نے بے ساختہ فرمایا، حضرت یوں کیوں نہیں کہتے:

"دیدار علی عبادت ہے"

کرامات

ظہور کرامت دلیل ولائت نہیں مگر ولایت اللہ کی وہ امانت ہے جو کرامتوں کے ظہور کے لیے اولیار و اتقیا کے سپرد کی جاتی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ جب بندہ کثرت نوافل کے ذریعے منزلِ قرب تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں اپنے محبوب بندے کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ میں بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں بندے کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے غرض لعطائے الٰہی اولیاء اللہ کو جو مراتب کمال، جو عظمت و جلال، جو خوارق و عادات اور فیوض و برکات نصیب ہوتے ہیں وہ یادگار ابد آثار کے طور پر ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ حضرت میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی بعض کرامات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ آپ کی دعا کا اثر

میاں عبدالعزیز صاحب چک ۵/۵۔ ایل نے بتایا کہ انہوں نے ہندوستان میں ایک بدکردار ظالم سکھ تھانیدار کو قتل کر دیا، گرفتاری ہوگئی، نو ماہ تک مقدمہ چلا۔ آخر شمشیر سنگھ نامی سیشن جج نے پھانسی کا حکم سنا دیا۔ ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی جو مسترد ہوگئی اور پھانسی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ میاں عبدالعزیز کو تختۂ دار پر لٹکائے جانے میں صرف دو دن باقی تھے، موت سامنے دکھائی دے رہی تھی اور لقمہ بنانے کے لیے تیزی سے دوڑتی آرہی تھی، موت اتنی قریب پہنچ گئی کہ میاں عبدالعزیز اور موت کا درمیانی فاصلہ دو دن سے گھٹ کر چند گھنٹوں کا رہ گیا۔ اونگھ آگئی تو میاں عبدالعزیز نے اپنے کو تختہ دار پر دیکھا اور گھبرا گیا۔ عین اسی گھبراہٹ میں حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور جلال میں فرمانے لگے "اسے ہرگز پھانسی نہیں دیا جائے گا ہم دیکھیں گے کہ اسے کون پھانسی دیتا ہے؟" اتنا میں پھانسی کے رسہ کو ڈنڈا مار کر توڑ دیا۔ میاں عبدالعزیز کی

آنکھ کھل گئی۔ اسی رات کے پچھلے حصہ میں سپرنٹنڈنٹ جیل نے اطلاع دی کہ قتل کے ملزم عبدالعزیز کو بری کر دیا گیا ہے۔

۲۔ ابدال کی حاضری

سید چراغ محمد شاہ صاحب نے بتایا کہ میاں شیر محمد موضع میانہ تحصیل مکتر کا مال چوری ہوگیا۔ میاں شیر محمد حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کے ہاں حاضر ہوئے اور گم شدہ مال کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے بہشتی دروازہ کے سامنے کھڑے ہوکر دعا فرمائی، جب واپس ہوئے تو ایک مجذوب نے میاں صاحب کو بلایا اور کہا جاؤ تمہارا مال مل گیا ہے، تمہارے اس سلسلہ میں مجھے میاں علی محمد خاں صاحب نے بلایا تھا کام ہوگیا ہے۔ اب واپس جارہا ہوں۔

میاں شیر محمد صاحب واپس گھر پہنچے تو مال مل چکا تھا۔

۳۔ روحانی رہنمائی کا ایک واقعہ

سید چراغ شاہ صاحب قصوری نے بتایا۔ "ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ براستہ عراق سفر حجاز پر روانہ ہوئے۔ بصرہ کے قریب ایک جنگل میں قافلہ راستہ بھول گیا سبھی پریشان ہوئے، حضرت میاں صاحب سے پریشانی عرض کی گئی۔ آپ نے لمحہ بھر کے مراقبہ کے بعد فرمایا، گھبرائیے نہیں راستہ مل جائے گا، چنانچہ رات کی تاریکی میں ایک شخص آیا اور قافلہ کو راہ پر لگا کر حضرت میاں صاحب سے سلام کرتا ہوا چلا گیا۔

۴۔ حج کے لیے دعا کی قبولیت

میاں نیاز محمد خاں لائل پوری نے بتایا کہ انہوں نے حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ سے سفر حج کے لیے بارہا دعا کی درخواست کی۔ آپ خاموش رہے۔ ایک دن تنہائی میں حضرت کے پاؤں دبا رہے تھے اور آہستہ سے عرض کر دی آج تو مہر لگادیں کہ پریشانی دور ہو تو آپ نے دائیں ہاتھ کی مٹھی بند کر کے زمین پر ماری اور فرمایا "اچھا بھئی! مہر لگادی ہے"۔ میاں نیاز محمد خاں اس خوشی میں باہر نکلے تو سامنے محمود احمد خاں لاہوری کھڑے تھے۔ ان سے کہا محمود بھائی، شہنشاہ موج میں ہیں۔ حج پر جانا ہے تو جلدی کر د مہر لگوا لو، چنانچہ وہ اندر آئے

عرض کردی۔ حضرت میاں صاحب نے پھر حسب سابق مٹھی زمین پر ماری اور فرمایا، بہتری ہو گی۔"
اس دن تھوڑی دیر بعد میاں نیاز محمد کو لائل پور سے فون آیا کہ کراچی سے جدہ کے لیے تمہارا ٹکٹ ولائت سے پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات کو سرزمین حجاز کی حاضری نصیب ہوئی۔

۵۔ خیر و برکت کا ایک واقعہ

حاجی محمد عبداللہ خاں صاحب (اسلحہ والے) ساہیوال نے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک وقت اُن پر ایسا گزرا، مالی حالت کمزور تھی۔ تین سال تک دکان بند رہی۔ اس عرصہ میں بارہا حضور میاں صاحب کے ہاں حاضری ہوئی مگر دعا کے لیے عرض نہ کر سکے۔ تین سال بعد ایک حاضری پر دل میں خیال گزرا کہ حضرت میاں صاحب قبلہ میری پریشانی کا کوئی علاج نہیں فرماتے تو فوراً شیخ کامل نے بھی شکوہ پر اطلاع پاتے ہی فرمایا! "عبداللہ خاں جاؤ دکان کھولو!" حاجی صاحب نے عرض کی حضور میرے پاس تو بجلی کا بل ادا کرنے کی ہمت نہیں، فرمایا جاؤ دوکان کھولو"۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ تعمیل حکم میں میں نے آتے ہی دوکان کھولی۔ فوراً ایک شخص آیا اور ایک پرانی بندوق کا مطالبہ کیا جو دس سال میں نہ بک سکی تھی۔ اس نے آٹھ سو روپے بخوشی ادا کیے بعد ازاں مسعود برادرز والوں نے پرانی گولیاں مانگیں جو موجود پڑی تھیں اور حاجی صاحب کے خیال میں بے کار تھیں وہ بک گئیں۔ کچھ دیر بعد ۶/۹۰ آر کے ایک صاحب عبدالمجید نامی دس ہزار روپے کا چیک لائے اور حاجی صاحب سے کہا یہ رقم لے لو اور کام چلاؤ۔ تین ماہ بعد حاجی عبداللہ خاں صاحب نے عبدالمجید سے پوچھا، بھائی تم نے دس ہزار روپیہ بغیر میرے مطالبہ کیے مجھے کیسے دے دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے حضور میاں صاحب کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم فرمایا! جاؤ! عبداللہ خاں کو رقم کی ضرورت ہے، دے دو! تمہاری رقم ضائع نہ ہو گی۔ ایک ہی دن میں ۱۳ ہزار روپیہ ملا اور دکان کا کاروبار چل نکلا۔ (شہباز قدس ص۴۹)

عبادت و ریاضت

حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ "الذین یبیتون لربھم سجدًا وقیاما" کی عملی تفسیر تھے"۔ شہباز قدس میں ہے۔ رات کے آخری حصے میں بیدار ہوتے اور صبح چاشت تک پورا وقت تلاوت اور وظائف میں گزرتا۔ بارگاہ رب العزت

میں عاجزی وانکساری میں بسر ہوتا۔اسی دوران ختم خواجگان، سبقات عشر اور دوسرے وظائف جاری رہے۔ ہلکا سا ناشتہ کے بعد دلائل الخیرات شریف کا ورد ہوتا۔ جو پورا دن جاری رہتا۔ "دلائل الخیرات" شریف کی تلاوت سے تو خاص شغف تھا۔ یومیہ منزل کے بعد پورا ختم فرماتے۔ دلائل الخیرات کی کثرت تلاوت سے واضح ہے کہ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عقیدت ومحبت تھی۔ اگر کبھی محفل قوالی میں شمولیت ہے تو بھی دلائل الخیرات کی تلاوت جاری ہے۔ نماز ظہر کے بعد کھانا تناول فرماتے اور ایک گھنٹہ آرام کے بعد پھر نماز عصر بعدازاں ختم خواجگان، بعد نماز مغرب صلوٰۃ اوابین، حفظ الایمان اور حاضرین کے مسائل حل فرماتے ۹۵ برس کی عمر میں رمضان المبارک میں ۳،۳ پارے تراویح میں سننا۔ اور بقیہ رات اوراد و وظائف میں گزارنا کوئی معمولی ریاضت نہیں ہے:

پاک پتن میں قیام تقسیم ملک کے بعد آپ لاہور تشریف لائے۔ تقریباً دو ماہ بعد پاک پتن تشریف لائے۔ اور تادم حیات وہیں قیام پذیر رہے۔

تصانیف حضرت میاں صاحب قدس سرہ سے ذکر وفکر اور رشد و ہدایت کی بے انداز مصروفیات کے باوجود تین رسالے یادگار ہیں۔

(۱) راہ فردا۔ (۲) تفسیر سورۂ نون المعروف بہ میلادنامہ

(۳) مکتوب در مسئلہ وحدۃ الوجود

اولاد آپ کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ صرف دو صاحبزادیاں تھیں جو صاحب اولاد ہیں۔

وصال آپ کا وصال بروز منگل ۱۵ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء کو لاہور میں دوسرے دن تین بجے بعد نماز ظہر حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کی خانقاہ شریف میں نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں علماء ومشائخ کی کثیر تعداد کے علاوہ ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ ان کی آخری آرام گاہ حضرت خواجہ گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ شریف میں بنائی گئی۔

حضرت جلال الدین چشتیؒ

وصال ۱۹۸۲ء مزار کھارادر کراچی سندھ

آپ باکمال عالم دین صاحب طریقت وشریعت تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں ہر لحاظ سے کامل تھے۔

خاندان آپ کے والد گرامی سید عبدالشکور بڑے زاہد و عابد مسلمان تھے۔ ہمہ وقت اللہ کی طرف رجوع رکھتے۔ آپ کی والدہ کا نام نامی بی بی برکت فاطمہ تھا۔ جن کی شادی ۱۹۱۰ء میں سید شکور صاحب سے ہوئی۔ آپ کا تعلق سادات سے تھا جو عہد مغلیہ میں ہندوستان میں آئے اور ضلع بجنور کے قصبہ سنہپور میں آباد ہو گئے۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۹۱۵ء میں ضلع بجنور ہی میں اپنے گاؤں سنہپور میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے پیدائشی قصبہ ہی میں حاصل کی اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد ۱۲ سال کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگرے چلے گئے۔ آگرہ اس دور میں دینی علوم و فنون کا بہت اہم مرکز تھا۔ پہلے وہاں قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عمدیہ آگرہ میں درس نظامی میں داخلہ لے لیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ آخر ۱۹۲۸ء میں مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی۔ جن اساتذہ سے آپ نے ظاہری علوم کی تکمیل کی ان میں حضرت علامہ محمد روشن دین کا نام سر فہرست ہے۔

بیعت علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے دور کے ولی کامل حضرت حاجی سید آل حسن سے بیعت کی سید صاحب سلسلہ چشتیہ صابریہ کے صاحب حال و قال بزرگ تھے۔

کراچی میں قیام تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے پاکستان میں کراچی شہر کے مشہور علاقہ کھارادر میں قیام کیا اور اسی علاقے میں او کھائی میمن مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دینے لگے۔

تبلیغ دین آپ نے اپنے علاقے میں ۳۴ سال تک تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔ عرصہ دراز تک بعد نماز عشاء درس قرآن وحدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ مسائل شریعت وطریقت یعنی عشق جذب فناء و بقا عدم و وجود منازل عشق بڑے دلکش اور آسان پیرایہ میں سمجھا دیا کرتے تھے۔ حضرت جلال الدین چشتی کی اس پر آشوب دور میں سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ اتباع سنت کا کامل نمونہ تھے۔ چھوٹی سے چھوٹی سنت کو بھی ترک نہ فرماتے تھے۔ آپ کے دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

وصال آپ کا وصال ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق ۸ اپریل بروز جمعرات ہوا۔

مزار اقدس آپ کے وصال پر ہزاروں مریدوں اور عقیدت مندوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی نماز جنازہ کی امامت قاری صلح الدین نے کرائی۔ آپ کا مزار کھارادر کراچی میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت سید جلال الدین بخاری سہروردیؒ

وصال ۶۹۰ھ۔ مزار اوچ شریف پنجاب

حضرت جلال الدین بخاریؒ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے جدامجد تھے اور اپنے دور کے ان نامور بزرگوں میں سے ہیں جو بخارا سے پاک سرزمین میں تشریف لائے اور یہاں علم وعرفان کی شمع روشن کی۔

نام آپ کا اسم گرامی سید جلال الدین اور لقب جلال سرخ تھا۔ والد ماجد کا نام سید ابوالموید علی تھا آپ کی والدہ سلطان محمود بادشاہ توران کی صاحبزادی تھی۔

شجرہ نسب آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام علی نقی سے ملتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

حضرت سید جلال الدین میر سُرخ بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر بن سید محمد، بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر، بن سید جعفر ثانی بن امام والاکرام امام علی نقی علیہ السلام۔

سید علی اصغر کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک سید عبداللہ دوسرے سید اسماعیل سید عبداللہ سید جلال سرخ کے جدامجد تھے۔ اُچ کے بخاری سادات انہیں کی اولاد سے ہیں۔

پیدائش آپ کی پیدائش ۵۹۰ھ میں بخاری خاندان میں ہوئی۔ آپ کی پیشانی پر آثار صالحیت بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ کیونکہ آپ عام بچوں کی طرح کھیل کود سے بالکل لاتعلق تھے۔ آپ بڑے ہونہار تھے اور تعلیم کی طرف بہت راغب تھے۔

بھکر میں آمد آپ سب سے پہلے بھکر تشریف لائے اور وہاں رہائش اختیار کی کچھ عرصہ کے بعد آپ بھکر چھوڑ کر ملتان آ گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بھکر چھوڑنے کی وجہ برادری کا لڑائی جھگڑا تھا۔ لہٰذا آپ نے اس جھگڑے سے کنارہ کشی اختیار کی، مگر آپ کے رشتہ دار بھکر ہی میں رہے اور رشتہ داری کے تعلق کی وجہ سے کبھی نہ کبھی آپ کو بھکر جانا ہی پڑتا تھا۔

بیعت ملتان کے قیام کے دوران آپ نے سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور تیس سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے اور ہر طرح کی اطاعت بجالاتے رہتے۔

خلافت قیام ملتان کے دوران آپ نے بہت عبادت اور مجاہدہ کیا۔ دن رات کا بیشتر حصہ یادالٰہی میں گزارتے۔ اور مرشد کی صحبت میں خوب فیوض و برکات حاصل کیے

حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی نے دیکھا کہ جب آپ ہر طرح سے کامل ہو گئے ہیں تو انہیں خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

میر علی شیر قانع کی مشہور کتاب تحفۃ الکرام میں ہے کہ :۔

سید جلال بخاری جنہیں سید جلال سرخ کا لقب حاصل ہے وہ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کے مرید اور یار ہیں، یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے ہیں۔ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی، شیخ فریدالدین۔ سید عثمان مروندی لعل شہباز اور سید جلال سرخ۔

تاریخ فرشتہ میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ جلال سرخ بخاری اپنے مرشد شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا ملتانی کی خانقاہ ملتان میں مقیم تھے۔ ان دنوں گرمی کا موسم تھا۔ سخت لو چل رہی تھی۔ اس وقت ان کو بخارا کی برف یاد آئی حضرت شیخ الاسلام نے صفائے باطن سے معلوم کر لیا۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ تھوڑی دیر میں بادل آیا، اولے پڑے اور حضرت جلال سرخ اپنی مراد کو پہنچے۔

شادی بھکر کے قیام کے دوران وہاں کے ایک مشہور امیر سید بدرالدین کی چھوٹی لڑکی سے آپ کا نکاح ہوا۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ اس نکاح کی بشارت سے خواب میں سید بدرالدین بھی نوازے گئے تھے۔ اس بشارت کے بعد بدرالدین نے فوری اپنی لڑکی آپ کی زوجیت میں دے دی۔

اوچ میں قیام حضرت جلال سرخ اپنے مرشد شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا ملتانی کے انتقال کے بعد کچھ دنوں اور ملتان میں رہے اور پھر اپنے مرشد زادہ شیخ صدرالدین عارف کی اجازت و حکم سے اوچ میں سکونت پذیر ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت جلال سرخ کا اوچ میں آنا جانا ان کے مرشد کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ مگر وہاں مستقل سکونت حضرت عارف کی اجازت سے اختیار کی۔ اس وقت اس مقام کا نام دیوگڑھ تھا۔ اور یہاں کا راجہ دیو سنگھ تھا۔ جو حضرت کے رعب سے بھاگ گیا اور اس مقام کا نام اوچ ہو گیا۔ اوچ میں محلہ بخاریاں آپ کی بعثت ہی کی وجہ سے آباد ہوا آپ کی بدولت اُوچ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی، اور گرد و نواح میں اسلام کو

تقویت حاصل ہوئی۔

تبلیغ دین

حضرت جلال سرخ نے اوچ میں قیام کے بعد اصلاح و تبلیغ کا کام پوری مستعدی کے ساتھ شروع کر دیا۔ علاقہ اوچ کی اقوام چدہر، ڈاہر، سیال اور وارم وغیرہ نے حضرت کی ہدایت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس علاقہ کا ایک راجا گھلو بھی حضرت جلال سرخ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوا۔ جس کی اولاد ٹھٹھہ گھلوان، اوباوڑہ جھنڈ میانی، بیٹو واہی، چوٹالہ، خانواہ، ملک پور اصبراہ، کرم علی والا اور سعد اللہ پور (ضلع ملتان) کے مواضعات میں پھیلی ہوئی ہے۔

پھر آپ نے پنجاب میں شہر جھنگ سیالاں کی بنیاد ڈالی اور کچھ عرصہ مغربی پنجاب میں اعلائے کلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے اور آپ کی سعی سے راجپوتوں کے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا۔ نو مسلموں کی آپ تربیت بھی کرتے اور انہیں دینی مسائل اور اصولوں سے آگاہ کرتے۔

اولاد

حضرت جلال سرخ کے چار صاحبزادے تھے، جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) سید علی (۲) سید جعفر (۳) سید محمد غوث (۴) سید احمد کبیر

حضرت سید احمد کبیر کے دو صاحبزادے سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت اور سید راجو قتال وہ آفتاب ولایت تھے جنہوں نے ہند و پاکستان کی سرزمین کو اپنی نورانیت سے منور کر دیا۔

وصال

تقریباً بچانوے سال کی عمر میں ۱۹ جمادی الاول مطابق ۲۰ مئی ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء کو حضرت جلال سرخ بخاری کا وصال ہوا۔

مزار اقدس

اس زمانے میں اوچ ایک وسیع قصبہ تھا اور حضرت جلال سرخ بخاری کا قیام اس موقع پر تھا جو موجودہ اوچ سے چھ کوس کے فاصلے پر چاپ رسول پور کے نام سے مشہور ہے اور وہیں پر دفن ہوئے مگر دریا کی طغیانی کی وجہ سے حضرت جلال سرخ کے جسد مبارک اس جگہ پر منتقل کیا گیا جو سیونک بیلا کہلاتی ہے۔ یہاں بھی دریا کی طغیانی نے مزار پر حملہ کیا پھر یہاں سے دوبارہ جسد کو نکال کر صدر الدین راجو قتال کے

مزار کے متصل دفن کیا گیا۔ پھر مخدوم حامد نوبہار اول نے ۱۰۲۶ھ میں یہ ارادہ کیا کہ حضرت کے جسد کو راجو قتال کے مقبرے سے نکال کر علیحدہ دفن کیا جائے۔ اس سلسلے میں جنگ و جدال تک نوبت پہنچی۔ چوتھی مرتبہ حضرت جلال سرخ کے جسد پاک یہاں سے نکال کر اس موقع پر دفن کی گئی۔ جہاں اب مزار ہے۔

حضرت کے مقبرہ کی موجودہ عمارت کو ۱۲۶۱ھ میں نواب بہاول خاں ثالث رئیس بہاولپور نے نہایت پائیدار صورت میں بنوایا۔ مقبرہ کے احاطے میں ایک کنواں اور تالاب بھی کھدوایا۔ پھر ۱۳۰۱ھ میں نواب صادق محمد خاں رابع نے اس کی مرمت، وسعت اور خوبصورتی کا اہتمام کیا۔ مقبرے کے دروازے پر یہ رباعی درج ہے۔

یارب برسالت رسول الثقلین   یارب بغزا کننده بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن درعرصات   نیمے بہ حسن بخش و نیمے بہ حسین

سلطان التارکین حضرت مخدوم حمید الدین حاکم رح

وصال ۷۳۷ھ مزار مبارک رحیم یار خاں پنجاب

سلطان التارکین مخدوم حمید الدین حاکم علیہ الرحمۃ ان بزرگ ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے فقر و درویشی کی ادائے کجکلاہی اور شان بے نیازی پر حکومت دامارت کے ظاہری طمطراق کو قربان کر کے دنیا اور اہل دنیا کے لیے ایک مثال قائم کی تھی۔

نام آپ کا اسم گرامی شیخ حمید الدین، کنیت ابو حاکم اور لقب سلطان التارکین تھا۔ آپ نے بھی بیس سال اس علاقے پر بادشاہی کی اور بکمال عدل وانصاف دادِ حکومت دی آخر روحانیت کا رنگ ایسا چڑھا کہ سب کچھ تیاگ کر درویشی کا طریق اختیار کیا اور دلوں کی دنیا کے فاتح اعظم بن گئے۔ اس "قلندری و قباپوشی و کلہ داری" کی خوش نہاد رسم کو اختیار کرنے کے بعد آپ سلطان التارکین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حسب نسب آپ کا آبائی نسب صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسفیان حارث سے ملتا ہے۔ آپ کے جدامجد سلطان قطب الدین کیچ مکران کے بادشاہ ہے۔

آپ کے نانا حضرت سید احمد توختہ جیسے جلیل القدر درویش تھے۔ سید احمد توختہ نے ہندوستان آتے ہوئے اپنی صاحبزادی بی بی حاج کی شادی سلطان قطب الدین کے صاحبزادے سے کر دی تھی۔

ولادت سلطان التارکین ابوالمغیث شیخ حمیدالدین کی ولادت باسعادت ۲ ربیع الاول ۵۷۰ھ میں ہوئی۔

شجرہ نسب آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرتِ ابوسفیان بن حارث سے جا ملتا ہے۔

شیخ حمیدالدین بن سلطان بہاءالدین بن سلطان قطب الدین بن سلطان رشید الدین بن سلطان ابوعلی بن شیخ المشائخ شیخ موسیٰ ہنکاری بن شیخ ابوطاہر بن شیخ المشائخ ابراہیم ابوالحسن علی ہاشمی ہنکاری بن شیخ محمد ہنکاری بن شیخ یوسف ہنکاری بن شیخ شریف عمر بن شیخ شریف عبدالوہاب بن حارث قریشی۔

بچپن آپ کی عمر ابھی تین ہی سال کی تھی کہ آپ کے دادا سلطان قطب الدین نے وفات پائی اور آپ کے والد سلطان بہاءالدین مسند حکومت پر بیٹھے، بارہ سال کی حکومت کے بعد سلطان بہاءالدین نے تخت وتاج اپنے بھائی سلطان شہاب الدین کے حق میں چھوڑ کر درویشی اختیار کی۔ سلطان شہاب الدین کی حکومت کو دو سال ہی گزرے تھے کہ انہوں نے وفات پائی۔ سلطان شہاب الدین کے دو صاحبزادے امیر ابوالبقا اور ملک سرور بالکل بچے تھے، اس لیے تخت سلطنت پر شیخ حمیدالدین بیٹھے، تقریباً آپ اکیس سال تک نہایت عدل وانصاف سے بادشاہی کرتے رہے۔

ترکِ سلطنت آخر آپ نے ترک سلطنت کر کے اپنی جگہ اپنے چچازاد بھائی امیر ابوالبقا کو تخت شاہی پر بٹھایا۔

"تذکرہ کرام" میں آپ کے ترک سلطنت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ حمیدالدین اپنی حکومت کے زمانے میں دوپہر کو ایک باغ میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ اس باغ اور محل کی نگرانی اور آپ کی خدمت فرش گستری نوزینت نامی ایک لونڈی کے سپرد تھی جو ہمیشہ آپ کا بستر بچھاتی تھی۔ ایک دن شیخ حمیدالدین آرام کے لیے اس محل میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ آپ کے بستر پر نوزینت لونڈی سو رہی ہے، یہ دیکھ کر آپ کو بے حد غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس لونڈی کے سزا کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی فوری تعمیل ہوئی اور لونڈی کے کوڑے لگائے جانے لگے لیکن وہ بجائے آہ و بکا کے ہر کوڑے پر ہنستی تھی۔ آپ کو لونڈی کی اس حرکت پر تعجب ہوا۔ یہ بات آپ کو زیادہ ناگوار معلوم ہوئی اور آپ نے غضب ناک ہو کر کہا کہ:۔

"اے بدتمیز اگر تو نے اس بے جا ہنسی کی وجہ نہ بتائی تو ابھی تیری گردن مار دی جائے گی۔"

اس تنبیہ پر کنیز نے بصد ادب عرض کیا کہ

"حضور میں قادر مطلق کی نیرنگی پر ہنس رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں کہ اس بستر استراحت پر چند لمحے سونے کی سزا مجھے تو دنیا میں ہی مل گئی لیکن جس نے تمام عمر اس پر استراحت فرمائی ہے۔ قیامت میں اس کا کیا حال ہو گا۔"

کنیز کا یہ فقرہ سن کر سلطان حمیدالدین کے ہوش اڑ گئے۔ آپ نے اسی وقت کنیز کو آزاد کر دیا۔ لیکن خود رات بھر مبتلائے فکر فردا رہے۔ رات کی اس گرانجانی کو دور کرنے کیلیے صبح آپ نے پھر سیر و شکار کا ارادہ کیا۔ لیکن رات کے واقعہ کو آپ جتنا دل سے نکالنے کی کوشش کرتے اتنا ہی وہ جاگزیں ہوتا جاتا تھا۔ اسی اثنا میں ایک ہرن آپ کو نظر آیا۔ آپ نے اس کا تعاقب کیا۔ ابھی اس پر تیر چلانے ہی والے تھے کہ وہ ایک قبر کے سوراخ میں گھس گیا۔ آپ حیران ہوئے کہ ہرن خلاف معمول زمین میں کیوں گھس گیا۔ اس تجسس میں آپ نے گھوڑے سے اتر کر زمین کھودی لیکن ہرن کا کہیں نشان نہ ملا۔ البتہ ایک تازہ میت نظر آئی جس کی پیشانی پر ایک بچھو بیٹھا تھا۔ بچھو کی نیش زنی سے میت کے اعضاء کھنچتے ہوئے معلوم

ہو رہے تھے۔ آپ نے ازراہ تراحم گوشہ کمان سے بچھو کو اٹھا کر پرے پھینک دیا، مڑ کر دیکھا تو بچھو پھر موجود تھا۔ تین بار آپ نے بچھو کو وہاں سے ہٹایا لیکن وہ ہر بار وہیں نظر آتا رہا۔ آپ اسے عذاب الٰہی سمجھ کر وہاں سے آ گئے۔ اور گاؤں والوں سے دریافت کیا کہ یہ قبر کس کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ گاؤں کے رئیس کی قبر ہے۔ رئیس کا نام سن کر آپ کے دل میں کنیز کے فقرے کی چبھن اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا دنیا اور علائق دنیا سے آپ کی بے زاری بڑھتی جاتی تھی۔ اس کیفیت نے بالآخر آپ کو ترک سلطنت کر کے تجرید و تفرید کا جامہ پہننے کی طرف راغب کیا۔

لاہور میں قیام

اس انقلاب حالات کے بعد آپ حضرت سید احمد توختہ کی خدمت میں لاہور تشریف لے گئے۔ حضرت سید احمد توختہ آپ کے نانا اور والد گرامی کے مرشد تھے۔ آپ نے انہیں اپنی دلی کیفیت سنائی جنہوں نے کمال شفقت سے آپ کی دلجوئی کی اور مختلف اوراد و وظائف پڑھنے کی تلقین کی۔

حضرت بہاء الدین کی بارگاہ میں

بعد میں ان کے ہی اس ارشاد گرامی کی تعمیل میں کہ "تیرا باقی نصیبہ خاندان سہروردیہ میں مقرر ہے" آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ "تجھے فیض روحانی فرزندم بہاء الدین ذکریا کے پوتے رکن الدین سے حاصل ہوگا۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا یہ ارشاد گرامی سن کر آپ واپس تشریف لے گئے اور منزلیں طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جو مومبارک کہلاتا ہے۔ یہاں ایک فرازی کے مقام پر آپ نے قیام کیا۔ کسی لطیفۂ غیبی کے منتظر تھے کہ ملتان میں شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ سے ملاقات کی صورت نکل آئی۔ حضرت شیخ آپ سے ملاقات کر کے بے حد محظوظ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اب آپ کو کسی ایسے شخص سے بیعت کر لینی چاہیے جس کو آپ کا دل پسند کرے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا پیر ابھی عالم وجود میں نہیں آیا ہے۔ اس کے ظہور کا منتظر ہوں حضرت شیخ نے دریافت کیا کہ وہ کونسا باکمال پیر ہوگا۔ جس کی ارادت آپ جیسے پاک باطن کریں گے آپ نے کہا کہ وہ شیخ صدر الدین کے فرزند رکن الدین نامی ہوں گے۔

یہ نام زبان پر آتے ہی آپ پہ رقت طاری ہوگئی۔ حضرت شیخ الاسلام پہ بھی وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے بعد سے حضرت سلطان التارکین پر حضرت شیخ الاسلام بے حد توجہ اور شفقت فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ مخدوم زادی آپ کے عقد میں دے دی اور بوقت رخصت اپنا خرقہ بھی آپ کو عنایت کیا۔

حضرت شاہ رکن عالم کی بیعت

آپ مُومبارک واپس آکر اپنے پیر کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک دن حضرت شیخ رکن الدین رکن عالم رح کی ولادت باسعادت کی خبر پہنچی۔ اس خبر کو سنتے ہی آپ دیوانہ وار ملتان کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور وہاں پہنچ کر طفل شیر خوار کے ہاتھ میں قینچی دے کر شرط "حلق" پوری کی۔ اور اس طرح خود کو ان کے دامنِ ارادت سے وابستہ کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے یہ عجلت اس لیے کی کہ کہیں مرشد کے سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے میری عمر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے"۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۰ برس کی تھی لیکن جب تک حیات رہے پیر کی خدمت میں نہایت سعادت مند مریدوں کی طرح حاضر ہوتے رہے۔ خدا کی قدرت دیکھیے آپ اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہے اور مرشد کی وفات بھی آپ کے سامنے ہی ہوئی۔

چونکہ سلطان حاکم نے بڑی طویل عمر پائی تھی اس لیے آپ نے مختلف سلطنتوں کا عروج و زوال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شہاب الدین غوری سے لے کر محمد تغلق تک تقریباً ایک درجن بادشاہتیں سرزمین ہند پر قائم ہوئیں۔ یہ سارا عرصہ پونے دو سو سال پر محیط ہے۔ حضرت سلطان التارکین کی عمر بھی کم و بیش اتنی ہی ہوئی اور اس عرصہ میں قائم ہونے والی تمام بادشاہتوں کا بناؤ اور بگاڑ آپ کی نظروں کے سامنے سے گزرا۔ وہ خود تاج و تخت پر لات مار چکے تھے اس لیے بادشاہتوں کے اتار چڑھاؤ میں ان کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ انھوں نے امراء و سلاطین سے کسی قسم کی راہ و رسم بھی نہیں پیدا کی بلکہ ایسے لوگوں سے ملنے سے ہمیشہ گریزپا ہی رہے۔ ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ سلطان عادل نے آپ کی خانقاہ کے لنگر کے لیے ۸۰ گاؤں آپ کی نذر کیے لیکن آپ نے فرمانِ شاہی یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ "غنا سے فقیری اچھی ہے"۔

غیاث الدین سے ملاقات

شیخ عثمان سیاح روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان غیاث الدین تغلق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اپنے خرقے میں پیوند لگا رہے تھے۔ بادشاہ نے دست بوسی کے وقت کچھ کراہت محسوس کی۔ اسی وقت بادشاہ کے پیٹ میں اتنا شدید درد اٹھا کہ وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ آخر صورت حال کو بھانپ کر اس نے معافی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا آدھی بادشاہی لکھ دو گے تو افاقہ ہوگا۔ بادشاہ نے منظور کر لیا۔ آپ نے اس کے پیٹ پر اپنا چوتار رکھ دیا جس کے معاً بعد ہوا کا اخراج ہوا۔ اور درد ختم ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ نصف بادشاہی مبارک! آپ مسکرائے اور فرمایا جس شے کی قیمت ایک گوز ہو میں اسے کس طرح قبول کر سکتا ہوں۔

سلطان التمش کی عقیدتمندی

بہاولپور گزیٹیر میں ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے ملتان اور بھکر کے درمیان ایک بڑی جاگیر آپ کو دی۔ انہی دنوں آپ کو اوچ شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص سید بدیع الدین جسے ایک چاہ بطور جاگیر ملا تھا، شراب پی کر مدہوش پڑا تھا۔ آپ نے اسے اس حال میں دیکھ کر فرمایا کہ جب ایک چاہ کی جاگیر کا یہ بد اثر ہے تو بھلا اتنی جاگیر جو مجھے ملی ہے، میری اولاد کی بربادی کا سبب کیسے نہیں بنے گی لہذا آپ نے وہیں اپنی جاگیر کا پروانہ چاک کر دیا۔

تصانیف

سلطان التارکین کا بیشتر وقت زہد و عبادت میں گزرتا تھا۔ جو وقت اس سے بچ جاتا وہ تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے۔ مولانا غلام دستگیر نامی نے شیخ شہر اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سلطان التارکین نے ۱۲۰ کتابیں تصنیف کیں جو فقہ اور تفسیر کے علاوہ دیگر علوم مثلاً علم صرف پر بھی ہیں۔ "پنج گنج" کے نام سے صرف کی جو کتاب عموماً چھپی ہوئی ملتی ہے اگرچہ اس پر مصنف کا نام درج نہیں لیکن وہ ہے حضرت حاکم کی ہی تصنیف۔ معراج نامہ اور مولد نامہ بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں جو آپ نے ہندی زبان میں قلمبند کی تھیں۔

شاعری

آپ شاعر بھی تھے۔ ایک مکمل دیوان "گلزار" کے نام سے آپ کی یادگار ہے۔ جو پیر غلام دستگیر نامی نے ۱۹۴۶ء میں طبع کرایا تھا۔ دیوان کے سرورق پر سلطان حاکم کا یہ قطعہ درج ہے جو بذات خود ایک اچھا تعارف ہے۔

پنج باب است اندریں گلزار | ہر یکے باب گنج معنی داں
شد ز انشاء حاکم درویش ! | پنج گنج اندریں یکے دیوان

پہلا باب حمد و مناجات پر مشتمل ہے۔ ہر حمد اور مناجات فنا فی اللہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ پہلی حمد کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

ایں نامہ راز دل کہ کنوں ساز می کنم | بر نام ذوالجلال سر آغاز می کنم

دیکھیے اس حمد میں کتنی روانی ہے:-

اے بادشاہ مہرباں قرباں شوم بر نامِ تو | والے کارساز بیکساں قرباں شوم بر نامِ تو
کردی وجودم از عدم در راہِ دیں ثابت قدم | از تست احساں دم بدم قرباں شوم بر نامِ تو
با معرفت تا زندہ ام فرخندہ ام تا زندہ ام | از فضل تو شرمندہ ام قرباں شوم بر نامِ تو
ز اقبال ایماں مقبلم شد جنت آرائش گلم | ذکر تو آسائش دلم قرباں شوم بر نام تو

لطف تو در شان من است حکم تو در جان من است
نام تو جانان من است قرباں شوم بر نام تو

اس حمد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام حمد میں ردیف کی پابندی کے باوجود ہر شعر کا قافیہ الگ ہے، اسے سلطان حاکم کی جدت ہی کہا جا سکتا ہے۔

حمد و مناجات کے بعد دوسرے باب میں نعتیہ کلام ہے۔ پہلے ۲۰۳ اشعار کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہے اور پھر چند نعتیں ہیں۔ ان میں بعض نعتیں فنی مہارت اور قدرتِ بیان کا بہترین نمونہ ہیں۔ مثلاً ایک نعت میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ اگر اس سے پہلے مصرعوں کے تمام پہلے حروف کو یکجا کیا جائے تو ایک مصرعہ بنتا ہے۔ چنانچہ اس ترکیب سے ایک پوری نعت سے جو نعتیہ شعر بر آمد ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

عاجزم مغلوب نفس ظالم خود ہر نفس
یا رسول اللہ مرا بہر خدا فریاد رس

ایک نعت کے پہلے مصرعوں کے پہلے حروف جوڑیں تو لا الٰہ الا اللہ، اور دوسرے مصرعوں کے پہلے حروف کو اکٹھا کریں تو محمد رسول اللہ بنتا ہے۔

اسی طرح ایک نعت کے پہلے مصرعوں کے پہلے حروف سے اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہد انّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اور دوسرے مصرعوں کے پہلے حروف سے اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ وبارک وسلم وصل علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین مرتب ہوتا ہے۔

تیسرے اور چوتھے باب میں آپ کے پیر و مرشد حضرت شیخ رکن الدین رکن عالمؒ کی مدح ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

زشوق پیر بزعم تلیدہ درمیان جہاں	خیالے گشتہ ام اندر خیال شیخ رکن الدین
بہشت آرائے آمد روئے رائے شیخ رکن الدین	بفرق عرش تاج است خاکپائے شیخ رکن الدین

پانچواں باب غزلیات اور واعظانہ کلام پر مشتمل ہے۔ چند شعر اس باب کے بھی ملاحظہ ہوں۔

مَن عاشقم سرمستم اندر دار نیندیشم	پروانہ جانبازم از نار نیندیشم
نے خویش رامن دوستم نے غیر را من دشمنم	غافل زخود یار آورد کے خویش یا بیگانہ را

آپ کا تمام کلام سوز و ساز میں ڈوبا ہوا ہے۔ حمد ہو یا نعت، مرشد کی منقبت ہو یا کوئی غزل، جذبات حقیقی کی عکاسی ہے۔ فن اور زبان پر قدرت کے نمونے بھی جا بجا ملتے ہیں۔ اگر صرف شاعر کی حیثیت سے آپ کا مرتبہ متعین کرنا ہو تو آپ کو یقیناً صف اول کے شعراء میں جگہ ملے گی۔

اولاد سلطان حاکم کی اولاد پورے پنجاب میں پھیلی ہوئی ہے۔ مئو مبارک اور میانوالی قریشیان (ضلع رحیم یار خاں) کے علاوہ مظفر گڑھ، ملتان، لائلپور، جھنگ، شیخوپورہ اور لاہور آپ کے خاندان کی آبادی کے خاص مراکز رہے ہیں۔

آپ کے دو بیٹے تھے ایک شیخ نورالدین جو حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے نواسے تھے شیخ رکن الدین کی اولاد تحصیل شاہدرہ، ننکانہ، چیچہ وطنی اور جھنگ میں آباد ہے۔ دوسرے بیٹے شیخ تاج الدین تھے جن کی اولاد مئو مبارک میں ہے۔ حضرت سلطان التارکین کی سجادگی بھی انھی کے حصہ میں آئی ہے۔ آج کل مخدوم حمیدالدین حاکم جو اپنے جد بزرگوار کی ہمنامی کا شرف بھی رکھتے ہیں، مئو مبارک کی مسند سجادگی پر متمکن ہیں۔

وصال آپ نے ۱۶۷ برس کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۷۳۷ھ کو انتقال فرمایا۔ خاندان سُہروردیہ میں آپ سب سے زیادہ طویل العمر بزرگ ہوئے ہیں آپ کو پہلے شیخ رکن الدین رکن عالمؒ

کے روضے میں دفن کیا گیا۔ بعد میں وہاں سے نکال کر موُ مبارک میں لے آئے اور یہاں سپرد خاک کر دیا گیا جو علاقہ رحیم یار خاں میں ہے۔

حضرت شیخ پیٹھا دیبلی سہروردیؒ

(وصال ۶۶۶ھ ۔ مزار۔ آری دھٹھہ)

حضرت شیخ پیٹھا سندھ کے قدیم اولیاء کرام سے ہیں جن کی کوششوں سے اس علاقے میں ہدایت و عرفان کا نور پھیلا۔ صاحب تحفۃ الکرام نے ان کی بزرگی اور کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

" اقدمِ اولیاء واکرمِ واصلانِ راہ خدا می باشد در تعریفش چہ قدم کسی راہ رود کرشمہ از والا مقاماتش بدفتر نگنجد۔ در اکثر سند ہیچ صاحب کمالی کم بر خواستہ۔"

نام ونسب

آپ کا اصل نام حسین، لقب شاہ عالم، کنیت ابوالخیر ہے۔ والد کا نام راجیار اور والدہ کا نام سلطانی (بنت مراد بن شرفو) ہے لیکن سارے سندھ میں آپ "شیخ پیٹھا" کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حسین بن راجیار بن کاھہ بن سنجیرہ ہے۔

واقعہ بیعت

حضرت شیخ پیٹھا موضع آری دھٹھہ کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں جہاں آج آپ کا مزار پُرانوار واقع ہے عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی شاہ عثمان شہباز کے ساتھ اس پہاڑ پر سے گزرے۔ انھیں بذریعہ کشف آپ کے بارے میں کچھ معلوم ہوا جس کی بنا پر حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی نے شیخ پیٹھا کو اس غار سے نکال کر اپنے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے سلسلہ سہروردیہ کا فیض عطا فرمایا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد شیخ پیٹھا صاحب ولایت بن گئے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے بے شمار لوگوں نے ظاہری اور باطنی فیض حاصل کیا آپ نے سندھ میں ہدایت وعرفان کا دریا بہادیا۔

تاریخ فیروز شاہی کا اقتباس

اردو کا سب سے پہلا فقرہ جو آٹھویں صدی ہجری ۷۶۰ھ میں سندھ میں بولا گیا وہ تاریخ فیروز شاہی میں محفوظ ہے

اور اس کی قدامت کو دیکھتے ہوئے بعضوں کو یہ گمان ہوا ہے کہ ابدو نے سب سے پہلے سندھ ہی کی سرزمین میں جنم لیا ہے۔

تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ جب پہلی مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق جام بابنیہ فرمانروائے سندھ سے شکست کھا کر گجرات گیا اور ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تو اہلِ سندھ نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اس کے جانے کے بعد خوشیاں مناتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

"برکتِ شیخ پیٹھا اک موا اک نٹھا"

"اک موا" سے ان کا اشارہ محمد شاہ تغلق کی طرف تھا جو ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا اور ٹھٹھہ ہی میں بیمار ہو کر وفات پائی۔ اور "اک نٹھا" سے ان کا اشارہ فیروز شاہ تغلق کی طرف تھا جو جام بابنیہ سے شکست کھا کر گجرات جا چکا تھا۔

اس فقرے سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سندھ حضرت شیخ پیٹھا سے کس قدر دلی عقیدت رکھتے تھے۔

وصال حضرت شیخ پیٹھا ۶۶۶ھ میں واصل الی اللہ ہوئے اور موضع آری (ٹھٹھہ) کے قریب اسی پہاڑ پر دفن ہوئے جس غار میں آپ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے آپ کا عرس ۱۲ ربیع الاول کو ہوتا ہے۔

اظہارِ عقیدت صاحب حدیقۃ الاولیاء نے اس عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جو عوام و خواص کو آپ کی ذاتِ بابرکات سے ہے، ایک طویل نظم لکھی ہے۔ جس کے چند شعر یہ ہیں:۔

شیخ پتہ از سرِ صدق و یقیں ۔۔۔ شد مرید شیخ ذکریا ایں
بعد ازاں آں گوہرِ بحرِ شہود ۔۔۔ از نقاب ختفا چہرہ کشود
ساخت عالم روشن از انوارِ خویش ۔۔۔ کردہ ظاہر درجہاں آثار خویش
بر سرِ آں کوہ مسکن ساختہ ۔۔۔ دل ز میلِ ماسوی انداختہ
مدفنِ پاکش شد اکنوں آں مقام ۔۔۔ خوش بیاسودہ دراں دار السلام
خوش مزارے فیض بخش جاں فزا ۔۔۔ دیدۂ دل را از و نور و ضیاء

قلعہ کوہش بگردوں بُردہ سر | شمسۂ قصرش محاذی با قمر
نردبانش سنگ و گچ پرداختہ | مہرہ مہرش مصقّل ساختہ
سُلّم است یا منبر نوراست ایں | یا کہ موجِ بحر کافوراست ایں
روضہ نہ بلکہ قصرے از بہشت | کز گلاب و عود و ز عنبر سرشت
از بخورِ عود و عنبر فی المثل! | حجلۂ حوراست گوئی آں محل
در سوادِ صحن او از ہر طرف | سایہ در اشجار بینی ہر طرف
چشمۂ آبِ رواں چوں سلسبیل | کآب او باشد شفا بخشِ علیل
زائراں آستانش صد ہزار | میرسد از ہر طرف لیل و نہار

رحمت ایزد تعالےٰ پے بہ پے
زآسماں منزّل بود بر روحِ وے

حضرت شیخ احمد معشوق سہروردیؒ

وصال ۹۳۳ھ ۔ مزار ملتان (پنجاب)

حضرت شیخ احمد معشوق الٰہی قندھاری سہروردی سلسلہ سہروردیہ کے معروف بزرگ حضرت صدرالدین عارف کے خلفاء میں سے تھے آپ صاحبِ مقام و بلند مراتب تھے۔ آپ کا اصل نام شیخ احمد بن محمد تھا لیکن احمد معشوق الٰہی کے نام سے مشہور ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام محمد قندھاری تھا اور آپ کی پیدائش قندھار ہی میں ہوئی۔

ابتدائی حالات

آپ نے بچپن قندھار ہی میں گزارا اور جوان ہونے پر تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا کیونکہ آپ کے والد بھی تجارت ہی کرتے تھے۔ آپ کے مالی حالات میں بہت کشادگی تھی۔ گھر میں دولت کی فراوانی تھی۔ گھر میں ہر قسم کی آسانی اور سہولت میسر تھی۔ دولت کی فراوانی کے باعث آپ جوانی میں عیش و عشرت کی طرف مائل ہو گئے۔ شراب کے

اس قدر عادی ہوئے کہ ہر وقت شراب کے نشے میں رہتے۔ آخر ایک روز تجارت کی غرض سے ملتان آئے اور بازار میں ایک دکان کرائے پہ لے کر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ اتفاق سے اُدھر سے شیخ صدرالدین عارف گزرے اور ان کی نظر آپ پر پڑی۔ جب حضرت خانقاہ میں پہنچے تو آپ نے شیخ احمد کو اپنے خادم کے ذریعہ بلوایا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گرمی کا موسم تھا۔ شیخ صدرالدین عارف کے لیے شربت لایا گیا آپ نے اس میں سے تھوڑا سا شربت پی کر شیخ احمدؒ کو دیا۔ شربت پینے کے بعد ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ دکان پر جا کر تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا۔

بیعت
شیخ صدرالدین عارفؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ میں مجاہدوں اور ریاضتوں میں مشغول ہو گئے۔ استغراق کا یہ عالم تھا کہ سات سال تک ایک کرتے اور ایک تہبند میں گزارے اور اپنے پیر و مرشد سے تربیت پاتے رہے۔ دنیا کی شراب کا نشہ ختم ہو گیا اب آنکھوں کی مے سے ہر وقت مخمور رہنے لگے کیونکہ یہ مے مرشد نے آنکھوں سے پلائی تھی۔

چلّہ
خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں۔ ایک رات چلّہ کرتے شیخ احمدؒ باہر آئے۔ سردی کا موسم تھا بہتے ہوئے پانی میں جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا الٰہی! میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہیں نکلوں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں کیا ہوں۔ غیب سے ندا آئی کہ تمھاری وجہ سے بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے۔ آپ نے کہا صرف اس بات پر اکتفا نہیں کر سکتا۔ آواز آئی کہ قیامت کے دن تمھاری عنایت کی وجہ سے بہت سے لوگ بہشت میں جائیں گے۔ شیخ احمدؒ نے کہا کہ میری اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں؟ ندا آئی کہ تمام درویش اور عارف میرے عاشق ہیں، تم ہمارے معشوق ہو۔ یہ سنکر شیخ احمدؒ پانی سے باہر آ گئے اور شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جو شخص آپ سے ملتا "السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق" کہتا۔ آپ کا سلسلہ سہروردیہ ہے۔

سلسلہ طریقت
شیخ احمد بن محمد المعروف بہ شیخ احمد معشوق قندھاری، شیخ صدرالدین عارف ملتانی، شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین سُہروردی،

شیخ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی رح، الخ

دلگداز واقعہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد زار و قطار رونے لگے۔ کسی شخص نے اس مجلس میں کہا کہ میں نے سنا ہے کہ شیخ احمدؒ نماز نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ جب ان سے کہا جاتا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے ؟ تو کہتے نماز پڑھوں گا مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس پر کہا جاتا کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز درست نہ ہوگی۔ جب ان سے اصرار کیا جاتا تو فرماتے کہ سورہ فاتحہ پڑھوں گا مگر اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ط نہ پڑھوں گا، پھر ان سے کہا جاتا کہ اس کے بغیر سورہ فاتحہ درست نہ ہوگی، اور نہ ہی نماز صحیح ہوگی۔ اب بحث و تمحیص کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ جب اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ط پر پہنچتے تو ان کے ہر بال (بُن مُو) کی جڑ سے خون جاری ہو جاتا۔ بعض دفعہ نماز مکمل کرتے اور بعض دفعہ نماز توڑ دیتے اور حاضرین سے فرماتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہے۔

نماز کا مقام فرمان الٰہی:۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ

بیشک مومن نجات پا گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے)

حدیث:۔

تَعۡبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ

اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کر جیسا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

اَلصَّلٰوةُ مِعۡرَاجُ الۡمُؤۡمِنِ

نماز مومن کی معراج ہے۔

ابتدائی قاعدہ روحانیت نماز ہے اور آخری منزل بھی نماز ہی ہے۔ اسی لیے خداوند قدوس نے دن میں پانچ وقت مختص فرمائے ہیں اور قرآن مجید میں نماز کی تاکید کے متعلق ساڑھے سات سو مرتبہ حکم فرمایا ہے۔ محشر کے دن پہلا پرچہ امتحان نماز ہی کا ہے کیونکہ نماز ہر حالت میں فرض عین ہے، ماسوائے بیہوشی کے یا فاترالعقل یا مجذوب کے۔ بیماری کی حالت میں اگر مریض کھڑا نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کر، اگر بیٹھ نہیں سکتا تو لیٹ کر، بلکہ اشارہ سے بھی نماز ادا کر سکتا ہے۔ نماز ایک مقدس فریضہ ہے۔ جو تندرستی اور بیماری میں معاف نہیں ہوتا۔ جو شخص نماز کے معاملے میں سستی کرتا ہے یا عمداً نہیں پڑھتا

وہ اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا خداوند کریم ہم سب کو نماز ادا کرنے کی نیک توفیق عطا فرمائے آمین!

وفات | آپ کا ۷۳۳ھ میں ملتان میں انتقال ہوا اور مزار ملتان میں مرجعِ خلائق ہے۔

حضرت میراں موج دریا بخاری سہروردیؒ

وصال ۱۰۱۳ھ ۔ مزار لاہور (پنجاب)

حضرت مخدوم جہاں جہانیاں جہاں گشت کے خاندان میں ولایت اور شرافت نسل در نسل کئی پشتوں تک قائم رہی سلسلہ سہروردیہ کو لاہور اور پنجاب میں پھیلانے میں آپ کے خاندان کی خدمات قابلِ ستائش ہیں، اگرچہ میراں موج دریا بخاری سہروردی کے لاہور میں تشریف لانے سے قبل لاہور میں سلسلہ سہروردیہ کافی فروغ پاچکا تھا مگر آپ کی وجہ سے یہاں اس سلسلہ کو مزید تقویت پہنچی۔

حضرت میراں موج دریا بخاری مغلیہ دور کے جلیل القدر اولیاء سے تھے۔ آپ کا اصل نام میراں محمد شاہ تھا لیکن طبیعت میں جلال ہونے کی وجہ سے جب کبھی جلال میں آکر جس پر خوش ہوتے، تو اس پر اللہ کی رحمت خاص ہوجاتی، بلکہ فضلِ باری دریا کی طرح اُمڈ آتا۔ چنانچہ اسی نسبت سے آپ موج دریا بخاری کے نام سے مشہور ہوئے۔

پیدائش اور خاندان | آپ کا خاندانی تعلق سادات اوچ سے تھا کیونکہ آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت مخدوم الدین جہاں جہانیاں جہاں گشت سے ملتا تھا۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید صفی الدین تھا آپ کے والد ولی کامل تھے۔ بلکہ آپ کے خاندان میں ولایت شرافت اور کرامت موروثی تھی۔

آپ ۹۴۰ھ بمطابق ۱۵۳۳ء میں بمقام اوچ شریف نصیر الدین ہمایوں کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔ میراں محمد شاہ بن سید صفی الدین سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن سید جلال الدین بن سید علم الدین اول بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدومِ

جہاں جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم امیر سرخ بخاریؒ۔

تعلیم وتربیت

آپ کے والد چونکہ ایک عالم دین اور بزرگ شخصیت تھے اس لیے ابتداء میں انھوں نے خود آپ کو قرآن کی تعلیم دی۔ آپ کے والد نے بچپن میں آپ کی طبیعت میں اتباعِ شریعت اور حصولِ معرفت کا شوق پیدا کر دیا۔ پھر آپ نے مختلف اساتذہ سے اکتسابِ علم کر کے اپنے ظاہری علوم کی تکمیل کی۔

حصولِ معرفت

تحصیل علم کے بعد آپ کے دل میں شوقِ حق دامنگیر ہوا تو آپ نے اپنے والد محترم کے دستِ مبارک پر سلسلہ سہروردیہ میں بیعت کے بعد اپنے والد اور مرشد کی توجہ خاص سے آپ نے بیحد ریاضت وعبادت کی۔ سارا سارا دن عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے۔ ذکر وفکر تو آپ کے روح کی غذا تھی۔ حتیٰ کہ آپ نے حصولِ معرفت کے لیے نہایت ہی سخت مجاہدے کیے لیکن آپ تھوڑے ہی عرصہ میں منزلِ مقصود کو پا گئے۔ جب آپ حقیقت ومعرفت میں پوری طرح کامل ہو گئے تو آپ کے والد نے خرقہ خلافت عطا فرمایا اور مخلوقِ خدا کو فیض رسانی کی تلقین کی۔

مقبولیت

خلافت ملنے کے بعد خلقِ خدا کی رہنمائی اور اصلاح میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی بزرگی کا چرچا گرد ونواح میں ہو گیا۔ لیکن آپکی بزرگی کی زیادہ شہرت اس وقت ہوئی جبکہ اکبر بادشاہ کے عہد حکومت میں آپ کی دعا سے چتوڑ کا قلعہ فتح ہوا۔

قلعہ چتوڑ کی فتح کا واقعہ

حضرت میراں موج دریا بخاریؒ کے زمانہ میں ایک دفعہ اکبر بادشاہ کو قلعہ چتوڑ کی مہم درپیش ہوئی۔ بہت سے امرانِ بادشاہ وہاں پہنچے لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ آخر خود اکبر بادشاہ وہاں پہنچا اور ہر چند تدبیر کی لیکن فتحِ قلعہ ممکن نہ تھی۔ بالآخر نجومیوں سے پوچھا کہ یہ قلعہ فتح نہیں ہوتا۔ بتاؤ کہ اس قلعہ کی فتح کس شخص کے نام ہے۔ نجومیوں نے بیان کیا کہ سید بخاری حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کے اوچ میں رہتے ہیں۔ اگر وہ آئیں تو یہ قلعہ ان کے نام سے فتح ہو گا لہٰذا اکبر نے اپنے مشیر بھیج کر ان کو طلب کیا اور سواری کے واسطے سانڈھنی بھیجی۔ جب وہ لوگ حضرت کی خدمت میں پہنچے اور

اکبر بادشاہ کی عرض بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ تم سانڈھنی لے کر چلو۔ ہم آپ ہی چتوڑ گڑھ پہنچ جائیں گے۔ چلتے وقت انھوں نے حضرت کا نشانِ آوری دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس روز تم بادشاہ کے لشکر میں داخل ہو گے اس روز بڑھی آندھی آئے گی۔ اور تمام ڈیرے اور قناتیں گر جائیں گی اور سب لشکر کی مشعلیں اور چراغ گل ہو جائیں گے۔ مگر ہمارے ڈیرے کا ایک چراغ روشن ہوگا۔ اور اسی چراغ کے پاس ہم بیٹھے ہوں گے۔ غرض جب وہ لوگ چتوڑ گڑھ پہنچے اور حضرت کا پیغام بادشاہ کے پاس عرض کیا تو سرِ شام سخت اندھیری آئی اور تمام خیمے اور شامیانے گر پڑے اور ہوا کی شدت سے مشعلیں اور چراغ گل ہو گئے۔ اس وقت بادشاہ حسبِ وعدہ حضرت کی تلاش کے درپے ہوا تو دور سے ایک چراغ نظر آیا۔ بادشاہ پا برہنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض تسلیم کی۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ کل کو قلعہ فتح ہو جائے گا۔ دوسرے روز حضرت خود بھی علی الصباح قلعہ کے پاس تشریف لے گئے اور تین بار بآوازِ بلند اسمِ مبارک "اللہ" زبانِ مبارک سے فرمایا۔ اسی وقت قلعہ فتح ہو گیا اس کے بعد حضرت نے اوچ کی طرف مراجعت کا ارادہ فرمایا تو اکبر بادشاہ نے عرض کی کہ حضرت اب میرے پاس رہیں۔ میں آپ کا خادم ہوں اور اس ملک میں جہاں مرضی چاہیں تشریف رکھیں آخر آپ نے لاہور میں رہنا قبول کیا۔

لاہور میں قیام

چتوڑ کی فتح کے بعد آپ اوچ شریف سے لاہور تشریف لے آئے اور یہاں سکونت اختیار کر لی۔ اکبر بادشاہ نے آپ کو بٹالہ میں دو لاکھ روپے کی جاگیر کا علاقہ دے دیا۔ جاگیر دینے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کے فقیروں کا گذر اوقات آسانی سے چلتا رہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ فرمان جس کی رُو سے یہ جاگیر حضرت سید میراں محمد شاہ کی نذر ہوئی تھی، عرصہ دراز تک آپ کی اولاد میں پشت در پشت رہا۔

سلسلہ رشد و ہدایت کا قیام

آپ نے لاہور کے قیام کے دوران جہاں آج کل آپ کا مزار ہے خانقاہ قائم کی۔ اس خانقاہ کا مقصد اہالیانِ لاہور میں علوم ظاہری و باطنی کی ترویج تھا تاکہ اس علاقے میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اتباعِ قرآن و سنت کا پابند بنایا جائے اور حلقہ ارادت میں آنے والوں کے عقائد اور اخلاق کی اصلاح کی جائے اس مقصد کے لیے آپ نے اس خانقاہ میں درس و تدریس کا بھی اہتمام کیا آپ نے طلباء، فقراء اور خادموں کی رہائش

کے لیے مکانات تعمیر کروائے اور دور دراز سے آنے والوں کے لیے رہائش اور خوراک کا بندوبست کیا۔ عرصہ دراز تک آپ کے بعد بھی لاہور اور بٹالہ میں آپ کا قائم کردہ لنگر خانہ چلتا رہا۔

قیام لاہور کے دوران دور و نزدیک آپ کی بزرگی کی بے پناہ شہرت ہوئی۔ بے شمار لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور آپ کی صحبت سے سیراب ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو اتباعِ شریعت اور تقویٰ کا درس دیا۔ آپ اخلاقِ حسنہ کے مالک تھے اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر اخلاقِ صالحہ کو اپنانے پر مجبور ہو جاتے آپ کی تربیت سے سلسلہ سہروردیہ میں اور خاص کر آپ کی اولاد درجہ ولایت تک جا پہنچی۔ آپ کی اولاد سے تینوں صاحبزادگان ولی کامل ہوئے علاوہ ازیں کئی دیگر حضرات بھی آپ کے روحانی فیض سے مالا مال ہوئے۔

کرامات

کرامت اگرچہ پختگیِ ولایت کی دلیل ہے لیکن ہر اللہ کے بندے نے اس کے اظہار سے گریز کیا مگر اہلِ دنیا میں عزت اور اظہار بزرگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات بزرگوں سے کرامت کا اظہار کر دیتی ہے۔ ایسے حضرت میراں موج دریا بخاری سے بے شمار خوارق اور کرامات کا اظہار ہوا۔ ان میں سے حضرت کی ایک کرامت یہ بھی تھی:۔

اکبر بادشاہ کے امیروں نے اس سے کہا کہ آپ نے اس قدر جاگیر کثیر ایک سید فقیر کو دے دی ہے اگر یہ جاگیر بہت سے لوگوں کو تقسیم کر دی جاتی تو اس جاگیر میں خلقِ کثیر کا گزارہ ہونا ممکن تھا۔ اب جو ایک ہی شخص کو جاگیر ملتی ہے (اس قدر) تو اور بہت لوگ کہ شریف و خاندانی ہیں اس سے محروم رہ جاتے ہیں کہ آپ نے جواب دیا کہ ان حضرت کو اوروں سے کیا نسبت ہے۔ کیونکہ یہ حضرت صاحبِ عرفان و کرامت ہیں۔ امیروں نے عرض کی کہ اگر ہم آپ کی کرامت بچشمِ خود دیکھیں تو یقین کریں۔ اکبر نے کہا کہ کیا مضائقہ ہے جو کرامت چاہو حضرت دکھا دیں گے۔ تب امیروں نے کہا یہ بات مشہور ہے کہ جو سیّد حسینی نسبی ہو آگ میں نہیں جلتا تو آپ سید ہیں تو آگ میں جائیں، اگر نہ جلیں گے تو ہم معتقد ہوں گے کہ آپ سید اور ولی صاحبِ کرامت ہیں۔ حضرت نے قبول فرمایا اور قلعہ شاہی میں ایک بڑا لوہے کا تنور گرم ہوا۔ جب حضرت کے صاحبزادے سید شہاب الدین نے سنا کہ آج حضرت کے لیے قلعہ شاہی میں تنور گرم کیا گیا ہے تو آپ بھی قلعہ کی طرف گئے۔ دروازۂ قلعہ کے محافظ سپاہیوں نے اندر نہ جانے دیا۔ تو آپ فی الفور بصورتِ شیر متمثل ہو گئے اور اس صورت سے اندرونِ قلعہ دربار شاہی میں پہنچے اور اکبر کی

طرف ایک طمانچہ اٹھایا۔ اکبر خوفزدہ ہوا اور حضرت موج دریا سے پناہ مانگی۔ حضرت نے آواز دی کہ اے شہاب الدین کیا تو نہرا ہو گیا۔ فقیروں کو ایسی گرمی نہیں چاہیئے۔ یہ سن کر آپ اصلی شکل پر آئے اور عرض کی کہ یا حضرت امیرانِ اکبر اور اکبر آپ سے کرامت چاہتے ہیں کہ آپ اس تنور میں جائیں، اول بندہ جو آپ کا فرزند ہے تنور میں جاتا ہے اگر مجھ کو آگ کی تاثیر ہو گئی تو آپ کو اختیار ہوگا کہ آپ خود تنور میں جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کچھ حاجت نہیں کہ تم اور ہم تنور میں جائیں بلکہ یہ کرامت ایک ادنیٰ خادمِ سادات سے سرزد ہو سکتی ہے۔ یہ بات کہہ کر آپ نے اپنے خدمت گار فرید کو جو خدمتِ باورچی اور وضو کرانے پر مقرر تھا ارشاد کیا کہ تنور میں جاؤ۔ میاں فرید یہ ارشاد سنتے ہی اللہ اکبر کہہ کر آگ میں کود کر مشغولِ ذکرِ الٰہی ہوا۔ یہ حال دیکھ کر اکبر بادشاہ کے امیر نہایت نادم ہوئے اور تنور پر جمع ہو کر ہر چند میاں فرید کو آواز دی کہ باہر آئے مگر وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا تھا۔ آخر الامر حضرت کی خدمت میں آکر ملتجی ہوئے کہ حضرت خود شیخ فرید کو آواز دیں کہ وہ تنور سے باہر آئے۔ حضرت نے اس کو آواز دی فی الحال وہ باہر آکر حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ ہندی زبان میں نہرا شیر کو کہتے ہیں۔ جس روز سے کہ حضرت سید شہاب الدین بصورتِ شیر متبدل ہوئے اس روز سے شہاب الدین نہرا کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

خلفاء

آپ کے مشہور خلیفہ سید عبدالرزاق مکی تھے جن کا مزار نیلا گنبد میں ہے اور انھیں آپ ہی سے خلافت اور مسندِ ارشاد کی اجازت عطا ہوئی۔

شادی اور اولاد

آپ نے زندگی میں دو شادیاں کیں، ایک کا نام بی بی کلاں تھا اور دوسری کا نام نورنگ بی بی تھا جو ایک مسلمان راجہ کی بیٹی تھی۔ پہلی بیوی سے دو بیٹے اور دوسری بیوی سے ایک بیٹا تھا۔ آپ کی اولاد کے بارے میں تحقیقاتِ چشتی میں لکھا ہے کہ حضرت موج دریا بخاری کی زوجہ مسمی بہ بیوی وڈی خاندانِ سادات گیلانی سے حضرت سید عبدالقادر ثالث (جن کا مزار اندرون مقبرہ حضرت شاہ چراغ کے ہے) کی بیٹی تھیں اور ان کے بطنِ عفت سے حضرت کے صاحبزادہ سید صفی الدین و سید بہاؤالدین متولد ہوئے۔ بعد ازاں حضرت موج دریا بخاری نے کسی مسلمان راجہ کی لڑکی سے نکاح ثانی کیا اور اس بی بی منکوحہ کو گھر میں لے آئے۔ بی بی صاحبہ کلاں کو حضرت کا نکاحِ ثانی ناگوار گزرا اور حضرت کی خدمت میں عرض کی، اگرچہ بموجب اجازتِ شرع شریف

آپ کو نکاح ثانی کا اختیار تھا اور کچھ جائے شکوت نہیں لیکن میں نہیں چاہتی ہوں کہ آپ کی یہ بی بی میرے گھر میں رہے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس کو علیحدہ رکھیں۔ پس حضرت نے حسبِ رضا جوئی بی بی کلاں اس بی بی کو بمقام بٹالہ بھیج دیا اور اسی مقام میں ان کے لیے حویلیاں تعمیر کرائیں اور بی بی صاحبہ خود وہاں رہنے لگیں اور خود حضرت کبھی بٹالہ میں اور کبھی لاہور میں رہتے تھے۔ پس ان کے بطن سے حضرت سید شہاب الدین تہرا پیدا ہوئے کہ ولی کامل و شیخ مکمل تھے۔

وصال آپ کا وصال ۷۳ سال کی عمر میں اکبر بادشاہ کے زمانے میں بتاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۰۱۳ھ مطابق ۱۶۰۴ء ہوا۔ آپ کی وفات بمقام خان فتاکہ بٹالہ میں ہوئی لیکن آپ کے بڑے صاحبزادے آپ کی نعش مبارک کو لاہور لے آئے اور بمقام خانقاہ عالیہ دفن کر دیا۔

مزار اقدس آپ کا مزار اقدس ایڈورڈ روڈ پر ایک بہت بڑے گنبد میں کسٹم ہاؤس کے پاس واقع ہے جو شہنشاہ اکبر نے آپ کی وفات سے قبل ہی تعمیر کروا دیا تھا۔ قبہ میں گیارہ قبریں ہیں۔ ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔ قبریں آپ کے رشتہ داروں کی ہیں۔ گنبد مغلیہ طرز نہایت مضبوط اور شاندار ہے۔ (ماخوذ: گلزار صوفیاء از علامہ عالم فقری)

حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ سہروردی

وصال: ۱۱۳۰ھ، مزار: جھوک ٹھٹھہ سندھ

حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ سندھ کے اکابر اولیاء سے تھے۔ آپ کے روحانی فیض سے ہزاروں بے راہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی انھوں نے سندھ میں رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے جس سے فروغِ اسلام کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ امیر و غریب، عوام و خواص سب پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے تھے اور وہ اپنی خانقاہ میں اصلاح و تربیت کے فرائض خاموشی سے انجام دیتے تھے۔

نام و نسب آپ کا اصل نام عنایت اللہ، آپ کے والد کا نام مخدوم فضل اللہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے، شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن ملا یوسف بن

ملا شہاب الدین بن ملا آجیب بن مخدوم خدا آگاہ مخدوم صدہو لانگاہ قادری۔ صدہو لانگاہ کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد شریف تھا، جو بعد میں وہاں سے آکر اوچ میں مقیم ہو گئے۔ آپ کے جدّ اعلیٰ مخدوم صدہو لانگاہ کا شمار اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، توکل آپ کا امتیازی وصف تھا۔ انتہا یہ تھی کہ رات کو برتنوں میں جو پانی ہوتا تھا اس کو الٹ دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ یومٌ جدید و رزقٌ جدید۔ ان کے صاحبزادے ملا آجیب بھی زہد و ورع، تقوٰے و تقدس میں اپنے والد محترم کے نقشِ قدم پر تھے۔ صوفی شاہ عنایت کے والد مخدوم فضل اللہ یگانۂ عصر درویش و بزرگ تھے۔

ولادت صوفی شاہ عنایت کی ولادت باسعادت ۱۰۶۵ھ بمطابق ۱۶۵۶ء میراں پور میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے علم و عرفان، زہد و ورع کے آثار ظاہر تھے اور چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چل کر آپ آفتابِ ولایت بننے والے ہیں۔ آپ کی تربیت اور پرورش آپ کے والد نے بڑے احسن طریقے سے کی۔

بیعت جوانی کی ابتدائی منزلوں میں قدم رکھتے ہی صوفی شاہ عنایت کو مرشد کی جستجو ہوئی اسی تلاش و فکر میں آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ وہاں آپ کی ملاقات ایک صاحبِ دل سے ہوئی جن کا نام شمس شاہ تھا۔ شمس شاہ نے آپ کی طلبِ صادق کو دیکھ کر بتایا کہ اگر واقعی مرشدِ کامل کی تلاش ہے تو تم دکن میں جاکر اس وقت کے شیخِ کامل شاہ عبدالملک برہانپوری سے اکتسابِ فیض کرو۔ چنانچہ صوفی شاہ عنایتؒ دکن پہنچے۔ اور سید عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی تربیت حاصل کی اور ان کے پاس رہ کر عظیم مجاہدات کیے۔

شجرہ طریقت میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے اپنی کتاب "طومار سلاسل" میں آپ کا شجرۂ طریقت اس طرح نقل کیا ہے۔ صوفی شاہ عنایت، شیخ عزیز اللہ، شیخ جان محمد ستوری، شیخ میراں جی برہانپوری، شاہ عبدالشکور، شاہ برہان الدین، شیخ نجم الدین، علی خطیب احمد آبادی، برہان الدین بخاری، سید محمود، سید جلال، شیخ رکن الدین ابی الفتح، شیخ صدر الدین، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین سہروردی۔

علومِ ظاہری وہاں سے آپ دہلی تشریف لائے اور دہلی میں شاہ غلام محمد سے دینی علوم یعنی تفسیر، حدیث، فقہ کی تعلیم حاصل کی، جنھوں نے رشد و ہدایت کی مسند دہلی میں شاہ عبدالملک کے حکم پر آراستہ کی تھی، اگرچہ علوم ظاہری میں شاہ غلام محمد آپ کے استاد تھے لیکن وہ آپ کے تقویٰ و تقدس کے اس قدر معترف تھے کہ انھوں نے بیعت ہوکر تصوف کی تعلیم شاہ عنایت سے حاصل کر کے اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

ٹھٹھہ میں تشریف آوری علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے شیخ کی اجازت سے شاہ غلام محمد کے ساتھ ٹھٹھہ تشریف لائے اور آپ نے ٹھٹھہ کو ابتدائً روحانی تربیت کا مرکز بنایا۔

جھوک میں قیام ٹھٹھہ سے شاہ عنایت میراں پور تشریف لائے جو جھوک کے نام سے مشہور ہے اور یہاں رہائش اختیار کر لی۔

قیامِ خانقاہ جھوک میں قیام کے بعد آپ نے اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس کے لیے خانقاہ قائم فرمائی۔ جو تھوڑے عرصے میں زہد و عرفان کا مرکز بن گئی اور بیشمار طالبانِ حقیقت آپ سے تحصیلِ فیض کے لیے جھوک کی خانقاہ میں جمع ہوئے اور کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کے روحانی کمالات سے مستفید و فیض یاب ہوئے۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اسلامی مساوات کو قائم کرنا اور اونچ نیچ کے فرق کو مٹاتا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کا چراغ روشن کرنا تھا۔ آپ اس مقصد میں بہت کامیاب ہوئے۔ آپ کی تعلیمات میں ہر خاص و عام کے لیے ایک ایسی کشش تھی جس سے دوسری خانقاہوں کی گرمیِ محفل سرد ہونے لگی۔ چنانچہ بُلڑی کے سادات کے مرید بھی آپ کے حلقۂ عرفان میں شریک ہونے لگے۔ یہ بات ساداتِ بُلڑی کو ناگوار گذری، انھوں نے بعض زمینداروں کو آپ کی مخالفت میں بھڑکایا۔ اور یہی مخالفت آخر میں آپ کی شہادت کا باعث بنی۔

شہادت:۔ آپ کی شہادت ۹ صفر ۱۱۳۰ھ میں ہوئی۔

اولاد حضرت صوفی شاہ عنایت کے دو صاحبزادے تھے، ان میں سے بڑے صاحبزادے کا نام میاں عزت اللہ تھا جو آپ کی شہادت کے بعد سجادہ نشین ہوئے، دوسرے صاحبزادے کا نام شاہ سلام اللہ تھا۔ شاہ سلام اللہ بھی بڑے عابد و زاہد صاحبِ تقویٰ و تقدس بزرگ تھے۔

مزار آپ کا مزار جھوک میں زیارت گاہ خاص وعام ہے اور اس درگاہ کا شمار سندھ کی مشہور اور بڑی درگاہوں میں ہوتا ہے۔

حضرت سیّد شاہ جمال سُہروردی رح

وصال ۱۰۶۱ھ ، مزار : لاہور پنجاب

آپ مغلیہ دور کے اکابر مشائخ سے تھے، آپ ایک صاحبِ کمال، ولی کامل جو جمال اور جلال میں یکساں تھے۔

نام ونسب آپ کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ دو بھائی جمال اور کمال تھے، سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے، آپ کے والد کا نام حضرت عبداللہ تھا۔

ابتدائی حالات آپ کے والد لاہور میں جفاکشی کے ذریعے اپنا گزر اوقات بسر کرتے تھے۔ حضرت شاہ جمال نے ابتدائی دور میں تعلیم کی طرف توجہ نہ دی، ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ بازار میں کھیل رہے تھے وہاں سے ایک درویش کا گزر ہوا۔ اس نے آپ سے کہا اچھے بچے وقت ضائع نہیں کرتے۔ اس دن سے آپ حصولِ علم کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدہ درس سے دینی علم حاصل کیا۔

بیعت آپ نے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں حضرت شیخ لکرا بیگ رح کے دستِ حق پر بیعت کی۔ اور انہی کی صحبت اور نگاہِ فیض سے روحانیت حاصل کی۔ مجاہدہ کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں بیحد جلال تھا۔ مجاہدہ کی تکمیل کے بعد آپ کو پیر ومرشد نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور لوگوں کو روحانی فیض رسانی کی تلقین کی۔

شجرۂ طریقت آپ کا شجرۂ طریقت حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح سے جا ملتا ہے اور وہ یہ ہے حضرت شاہ جمال مرید شیخ لکرا بیگ کے، وہ شاہ شرف کے، وہ شاہ معروف

کے وہ جعفر الدین کے، وہ فہیم الدین کے، وہ شیخ جمال کے وہ شیخ صدر الدین عارف کے اور وہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردی کے، وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے اور وہ حضرت جنید بغدادی کے اور وہ حضرت سری سقطی کے، وہ حضرت معروف کرخی کے، وہ حضرت حبیب عجمی کے، وہ حضرت داؤد طائی کے، وہ حضرت خواجہ حسن بصری رح کے، وہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے۔

سلسلۂ رُشد و ہدایت

خرقہ خلافت کے بعد آپ نے اس جگہ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا جہاں آپ کا مزار مبارک ہے آپ کی زندگی بالکل درویشانہ تھی۔ آہستہ آہستہ آپ کی بزرگی کا چرچا پورے لاہور میں ہوا اور بے شمار لوگ آپ کی خدمت میں اپنی ضروریات کے لیے حاضر ہوتے۔ حتیٰ کہ مُسلم اور غیر مُسلم لوگوں کو آپ سے فائدہ پہنچا اور بے شمار غیر مُسلم آپ کے ہاتھوں پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

کرامات

حضرت شاہ جمال ایک بلند پایہ صاحب کرامت بزرگ تھے آپ سے بیشمار کرامات ظاہر ہوئیں اور بیشمار لوگ آپ کے گرویدہ ہوئے۔ شاہی خاندان کی عقیدت آپ سے تھی۔ آپ کی سب سے مشہور کرامت دمدمہ کا تعمیر کرنا ہے۔

تعمیرِ دمدمہ کی کرامت

آپ جس علاقہ میں سکونت پذیر تھے اس علاقہ میں اس زمانہ میں آپ کے گردو نواح شاہی باغات اور عمارات کی تعمیر شروع ہو گئی آپ نے بھی اس کے مقابلہ میں بلند عمارت تعمیر کرانے کا ارادہ کیا جسے آپ نے دمدمہ کے نام سے منسوب کیا۔ اس کی تعمیر کا واقعہ دراصل یوں ہے کہ حضرت شاہ جمال نے ایک عمارت سات منزلہ تعمیر کروانا شروع کی اور اسی دور میں آپ کے قریب سرائے گولیاں بن رہی تھی جس کی وجہ سے راج مزدور کا ملنا ذرا مشکل تھا۔ چنانچہ جو راج مزدور صبح کو سرائے گولیاں والی میں کام کرتے تھے وہی لوگ رات کو حضرت کے دمدمہ کی عمارت میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی ایک پہر کام کرے خواہ دو پہر، حضرت اسے کامل یوم کی مزدوری معمول سے دگنی عطا فرماتے تھے۔ جب یہ ایسا بلند ہفت منزلہ دمدمہ تیار ہو چکا تو اس کے اوپر سے بڑے بڑے بلند مکانات پر نگاہ پڑنے لگی۔ اتفاق سے اس دمدمہ کے نواح میں سلطان بیگم ہمشیرہ شہنشاہ اکبر نے جس کا باغ دمدمہ کے قریب تھا اس نے دیکھا کہ اس سے ہماری بے ستری منصور ہے۔ چنانچہ وہ ناراض ہوئی اور حضرت کو کہلا بھیجا کہ اگر کوئی امیر ایسی

حرکت کرتا تو سزا پاتا۔ مگر تو فقیر ہے تجھے کچھ نہیں کہا جاتا۔ لازم ہے کہ اس کو گرا دو، آپ نے فرمایا کہ اچھا ہم اس مکان کو نیچا کرا لیتے ہیں مگر یاد رہے کہ تیری حویلی کا بھی عنقریب نام و نشان نہ رہے گا۔
ازاں بعد آپ نے بوقت شب وجد عارفانہ کیا اور دمدمہ دو منزلہ جواب موجود ہے، باقی رہ گیا۔ بقیہ پانچ منزلیں زمین بوس ہو گئیں لیکن سکھوں کی عملداری میں اس مقبرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا کیونکہ سکھ اس مقبرہ کے پاس آنے سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ انھوں نے سرائے گویاں والی پہ قبضہ کر کے ایک توپ خانہ بھی قائم کر لیا تھا اور شاہی باغات اجاڑ دیے تھے۔ مگر آپ کے دمدمے کی طرف رخ کرنے کی ان میں ہمت نہ پڑ سکی۔

ایک بات یہ بھی مشہور ہے کہ دمدمہ کی تعمیر ہی کے وقت معمار شاہی عمارات کی تعمیر میں مصروف تھے اور شاہ جمال کو میسر نہیں آتے تھے۔ آخر وہ آمادہ ہوئے کہ رات کو آپ کا کام کریں گے۔ چنانچہ مشعلیں جلا کر دمدمے کا کام کیا جانے لگا۔ ایک دفعہ تیل ختم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ چراغوں میں پانی ڈال کر دیے روشن کرو۔ چنانچہ آپ کی کرامت سے پانی نے تیل کا کام دیا۔
اس کرامت کو بے شمار لوگوں نے دیکھا اور یہ واقعہ بہت مشہور ہوا اور لوگ آپ کے معتقد اور مرید ہوئے۔

آپ کی دُعا سے دو لڑکوں کا پیدا ہونا

حضرت شاہ جمال کا ایک ہندو کھتری دودمل نام معتقد لاولد تھا اور اکثر آپ کے پاس بغرضِ دُعا آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ چند تازہ خربوزے بطور تحفہ لایا آپ نے قبول فرمائے اور دو اس کے حوالے کر کے خود نمازِ عصر پڑھنے لگے اس نے خیال کیا کہ شاید آپ نے مجھے یہ خربوزے چھلکا اتارنے کے لیے دیے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک کو تراشا ہی تھا کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے اور کہا تو نے یہ کیا کیا۔ میں نے تو اس لیے دیے تھے کہ تم اپنی بیوی سے مل کر کھاؤ گے تو خداوند تعالیٰ تمھیں دو بیٹے عطا کرے گا۔ اب تو نے ایک تراش لیا ہے۔ خوب ہوا۔ اب ایسے ہی یہ خربوزے لے جاؤ اور میاں بیوی مل کر کھاؤ، ایک لڑکا مسلمان پیدا ہوگا اور ایک ہندو۔ چنانچہ دودمل نے حسب فرمانِ شیخ خربوزے استعمال کیے، تو بیوی کو اسی رات حمل ہو گیا اور نو ماہ بعد واقعی دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک مسلمانی ختنہ کردہ اور دوسرا نامختون۔ دودمل مختون بیٹے کو شیخ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا آپ نے اپنا بیٹا بنا لیا، اور بہ اسم

فخر الدین موسوم فرمایا اور تربیت و ماکنہ ظاہری اور باطنی دولت سے سرفراز کیا۔ جب وہ بڑا ہوا تو حضرت نے اس کو محلہ جوڑے موری لاہور میں ایک مکان خرید کر دیا۔ شیخ فخر الدین حضرت کا دل و جان سے خادم، جانثار، صاحبِ عیال و اطفال ہو کر اس مکان میں رہنے لگا۔

مکان گرنے کی خبر پہلے دے دی

ایک دن شیخ فخر الدین اپنے مکان میں بال بچوں سمیت بیٹھے تھے کہ شاہ جمال آگئے اور آواز دی کہ اے فخر الدین بال بچے اور اسباب لے کر باہر آجاؤ۔ چنانچہ آگئے تو اسی وقت مکان گر گیا۔ فرمایا مجھے پتہ لگ گیا تھا کہ مکان گرنے والا ہے لہذا میں خانقاہ سے آکر یہاں بروقت پہنچ گیا۔ الحمد للہ کہ تم نے اللہ کے فضل سے خلاصی پائی۔

بے کفن روٹی کہنے والے کو کفن

حضرت شاہ جمال کے وصال کے تیس سال بعد آپ کے عرس پر ایک منہ پھٹ فقیر آیا، اسے لنگر سے دو روٹیاں دی گئیں۔ اس نے کہا تم عجیب آدمی ہو کہ بے کفن روٹیاں دیں (مطلب یہ کہ سالن بغیر) سجادہ نشین کے منہ سے نکلا کہ اچھا تمہیں کفن بھی مل جائے گا۔ چنانچہ اسی وقت اسے کپکپی لگی اور زمین پر گر کر مر گیا چنانچہ اس کی قبر اسی خانقاہ میں عبرت آموزِ خلق ہے۔ اولیاء کے غضب سے اللہ کی پناہ۔

وصال حضرت شاہ جمال

جہاں آپ کا تعویذ مزار ہے اس کے نیچے حجرہ میں آپ چلّہ کاٹا کرتے تھے۔ آخری چلّہ میں حسبِ معمول دروازہ بند کیے بیٹھے تھے کہ تیس دن کے بعد بارش کے صدمہ سے حجرہ کے آگے کی دیوار گر پڑی۔ خادموں نے چاہا کہ حجرے کا دروازہ کھول کر آپ کو باہر نکالیں تو ناگاہ اندر سے آواز آئی کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ میری قبر اوپر بنا دو اور اس حجرے کو میرا مدفن تصور کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یہ حجرہ اس وقت بھی اسی طرح تھا آپ اس میں بوقتِ ظہر تشریف لے جا کر بوقتِ عصر آیا کرتے تھے۔ ایک روز چہارم ربیع الثانی ۱۰۶۱ھ کو بروز پنجشنبہ حضرت نے حسبِ معمول اندر تشریف لے جا کر خدام کو حکم دیا کہ دروازہ باہر سے بند کر دو۔ شیخ فخر الدین نے تعمیل کی۔ پھر خواب میں ارشاد فرمایا کہ اوپر نشانِ قبر بنا دو۔

تاریخ وفات:۔ تاریخِ لاہور کے مؤلف عبد اللطیف حج نے آپ کی تاریخ وفات ۱۰۶۱ھ

درج کی ہے لیکن اس کے برعکس مفتی غلام سرور نے آپ کی وفات ۱۰۴۹ھ بعہدہ شہاب الدین شاہ جہاں قرار دی ہے۔

تاریخ وفات شاہ جمال سہروردیؒ:۔

رفت از دنیا بخلد جاوداں — چوں جمال الدین کمال المعرفت
رحلتش فیاض محسن شد عیاں — ہم ولی حق جمال المعرفت

روضہ مبارک آپ کا روضہ مبارک اچھرہ روڈ کے غرب رویہ شاہ جمال کالونی میں مرجع خلائق ہے آپ کا مقبرہ بہت اونچی جگہ پہ ہے اور مزار کے اوپر سبز گنبد ہے جسے میاں خیر الدین امرتسری نے تعمیر کروایا تھا اور آپ کے مزار کے پاس ایک عالی شان مسجد بھی ہے۔ شیخ فخر الدین اور اس کی زوجہ کی قبریں گنبد کے باہر ہیں۔ ہر سال آپ کے مزار مبارک پہ ایک عالی شان عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت طاہر بندگی نقشبندیؒ

وصال: ۱۰۴۰ھ۔ میانی صاحب لاہور پنجاب

لاہور شہر کے قدیم قبرستان میانی صاحب کی مشہور ترین درگاہ حضرت طاہر بندگیؒ ہے آپ نقشبندی سلسلہ کے جلیل القدر بزرگ تھے اور مغلیہ دور کے شہرۂ آفاق مبلغ اور مدرس تھے۔

پیدائش آپ کی پیدائش اکبر بادشاہ کے زمانے میں ۹۸۴ھ بمطابق ۱۵۷۶ء میں لاہور میں ہوئی اور زندگی کا بیشتر حصہ بھی لاہور ہی گزرا۔ آپ کی رہائش اندرون شہر محلہ شیخ اسحاق میں تھی جہاں آج کل موتی بازار ہے۔

تعلیم آپ کے والد سادہ لوح اور نیک انسان تھے آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور کے علمی ماحول میں ہوئی۔ جب آپ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے ایک قریبی مسجد میں قرآن پاک پڑھنے کے لیے بٹھایا۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن پاک پڑھ لیا۔

اس کے بعد مختلف علماء سے دینی علوم حاصل کیے۔ حتیٰ کہ جوان ہوتے تک آپ قرآن حدیث تفسیر کے ایک بلند پایہ عالمِ دین بن گئے۔

بیعت دینی علم کے حصول کے بعد آپ تلاشِ حق میں نکلے، پہلے ادھر اُدھر گھومتے رہے، لیکن کوئی کامل رہنمانہ ملا۔ آخر ایک دن شاہ سکندر بن شاہ کمال کیتھلی رح کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو گئے اور ان کی صحبت سے اطمینانِ قلب حاصل ہوا۔ پھر کچھ عرصہ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی رح کی خدمت میں گزرا۔ حضرت شاہ سکندر کمال کیتھلی آپ کو طاہر بندگی کے نام سے پکارا کرتے چنانچہ آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ بعد میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کی مریدی اختیار کی اور ان کی رہنمائی میں سلوک و معرفت کی اعلیٰ ترین منازل طے کیں۔

شجرۂ طریقت حضرت شیخ طاہر بندگی مرید حضرت خواجہ مجدد الف ثانی رح کے، وہ مرید حضرت خواجہ باقی باللہ کے، وہ مرید خواجہ امکنگی کے، وہ مرید حضرت مولانا درویش محمد کے، وہ مرید خواجہ محمد زاہد ولی کے، وہ مرید حضرت عبیداللہ احرار کے، وہ مرید حضرت مولانا محمد یعقوب چرخی کے، وہ مرید خواجہ علاؤالدین عطار کے، وہ مرید خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے، جو سلسلہ نقشبندیہ کے بانی ہیں۔

لاہور کی قطبیت تذکرہ مجددیہ میں ہے کہ آپ حضرت مجدد الف ثانی رح کے صاحبزادگان، حضرت شیخ محمد معصوم اور شیخ احمد سعید کے اتالیق مقرر ہوئے اور کچھ عرصہ انھیں تعلیم دی۔

ایک روز حضرت مجدد صاحب نے تمام حاضرین محفل سے فرمایا کہ ہماری مجلس کے حاضرین میں سے ایک شخص مردِ مسلمان کی پیشانی پر کافر ہونا لکھا ہوا ہے۔ یہ ذکر سن کر حضرت کے تمام مریدانِ بااعتماد اپنی اپنی جگہ خوفزدہ ہو گئے۔ ہر ایک اس اندیشہ و غم میں حیران و پریشان تھا۔ حتیٰ کہ سب نے آپ کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کی کہ یا حضرت! وہ شخص کون ہے جو ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کرے گا۔ اس شخص کا نام فرمائیے کیونکہ ہم سب پریشان و متفکر ہیں۔ تب حضرت مجدد صاحب نے حضرت شیخ طاہر کا نام لے دیا۔ اس پر سب حیران ہوئے کیونکہ شیخ طاہر مجدد صاحب کے بچوں کے استاد تھے اس لیے کسی کو بھی اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ ایسا ہو کے رہے گا حتیٰ کہ کچھ عرصہ بعد شیخ طاہر ایک کھترانی

ماہ پیشانی پر عاشق شیدا ہو گئے اور عشق یہاں تک پہنچا کہ حضرت نے زنار پہنا اور قشقہ کھینچ کر بتخانہ میں جا بیٹھے اور کہتے تھے کہ شعر ؎

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

وہ کفرانی ماہ پیشانی بُت خانے میں ماتھا ٹیکنے کو جایا کرتی تھی لیکن جب حضرت کو دیدارِ دلدار کا کوئی وسیلہ بہم نہ پہنچا تو اپنی صورت بدل کر اور ہندو ہو کر بت خانے میں مقیم ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی اس پیش گوئی کا بہت چرچا ہوا لیکن ہر کوئی حیران تھا کہ شیخ طاہر راہِ راست سے کیسے بھٹک گئے۔ جب یہ خبر مجدد صاحب کے صاحبزادگان کو جو ان کے شاگرد تھے، پہنچی تو انھوں نے بہت غم کھایا اور کہتے تھے کہ افسوس ہمارا استاد کافر ہو گیا۔ آخر بصد عجز و نیاز والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر مدد چاہی اور التجا کی کہ ہمارا استاد برباد ہو گیا ہے اللہ کے لیے اس کے حال پر توجہ کیجئے، ہمارے اوپر ان کا حقِ استادی ہے۔ چنانچہ حضرت مجددؒ نے ان کے حق میں دعا کی۔ دعا مستجاب ہوئی۔ شیخ طاہر ہوش میں آئے اور حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے اور مرید ہو کر ید طولیٰ پایا۔ یہاں تک کہ ولی کامل مکمل ہوئے اور ان کا پیش گاہ حضرت مجدد سے لاہور کی قطبیت عطا ہوئی۔

یوں تو آپ پہلے ہی فاضل اجل اور ایک بلند پایہ عالم دین تھے لیکن مجدد صاحب رحؒ کی نگاہِ التفات نے آپ کو ولی کامل کر دیا۔

لاہور میں قیام

جب آپ نے علوم ظاہری و باطنی میں تکمیل کر لی تو آپ کو حضرت امام ربانی نے لاہور کی خلافت پر فائز فرمایا اور حکم دیا کہ وہاں جا کر ارشاد و تلقین کریں۔ چنانچہ آپ اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق لاہور تشریف لے آئے۔ شروع شروع میں آپ نے سرہند سے آنے کے بعد محلہ شیخ اسحاق اندرون شہر لاہور جہاں آپ پہلے رہا کرتے تھے رہائش اختیار کی۔ اور بعد ازاں آپ میانی صاحب کے رئیس حافظ جان محمد کے ایما، پر میانی صاحب میں آ گئے اور یہاں رہائش اختیار کر لی۔ لیکن تاریخ لاہور میں ہے کہ شاہ جہانگیر بادشاہ کے وقت شیخ محمد طاہر قادری و نقشبندی نے شہر سرہند سے آ کر اس مقام (محلہ میانی) پر سکونت اختیار کی۔ چونکہ محمد طاہر عالم و فاضل و فقیر کامل تھا۔ چند سال

میں ہزاروں لوگ اس کے مرید شاگرد ہوگئے۔ دن بدن رونق بڑھتی گئی اور ایک عالی شان بستی آباد ہوگئی۔ قیام لاہور میں لوگ نذر نذرانہ لے کر آتے تو آپ قبول نہ فرماتے۔

درس و تدریس

علاقہ میانی صاحب میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہاں آپ نے ایک دینی درس گاہ قائم کی اور اس درس گاہ میں قرآن تفسیر حدیث، فقہ پڑھانے کا بندوبست کیا۔ آپ درس و تدریس کا کسی سے معاوضہ نہ لیتے بلکہ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کی خاطر سب کچھ کیا آپ طلبار کو خود پڑھایا کرتے تھے۔ اس درس گاہ میں آپ نے ایک کتب خانہ بھی قائم فرمایا تھا جس میں قرآن و حدیث کی ہزارہا کتب تھیں۔ عہد اسلامی کے اخیر تک یہ کتب خانہ باقی رہا۔ مگر جب سکھوں کی حکومت لاہور پر قائم ہوئی تو غارتگروں نے جس روز اس مدرسہ کو لوٹا ہزاروں قرآن و کتابیں لوٹ کر لے گئے۔ مگر جب جانا کہ یہ ناکارہ جنس ہے تو باہر گاؤں کے پھینک کر چلے گئے اور جاتی دفعہ مارے غصہ کے محلہ کو آگ لگادی۔ جس سے وہ جل کر خاکستر ہوگیا۔ بعد ویرانی اس محلہ کے لوگوں نے اس جگہ کو قبرستان بنالیا اس مدرسہ کی عمارت ۱۸۸۴ء تک کسی قدر موجود تھی۔

کسبِ معاش

قیام لاہور کے دوران آپ اپنی معیشت تفسیر حدیث اور فقہ کی کتابیں لکھ کر یا ان کی تصحیح کر کے یا ان کتابوں پر حاشیہ لکھ کر پوری کرتے۔

حدیقۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ محمد طاہر لاہوری قادری و نقشبندی مرید و خلیفہ شاہ اسکندر بن کمال کیتھلی جامع عبادات و ریاضات و علوم دینی و دنیوی راہورت صوری و معنوی و خوارق و کرامات و جذبات و الہامات تھے، پہلے انھوں نے اپنے مرشد ارشد شاہ اسکندر کیتھلیؒ کی خدمت میں تکمیل پائی۔ پھر بخدمت امام ربانی مجدد الف ثانی پیر احمد فاروقی سرہندی حاضر ہو کر فوائد عظیمہ حاصل کیے اور ان کے ارشاد سے لاہور میں آکر بہدایت خلق مصروف ہوئے۔ ہزاروں لوگ ان کے ارشاد کی برکت سے مراتب عالیہ پر پہنچے۔ یہ حضرت تمام عمر کسی دولت مند کے پاس نہ گئے۔ اور نہ ان کو اپنے دربار میں بار دیا۔ حضرت کتب احادیث و تفسیری کتابت کرتے۔ اور ہدیہ لے کر گزارۂ اوقات کرتے۔ ملا بدرالدین لکھتے ہیں کہ آپ لاہور سے سال میں ایک مرتبہ یا دو سال میں ایک مرتبہ اور کبھی ایک سال میں کئی مرتبہ سرہند میں آنجناب کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے اور فیوض و برکات سے مالا مال ہوا کرتے تھے اور پھر باجازت واپس لاہور تشریف لاتے۔

تبلیغی خدمات قیام لاہور کے دوران آپ نے گراں قدر تبلیغ اسلام کی جس کے بے حد اثرات مرتب ہوئے۔ آپ نے درس گاہ کے ساتھ ایک مسجد بنائی تھی جس میں آپ وعظ و تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ آپ نے روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کیے تھے اس لیے آپ کی صحبت اور وعظ نصیحت میں بہت زیادہ اثر تھا اس لیے ایک بار آپ کے پاس جو بھی آتا وہ آپ کی گفتگو اور اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ گنہگار پناہ تلاش کرتے آتے اور راہِ حق پا کر جاتے۔

ہزارہا تشنگانِ علم و معرفت نے آپ کے دریائے عالی مقام سے سیرابی حاصل کی اور ہزارہا لوگ آپ کے ارشادات عالیہ کی برکات سے مراتب عالی پر پہنچے۔ آپ اپنے عہد کے قطبِ وقت تھے۔ کوئی سائل آپ کے در پر آیا خالی نہ گیا۔ حضرت سید آدم بنوری نے جب آپ کی بزرگی کا شہرہ سنا تو پا پیادہ بنور سے لاہور تشریف لائے اور فیض یاب ہوئے۔

شادی آپ نے زندگی کا زیادہ حصہ تجرد میں گزارا لیکن آخری عمر میں آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی ماہ خانم دختر مرزا احسان اللہ اور دوسری شادی عصمت النساء دختر سید عبداللہ سے کی جن کی قبریں آپ کے مقبرہ میں گنبد کے نیچے ہیں۔

سیرت آپ جامع عبادات و ریاضات اور علوم دینی و دنیاوی میں یکتائے زمانہ تھے۔ حضرت تمام عمر کسی دولت مند کے پاس نہ گئے۔ اور نہ ہی ان کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا موقع دیا۔ ساری ساری رات خدام کی تلقین اور عبادت الٰہی میں گزارتے آپ بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ اپنے دور میں لاہور کے علماء و صلحاء اور عوام میں بیحد مقبول ہوئے۔

خلفاء آپ کے نامور خلفاء میں سے شیخ ابو محمد قادری نقشبندی لاہوری (میانی قبرستان) سید صوفیؒ (دہلی) شیخ لکھن یا کھلن مست (مزار موری دروازہ کے باہر) میونسپل باغ کے اندر ہے۔ یہ قبر نواب غلام محبوب سبحانی رئیس لاہور نے تیار کرائی تھی۔ شیخ ابوالقاسم نقشبندی (مزار جدہ) شیخ آدم بنوریؒ (مزار مدینہ منورہ) مشہور ہیں۔

وصال آپ بروز جمعرات ۸ محرم الحرام ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۶۳۰ء میں فوت ہوئے اور اس جگہ دفن ہوئے جہاں آپ کی درس گاہ تھی۔ کتب میں لکھا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی

عمر ۵۶ سال تھی۔

مفتی غلام سرور لاہوری کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ وفات حسب ذیل ہے

شہ شیخ طاہر سراپا طہور — کہ در شہر لاہور مثلش کم است
خرد بعد ترحیل آں شاہِ دیں — بگفتا کہ سال وفاتش غم است
۱۰۴۰ھ

چنانچہ بحساب ابجد لفظ غم سے ایک ہزار چالیس برآمد ہوتے ہیں۔

مزارِ اقدس آپ کا مزار اقدس لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب میں شہر خموشاں کے لیے باعثِ برکات ہے۔ حدیقۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میری وفات کے بعد جو شخص میرے احاطہ مزار میں مدفون ہوگا، میں نے خدا سے مانگا ہے کہ وہ جنتی ہو۔ آپ کا مقبرہ شیخ ابو محمد قادری رئیس میانی نے تعمیر کرایا تھا، پھر شہزادہ غلام محمد ایوب شاہی نے چبوترہ بنوایا۔ بعد ازاں فقیر فضل دین ملازم راجہ دھیان سنگھ نے چار دیواری بنوادی۔ آپ کی چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں۔ وہ خطہ میانی جو علماء صلحاء کا مسکن تھا آہستہ آہستہ ایک قبرستان بن گیا۔

آپ کے مزار اقدس پر ایک چھوٹا سا نہایت ہی خوبصورت گنبد ہے۔ مزار کے غرب رویہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔

ماخوذ: گلزار صوفیاء۔ از علامہ عالم فقری۔

حضرت سیّد خاوند محمود نقشبندی المعروف حضرت ایشاں رح

وصال: ۱۰۵۲ھ ، مزار: بیگم پورہ لاہور، پنجاب

اسم والقاب آپ کا اصل نام خاوند محمود تھا لیکن آپ کو جامع کمال اور صاحب حال وقال ہونے کی وجہ سے حضرت ایشاں کہا جاتا تھا۔ آج بھی آپ تاریخ میں اپنے اصل نام کی بجائے اسی نام سے مشہور ہیں۔ آں شان فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی "وہ شان" یعنی عوام کے نزدیک بڑی شان والا۔ جس طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو اکثر مقامات

پیر آنحضرت کے خطاب سے مزین کیا جاتا ہے اس طرح آپ کو بھی آپ کے مرید اور عقیدت مند ادب و احترام کے لحاظ سے حضرت ایشاں کے نام گرامی سے پکارتے ہیں۔

نسبتِ جدّی آپ کا نسب شریف والد کی طرف سے خواجہ علاؤ الدین عطارؒ سے ملتا ہے، جو شاہ بہاؤ الدین نقشبند کے خلیفہ تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام میر سیّد شریف بن خواجہ ضیاء بن خواجہ میر محمد بن تاج الدین حسین بن خواجہ علاؤ الدین عطار ہے اور یہ خوارزم کے سادات مقام سے تھے ان کا نسب پاک ایک طرف سے حضرت آقا سے اور دوسری جانب سے شیخ فرید الدین عطار سے ملتا ہے۔

ولادت آپ ۹۷۱ھ میں سید شریف کے گھر بخارا میں پیدا ہوئے آپ کے والد ساداتِ عظام سے تھے۔ آپ کا اصل وطن بخارا ہے۔

تعلیم و تربیّت ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد کے زیر سایہ پائی۔ اپنے باپ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ سلطانیہ میں داخل ہو کر علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ آپ پڑھائی میں بہت ہوشیار تھے۔ بارہ برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور چودہ سال کی عمر میں ظاہری علوم میں مکمل عبور حاصل کر لیا۔ آپ کو علم میں اتنا عبور حاصل ہوا کہ اس زمانے کے بڑے بڑے علماء بھی آپ کے سامنے دم نہ مارتے تھے۔ عربی اور فارسی میں آپ کو کامل ملکہ حاصل تھا۔

بیعت و خلافت آپ اٹھارہ برس کی عمر میں حضرت خواجہ محمد اسحاق سقیکی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور مرشد کی خدمت میں کچھ عرصہ گزارا۔ انھوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ کو بیعت کر کے کچھ اشغال و اذکار سکھائے اور ان کی زیر نگرانی آپ نے منازلِ سلوک طے کیں۔ آپ نے بے حد زہد و تقویٰ اور ریاضت کی، آپ شرع کے سختی سے پابند تھے۔ آپ جب ذوق و شوق، عجز و نیاز، حال و قال زہد و تقویٰ میں پوری طرح کامل ہو گئے تو آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو خرقۂ ولایت عطا فرمایا۔

فیض اویسی کا حصول اس کے علاوہ حضرت خواجہ بزرگ بہاؤ الدین نقشبند سے بھی نسبت اویسیہ رکھتے تھے۔ اویسی اصطلاح تصوف میں اسے کہتے ہیں جس نے کسی بزرگ کی وفات کے بعد اس کی روح سے فیض حاصل کیا ان کے علاوہ

حضرت خواجہ حاجی محمد قبادانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض یاب ہوئے تھے۔

حاکمِ بخارا کی عقیدت

اوائل عمر ہی میں آپ اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، اتباعِ قرآن و سنت اور رفعِ بدعت کے باعث مشہور زمانہ ہو گئے تھے۔ ان فضائلِ پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ نے آپ کو مرجعِ خلائق بنایا تھا۔ خواص و عوام سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ چنانچہ حاکم بخارا عبداللہ خان اور اس کا بیٹا عبدالمومن حاضر خدمت ہو کر پند و نصائح سے سعادت حاصل کرتے تھے۔ اس فضل و کمال کے ساتھ آپ کو سیر و سیاحت کا بھی بے حد ذوق و شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ اشتیاق بھی پورا کر دیا۔ عبداللہ خان جب حاکمِ بخارا ہوا تو آپ باشارۂ ربانی کابل کی طرف روانہ ہوئے۔

سلسلہ اویسی

خواجہ خاوند محمود اگرچہ بظاہر مرید خواجہ ابو اسحاق سعید کی نقشبندی کے تھے مگر علاوہ ازیں خواجہ شاہ بہاؤالدین نقشبند سے نسبتِ اویسیہ رکھتے تھے۔ چنانچہ محمد معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کتاب رضوانی میں فرماتے ہیں کہ حضرت ایشاں کو خواجہ بہاؤالدین سے جو نسبت ہے وہ اویسی ہے جو اول امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خواجہ حسن بصری کو ہوئی۔ ان سے خواجہ حبیب عجمی کو، ان سے داؤد طائی کو، ان سے معروف کرخی کو، ان سے سری سقطی کو، ان سے جنید بغدادی کو، ان سے ابوعلی رودباری کو، ان سے ابوعلی کاتب کو، ان سے ابوعثمان مغربی کو، ان سے شیخ ابوالقاسم گرگانی کو، ان سے ابوعلی فارمدی کو، ان سے خواجہ یوسف ہمدانی کو، ان سے خواجہ عبدالخالق غجدوانی کو، ان سے خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو۔ اور ان سے خواجہ خاوند محمود رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی۔

تبلیغی سفر

آپ صوفیانہ ذوق کے باعث تیس سال کی عمر میں ۹۹۴ھ (۸۶-۱۵۸۵ء) میں پہلے شہر ختش میں جو ختلان کا مشہور شہر ہے، تشریف لائے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا، پھر بلخ، سمرقند، ہرات و قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔

کابل میں فتح

کابل میں پہنچنے کے بعد پہلے جمعہ کے روز آپ نے شہر کی جامع مسجد میں تشریف لائے اور وعظ فرمایا۔ وعظ کا انداز بیان اتنا موثر تھا کہ سامعین پھڑک اٹھے اور اکثر حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب تک آپ وعظ فرماتے رہے لوگ دم بخود بیٹھے

رہے۔ وعظ اتنا مؤثر تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے جاتے تھے۔ خود حاکم کابل بھی اس محفل میں حاضر تھا اور اس پر بھی وجد کی کیفیت طاری تھی۔ امراء وزراء و دیگر مصاحب جو اس وعظ کی محفل میں شریک تھے دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ روز بروز بادشاہ، امراء، مصاحب اور عوام کے دلوں میں آپ کی عقیدت و محبت کے جذبات بڑھتے گئے۔ چند سال آپ کا کابل میں قیام رہا ایک خلق کثیر نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ حاکم کابل آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوا۔

کشمیر میں قیام

پھر آپ کشمیر تشریف لائے اور نواب عبدالرحمٰن کے ہاں قیام پذیر ہوئے نواب موصوف کا والد آپ کا مرید و خلیفہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی، بیشمار افراد آپ کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں شامل ہوئے۔ اہل بدعت و ضلالت کی ایک جماعتِ کثیر آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر شریک زمرۂ اہل سنت ہوئی۔ آپ نے یہاں مدرسہ و خانقاہ تعمیر فرمائی۔ درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ دُور دُور سے طالبانِ علم و ہدایت خانقاہ میں حاضر ہو کر دینی و دُنیوی فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر جاتے۔

والیٔ کشمیر سے کشمکش

جب آپ کشمیر میں تھے تو اس وقت شیعہ سُنّی کا تکرار زوروں پر تھا اور والیٔ کشمیر شیعہ تھا۔ اتفاق سے شیعہ اور سُنیوں میں بلوہ ہوا۔ وہ آپ کی عزت اور رعب و ادب سے گھبراتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس خوف سے کہ کہیں آپ کی خانقاہ سنیوں کا اڈہ نہ بن جائے اور آئے دن بلوہ نہ ہو۔ چنانچہ آپ کو کشمیر چھوڑنے کا حکم دیا آپ نے ایک ماہ کی مہلت چاہی اور ابھی پندرہ روز ہی گزرے تھے کہ اکبری فوج نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔

عہد اکبری کے آخری دور میں آپ آگرہ تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ اور امراء آپ کے مرید ہو گئے جن میں خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش بھی تھا۔

شاہی خاندان کی عقیدت

شاہی خاندان کے کئی افراد آپ کے عقیدت مند ہوئے۔ کئی شہزادیاں آپ کی مرید ہوئیں۔ شہزادی سلیمہ بیگم بابر کی نواسی تھی اور شہزادی گل رُخ بابر کی بیٹی تھی۔ دونوں حضرت کی مرید ہو گئیں۔ گل رخ بیگم نے آپ کے لیے ایک چوغہ سیا اور ہر سلائی پر لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرتی تھی۔ اکبر بادشاہ نے آپ سے درخواست کی کہ اس کی بھلائی کے لیے دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی۔

اس کے بعد آپ پھر کشمیر چلے گئے لیکن وہاں سے شیعہ سنی جھگڑے کے سلسلے میں آپ کو پھر وہاں سے جہانگیر نے بلا لیا آخر جہانگیر نے آپ سے بات چیت کی اور مطمئن ہو کر آپ کو اجازت دی کہ جہاں دل چاہے رہیں لیکن آپ نے لاہور میں قیام کر لیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپ پھر کشمیر چلے گئے۔

چند سال کے بعد جب جہانگیر کشمیر گیا تو اس نے بارہ مولا میں آپ کے متعلق استفسار کیا۔ آپ کے کاموں میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور آپ کی ہمراہی کو ہمیشہ باعث فخر سمجھا کرتا تھا۔ پھر فرطِ عقیدت کے باعث آپ کو اپنے ہمراہ ہندوستان چلنے کی درخواست کی جو آپ نے قبول فرمائی اور مدرسہ و خانقاہ کا اہتمام اپنے فرزندوں کے سپرد کر کے جہانگیر کے ساتھ ہندوستان آ گئے۔ دہلی، آگرہ اور لاہور میں کافی عرصہ قیام رہا۔ عوام و خواص نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے حصۂ وافر حاصل کیا۔ اس دوران میں آپ کو دو تین مرتبہ کشمیر جانے کا اتفاق ہوا ایک دفعہ آپ کشمیر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ جہانگیر بھی وہیں تھا کہ وہ بمقام بہرام گل ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ء) میں انتقال کر گیا۔ چنانچہ آپ اس کی لاش کے ہمراہ لاہور آ گئے۔ چند روز لاہور قیام فرمایا۔ عہد شاہجہان میں آپ ایک مرتبہ کشمیر آئے ہوئے تھے کہ اتفاقاً یہاں شیعہ سنی فساد ہو گیا۔ تمام حالات و واقعات سے شاہجہان کو مطلع کیا اس پر بادشاہ نے آپ کو لکھا کہ ہندوستان تشریف لے آئیں اور لاہور میں قیام پذیر ہو جائیں۔ چنانچہ آپ مصلحتِ وقت کے پیش نظر ۱۶۳۴ء (۱۰۴۴ھ) میں مدرسہ و خانقاہ فیض پناہ (سرینگر) اور لنگر کی خدمت کو اپنے فرزند ارجمند خواجہ معین الدین کی نگرانی میں دے کر ہمیشہ کے لیے لاہور تشریف لے آئے اور آپ کی خدمت میں ایک لاکھ ٹنکہ ارسال کیا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اس نے دوبارہ کہا اور نواب آصف خاں کو خدمت میں بھیجا تو آپ نے وہ روپیہ قبول فرمایا اور اس سے لاہور میں اپنی خانقاہ تعمیر کرائی، کچھ روپیہ خانقاہ کشمیر کو ارسال کیا اور باقی ماندہ غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔ نواب وزیر خاں آپ کی ہی دعا سے اس بلند مرتبہ پر فائز ہوا تھا۔ لاہور سے آپ اکبر آباد اور دہلی گئے۔ اور پھر شاہجہان کے حکم سے آپ لاہور تشریف لے آئے۔ کیونکہ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ آپ لاہور تشریف لے جاویں وہاں ہی اقامت گزین ہوں اور لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف بلائیں۔ چنانچہ آپ لاہور آ گئے۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو اس وقت جہاں اب آنجناب کا مقبرہ ہے، باغ تعمیر ہو رہا تھا اور خانقاہ بھی بن رہی تھی۔ آپ اقامت گزین ہو گئے۔ قیام لاہور میں صوبہ لاہور نواب

وزیر خان اکثر اوقات آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

تبلیغی خدمات

آپ کی دینی خدمات قابل ستائش ہیں۔ آپ جہاں پر ٹھہرے آپ نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کیا۔ سب سے پہلے آپ نے بخارا میں تحصیل علم کے بعد اسی علم کو پھیلانے کی جدوجہد کی۔ اس کے بعد جتنا عرصہ آپ کشمیر میں رہے آپ درس وتدریس کے ذریعے لوگوں کو باطنی فیض سے نوازتے رہے۔ بیشمار لوگ آپ کے حلقہ درس سے فیض یاب ہوئے۔ اور کئی غیر مسلم مسلمان ہوئے۔

جب آپ لاہور تشریف لائے تو لاہور میں بھی آپ کا سلسلہ درس وتدریس بدستور قائم رہا۔ ہر جمعہ کے روز آپ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس روز لاہور کے علماء، فضلاء، صلحاء شریک وعظ ہو کر آپ کے ارشادات گرامی سے مستفیض ہوتے تھے۔ لاہور میں ۹ سال تک آپ کا فیضان جاری رہا۔ ایک خلق کثیر نے آپ سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا

کراماتِ حضرت ایشاں

یہ ضروری نہیں کہ ولایت کی دلیل کشف وکرامات سے ہو۔ اور نہ ہی سندِ ولایت کے لیے اولیاء کرام نے اپنے لیے کشف وکرامت کو لازم قرار دیا۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں میں ولی کی ولایت کا اظہار چاہتا ہے تو اولیاء سے کشف وکرامات سرزد ہوتے ہیں۔ آپ ولی کامل تھے اور آپ سے بیشمار کرامات کا اظہار ہوا۔ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ عقیدت مند کی صحتیابی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کا ایک عقیدت مند کسی کام کے لیے کابل گیا آپ نے اسے ایک کام کرنے کے لیے کہا جس سے اس نے غفلت کی۔ اس کی اس بے پروائی پر حضرت خواجہ رنجیدہ خاطر ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں وہ مرض تپ میں مبتلا ہو گیا۔ تین مہینے گزر گئے۔ علاج کے باوجود صحت یاب نہ ہوا۔ آخر اس کا بھائی عوض بیگ اسے لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعائے صحت کی درخواست کی۔ آپ نے تکبیر کہی اور فرمایا اگر خدا نے چاہا تو شفا ہو جائے گی۔ حاضرینِ مجلس نے سمجھا کہ آپ نے دعائے صحت نہیں فرمائی۔ اس کا گھر آپ کی خانقاہ کے قریب ہی تھا۔ رات کو اس کے گھر سے رونے کی آواز آئی کہ وہ مر گیا ہے۔ اسی اثناء میں اس کا بھائی عوض بیگ حاضر خدمت ہو کر قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا، کہ

حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند مردے زندہ کرتے تھے۔ میں بھی امیدوار ہوں کہ میرا بھائی زندہ ہو جائے حضرت خواجہ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ گھر جاؤ اور دیکھو شاید شرف بیگ زندہ ہی ہو۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ اس کے گھر سے رونے کی آواز بند ہو گئی اور خبر آئی کہ اس نے آنکھیں کھول دی ہیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ شفایاب ہو گیا۔

۲۔ ملکہ نور جہاں کی صحت یابی

بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت ایشاںؒ جہانگیر کے ہمراہ سفر کشمیر پر تھے۔ اس سفر میں نور جہاں ملکہ بھی ہمراہ تھی۔ جب شاہی قافلہ کشمیر پہنچا تو بوجہ تھکان سفر، بادشاہ اور ملکہ کی صحت خراب ہو گئی۔ زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ بادشاہ نے حضرت ایشاںؒ سے دعائے صحت کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا دونوں میں سے ایک اچھا ہو جائیگا۔ بادشاہ کو نور جہاں کی زندگی ہر صورت منظور تھی۔ چنانچہ نور جہاں صحتیاب ہو گئی اور بادشاہ کی حالت اور بگڑ گئی۔ تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ بادشاہ کی لاش لاہور میں لائی گئی۔ آپ بھی ہمراہ تھے۔

۳۔ حضرت ایشاں پر خون بہا کا دعوٰی

جہانگیر کی وفات کے بعد شاہ جہاں تخت نشین ہوا۔ آپ بھی حضرت ایشاں کے بہت معتقد تھے۔ مگر درباریوں میں آنحضرت کو زیر کرنے کے اکثر منصوبے تیار ہوتے اور اس دشمنی کے باعث آپ کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ دشمنی کی وجوہات کا صحیح علم تو نہ ہو سکا لیکن شکایات شاہجہان تک پہنچ گئیں۔ مخالفین آپ پر طرح طرح کے سوال کرتے اور آپ کی شان میں گستاخیاں کرتے۔ پہلے تو آپ برداشت کرتے رہے۔ جب معاملہ حد سے گزرا تو آپ کی طبیعت میں ایک ایسا تغیر رونما ہوا کہ ادھر سرغنہ مسمی محمد محسن منہ کے بل زمین پر گرا اور مر گیا۔ لوگوں نے خون بہا کا دعوٰی کیا۔ شاہ جہاں حالات سے آگاہ ہوا۔ اور آپ کو باعزت و آبرو بری کیا۔ آنحضرت کا مقام تصرف بہت بلند تھا۔

کتاب رضواتی کے مؤلف آپ کے فرزند خواجہ خاوند معین الدین رقمطراز ہیں کہ حضرت لاہور میں قیام پذیر تھے۔ عید کے روز نماز پڑھنے کے لیے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ کافی عرصہ تک حاکم لاہور کا انتظار رہا۔ اسی اثناء میں گفتگو ہوئی کہ نماز عید کا آخری وقت کب تک ہے؟ حضرت خواجہؒ نے فرمایا

"زوال تک" ملا صالح لاہوری بڑے جیّد عالم تھے اور عوام میں بلقب ابر مشہور تھے۔ اس بات پر بگڑے اور کچھ بے ادبانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے نکالے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا۔ "اے ملّا ابر تم اپنی زندگی کے سورج کو موت کے ابر کے نیچے آجانے سے نہیں ڈرتے۔ چنانچہ جب ملّا ابر نماز عید سے فارغ ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور گھر کی جانب چلے، راستے میں گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور گردن ٹوٹ گئی۔ بڑی مشکل سے گھر پہنچے۔ سمجھے کہ یہ حضرت ایشاں کی گستاخی کی شامت ہے۔ نوردین قاضی لاہوری اور امیر حسین شیخ الاسلام کو تقصیر کی معافی کے لیے حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا۔ ان دونوں حضرات نے حاضر ہو کر ملّا کی صحت کے لیے دعا کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ وہ اب واپس نہیں آسکتا۔ میں راضی ہو بھی جاؤں مگر خواجگان راضی نہیں ہوتے پس ہمیں ملا کی سلامتی ایمان کے لیے فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ یہ کہہ کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ فاتحہ پڑھی اور فرمایا۔ ملّا صالح دنیا سے ایمان بسلامت گئے۔ قاضی اور شیخ الاسلام مجلس سے ناامید لوٹے۔ دوسرے روز ملّا صالح اللہ کو پیارے ہو گئے۔

منکرِ اولیاء اللہ کو سزا

حضرت ایشاں کو بیس سال کے سن میں ذوق و شوق الٰہی دامنگیر ہوا۔ بخارا سے وخش آئے۔ ایک دن باقی بیگ حاکم وخش کی مجلس میں جانا ہوا۔ وہ سخت مزاج تھا اس نے خواجہ کو دیکھ کر کہا یہ لوگ جو خواجہ زادہ کہلاتے ہیں، فی الحقیقت خلقت کو گمراہ کرتے ہیں۔ ناک کان کاٹ کر ان کی تشہیر کرنا چاہیئے۔ میں باقی بیگ نہیں اگر یہ کام نہ کروں۔ یہ بات سن کر حضرت ایشاں نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ایک دن تیرے ناک کان کاٹے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا کر دیا اور وہ یہ کہ عبداللہ خان شاہ بخارا کا میر شکار اپنے شکاری جانور لے کر وخش آیا۔ اس سے کوئی خطا ہوئی جو معلوم نہیں ہوسکی۔ باقی بیگ نے اسے پٹوایا اور وخش سے نکال دیا۔ اس نے آکر عبداللہ خان شاہ بخارا سے شکایت کی کہ حاکم وخش نے مجھے بے گناہ پٹوایا ہے اور بادشاہ کے خاص شکاری کو مار ڈالا ہے۔ بادشاہ نے باقی بیگ کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس کے دونوں کان اور ناک کاٹ دو۔ چنانچہ حکم کے مطابق اس کے کان اور ناک کٹوا دیے گئے۔

اولاد

آپ کے چھ لڑکے تھے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں:۔
۱۔ خواجہ معین الدین احمد، ۲۔ خواجہ تاج الدین خاوند۔ ۳۔ خواجہ خاوند احمد۔ ۴۔ خواجہ خاوند محمد

۵۔ خواجہ قاسم خاوند۔ ۶۔ خواجہ بہاء الدین خاوند۔

معاصرین آپ کے معاصرین میں حضرت مجدد الف ثانی رح، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح، شاہ حسین رح، حضرت بلاول قادری رح، مفتی عبدالسلام رح، شیخ محمد طاہر نقشبندی اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رح کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

وصال صاحب کتاب رضوانی لکھتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کے دن قریب آئے تو آپ نے پندرہ دن پہلے عصر کی نماز کے بعد اپنے مرید نواب افتخار الدین خان عالی جاہ کو فرمایا کہ میں پندرہ دن کے بعد اس دار الفناء سے دار البقاء کی طرف رحلت کر جاؤں گا۔ جب سولھواں دن پہنچا تو بروز شنبہ ۱۲ شعبان ۱۰۵۲ھ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد چند بار مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا:۔

الٰہی غنچۂ امید بکشاء گلے از روضۂ جاوید بنما

پھر عشاء سے پہلے سجدہ میں سر رکھا اور جانِ عزیز جان آفرین کے سپرد کر دی۔ قطعۂ تاریخ یہ ہے۔

بحمد اللہ کہ در جنت مکاں کرد ولیٔ بے ریا خاوند محمود
بسرور گفت رضوان از نجاشش کہ "قطب الاصفیاء" خاوند محمود
۱۰۵۲

مقبرہ آپ کا روضہ چاٹی روڈ پر بیگم پورہ میں یتیم خانہ دار الفرقان کے متصل واقع ہے، گنبد بہت بلند و بالا ہے۔ گنبد کے اندر چبوترے پر تین قبریں ہیں۔ پہلی قبر حضرت ایشاں کی ہے دوسری قبر حضرت میر جان نقشبندی کی ہے اور تیسری قبر ان کے چھوٹے بھائی سید محمود آغا کی ہے اسی گنبد کے جنوب مشرقی کونے میں حضرت ایشاں کے صاحبزادے خواجہ بہاء الدین خاوند کی قبر ہے۔ یہ گنبد نواب سعید خان نے تعمیر کروایا تھا۔ نواب شاہجہاں کے زمانہ میں یہ امراء میں سے تھا۔ مقبرہ کے غرب رویہ ایک مسجد ہے جو قدیم زمانے کی بنی ہوئی ہے۔

ماخوذ:۔ تذکرہ حضرت ایشاں از میاں اخلاق احمد (مرحوم) دوست مؤلف کتاب ہذا۔

حضرت مخدوم آدم نقشبندیؒ

مزار اقدس : ٹھٹھہ سندھ

نام و نسب حضرت مخدوم آدم نقشبندی سندھ میں مخدوم آدو کے نام سے مشہور ہیں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے اجداد میں دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کا نام عبدالباری تھا اور چھوٹے بھائی کا نام عبدالخالق۔ بڑے بھائی عبدالباری ۱۷ھ میں ٹھٹھہ سے جا کر "کچھ" میں آباد ہو گئے اور چھوٹے بھائی عبدالخالق ٹھٹھہ میں رہے۔ سلطان محمود غزنوی نے جب سندھ پر قبضہ کیا تو عبدالخالق کے علم و فضل و زہد و ورع سے متاثر ہو کر ان کو شاہی اعزازات سے نوازا۔ انھیں کی اولاد سے مخدوم آدم ہیں۔ آپ کے والد کا نام عبدالاحد تھا۔

آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے : مخدوم آدم بن مخدوم عبدالاحد بن عبدالرحمٰن بن عبدالباقی بن محمد بن احمد بن آدم بن عبدالہادی بن محسن بن علی بن محمد بن عبدالخالق۔

تلاشِ حق ایک دفعہ آپ نے سنا کہ بادشاہ عالمگیر علوم و معارف کا بڑا قدرداں ہے اس لیے وہ علماء و حفاظ کے ساتھ نہایت حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہے اس کی اس شہرت سے متاثر ہو کر آپ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھٹھہ سے دہلی تشریف لے گئے۔ اتفاقاً آپ کی ملاقات سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سے ہوئی۔ خواجہ محمد معصومؒ نے ایک ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل اور علمی استعداد کا اندازہ فرمالیا اور آپ کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، اپنے پاس ٹھہرا لیا اور فرمایا اگر تم کو پسند ہو تو میرے بچوں کو تعلیم دو، اور میں اس کے عوض تمھارے اور تمھارے وابستگان کے اخراجات کا کفیل ہوں گا آپ نے اسے منظور فرمالیا اور آپ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

شیخ عبدالرحیم گرہوری کا بیان ہے کہ ابتداءً مخدوم آدمؒ کو حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے عقیدت نہ تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں ٹھٹھہ سے ملتان تک پورے سندھ میں آپ کے

ہم پایہ کوئی عالم نہ تھا۔ علم وفضل کا کمال، عقیدت و نیازمندی سے بے نیاز نہ تھا۔ ایک روز حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے نہایت شفقت سے ان سے قرآن مجید کی اس آیت والطور وکتاب مسطور فی رقٍ منشور والبیت المعمور کے معنی پوچھے، مخدوم آدم نے نہایت ہی توجہ اور وضاحت سے آیت کے معنی بیان فرمائے۔ عین اس وقت جبکہ وہ آیت کے معنی بیان فرما رہے تھے، آپ نے اپنی توجہ باطنی سے ان پر عرفان وعقیدت کی راہیں کھولدیں۔ خواجہ محمد معصوم کی نگاہ کیمیا اثر کا یہ کرشمہ تھا کہ مخدوم آدم نے اسی وقت آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

مجاہدہ

ایک طویل عرصہ تک مخدوم آدم اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر مختلف طریقوں سے مجاہدہ کرتے رہے۔ تقریباً سات سال تک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ یہ کیفیت اس قدر مکمل تھی کہ اس زمانے میں جو خطوط آپ کے پاس وطن سے آتے تھے آپ ان کے لفافوں کو اس اندیشے سے کھولتے تک نہ تھے کہ کہیں ان میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو سکونِ خاطر میں برہمی پیدا کرکے استغراق کی کیفیت کو زائل کردے۔

عطائے خلافت

ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکمیل کے بعد آپ کے شیخ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے وطن جاکر رشد وہدایت کے فرائض انجام دو کہ منتہائے تصوف یہی ہے کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا جائے۔ مخدوم آدم نے عرض کیا کہ تعمیلِ ارشاد میرا فرض ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں اس قدر مشائخ کرام ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے میری طرف کون رجوع کریگا۔ آپ کے شیخ نے فرمایا جاؤ سارا سندھ بھی اگر مشائخ سے بھرا ہوا ہو تو اس کی پرواہ نہ کرو۔

فیوض کا اجراء

بحکم مرشد آپ واپس سندھ آئے اور اپنی قدیم جائے قیام میں سکونت پذیر لوگوں کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ طالبانِ حق دور دور سے آپ سے فیضان حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے۔ بڑے بڑے مشائخ اور علماء آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اور آپ کی خانقاہ ہر وقت طالبانِ حق سے معمور رہتی تھی۔ حضرت آدم نقشبندی بلند اور عالی مرتبت ہونے کے باوجود اپنے ہم عصر بزرگوں کی بڑی عزت وتوقیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دوسرے بزرگ مخدوم آدم بن اسحاق جو آپ کے ہمنام اور ہم عصر تھے، آپ ان کی انتہائی تعظیم

کرتے اور لوگوں سے کسر نفسی کی بنا پر کہتے کہ مجھے بجائے آدم کے آدو کہا کرو۔ اس لیے کہ اس شہر میں دو آدم رہتے ہیں۔

سیرت و خصائل

سلسلہ نقشبندیہ میں آپ بہت بڑے صاحبِ کمال اور عالی مقامات پر فائز سمجھے جاتے ہیں۔ بہت سے تاریک دلوں نے آپ کی مشعلِ ہدایت سے روشنی پائی اور ایک بڑی جماعت نے آپ کی برکت سے ہدایت حاصل کی، آپ جامع شریعت و طریقت تھے۔ مظہر اسرار صوری و معنوی تھے۔

نگاہِ شفقت کا اثر

مشہور ہے کہ ملا آخوند یوسف آپ کی مسجد کا امام تھا اور بغیر آپ کے تشریف لائے ہوئے نماز شروع نہیں کرتا تھا۔ ایک دن مخدوم آدم ابن اسحاق کے بیٹے میاں ابوبکر صدر نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد میں آئے۔ دیکھا کہ نماز ہو چکی ہے۔ انھوں نے امام مسجد کو ڈانٹ کر کہا کہ تم سوائے مخدوم آدم کے کسی دوسرے آدمی کی پروا نہیں کرتے۔ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو ہم تم کو اس مسجد کی امامت سے معزول کر دیں گے۔ امام مسجد بہت ہی ملول اور رنجیدہ ہو کر حضرت مخدوم آدو کی خدمت میں حاضر ہوا اور روتے ہوئے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا، گھبراؤ نہیں۔ جاؤ اور اپنے مکان کے بالاخانے پر بیٹھ کر تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہو جاؤ۔ تم دیکھو گے کہ ابوبکر صدر خود تمھارے دروازے پر آئیں گے۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ جب تک تم ان سے اپنے معاملے کا صحیح تصفیہ نہ کر لو، ہرگز صلح نہ کرنا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق امام مسجد اپنے بالاخانے پر تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہوئے اور ادھر میاں ابوبکر پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوئے لیکن وہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ یہ درد کس وجہ سے ہے فوراً پالکی میں سوار ہو کر امام کے دروازے پر پہنچے اور رونے لگے لیکن امام مسجد اپنی تلاوت میں مصروف رہا۔ جب میاں ابوبکر صدر کا رونا حد سے بڑھا تو امام مسجد نے ان کو اس شرط پر معافی دی کہ وہ ان کو چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی اور خلعت و سند عطا کریں گے جب وہ اسی پر راضی ہو گئے تو امام مسجد نے کہ پانی پر پھونکا اور وہ ان کو پینے کے لیے دیا۔ اسی وقت انھوں نے خدا کے فضل سے

حضرت مخدوم آدم نے ٹھٹھہ میں وفات پائی آپ کا مزارِ مبارک ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان

مکلی میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

اولاد مخدوم آدم کے دو صاحبزادے مخدوم فیض اللہ اور مخدوم اشرف تھے۔ دونوں صاحبزادے علم وفضل، زہد وورع، تقویٰ وتقدس سے ممتاز تھے۔

مخدوم آدم نے اپنی وفات کے وقت مخدوم فیض اللہ کو اپنا جانشین بنایا۔ چندون کے بعد یہ دونوں صاحبزادے سرہند میں بھی حاضر ہوئے اور وہاں سے فیوض وبرکات حاصل کیے اور اپنے وطن (سندھ) میں واپس ہو کر اپنے والد محترم کے طریقہ پر رشد وہدایت میں مصروف ہو گئے۔ افسوس ہے کہ اپنے والد کی وفات کے پانچ سال بعد دونوں نے عالم جوانی میں ایک سال کے فاصلے سے وفات پائی۔ اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں مشرقی جانب مدفون ہوئے۔

خلفاء آپ کے خلفاء اور مریدین میں شیخ ابوالقاسمؒ، شیخ ابراہیم روہڑویؒ، سید فتح محمدؒ، اور شیخ انسؒ مشہور ہیں۔ مخدوم صابر دولھاری نے بھی آپ سے استفادہ کیا تھا۔

مخدوم محمد معین ٹھٹھوی نقشبندیؒ

وصال: ۱۱۶۱ھ، مزار اقدس: ٹھٹھہ (سندھ)

آپ کا اسم گرامی محمد معین، آپ کے والد محترم کا نام محمد امین اور آپ کے دادا کا نام شیخ طالب اللہ تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ فاضل خان میر منشی کی صاحبزادی تھیں۔

آباؤ اجداد آپ کا تعلق قوم لاکھا دل سے تھا جو سندھ کی ایک مشہور قوم ہے۔ مخدوم محمد معین کے آباؤ اجداد سندھ کے ایک موضع "والی" کے رہنے والے تھے لیکن آپ کے والد کسی وجہ سے ترکِ وطن کر کے ٹھٹھہ میں آباد ہوئے۔ یہیں فاضل خان میر منشی نے اس عقیدت کی بنا پر جو اس کو مخدوم محمد معین کے دادا سے تھی، اپنی صاحبزادی کا عقد مخدوم محمد امین سے کر دیا۔

ولادت:۔ مخدوم محمد معین کی ولادت باسعادت ٹھٹھہ میں ہوئی۔

حصولِ علم

آپ کے زمانے میں ٹھٹھہ علوم و فنون کا گہوارہ اور جلیل القدر علماء کا مرکز تھا مخدوم محمد معین نے ابتداءً اپنے والد ماجد محمد امین سے تعلیم و تربیت حاصل کی جو اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے۔ پھر آپ نے شاہ عنایت کی شاگردی اختیار کی جو معروف اساتذہ سے تھے۔ ان سے آپ نے دینی علوم کی بیشتر کتب پڑھیں۔ پھر شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب نصوص الحکم آپ نے علی رضا درویش سے اس وقت پڑھی جب وہ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے حدیث کی تعلیم آپ نے ٹھٹھہ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سے حاصل کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ سے بھی آپ نے اکتسابِ علم کیا۔ ان کے علاوہ جن سے مخدوم محمد معین استفادہ کیا کرتے تھے ان میں شیخ جلال محمد اور علامہ میر سعد اللہ پوربی کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

بیعت

دینی علوم حاصل کرنے کے بعد آپ نے سندھ کے سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی سے بیعت کی جو شیخ سیف الدین سرہندی کے خلفاء میں تھے۔ شیخ سیف الدین سرہندی نے اپنے والد شیخ محمد معصوم نقشبندی سے بیعت و خلافت حاصل کی تھی اور وہ اپنے والد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ممتاز خلفاء میں تھے۔

عقیدت شیخ

آپ طویل عرصہ تک اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم باطنی میں استفادہ کرتے رہے۔ ان کی اپنے شیوخ سے محبت و عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدت العمر اپنے آپ کو ان بزرگوں کا مرید کہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ان کے دروازے کا کتا ہوں۔

وحدت الوجود سے رغبت

آخر میں مخدوم محمد معین وحدت الوجود کے نظریہ سے متاثر ہو کر صوفی شاہ عنایت اللہ سے متعلق ہو گئے۔ آپ کے شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ کچھ دن کے بعد مخدوم محمد معین جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے تو شیخ نے ان کو معاف کر دیا اس معافی کے چند دن بعد ہی مخدوم ابوالقاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی سے تعلقات

مخدوم ابوالقاسم کی وفات کے بعد وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے زمرۂ عقیدت

مندروں میں شامل ہوگئے۔ وہ شاہ عبداللطیف سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور شاہ بھی ان کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ اکثر مخدوم محمد معین کی ملاقات کے لیے ٹھٹھہ تشریف لاتے۔ آپ کی تشریف آوری پر حال وقال اور سماع کی مجلسیں منعقد ہوتیں۔ مخدوم محمد معین سے حضرت شاہ عبداللطیف کے تعلق خاطر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ مخدوم محمد معین کی وفات کے وقت ٹھٹھہ ہی میں موجود تھے۔

درس و تدریس

مخدوم محمد معین کی ذات علوم و فنون کا سرچشمہ تھی۔ ٹھٹھہ میں آپ کا ایک مدرسہ بھی تھا جس میں آپ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دیتے اور طالبعلموں کے اخراجات خود برداشت فرماتے تھے۔ اس مدرسے کی بدولت سندھ میں علم و فضل کو کافی ترقی ہوئی۔ یہاں کے تعلیم و تربیت یافتہ طلبا ملک میں پھیلے۔ انھوں نے جابجا درسگاہیں قائم کر کے علم کی اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ مخدوم محمد معین کے شاگردوں میں میر نجم الدین عزلت، مولوی محمد صادق، علامہ محدث محمد حیات سندھی، جعفر شیرازی، شرف الدین علی، اور میر مرتضیٰ سیوستانی مشہور ہیں۔

ہر دلعزیزی

مخدوم محمد معین نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ ان کی خدمت میں امیر و غریب سب ہی آتے تھے۔ امراء و اہلِ دول کا اکثر جمگھٹا رہتا اور وہ آپ کے آستانے کی حاضری کو اپنے لیے باعثِ فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ ٹھٹھہ کا گورنر نواب مہابت خان جو اکثر آپ کی خدمت میں عقیدتاً حاضر ہوتا تھا اسی کی استدعا پر آپ نے ایک کتاب "حل اصطلاحاتِ صوفیہ" کے نام سے لکھی تھی۔ اسی طرح جب نواب سیف اللہ خان ٹھٹھہ کا گورنر ہوا۔ وہ بھی آپ سے عقیدت اور ربط رکھتا تھا۔ آپ کی کوشش ہوتی کہ آنے والا خالی نہ جائے۔

علمی خدمات

مخدوم محمد معین نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا اور وہ اپنی تصانیف کی وجہ سے بھی منبع فیوض و برکات بنے۔ ان کی تصانیف سے ان کے غیر معمولی تبحر، علم و فضل اور کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ رسالہ اویسیہ۔

یہ رسالہ فارسی میں ہے جو مخدوم محمد معین نے شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک

سوال پر جو آپ نے ان سے اویسی سلسلہ کی تحقیق کے بارے میں کیا تھا، لکھا ہے۔

۲۔ شرح رموز عقائد رموز صوفیہ۔

یہ رسالہ آپ نے نواب مہابت خان کی استدعا پر لکھا، جس پر آپ کے شاگرد رشید شرف الدین علی کا مقدمہ ہے۔

۳۔ اثبات رفع الیدین فی الصلوٰۃ کے سلسلہ میں آپ نے دو رسالے مرتب فرمائے تھے۔ ایک عربی میں اور دوسرا فارسی میں۔

۴۔ ایقاظ الوسنان۔

۵۔ غایۃ الفسخ لمسئلۃ النسخ۔

۶۔ رسالہ فی تحقیق اہل البیت

۷۔ غایۃ الایضاح فی المحاکمۃ بین النووی و ابن الصلاح۔

۸۔ ابراز الضمیر للمنصف الخبیر۔

۹۔ الانوار الوحید من منح المجید

۱۰۔ رسالہ در بحث تناسخ

۱۱۔ رسالہ فی انتقاد الموضعین من "فتح القدیر"

۱۲۔ رسالہ فی تحقیق معنی الحدیث۔ (لا نورث ما ترکنا صدقۃ)

۱۳۔ مواہب سید البشر فی حدیث الائمۃ الاثنی عشر۔

۱۴۔ قرۃ العین فی البکاء علی الامام الحسین

۱۵۔ رسالہ فی بحث حدیث المصراۃ۔

۱۶۔ الحجۃ الجلیہ فی نقض الحکم بالافضلیۃ۔

۱۷۔ رسالہ بالاجوبۃ الفاضلۃ الاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ

۱۸۔ رسالہ فی اثبات اسلام ابی طالب

۱۹۔ دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب۔ (یہ آپ کی سب سے آخری تصنیف ہے)

شاعری کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے۔ فارسی میں آپ کا تخلص تسلیم اور ہندی میں بیراگی تھا۔ آپ کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں :۔

مبادا ہیچ کسے خستہ دل زما تسلیم — کہ زیب خرقۂ ما شیوہ کمانداری ست

کیست روباہ کہ از شیر ژیاں صرفہ برد — عقل از پنجۂ عشق زبوں می گردد

سگت را خونِ دل دادم کہ با من آشنا گردد

ندانستم زبختِ بد کہ او دیوانہ خواہد شُد

وصال آپ کا وصال ۱۱۶۱ھ کو عین مجلسِ سماع میں ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وصال سے ایک دن پہلے شاہ عبداللطیفؒ نے اپنے وطن میں اچانک اپنے مریدوں سے فرمایا، چلو ہم اپنے دوست سے آخری ملاقات کرلیں۔ پھر آپ ٹھٹھہ تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لانے پر محفلِ سماع منعقد ہوئی اس محفل میں مخدوم محمد معین بھی شریک تھے۔ محفل سماع شباب پر تھی۔ عین سرمستی اور ذوق کے عالم میں مخدوم محمد معین اٹھے اور اندر تشریف لے گئے اور اسی عالم میں واصل الی اللہ ہوئے اور ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسم کی پائنتی مدفون ہوئے۔ شاہ عبداللطیف نے تجہیز و تکفین میں شرکت فرمائی۔ جب ٹھٹھہ سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا ٹھٹھہ میں ہمارا آنا صرف ان کے لیے تھا آج یہ بھی ختم ہوا۔

آپ کا مزار ٹھٹھہ (سندھ) میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

مخدوم محمد زمان نقشبندیؒ

وصال: ۱۱۸۸ھ - لواری شریف - بدین (سندھ)

آپ کا اسم گرامی محمد زمان تھا لیکن آپ خواجہ کلاں کے لقب سے مشہور ہوئے آپ کے والد کا

اسم گرامی شیخ حاجی عبد اللطیف نقشبندی تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ خواجہ عبد السلام ساکن جون کی صاحبزادی تھیں۔ آپ نسبًا صدیقی تھے کیونکہ آپ کا نسب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد ہارون کے زمانے میں عراق سے ہجرت کر کے سندھ میں آ کر آباد ہوئے۔

مخدوم محمد زمانؒ کے والد ماجد شیخ عبد اللطیفؒ خود بھی صاحبِ کمال اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ وہ مخدوم آدم کے صاحبزادے خواجہ فیض اللہؒ سے بیعت تھے اور خواجہ حافظ مخدوم ابو القاسم نقشبندیؒ سے بھی غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی تربیت باطنی میں مخدوم خواجہ ابو القاسمؒ نقشبندی کا بھی بڑا حصہ تھا۔

ولادت

حضرت مخدوم محمد زمانؒ کی ولادت باسعادت ۲۱ رمضان ۱۱۲۵ھ کو سندھ کے ایک قصبہ لواری میں ہوئی۔

تعلیم

آپ نے علوم ظاہریہ کی تعلیم ٹھٹھہ میں مولانا محمد صادق سے حاصل کی جو ایک متبحر عالم تھے۔ آپ نے ان سے عربی فارسی، قرآن حدیث اور فقہ کا ایک مدت تک درس لیا اور ان علوم میں کامل دسترس حاصل کی۔

بیعت

دورانِ تعلیم کا واقعہ ہے کہ اتفاقًا آپ کی ملاقات ٹھٹھہ کے مشہور بزرگ.... حضرت ابو المساکین ٹھٹھوی سے ہوئی۔ حضرت ابو المساکین نے پہلی ہی نظر میں آپ کے جوہر قابل کو پرکھ لیا۔ نہایت شفقت سے ملے اور آپ کو اپنی خانقاہ میں لائے اور متعدد ملاقاتوں میں آپ کو حصولِ معرفتِ الٰہی کی طرف توجہ دلائی۔ آپ حضرت ابو المساکینؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔

حصولِ خلافت

بیعت ہونے کے بعد تقریبًا چھ ماہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔ آخر مرشد کی توجہ خاص نے آپ کو تھوڑے عرصہ میں کامل کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو المساکینؒ نے آپ کو خلافت عطا فرماتے ہوئے اپنی دستارِ مبارک آپ کے سر پر رکھی۔ آپ کو یہ اعزاز بھی بخشا کہ آپ کی بہت تکریم کی اور اپنے مریدوں کو آپ سے بیعت کرایا۔

مسندِ ارشاد پر جلوہ افروزی

۱۱۵۰ھ میں آپ اپنے وطن لواری میں تشریف لائے۔ اور مسندِ ارشاد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے۔ جس دور

میں آپ لواری تشریف لائے یہ قصبہ ویران ہو رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی زمین شور تھی اور جنوبی دریائے سندھ کے رخ بدل لینے کی وجہ سے قصبہ کے تمام کنوؤں کا پانی کھارا ہو چکا تھا لوگ پانی کی دقت کی وجہ سے آہستہ آہستہ دوسرے قصبوں اور شہروں میں منتقل ہو رہے تھے آخر میں صرف آپ کے والد ماجد حاجی عبداللطیف رح اس قصبہ میں رہ گئے تھے جو کسی صورت میں بھی ترکِ وطن نہ کرنا چاہتے تھے۔ جب تک کہ آپ کے والد حیات رہے آپ بھی قدیم لواری میں مقیم رہے لیکن اپنے والد کی رحلت کے بعد آپ نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس جدید شہر کا نام بھی لواری رکھا۔ اور اس میں منتقل ہو گئے اور آپ کی وجہ سے دریا بھی دور چلا گیا۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی سے ملاقات

ایک دفعہ سندھ کے مشہور صوفی، اور عظیم المرتبت شاعر حضرت سید شاہ عبداللطیف بھٹائی آپ کی زیارت کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب دروازے پر پہنچے تو خادم کے ذریعے حاضری کی اجازت طلب کی۔ خادم نے اندر آکر آپ کو اطلاع دی۔ فرمایا کہ وہ سید ہیں۔ میں خود ان کے استقبال کے لیے آتا ہوں۔ خادم جس وقت یہ جواب لے کر آیا تو شاہ نے پوچھا کہ حضرت اس وقت کیا کر رہے تھے؟ خادم نے جواب دیا کہ آپ پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ شاہ نے فرمایا کہ وہ جس عالم میں ہیں وہ اسے چھوڑ کر کہاں ہماری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ چلو میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اندر داخل ہوئے۔ جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو سندھی کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"رہبر سفر پر روانہ ہو گئے۔ میں ان کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہوں"۔

آپ نے اس کے جواب میں سندھی کے چند شعر پڑھے جن کا ماحصل یہ ہے:۔

"ان کے پاس جاکر بیٹھو جن کے ہاتھ میں ایسا قلم ہے جو تقدیر بدلتا ہے۔ وہ لوگ وہی ورق پڑھاتے ہیں جس سے محبوب کا مشاہدہ ہو"۔

شاہ کی عقیدت

حضرت مخدوم زمان شاہ سے شاہ عبداللطیف رح کی عقیدت و محبت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ حضرت مخدوم کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

"میری ماں! میں نے وہ لوگ بھی دیکھے ہیں جنھوں نے محبوب کو دیکھا تھا۔ میں ان کی تعریف کن الفاظ میں بیان کروں۔"

اتباعِ شریعت

حضرت مخدوم اتباعِ شریعت کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ اور مریدوں کی تربیت میں بھی ہمیشہ اس کی کوشش فرماتے کہ احکامِ شریعت پر اور سنتِ نبوی پر پورا پورا عمل کیا جائے۔

ایک دفعہ حافظ سدر الدین سے مخدوم علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد کسی نے آپ کے اوصاف کے متعلق پوچھا۔ فرمایا کیا پوچھتے ہو، حضرت مخدوم تو اتباعِ رسول اکرمؐ کا مجسم پیکر تھے اور آپ کے مرید بھی اتباعِ رسول اکرمؐ میں آپ کے نقشِ قدم پر تھے۔ پھر اس کے بعد فرمایا۔ جب آپ بیت الخلاء کے لیے تشریف لے جاتے تو میں آپ کے ساتھ جاتا۔ اتفاقاً ایک دفعہ راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو اٹھالوں، آپ نے مجھے منع فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے اٹھا لینے میں کیا حرج ہے۔ فقہاء کا فتویٰ تو یہ ہے کہ اگر پڑی ہوئی چیز کا مالک نہ ملے تو وہ کسی مسکین کو دے دینی چاہیے۔ مجھے بھی اگر اس کا مالک نہ ملا تو میں خیرات کردوں گا۔ فرمایا یہ صحیح ہے لیکن اس کا اٹھانا خلافِ مستحب ہے۔ آج ترکِ مستحب کروگے، کل ترکِ سنت پر آمادہ ہوگے۔ اس کے بعد ترکِ فرض کی نوبت آئے گی اور ترکِ فرض بعض مرتبہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

جود و سخا

جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ حضرت مخدوم نے کبھی گھر میں بچا کر کچھ نہیں رکھا۔ جس روز آپ نے رحلت فرمائی اس روز بھی آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ اللہ کی راہ میں دے دیا۔

شب بیداری

آپ کی خانقاہ میں شب بیداری کا خاص طور پر اہتمام ہوتا تھا۔ آپ نے ایک آدمی کو مقرر فرمایا تھا کہ وہ رات کو مقررہ وقت پر عبادتِ الٰہی کے لیے لوگوں کو بیدار کرے۔

ایک روز رات کو خانقاہ میں بعض لوگوں کو سوتا ہوا دیکھ کر فرمایا۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ اس طرح بے خبر سو رہے ہیں جس طرح سوداگر گھوڑے بیچ کر بے خبر سوتے ہیں۔

خواجہ محمد عیسیٰ دہشتی کی روایت ہے کہ ایک رات مجھ پر نیند کا سخت غلبہ ہوا۔ میں نے مسجد کے

فرش کو اکٹھا کیا اور اسے لپیٹ کر تکیہ بنا کر سو رہا۔ صبح کو حلقے کے بعد حضرت مخدوم نے اس فرش کو لپٹے ہوئے دیکھا۔ اپنے دستِ مبارک سے کھولا اور بچھا دیا۔ جب آپ خانقاہ میں تشریف لائے تو مجھ سے پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ رات مجھ پر نیند کا بیحد غلبہ تھا۔ میں نے اس فرش کو لپیٹ کر تکیہ بنا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ بابا تم یہاں سونے کے لیے نہیں آئے ہو۔

مریدوں کی تربیت

مریدوں اور طالبانِ حق کے تزکیہ نفس کا خصوصیت سے خیال فرماتے تھے۔ شیخ سدہ تورا کا بیان ہے کہ حضرت مخدومؒ موسم گرما میں صبح کے حلقے کے بعد دالان میں تشریف فرما ہوتے۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند آپ کے سامنے بیٹھتے۔ یہاں تک کہ آپ کے حجرۂ مبارک تک لوگ بھر جاتے۔ پھر آپ اور آپ کے مریدین مراقبے میں مستغرق ہوتے اور ان پر محویت اور استغراق کی یہ کیفیت ہوتی کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ سروں پر پڑتی رہتی۔ مگر مطلقاً کسی کو احساس نہ ہوتا تھا۔ تقریباً چاشت کے وقت تک یہ مجلس طول کھینچتی تھی۔ جب لوگ مراقبے سے فارغ ہو کر اٹھتے تو زمین پسینے سے تر ہو جاتی تھی۔

وفات

حضرت مخدوم زماں ۶۳ سال کی عمر میں ۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ میں چاشت کے وقت واصل الی اللہ ہوئے آپ کا مزار مبارک لواری میں مرجع خاص و عام ہے۔

خلفاء و مریدین

آپ کے خلفاء و مریدین کی تعداد کثیر ہے ان میں شیخ عبدالرحیم گرہوڑیؒ، شیخ محمد صالح، شیخ شعیبؒ، حافظ عبدالمالکؒ معروف بہ سائیں دتہ حافظ صدرالدین اور حافظ کبیر مشہور ہیں۔ صاحبِ مرغوب الاحباب نے اپنی کتاب مرغوب الاحباب میں تفصیل سے آپ کے مریدین و خلفاء کے حالات لکھے ہیں۔

اولاد

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت محبوب الصمد خواجہ گل محمد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ خواجہ گل محمد کی ولادت باسعادت ۱۱۷۹ھ میں ہوئی اور ۷ ربیع الآخر ۱۲۱۸ھ کو آپ نے وفات پائی۔ وقضی اللہ امراً سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد زمان ثانی اپنے بزرگوں کے جانشین ہوئے۔ مخدوم محمد زمان ثانی نے ۱۲۴۷ھ میں وفات پائی۔

حضرت میاں محمد عمر چمکنی نقشبندیؒ

وصال ۱۱۹۰ھ ، مزار: چمکنی پشاور

میاں عمر چمکنی علاقہ سرحد کے معروف اولیاء سے ہیں۔ ان کا اسم گرامی محمد عمر اور ان کے والد ماجد کا نام ابراہیم خان تھا۔ وہ دادھیال کی طرف سے نسلاً پٹھان اور ننھیال کی طرف سے سید ہیں۔ وہ باجوڑ کے رہنے والے تھے ان کے دادا قادر خان، صاحب علم و فضل اور سلسلہ قادریہ و چشتیہ کے ایک مشہور بزرگ تھے۔ جو کلا خان کے لقب سے مشہور تھے۔

مغلوں کے دور اقتدار میں سوات، بنیر اور باجوڑ کے علاقے کے پٹھانوں نے اکبر کے خلاف بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں۔ جس سے ایک گونہ پٹھانوں اور مغلوں میں منافرت پیدا ہو چکی تھی۔ جب شاہ جہاں کا دور آیا تو اس نے اپنی پالیسی کو بدلا۔ اور پٹھانوں سے اپنے تعلقات کو شگفتہ، استوار اور محکم بنانے کی کوشش کی۔

اس پالیسی کے تحت شاہ جہاں نے پٹھانوں کے سرداروں کو جاگیریں دینا شروع کیں۔ حضرت میاں محمد عمر کے دادا کے علم و فضل اور روحانی عظمت کی شہرت شاہ جہاں کے کان میں پڑ چکی تھی۔ اتفاق سے کلا خان لاہور آئے اس وقت شاہ جہاں یہیں تھا۔ شاہ جہاں کو جب آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو وہ انتہائی عزت و احترام سے پیش آیا اور آپ کو موضع فرید آباد بطور جاگیر کے پیش کیا۔

پیدائش حضرت میاں محمد عمر اور ان کے دو بھائیوں محمد موسیٰ اور محمد عیسیٰ کی ولادت فرید آباد میں ہوئی۔ صاحب تذکرہ علماء و مشائخ سرحد جناب محمد امیر شاہ قادری نے اپنی کتاب میں کچھ اور بھی تفصیلات دی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ کلا خان نے فرید آباد میں آباد ہونے کے بعد ایک قریبی موضع سیداں والا کے ایک شریف گھرانے میں شادی کر لی۔ اور انہیں کے بطن سے حضرت میاں محمد عمر چمکنی کے والد ماجد محمد ابراہیم خان پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت حضرت میاں محمد عمر کی تربیت ان کی والدہ اور ان کے نانا ملک سعید خان نے کی۔ مگر اس گوہر گرانمایہ کے جوہر قابل کو جن اساتذہ نے سنوارا اور نکھارا ان

ہیں مولانا محمد فاضل پابینیؒ (علاقہ ننگرہار) شیخ فرید اکبر پوریؒ، مولانا حاجی محمد امین پشاوریؒ، حضرت عبدالغفور نقشبندیؒ، حضرت محمد یونسؒ اور دریا خانؒ تھے۔ انھیں بزرگوں سے میاں عمر نے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔

تلاشِ مرشد علوم ظاہری سے میاں محمد عمرؒ کے ہیں سلوک اور تزکیۂ باطن کے چراغ کو روشن کر دیا اور معرفتِ الٰہی کے ذوق نے انھیں ۱۱۰۴ھ میں اس دور کے سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت سعدی بلخاری مجددیؒ کے آستانے تک پہنچایا۔ وہ ہمیشہ ان کی خدمت میں بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے تھے۔ جب بھی اپنی جاگیر کی وصولی کے سلسلہ میں فرید آباد جاتے ان کی خدمت میں نہایت عقیدت سے تشریف لے جاتے۔ خود بھی جب کبھی حضرت سعدی لاہوریؒ کسی وجہ سے سرحد میں تشریف لائے تو وہ بھی ان کی خدمت میں ہمیشہ نہایت عقیدت سے حاضر ہوئے صفر ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۴ء) میں آخری مرتبہ حضرت شیخ سعدی لاہوری کوہاٹ تشریف لائے اور وہاں سے واپس ہوتے ہوئے پشاور آئے تو حضرت میاں محمد عمرؒ نے ان کا نہایت خلوص وعقیدت سے استقبال کیا۔

بیعت اور خلافت میاں محمد عمر چمکنی اگرچہ شیخ سعدی لاہوریؒ سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے لیکن وہ بیعت حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ کے مرید وخلیفہ شیخ یحییٰؒ (اٹک) معروف بہ حضرت جی کے ہوئے چنانچہ اپنی کتاب "توضیح المعانی" جو پشتو میں ہے اپنی بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میرا طریقہ اویسی تھا۔ حضور پرنور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی روح پُرفتوح نے میری تربیت کی تھی لیکن ظاہری طور پر بھی میرے لیے ضروری تھا کہ میں کسی زندہ پیر کی بھی بیعت کروں، اسی وجہ سے میں نے اٹک کے حضرت یحییٰ صاحب معروف بہ "حضرت جی" کے دستِ حق پرست پر طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت کی"۔

آپ کو اپنے مرشد سے کچھ عرصہ کے بعد سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت حاصل ہوئی۔

رشد و ہدایت خلافت کے بعد انھوں نے علاقہ یوسف زئی اور خلیل میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا اور اس سرچشمۂ علم وہدایت سے ہزاروں طالبانِ

علم و معرفت فیض یاب ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی کی عقیدتمندی

میاں عمر چمکنی کی ذاتِ گرامی علم و فضل، زہد و ورع، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سرحد، پنجاب اور افغانستان کے لوگ ان کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے۔ اخلاق کی تعلیم حاصل کرتے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے۔ مشہور فرمانروا احمد شاہ ابدالی ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو وہ ان سے دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ

"ہمراہ خود ہمہ وقت مرا پنداری" - (تم مجھے ہر وقت اپنے ساتھ پاؤ گے)

اس نے لنگر خانے کے لیے کچھ اراضی بطور تحفہ حضرت میاں عمر چمکنی کو دی تھی۔

سیاسی بصیرت

دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ خدائے تعالیٰ نے میاں عمر چمکنیؒ کو سیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا۔ پانی پت کی جنگ کے دوران میں میاں عمر چمکنیؒ نے احمد شاہ ابدالی کی ہر قسم کی مدد کی۔ معاملات ملکی میں احمد شاہ ان کے مشوروں پر چلتا تھا۔ قاضی قابل کو احمد شاہ ابدالی نے انھیں کے مشورے سے کمال زئی کے علاقے میں قاضی مقرر کیا تھا۔

معمولات

شب بیداری اور مجاہدے کی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے موضع چمکنی میں ایک جامع مسجد اور ایک چھوٹی مسجد بنوائی۔ اس چھوٹی مسجد میں الگ ایک حصہ اپنی راتوں کی عبادت کے لیے بنوایا تھا۔ اس حصے میں آپ راتوں کو عبادت میں مصروف رہتے۔ جب تھک جاتے تو اس کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر آرام کر لیتے۔

صبح کو جامع مسجد چمکنی میں طلبہ کو درس دیتے۔ اور سارے دن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رہتا۔

دور دور سے لوگ آ کر اس شمعِ معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے۔ آپ کی خانقاہ میں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ زائروں اور مسافروں کے علاوہ موضع کے غرباء اور مساکین کو بھی لنگر سے کھانا دیا جاتا۔

تصانیف

حضرت میاں عمر چمکنیؒ کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ رشد و ہدایت اور اعلائے کلمۃ الحق سے جو وقت بچتا۔ اس کو آپ تالیف و تصنیف

میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کی تصانیف ہیں "خلاصۂ کیدانی" کا منظوم پشتو ترجمہ "توضیح المعانی" کے نام سے بھانہ ماڑی میں صاحبزادہ فضل احمد کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس میں آپ نے اپنا تخلص فقیر اختیار فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے محمد عثمان اوشی کے ۶۳ عربی اشعار کی شرح فارسی میں لکھی۔ یہ ۹۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۸ھ ہے۔ صاحب "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" نے بحوالہ جناب عبدالحلیم اثر افغانی، جو اس علاقے کی ثقافتی اور ادبی تاریخ کے محقق ہیں آپ کی ایک اور کتاب "سرالاسرار"، یا "خزینۃ الاسرار" کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے کابل میں دیکھی تھی اور حسین کے حوالے مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب "خزینۃ الاصفیاء" میں ہیں۔ آپ کی ایک اور کتاب "شرح" "قصیدۂ امالی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی صاحبزادہ فضل احمد کے کتب خانے میں موجود ہے۔

وصال آپ کا وصال رجب ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں ہوا۔ اور موضع چمکنی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ یہ گاؤں پشاور سے تین میل دور واقع ہے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال رجب کی پہلی جمعرات کو بڑے اہتمام سے منعقد ہوتا ہے۔

اولاد میاں عمر چمکنی رح کے تین صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں :-
۱۔ میاں گل۔ ۲۔ محمدی اخوندزادہ۔ ۳۔ عبیداللہ۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے محمدی اخوندزادہ مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے جو روحانی کمالات کے ساتھ ایک متبحر عالم بھی تھے۔

خلفاء میاں عمر چمکنی رح کے خلفاء و مریدین کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں سے چند خلفاء کے نام یہ ہیں جنھوں نے آپ کے بعد اس سلسلے کے فیوض و برکات کو عام کیا۔

۱۔ اخوند ملا عبدالحکیم صاحب ساکن موضع گجر گڑھی ضلع مردان۔
۲۔ محمدی اخوندزادہ۔ صاحبزادہ حضرت میاں عمر چمکنی رح۔
۳۔ عبیداللہ میاں گل صاحب، صاحبزادہ حضرت میاں عمر چمکنی
۴۔ قاضی اخوند عبدالرحمن صاحب ساکن پشاور۔
۵۔ ارباب معز اللہ خاں صاحب ساکن موضع سرہند
۶۔ اخوند حافظ محمد شیر صاحب ساکن شہر بنوں۔

۷۔ محمد اخوندزادہ ساکن موضع رستم علاقہ سدوم۔
۸۔ نور محمد قریشی ساکن نوے کلی تھانہ (مالاکنڈ ایجنسی)

حضرت شاہ فقیر اللہ نقشبندی رح

وصال: ۱۱۹۵ھ، مزار: شکارپور سندھ

آپ کا اسم گرامی شاہ فقیر اللہ، آپ کے والد محترم کا نام نامی شاہ عبدالرحمٰن اور آپ کے دادا کا نام شمس الدین تھا۔

ولادت شاہ فقیر اللہ کی ولادت با سعادت گیارہویں صدی کے بالکل اوائل میں رونما ہوئی۔ آپ کا وطن حصارک وجلال آباد (افغانستان) ہے۔

حصولِ علم آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں حاصل کی پھر افغانستان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھر کر قرآن حدیث تفسیر فقہ پر عبور حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے علمی تبحر کی بدولت آپ کا شمار اس دور کے ممتاز علماء اور فضلاء میں ہوتا ہے۔

بیعت علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک مختلف ممالک کا سفر کرتے رہے اور زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ اسی زمانے میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ محمد مسعود دائم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ جو اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔

سلسلۂ طریقت آپ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے:۔
شاہ فقیر اللہ علوی۔ شیخ محمد مسعود دائم۔ شیخ محمد سعید لاہوری۔ شیخ آدم بنوری۔ حضرت مجدد سرہندی فاروقی نقشبندی۔
سلسلۂ نقشبندیہ کے علاوہ طریقۂ قادریہ میں بھی آپ نے اجازت حاصل کی۔

قندھار میں قیام | شاہ فقیر اللہ علوی ایک طویل عرصہ تک قندھار میں مقیم رہے، پہلے پہل کچھ عرصہ آپ نے قندھار میں تعلیم حاصل کی، پھر تعلیم مکمل کرنے کے بعد قندھار کی ایک درس گاہ میں درس و تدریس بھی کی۔ قندھار میں آپ نے ایک مسجد بھی بنوائی جو آپ کے نام سے موسوم ہے۔

شکارپور میں قیام | مختلف ممالک کی سیاحت کے بعد آپ ۱۱۵۰ھ میں شکارپور (سندھ) میں تشریف لائے۔ سندھ کی سرزمین آپ کو کچھ اس طرح پسند آئی کہ شکارپور ہی کو آپ نے اپنا وطن بنایا اور یہاں رشد و ہدایت کے سلسلے کے اجراء کے لیے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو آپ کے بعد سلسلۂ نقشبندیہ کا ایک بڑا روحانی مرکز بنی۔

رُشد و ہدایت | شاہ فقیر اللہ کی ذاتِ گرامی علم و فضل، زہد و ورع، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ سندھ، پشاور، لاہور، ہرات اور قندھار سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے اور علم و عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے۔ بیشمار لوگوں نے آپ کی راہنمائی میں سلوک کی منازل طے کیں۔

شاہانِ وقت کی عقیدت | شاہانِ وقت آپ کے یہاں حاضری کو اپنے لیے سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں افغانستان میں احمد شاہ ابدالی برسرِ اقتدار تھا۔ قلات میں نصیر خان بلوچ کی حکمرانی تھی۔ سندھ میں میاں سرفراز خان کلہوڑا مسند آرائے سلطنت تھا اور مکران میں محبت خان بلوچ کی حکومت تھی۔ یہ چاروں کے چاروں فرمانروا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی بارگاہ کی آستاں بوسی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے اور آپ ان کی ذہنی اور فکری تربیت فرماتے۔

کتب خانہ | شکارپور کے دورانِ قیام میں شاہ فقیر اللہ علوی نے ایک عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد رکھی، جس میں متعدد نادر اور نایاب کتابیں تھیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کے بعد پچاس سال ہی میں اخلاف نے اسلاف کی اس گنجِ گراں مایہ کو تلف کر دیا۔ جو خدا ہی جانتا ہے کہ کس محنت سے جمع کیا گیا تھا۔ اب بھی اس کتب خانے کے بعض قلمی نسخے کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ جامع ترمذی کا ایک قلمی نسخہ جو حرم کعبہ میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا اور جس پر متعدد علماء کے اسنادِ قرأت و

اجازت ثبت ہیں اور شاہ فقیر اللہ علویؒ نے بھی اپنے قلم سے اس پر چند سطریں تحریر فرما کر اپنی مہر ثبت کی ہے۔ یہ بیش بہا نسخہ سید حسام الدین صاحب راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

تصانیف

شاہ فقیر اللہ علوی نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا جن کی تعداد ۱۷ ہے ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ منح العجیل فی المدارج التکمیل۔ یہ کتاب تصوف اور سلوک میں عربی میں ہے۔

۲۔ براہین النجات من مصائب الدنیا والعرصات۔

۳۔ فیوضاتِ الٰہیہ۔

۴۔ طریق الارشاد فی تکمیل المؤمنین والاولاد۔

۵۔ منتخب الاصول۔ یہ تصنیف اصولِ فقہ پر ہے۔

۶۔ وثیقۃ الاکابر۔ یہ کتاب عربی میں اسناد علم حدیث پر ہے جو ۱۱۶۰ھ کی تالیف ہے) اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں موجود ہے جس کا نمبر ۳۷۵ ہے اور ایک قلمی نسخہ حافظ خان محمد صاحب کاکڑ کے پاس کوئٹہ میں موجود ہے۔

۷۔ قطب الارشاد۔ یا مدارج عالیہ در تصوف و اسرار حروف و اسماء و اخلاق۔ یہ کتاب قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور لائبریری میں بھی موجود ہے جس کا نمبر ۹۶۹ ہے۔

۸۔ فتوحات الغیبیہ فی شرح عقائد الصوفیہ۔ یہ کتاب عربی میں ہے اور کافی ضخیم ہے اس کتاب کا موضوع فلسفہ و تصوف و اخلاق اہل طریقہ اور صوفیا کے عقائد کی توضیح و شرح ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ محب محترم سید حسام الدین راشدی کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس نسخہ کو بجا طور پر تصوف کی انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔

۹۔ جواہر الاوراد۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔

۱۰۔ قصیدہ مبرورہ۔ یہ وہ قصیدہ ہے جو ۱۲ جمادی الاول ۱۱۶۲ھ میں شاہ صاحب نے روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عربی میں نظم کیا تھا۔

۱۱۔ کتاب الازہار فی ثبوت الاثار۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔

۱۲۔ فوائد فقیر اللہ۔ یہ کتاب طب اور وظائف پر پشتو میں ہے۔

۱۳۔ شرح قصیدہ بانت السعاد۔ اس کی ضخامت تقریباً ۸۵ صفحات ہے اور فارسی میں ہے۔

۱۴۔ ملفوظات۔ یہ کتاب ۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ایک نسخہ حافظ خان محمد صاحب کے پاس کوئٹہ میں موجود ہے۔

۱۵۔ مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی۔ یہ مکاتیب ۳۹۰ صفحات پر مشتمل ہیں جو آپ نے اس وقت کے جلیل القدر علماء، سیاسی مفکرین اور فرمانروایانِ وقت کے نام لکھے تھے۔ یہ خطوط تصوف و عرفان اخلاق و فقہ اور اسرار اسمائے الٰہی کے باریک نکات پر مشتمل ہیں۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے شاہ فقیر اللہ کی علمیت، تبحر اور روحانی افکار و خیالات اور آپ کی تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کا پورا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ اور روحانی تعلیم و تربیت اور صحت فکر کے لیے جو آپ نے سعی فرمائی ہے اس کا علم ان ہی مکتوبات سے ہوتا ہے اور ہمارے سامنے شاہ صاحب کی زندگی کے علمی اور عملی پہلو اس طرح آتے ہیں کہ وہ آپ کی شخصیت کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ یہ خطوط عربی و فارسی میں ہیں۔ ان خطوط کو شاہ فقیر اللہ علوی کے ایک ممتاز شاگرد محمد فاضل نے جمع کیا تھا جن کو آپ نے ان خطوط کے جمع کرنے پر مامور فرمایا تھا۔ آخر کتاب میں چند مکتوب آپ کے مرشد حضرت محمد معصوم پشاوریؒ کے بھی ہیں جو انھوں نے شاہ فقیر اللہ کے نام تحریر فرمائے تھے۔ مکاتیب کا یہ مجموعہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۶۔ ملفوظات و عملیات۔ اس کتاب کا بھی ایک نسخہ حافظ خان محمد صاحب کے پاس موجود ہے

۱۷۔ شرح ابیات مشکل مثنوی۔ یہ نسخہ ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ کابل میں پایا گیا۔

شاعری

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ آپ فارسی عربی اور پشتو میں شعر کہتے تھے۔ فارسی میں آپ کا تخلص فقیر تھا۔ آپ کے کلام کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:۔

مصدر فیضے کہ عالم را نمونہ تازہ نمود
فی الحقیقت ہست چوں مرآت در جسم شہود

خاکی از نہ بیار رخ سلمیٰ است اگر بنگری
قلب ما تارا ازیں رہ بیں در معنی کشود

مے پرست ار مے نیا شامد نمی گردد درست
یا دِ جام مے بیکسر عقل صوفی در ربود

سرمۂ چشمِ عزیزاں است خاکِ میکدہ | یا وری بخت فیروز است کو ایں کردہ سود
لب اگر تر سازد آں رند خراباتی ز مے | جامہ و جاں را نثارِ جام مے خواہد نمود
مست با عقل آنچناں گردد کہ در سوز جزا | چوں رخ دلبر نباشد دیگرش گفت و شنود
درد می یابد شفا از صدقِ دل گر می خورد | دردمندے گرچہ در امراض بس مرہون بود
رو بخار آورد آں کو کہ اندر روزِ ازل | از نقوشِ ایں و آں لوحِ دل او سادہ بود

وصال ۳ صفر ۱۱۹۵ھ کو حضرت شاہ فقیر اللہ علوی کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار شکارپور سندھ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

حضرت حاجی بہادر نقشبندیؒ

وصال ۱۰۹۹ھ ۔ مزار : کوہاٹ ۔

علاقہ سرحد کے مشہور شہر کوہاٹ کو جس نے اپنا وطن بنا کر اس سارے علاقے کو اپنی تبلیغ، اعلائے کلمۃ الحق اور پند و موعظت سے منور و تاباں بنا یا وہ حضرت حاجی بہادر ہیں۔ جن کا اس علاقے کی روحانی اور ثقافتی تاریخ میں ایک اہم کردار ہے۔

نام و نسب آپ کا اسم گرامی عبداللہ اور آپ کے والد کا نام نامی سید سلطان محمد شاہ تھا۔ لیکن مشہور حاجی بہادر کے لقب سے ہوئے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

سید عبداللہ شاہ بن سلطان میر سرور بن سید سلطان میر اکبر بن سید سلطان میر انشاہ ابن سید سلطان سبحان شاہ بن سید سلطان محمد زبیر بن سید سلطان میر کمال بن سید سلطان میر جمال بن سید سلطان ابی فضل بن سید سلطان سراج الدین بن سید سلطان بہاؤالدین بن سید سلطان عبدالرحمن بن سید محمد عمران بن سید سلطان شعبان بن سید سلطان محمد زاہد بن سید سلطان امیر احمد بن عبدالعزیز بن سید محمد ابراہیم بن سید امام حسن عسکری بن سید امام علی نقی ابن سید امام علی موسیٰ رضا بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن امام باقر بن سید محمد

زین العابدین بن سید امام حسین علیہ السلام ۔

ولادت

حضرت حاجی بہادر کی ولادت باسعادت ۱۶ رجب دوشنبہ ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں ہندوستان کے مشہور شہر آگرے میں ہوئی ۔

حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضری

"مناقب حاجی بہادر کوہاٹ" میں ہے کہ علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد جبکہ حضرت حاجی بہادر کی عمر سترہ سال کی تھی آپ کے قلب میں حضرت سید آدم بنوری کی عقیدت کا چراغ روشن ہوا ۔ آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت میر محمد کلاںؒ ملکری جو حضرت سید آدم بنوریؒ کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں، اپنے پیر کی خدمت میں حاضری کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ اس خبر کو سن کر آپ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور والدہ سے عرض کیا کہ حضرت میر محمد کلاں رح حضرت آدم بنوریؒ کی خدمت میں جا رہے ہیں ۔ میری بھی تمنا ہے کہ میں ان کے ساتھ حضرت سید آدم کی خدمت میں حاضر ہوں ۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیں ۔ چنانچہ آپ کی والدہ نے آپ کو اجازت دی اور رخصت کیا ۔ جب یہ حضرت میر محمد کلاں کے ساتھ حضرت آدم بنوری کی خدمت میں پہنچے تو حضرت آدم بنوری نے آپ کو دیکھ کر حضرت میر محمد کلاں سے پوچھا کہ یہ لڑکا تو صاحب سعادت معلوم ہوتا ہے، کون ہے ؟ میر محمد کلاں نے عرض کیا، حضور! اس کا نام عبداللہ ہے اور یہ حضور کی زیارت کی بیحد تمنا رکھتا تھا ۔ حضرت سید آدم بنوری نے خوش ہو کر فرمایا کہ :-

بہادر است وتو بحمایت و رفاقت ایں بہادر در آمد وایں شیر است ۔ وآنچہ در سینۂ من از علوم لسانی و جنانی است بقوت پنجۂ استعداد خدا داد خواہد کشید و خواہد برد ۔ وایں از خلفاء ماست ۔	یہ بہادر ہے اور تو اس بہادر کی رفاقت اور حمایت میں آیا ہے اور یہ شیر ہے اور جو کچھ میرے سینے میں علوم ظاہری و باطنی ہیں، اپنی خدا داد استعداد کے پنجے سے کھینچ کر لے جائے گا اور یہ ہمارے خلفاء میں سے ہے ۔

اس کے بعد حضرت سید آدم بنوری رح اٹھے اور آپ کو سینے سے لگا کر یہ دعا فرمائی

الٰہا ایں فرزند ارجمند مارا بسر منزل	الٰہی ! ہمارے اس فرزند ارجمند کو منزل مقصود

مقصود بر ساں و از دولت حصول	تک پہنچا اور اس بہادر کو درجات و
درجات و مقامات معانی و اسرار	مقامات اور معانی و اسرار کی دولت کے
ایں بہادر را غنی گرداں ۔	حصول سے غنی کر ۔

بیعت پھر آپ نے حضرت سید آدم بنوریؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور گیارہ سال تک آپ حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں رہے۔ حضرت آدم بنوریؒ آپ کی باطنی صلاحیتوں کو دیکھ کر آپ کی تربیت باطنی پر خصوصی توجہ دیتے تھے ۔ اور اپنی مجلس میں جو کچھ حقائق و معارف بیان فرماتے اس کا مخاطب خصوصی اور روئے سخن آپ ہی کی طرف ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ منزلِ کمال پر پہنچ کر مظہر تجلیات ذوالجلال ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

کوہاٹ میں تشریف آوری اسی زمانے میں آپ نے اپنے پیر کے ساتھ فریضۂ حج و زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل کی۔ پھر آپ نے کوہاٹ میں تشریف لا کر رشد و ہدایت کی شمع روشن کی اور افغان قبائل میں اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا آپ کے فیوض و برکات سے یہ سارا علاقہ منور ہو گیا۔ خصوصاً اس شہر کے اطراف و اکناف کے لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے ۔

خدا بینی کا دعویٰ اسی زمانے میں ان احوال و مکاشفات کی بنا پر جن سے آپ گزر رہے تھے آپ نے مقاماتِ سلوک کی ایک منزل سے گزرتے ہوئے فرمایا :۔

من خدا را بچشم سر می بینم	میں خدا کو ان سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہوں ۔

اس بنا پر لوگ حضرت حاجی بہادر کو "خدا بین" کہنے لگے ۔ "مناقب حاجی بہادر" میں ہے کہ اس دعویٰ کا چرچا عام ہوا ۔ یہاں تک کہ اس دعویٰ کی شہرت ہندوستان سے نکل کر خراسان تک پہنچی ۔

اورنگ زیب کی جانب سے طلبی اورنگ زیب اس زمانے میں خوشحال خان خٹک کی بغاوت فرو کرنے کے لیے حسن ابدال میں مقیم تھا اسے جب آپ کے اس دعوے کا علم ہوا تو اس نے آپ کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کہ آپ کو ایک

فرمان کے ذریعہ سے حسن ابدال طلب کیا اور لکھا کہ پنجاب، دہلی اور لاہور کے علماء آپ کی زیارت اور اس مسئلے کی تحقیق کے منتظر ہیں۔ اس مسئلے کی وضاحت فرما کر آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ اگر آپ کو یہاں تشریف لاتے میں کچھ تکدّر ہو تو آپ کے لیے تشریف لانا ضروری نہیں۔ آپ کو آنے اور نہ آنے کا پورا اختیار ہے۔

شاہی پیغام ملنے کے بعد آپ فوراً حسن ابدال تشریف لے جانے کے لیے تیار ہوئے اور پشاور آ کر وہاں کے مشہور مقتدا شیخ حبیب پشاوری کے دولت کدے میں مقیم اور مہمان ہوئے۔ دوسرے دن میر محمد حسن جو صاحبِ باطن بزرگ اور جید عالم تھے اور پشاور کے دوسرے مشائخ اور علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تصوف و سلوک کے مختلف مشکل رموز پہ آپ سے اکتساب کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شیخ حبیب پشاوری نے آپ سے عرض کیا کہ اگرچہ بادشاہ اورنگ زیب نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے بلایا ہے اور آپ کو اس کا اختیار دیا ہے کہ آپ تشریف لے جائیں یا نہ لے جائیں۔ فقیر کی رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ آپ بادشاہ کی خدمت میں کوئی عذر لکھ کر بھجوا دیں اور وہاں تشریف نہ لے جائیں کیونکہ وہاں جو علماء جمع ہیں وہ آپ کے اسرار و معارف کی حقیقت کو نہ سمجھ کر تضییع اوقات کا باعث بنیں گے۔

آپ نے شیخ حبیب کا یہ مشورہ سن کر ان کے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا۔ میرے بھائی! تم مطمئن رہو اور مجھ سے تعاون کرو۔ اگر زندگی باقی ہے میں وہاں پہنچوں گا۔ اور تم اس جوان کی بہادری اور جرأت کی خبر سنو گے۔ اگرچہ اس وقت اورنگ زیب کے دربار میں ہندوستان کے علماء کا اجتماع ہے، اگر علمائے ایران بھی ان کے مددگار ہوئے تب بھی میں ان شاء اللہ اس دعوے کو ان کے سامنے ثابت کر دوں گا۔ مجھے اس زمانے میں خدائے تعالیٰ نے وہ قوت دی ہے جو سوائے حضرت مجدد الف ثانی رح اور حضرت سید آدم بنوری رح کے کسی دوسرے کو نہیں ملی۔ انھیں دو دریائے موّاج علم لدنی سے یہ چند قطرے اس فقیر کو ملے ہیں۔ چنانچہ آپ حسن ابدال روانہ ہوئے۔ حسن ابدال کے سفر میں آپ کے ساتھ پشاور سے تقریباً تین سو یا چار سو علماء اور طلباء ہم رکاب ہوئے۔ جب آپ حسن ابدال سے دو کوس کے فاصلے پر رہ گئے تو آپ نے تبسم فرمایا۔ لوگوں نے تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔ بات یہ ہے کہ اورنگ زیب کے دربار میں جو علماء موجود ہیں ان میں مولانا نور محمد مدقق لاہوری

اور اخوند الہ داد دہلوی وغیرہ نے علمائے دربار کو مشورہ دیا ہے کہ میں جب دربار پہنچوں تو کوئی عالم میرے استقبال کے لیے کھڑا نہ ہو لیکن میرے پیر نے مجھ کو بہادر کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ تم دیکھو گے کہ یہ علماء میری تعظیم کے لیے کس طرح اٹھتے ہیں۔ دوسرے دن جب آپ اورنگ زیب کے دربار میں پہنچے تو کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور غیر ارادی طور پر تمام علماء آپ کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور سب کے سب خاموش رہے۔ آپ نے خود اس خاموشی کو توڑا اور فرمایا۔

من قطب و غوثِ ایں زمانہ ام۔ حق سبحانہ وتعالیٰ را کہ بیچوں و بے جہت است بچشم سَر می بینم نہ بہ چشم سِر ؏	میں اس زمانے کا قطب و غوث ہوں حق سبحانہ وتعالیٰ کو جو کہ بے چوں و بے جہت ہے اس ظاہری آنکھ سے دیکھتا ہوں نہ کہ باطنی آنکھ سے۔

بیت:

از عطش چوں در قدح آبے خورم   در درونِ آب، حق را ناظرم

(پیاس سے جب میں پیالے میں پانی پیتا ہوں تو میں پانی میں حق کو دیکھتا ہوں)

اس موضوع پر پانچ چھ روز مناظرہ ہوتا رہا۔ علماء کی طرف سے اس مناظرے میں جنھوں نے حصہ لیا ان میں اخوند شاہ مراد دہلوی اور مولانا نور محمد مدقق لاہوری تھے لیکن آپ نے اپنے دعوے کی حقیقت کو علماء پر واضح کر دیا۔

عطیہ شاہی

جب حضرت حاجی بہادر حسن ابدال سے رخصت ہونے لگے تو اورنگ زیب نے خواہش ظاہر کی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کوہاٹ کو چھوڑ کر دار السلطنت لاہور میں سکونت اختیار فرمائیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میرے آباؤ اجداد کا وطن کوہاٹ ہے اور میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یوں بھی دوسری جگہ کی سکونت مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ پھر اورنگ زیب نے کہا اچھا تو پھر آپ اپنے کسی صاحبزادے کو لاہور میں اصلاح و رشد کے لیے مقرر فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے منجھلے لڑکے حاجی محمد عمر کو وہاں مقرر کروں گا پھر اورنگ زیب نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا اور چلتے وقت شہر جھنڈر جو جنڈالہ شیر خان افغان کے نام سے بھی مشہور ہے اور ایک سو چھبیس جریب اور چھ کنال پختہ اراضی

جس کو عرف میں دو قلیہ شاہی بھی کہتے تھے اور کچھ زمین کوہاٹ میں اور نصف پٹہ کوہاٹ بطریق ائمہ مرفوع القلم کے بخشی۔

رشد و ہدایت

اپنے وطن کوہاٹ تشریف لانے کے بعد دور دور سے طالبانِ حق اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ اور کوہاٹ میں آپ نے اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے فیوض و برکات سے یہ سارا علاقہ منور ہو گیا۔

حضرت شیخ رحمکار سے اخلاص و محبت

جس زمانے میں حضرت حاجی بہادر کوہاٹ میں اصلاح و تربیت کا عظیم الشان کام انجام دے رہے تھے اسی زمانے میں اکوڑا خٹک میں حضرت شیخ رحمکار کی خانقاہ رشد و ہدایت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ "مناقب حاجی بہادر کوہاٹ" میں ہے کہ بعض لوگوں نے دونوں بزرگوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنی چاہی لیکن حضرت شیخ رحمکار نے اس کو دور کرنے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ صرف وہ غلط فہمی دور ہو گئی بلکہ حضرت شیخ رحمکار کے طرز عمل نے دونوں کے درمیان خلوص و محبت کے رشتے کو اور بھی اُستوار اور مستحکم کر دیا۔ اس خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حاجی بہادر کوہاٹ سے لاہور براہ اٹک اپنے وطن تشریف لا رہے تھے راستے میں اکوڑہ خٹک بھی پڑتا تھا۔ جب شیخ رحمکار کو آپ کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو آپ حضرت حاجی بہادر کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے۔ ان سے ملاقات فرمائی اور معانقے کے بعد فرمایا کہ میری دلی تمنا ہے کہ ایک رات آپ اس فقیر کے گھر پر قیام فرمائیں تاکہ میں بھی آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوں۔ حضرت حاجی بہادر نے ان کی مہمانی منظور فرمالی اور ایک رات اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ رحمکار کے مکان پر قیام فرمایا۔

حقیقتِ تصوّف

حضرت عبدالنبی شامی نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب کے دربار سے مناظرے کے بعد واپسی میں پانچ ماہ آپ لاہور ٹھہرے اور رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ جب آپ لاہور سے وطن روانہ ہونے لگے تو لاہور کے عالموں اور عارفوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ چند سطروں میں تصوف کے حقائق کو بیان فرمائیں کہ جو

مختصر بھی ہوں اور تمام علم سلوک کا خلاصہ بھی اس میں آجائے۔ آپ تھوڑی دیر سر نگریباں رہے، پھر سر اٹھا کر تصوف کی حقیقت پر چند کلمات ارشاد فرمائے جن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ تصوف کے منازل طے کرنے سے پہلے علم میں استغراق بھی از بس ضروری ہے۔ آپ کے کلمات کا مفہوم یہ تھا کہ عرفان کا ظہور ہوتے ہی علم لدنی کے پردے چاک ہوتے لگتے ہیں۔ اور یہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کا تعلق باری تعالیٰ کی ذات سے ہے اور دوسرے کا اس کی صفات سے۔ ذات کے متعلق انکشاف تجلی محض تک محدود رہتا ہے اور صفات کے متعلق انکشاف سلوک کے کمال تک پہنچتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

وفات حضرت حاجی بہادر حالت سفر میں ماہ رجب ۱۰۹۹ھ (۱۶۸۷ء) میں بڈاخیل میں واصل الی اللہ ہوئے۔ دوسرے روز جنازہ کوہاٹ لایا گیا اور کوہاٹ شہر کے جنوبی جانب آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار کوہاٹ میں مرجع خاص و عام ہے۔

خلفاء صاحب مناقب حاجی بہادر نے مولانا نور محمد مدقق لاہوری کی کتاب "کشف الاسرار" کے حوالے سے آپ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار نو سو تیئیس بتائی ہے اور مولوی شاہ مراد دہلوی نے آپ کے مریدوں کی تعداد اپنے رسالے "مناقب حضرت کوہاٹی" میں دو لاکھ ساٹھ ہزار نو سو تیئیس لکھی ہے۔ یعقوب بلخی نے اپنے رسالے میں آپ کے مریدوں کی تعداد ساٹھ ہزار نو سو تیئیس بتائی ہے۔ صاحب مناقب حاجی بہادر نے محمد یعقوب بلخی کے قول کو زیادہ معتبر و مستند بتایا ہے۔

اس اعتبار سے کہ آپ کے اس کثیر تعداد میں مریدین تھے، ظاہر ہے کہ آپ کے خلفاء کی فہرست بھی طویل ہوگی۔ آپ کے بعض مشہور خلفاء و مرید یہ ہیں۔

۱۔ **مولانا نور محمد مدقق:** مولانا نور محمد مدقق بن محمد فیروز بن فتح اللہ لاہوری جو اپنے دور کے مشہور اور جید علماء میں تھے ابتدا میں وہ حضرت حاجی بہادر کوہاٹی کے سخت مخالفین میں تھے۔ چنانچہ اورنگ زیب کے دربار میں حضرت حاجی بہادر اور دوسرے علماء میں خدا بینی پر جو مناظرہ ہوا تھا، نہ صرف یہ کہ مولانا نور محمد اس مناظرے میں پیش پیش تھے بلکہ ایک مناظر کی حیثیت سے انھوں نے علماء کی جانب سے اس مناظرے میں حصہ لیا تھا لیکن وہ بعد میں

تائب ہوئے اور حضرت حاجی بہادر کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے ان کی تصانیف میں سید شریف کی کتاب "تصریف" کی شرح مشہور ہے اور "مناقب حاجی بہادر کوہاٹی" سے ان کی ایک اور کتاب "کشف الاسرار" کا بھی پتہ چلتا ہے جو غالباً حضرت حاجی بہادر کے حالات پر ہے۔

۲۔ اخوند نعیم کانہ ننگرھاری: اخوند نعیم پابینی ساکن کامہ۔ یہ بھی حضرت حاجی بہادر کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے۔ علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد یہ ایک عرصے تک معرفتِ حق کے حصول کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن نماز جمعہ کے بعد مسجد مہابت خاں میں ان کی ملاقات حضرت حاجی بہادر سے ہوئی۔ انھوں نے آپ سے بیعت کی التجا کی۔ حضرت حاجی نے فرمایا کہ یہ وقت بیعت کے لیے مناسب نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ اشراق کے وقت خلوت میں اس فقیر کے پاس آؤ۔ چنانچہ وہ اشراق کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے انھیں بیعت کر لیا اور تین سال کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ نے ان کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مخدوم حافظ عبد الغفور نقشبندیؒ

وصال ۱۱۱۶ھ ۔ مزار: پشاور

حافظ عبد الغفور پشاوری پشاور کے مشہور صوفیائے کرام میں تھے۔ ان کے والد محترم کا اسم گرامی شیخ محمد صالح کشمیری تھا۔ آپ نے روحانی تعلیم و تربیت سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ حاجی اسمٰعیل غوری نقشبندیؒ سے حاصل کی جو حضرت شیخ سعدی لاہوری کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے۔

بچپن بچپن ہی سے آپ کو ریاضتوں اور مجاہدوں کا شوق تھا اور لڑکپن ہی میں آپ کی پیشانی سے انوارِ ولایت تاباں و درخشاں نظر آتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں

بچپن ہی سے اپنے والد محترم کے ساتھ کشمیر جاتا تھا اور حضرت شیخ بابا عبد الکریمؒ کے مزار پر جو محلہ فتح کدل میں واقع ہے اپنا وقت نوافل پڑھنے میں گزارتا تھا۔

حفظِ قرآن سے ذوق

حافظ قرآن کریم تھے۔ حفظِ قرآن کا اس قدر ذوق تھا کہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں مجھے آشوبِ چشم کا مرض تھا مگر باوجود اس مرض کے میں قرآن مجید حفظ کرتا رہتا تھا۔

میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں حاضری

اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے سلسلے میں آپ نے بیان فرمایا کہ میں کبھی کبھی میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ میں حاضر ہوتا اور فاتحہ پڑھتا۔

ایک خواب

میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ حضرت سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ نے ہم سب سے فرمایا کہ تم ہمارے شاگرد ہو۔ جلد قرآن مجید کو حفظ کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ میں نے چند دن میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔

خلافت

شیخ محمد عمر پشاوری صاحب "جواہر السرائر" کا بیان ہے کہ حافظ عبد الغفور نے ابتداءً پشاور میں حافظ محمد اسمٰعیل غوری پشاوری کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر استفادہ روحانی کیا۔ پھر لاہور میں حاضر ہو کر حضرت سعدی لاہوری کی بیعت سے مشرف اور سلسلۂ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

ریاضتیں اور مجاہدے

سید محمد غوث گیلانی لاہوری کا بیان ہے کہ حافظ عبد الغفور پشاوری تمام تمام رات حبسِ نفس اور مراقبے میں مشغول رہتے تھے۔

عشقِ الٰہی

عشقِ الٰہی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کوئی قرآن مجید کی کوئی آیت ان کے سامنے تلاوت کرتا یا کوئی لفظ اللہ زبان پر لاتا بے اختیار ان پر گریہ طاری ہو جاتا۔

استغنا

حافظ صاحب کے آئینہ اخلاق میں جو جوہر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے وہ ان کا استغناء و بے نیازی ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ وہ دنیا اور

اہل دنیا سے مطلقاً بے نیاز تھے۔ اور ہمیشہ مساکین و مسافرین کی خدمت میں مشغول رہتے تھے

خدمتِ خلق خدمتِ خلق آپ کا شعار تھا خصوصاً مساکین و مسافروں کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ مہمان نوازی اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً پانچ سو آدمی آپ کے مطبخ سے کھانا کھاتے تھے اور کبھی آپ کے مطبخ کا چولھا ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے خدام صبح سے شام تک کھانا پکانے میں مشغول رہتے تھے۔ حافظ صاحب علاوہ کھانے کے حاجتمندوں کی نقد اور لباس سے بھی مدد فرماتے تھے۔

وفات حافظ عبدالغفور ۱۴ ماہ شعبان ۱۱۱۶ھ (۱۷۰۴ء) میں واصل الی اللہ ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات میں ان کا سنہ وفات "حافظ واصل"، اور "حافظ کلام الہ" سے نکالا ہے۔

شیخ عبدالغفور حافظ دیں	چوں فدا کرد جاں بنام الہ
حافظ واصل است تاریخش	ہم بخواں حافظ کلام الہ
۱۱۱۶	۱۱۱۶

حافظ صاحب کا مزار پشاور کے مشہور ترین مزارات میں ہے۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں اخوند عبدالسلام عرف وکیل بادشاہ نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی۔ جنھوں نے آپ کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ و اشاعت کے کام کو آگے بڑھایا اور اس سلسلے کی کشمیر میں ترویج کی۔

حضرت یحییٰ نقشبندیؒ

وصال: ۱۱۳۱ھ، مزار موضع اٹک کیمبل پور

سابق صوبہ سرحد کے اہل نظر کے مشام جان کو جن بزرگوں کی روحانی خوشبو نے مہکایا، ان میں حضرت شیخ یحییٰ معروف بہ "حضرت جی" بھی ہیں۔ ان کا نام شیخ یحییٰ، کنیت شیخ ابو اسمٰعیل یحییٰ اور لقب سر الاعظم تھا۔ ان کے والد کا اسم گرامی پیر داد تھا۔ وہ نسباً چغتائی (مغل) تھے۔

آپ کے اجداد میں کوئی بزرگ ماوراء النہر سے یہاں تشریف لائے تھے۔

حالات

گلشنِ ولایت کے اس گُل سرسبد نے علوم ظاہری کی تکمیل کہاں تک کی۔ ان کے جوہر قابل کو کن بزرگوں نے نکھارا اور سنوارا۔ افسوس ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی کی تفصیلات ہمیں کہیں نہیں مل سکیں۔ صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) میں پیدا ہوئے

بیعت

انھوں نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ حضرت سعدی لاہوری رح کے دست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ شیخ سعدی لاہوری کی نظر میں جو اس سعادت مند مرید کی عظمت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب ۱۱۰۵ھ (۱۶۹۳ء) میں حضرت سعدی لاہوری پشاور تشریف لائے تو اس گوہر ولایت کی عظمت و جلالت کو اپنے مریدین پر واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اب شیخ یحییٰ سے اکتساب فیض کریں۔

شیخ عمر چمکنی اپنی کتاب "توضیح المعانی" کے دیباچے میں ان کے مناقب و محامد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

شیخ یحییٰ بندۂ خاص خدا	قطب ہفت اقلیم شیخ رہنما
غوث اعظم خواجۂ ہر دوسرا	مخزنِ لطف و عنایاتِ خدا

حضرت شاہ محمد غوث قادری کا روحانی استفادہ

سید شاہ محمد غوث قادری پشاوری ثم لاہوری، جو عظیم المرتبت صوفیہ میں تھے۔ وہ نہایت حسنِ عقیدت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، انھوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ سے روحانی استفادہ کیا۔ وہ اپنے ایک رسالے میں آپ کی عظمت و جلالتِ شان کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حضرت شیخ یحییٰ جی افراد زمانہ میں سے ایک فرد تھے۔	حضرت یحییٰ جیو صاحب کہ از افراد زمانہ بودند۔

اخلاق

آپ کے آئینہ اخلاق میں تواضع، انکسار، فیاضی، اتقا و تقدس، توکل و استغنا، کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں۔

عبادت و ریاضت

حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ کا بیان ہے کہ آپ کا تمام وقت یادِ الٰہی میں گزر رہا تھا۔ شغلِ حق کے سوا آپ کو اتنی فرصت نہ تھی کہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ کی محفل اس قدر پُر وقار ہوتی تھی کہ کسی کو آپ کی مجلس میں بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جو بھی شریکِ مجلس ہوتا وہ جب تک مجلس میں بیٹھتا خدا کی طرف متوجہ رہتا۔ ہمیشہ زمین پر سوتے تھے۔ تکیہ سرہانے نہ رکھتے تھے۔

مُرشد کی عقیدت

اپنے مرشد شیخ سعدی لاہوریؒ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ فرطِ ادب سے اٹک سے لاہور تک پیدل جاتے اور یہ سفر پیدل ۱۴ دن میں طے کرتے تھے۔

رُشد و ہدایت

حضرت جی کی ذاتِ گرامی زہد و ورع، عرفان و تصوف کا وہ سرچشمہ تھی کہ ہندوستان، سرحد، پنجاب اور سندھ سے لوگ آپ کی خدمت میں کھنچ کھنچ کر آتے۔ اخلاق اور تزکیۂ نفس کی تعلیم حاصل کرنے اور عرفان کے نور سے منور ہو کر جاتے تھے۔ نہ صرف عوام بلکہ اکابر علماء آپ کی خدمت میں حاضری کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔

وفات

حضرت جی ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزارِ پُر انوار موضع اٹک ضلع کیمبل پور میں دریائے اٹک کے کنارے زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

اولاد

تذکروں میں آپ کے دو صاحبزادوں کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے ایک صاحبزادے کا نام شیخ اسماعیل اور دوسرے صاحبزادے کا نام خواجہ محمد عیسٰی تھا۔

خلفاء

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے لیکن جس نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی وہ حضرت میاں محمد عمر چمکنی مشہور ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالرحیم باغدری نقشبندیؒ

مزار: حسن ابدال

آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت باغدرہ میں ہوئی جو گندگر پہاڑ میں واقع ہے۔ ابتداً جلالیہ میں تعلیم حاصل کی اور درس نظامیہ کی تکمیل ہندوستان کے مختلف مدارس میں کی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کے قلب میں معرفتِ الٰہی کا ذوق بیدار ہوا اور آپ مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے موہڑہ شریف ضلع راولپنڈی پہنچے۔

بیعت موہڑہ میں پہنچنے کے بعد آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں اس دور کے مشہور بزرگ خواجہ محمد قاسم کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر ایک طویل عرصے تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔ آخر آپ کے شیخ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ وہ اپنے وطن واپس جاکر رشد و ہدایت میں مصروف ہوں۔

رُشد و ہدایت آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق باغدرہ ضلع ہزارہ میں متوطن ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ لیکن چونکہ باغدرہ ایک ایسے مقام پر واقع تھا کہ وہاں طالبانِ حق کو راستے کی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے آپ اپنے مریدوں کے اصرار پر حسن ابدال کے قریب سالک آباد میں مقیم ہو گئے اور یہیں مسجد و خانقاہ تعمیر کرا کر آخر عمر تک اعلائے کلمۃ الحق اور تبلیغ میں مصروف رہے۔

عبادتِ الٰہی آپ کا بڑا وقت زہد و ریاضت اور عبادتِ الٰہی میں گزرتا تھا۔ نماز با جماعت آپ کا خاص شعار تھا۔ آپ کے آئینۂ اخلاق میں اتباعِ سنت کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اکثر یہ شعر پڑھتے۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو غیر اللہ کو دل سے نکال دو۔ لوگو! اللہ سے صلح کر لو۔ اللہ کو راضی کرو۔ چند روزہ زندگانی کو غنیمت سمجھو، اللہ اللہ کرو

اللہ ہُو کا ورد کیا کرو۔

وفات تقریباً پچاس سال تک آپ سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیمات کو عام کرتے رہے۔ برصغیر ہندوپاک کی تقسیم سے پہلے آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار پُرانوار سالک آباد میں ہے جو حسن ابدال ریلوے اسٹیشن سے دو میل مشرق اور مزارہ پنڈی روڈ سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں جن بزرگ نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی وہ حضرت کابل شاہ تھے۔ وہ افغانستان کے ضلع ہاری کار کے موضع امیان دولانا میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام محمد یوسف اور ان کے والد کا نام ادریس تھا۔ خود انھوں نے ایک محفل میں فرمایا کہ میری عمر امیر عبدالرحمن والیٔ کابل کی وفات کے وقت ۲۷ سال کی تھی۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت عبدالرزاق کے واسطے سے حضرت غوثِ اعظم سے جاملتا ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے موضع امیان دولانہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد ان کی دینی تعلیم کا انتظام ان کے والد بزرگوار نے کیا اور بقیہ تعلیم انھوں نے علاقہ سمہ مردان کے ایک عالم سے حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد وہ افغانستان کے مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ جب انقلاب افغانستان کے موقع پر شاہ امان اللہ کے خیر خواہوں کو جلا وطن ہونا پڑا۔ تو یہ بھی افغانستان سے نکل کر قبائلی علاقے میں متوطن ہو گئے۔

کابل شاہ ابتدا ہی سے زہد وریاضت کی طرف مائل تھے۔ یہ جلاوطنی طبیعت پر اور بھی اثر انداز ہوئی اور دل دنیا سے متنفر ہو کر بالکلیہ زہد و ورع کی طرف مائل ہو گیا۔ قبائلی علاقے میں تشریف لانے کے بعد انھوں نے شب قدر کے مقام سبحان خور میں ایک عرصے تک چلہ کشی اور ریاضتیں و مجاہدے کیے۔

آخر حضرت خواجہ عبدالرحیم باغدری کی بارگاہ عظیم المرتبت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے مرشد کی اجازت سے ضلع مردان کی تحصیل صوابی کے موضع گاڑہ میں مقیم ہو کر ارشاد و تلقین اور پند و موعظت میں مشغول ہو گئے۔ اعلائے کلمۃ الحق اور رشد و ہدایت کے لیے آپ نے

اس علاقے میں متعدد مرتبہ دورہ کیا۔ سمہ ضلع مردان کے مشائخ و علماء ان کے فیوض و برکات سے استفادہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حکومت برطانیہ نے ان کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر انھیں سابق صوبہ سرحد سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس حکم کے بعد وہ سابق پنجاب کے علاقے میں تشریف لے آئے یہاں بھی ان کی زندگی کا مقصد رشد و ہدایت اور سربلندیٔ دین تھا۔

حضرت کابل شاہ کی تصانیف ہیں دیوان مستان شاہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے سید عبد الغفار، سید محمد اور سید عمر ہیں۔

حضرت غلام محی الدین قصوری نقشبندیؒ

وصال: ۱۲۷۰ھ، مزار: قصور (پنجاب)

حضرت غلام محی الدین قصوری نقشبندی ان بزرگانِ عظام میں سے ہیں جنھیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خاص قرب حاصل ہوا۔ اس لیے آپ کو دائم حضوری کہا جاتا ہے۔

حسب نسب آپ کے والد کا نام مولانا غلام مصطفیٰ اور دادا کا نام مولانا غلام مرتضیٰ تھا۔ آپ کے والد ماجد اور جدِ امجد بلند پایہ ولی اور متبحر اہل علم تھے۔ پنجابی زبان کے شاعر پیر وارث شاہ اور حضرت پیر بلھے شاہ قدس سرہما آپ کے جدِ امجد ہی کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب خلیفۂ اول یارِ غار حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد عرب سے ہجرت کر کے پہلے سندھ تشریف لائے پھر سندھ سے آکر قصور کو اپنا مسکن بنا لیا۔

پرورش و تربیت آپ ابھی ایک سال کے تھے کہ والد ماجد حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور آپ کے عم بزرگوار شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تربیت کے ساتھ ساتھ زیورِ علم سے آراستہ کیا۔ مولانا سے منقول و معقول آپ سے حاصل کیا اور ابتدائی مقاماتِ سلوک بھی آپ کے زیرِ توجہ طے کیے۔ ان کے

علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ آخر آپ کے چچا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے علمِ حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے پڑھا اور علمِ حدیث پڑھانے کی باقاعدہ سند حاصل کی۔

شاہ غلام علی کی بیعت

چچا کے انتقال کے بعد آپ دہلی پہنچے اور حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہو کر طلبِ فیضان کیا۔

مولانا کی تشریف آوری سے تھوڑی دیر پہلے شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ حاضرینِ مجلس سے فرما رہے تھے "آج ایک انقلابِ عظیم ظاہر ہونے والا ہے۔ ایک فاضلِ اہلِ سلسلہ مجددیہ میں شامل ہو رہے ہیں۔" حضرت شاہ صاحب نے بیعت کے بعد آپ کا ہاتھ ہوا میں لہرا دیا اور فرمایا "اے میرے اللہ! جو فیض حضرت غوث پاک سے وراثتہً، عطائے پاک گیا پہنچا ہے، وہ ان کو نصیب فرما۔" پھر آپ کا دایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا "تمہارا ہاتھ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔" اپنی ٹوپی اتار کر آپ کے سر پر پہنا دی اور دعائے خیر فرمائی۔

شاہ غلام علی دہلوی رح نے مولانا کی تربیت میں بڑی جانفشانی سے کام کیا اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ اپنے مکتب میں اس لعلِ گرانمایہ کو کسی خاص تاج کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ آپ کی اس خصوصی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں سلوک کے منازل طے کر گئے۔ آپ کی روحانی تربیت کے واقعات کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ کے مرشد نے مولانا غلام محی الدین قصوری کو مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت کے لیے تیار کیا۔

مرشد کی عنایت

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ آپ پر نہایت مہربان تھے۔ گاہے گاہے ان کی عنایات کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ خان نجیب الدین خان قصوری حاضر تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے بطور انبساط فرمایا "غلام محی الدین کو کس جگہ کا پیر بنایا جائے؟" خان صاحب نے کہا "انھیں قصور کا پیر بنا دیجئے۔"

اس پر حضرت شاہ صاحب جوش میں آ گئے اور فرمایا۔ "تم بہت کم ہمت ہو ہم انھیں سارے پنجاب کا پیر بنائیں گے۔"

خرقۂ خلافت

آپ کو ۲۷ رمضان المبارک کو خرقۂ خلافت عطا ہوا۔ اس مبارک تقریب میں صاحبزادہ رؤف احمد (مؤلف تفسیر رؤفی) مولانا محمد عظیم صاحب بھی شریک تھے۔ ان دونوں بزرگوں کو بھی حضرت شاہ صاحب نے حکم دیا کہ خرقۂ خلافت پہنانے میں آپ کی مدد کریں۔ کیونکہ یہ بزرگانِ نقشبند کا طریقہ ہے۔

ایک دفعہ مولانا رمضان کے روزے کی افطاری کے لیے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ٹھنڈا پانی لے کر حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے ازراہِ محبت فرمایا "بگو مجنوں چہ آوردی برائے تحفہ لیلیٰ"، آپ نے ہاتھ بڑھا کر پانی کا ٹھنڈا پیالہ پکڑا دیا۔ تو شاہ صاحب نے خوش دل ہو کر فرمایا برد اللہ قلبك ببرد المعرفۃ۔ (اللہ تعالیٰ تمھارے دل کو معرفت کی ٹھنڈک نصیب کرے)

شجرۂ طریقت

آپ کا شجرۂ طریقت حسبِ ذیل ہے:۔

حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ، شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ، سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمہم اللہ اجمعین۔

رُشد و ہدایت

خلافت دفراغت کے بعد آپ نے اپنے مسکن قصور کو رشد و ہدایت کا مرکز بنایا اور اپنے شیخ کے حکم سے دور و دراز کا سفر کیا اور درسِ توحید و معرفت کو عام کیا۔ ہزاروں افراد آپ کی تربیت اور راہنمائی سے راہِ راست پر آئے یہ وہ دور تھا جب پنجاب پر سکھوں کے تسلط نے ہر شخص کو ہراساں کر رکھا تھا۔ آپ کے اخلاق کریمہ، اخلاقِ نبوی کا بہترین نمونہ تھے۔ لباس، خوراک، گفتگو، نشست و برخاست، غرض ہر کام میں سنتِ مطہرہ کے اتباع کو ملحوظ خاطر رکھتے۔

آپ ہمیشہ ملاقات کرنے والوں کو اتباعِ شریعت کی تلقین، علماء سوء اور انگریز سے دور رہنے کا درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ نواب شیر محمد خان ٹوانہ کو فرمایا

"علماءِ سوء کے وعظ میں شرکت نہ کرنا، شریعت کے احکام کی پابندی کرنا۔ فرنگی حکام سے نفرت رکھنا"۔

کرامات

حضرت خواجہ قصوری اپنے دور کے صاحب رسیدہ بزرگ اور بلند پایہ ولی تھے، آپ سے کرامات کا ظہور ایک عام سی بات تھی۔ کوئی شخص اولاد کے حصول کے لیے تعویذ مانگتا تو تعویذ دیتے وقت اگر آپ ارشاد فرماتے کہ اسے چاندی کے خول میں بند کر کے رکھنا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ لڑکی ہوگی اور اگر فرماتے کہ اسے جست کے خول میں رکھنا تو یہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی نے تعویذ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے چاندی کے خول میں رکھنا۔ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا غلام نبی للٰہی نے عرض کی: حضور اسے لڑکے کی خواہش ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں اس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی۔ تو لڑکی پیدا ہوئی۔

مقام کشف

آپ کشف کی دولت سے بہت نوازے گئے تھے۔ مستقبل کے کوائف کو حال کے آئینے میں دیکھنا تو آپ کا معمول تھا۔ "ذکر خیر حضرت قصوری" کے باب کرامات میں مولانا غلام دستگیر قصوری نے بہت سی کرامات کا ذکر کیا ہے، جن سے آپ کی قوتِ کشفی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم ایک واقعہ جو تاریخی حیثیت اختیار کر چکا ہے، نقل کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹے عبدالرسول کی پیدائش سے ایک سال قبل ہی ان کا نام کیفیت، عمر، اشتغال زندگی، حلیہ اور دیگر کوائف حتیٰ کہ سال وفات بھی "تحفہ رسولیہ" میں ایک طویل نظم میں بیان کر دیا تھا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

ایکہ ہنوزی نو بکنتم عدم	زود بہ گلزار جہاں نہ قدم
منتظرِ تست دل و جانِ من	مثلِ گہر جلوہ کن از کانِ من
راحتِ دل و نورِ چشم منی	آب زن آتشِ خشم منی
بہ کہ نہم نام تو عبدالرسول	باد بدرگاہِ رسولت قبول
کنیتِ تو بہ کہ بود بوسعید	عمر تو باید کہ بود برمزید

اس طویل نظم میں بیٹے کی ساری زندگی کی داستان درج کر دی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۳۳ھ میں لکھی گئی ہے اور مولانا عبدالرسول ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"عمر تو باید کہ بود بر مزید
۶۱

لفظ "مزید" کے اعداد ۶۱ بنتے ہیں۔

شعر و سخن

تبلیغ کے علاوہ تدریس پر بھی کافی توجہ صرف فرماتے تھے۔ تشنگانِ علوم ظاہری اور باطنی علوم کے فیض سے سرشار ہوتے تھے۔ آپ تمام متداولہ علوم میں مہارتِ کاملہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا بہترین ذوق بھی رکھتے تھے لیکن حمد باری، نعت شریف اور منقبت کے علاوہ کسی موضوع پر خامہ فرسائی نہ فرماتے تھے۔ آپ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں بے تکلف اظہار خیال فرماتے تھے۔ آپ کے کلام میں روانی، قوتِ بیان، کیف و سرور، اور استادانہ پرکاری کے جوہر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ایک قصیدہ نعتیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں عربی و فارسی کے امتزاج نے دلکشی اور عجیب حسن پیدا کر دیا ہے ؎

اے شرفِ آلِ آدم و وے فخر انبیاء — انت الذی وصالک لی غایۃ المنیٰ
حقا کہ در کمالِ جمالت نظیر نے — فی الشرق والغروب وفی الارض والسماء
احوال امتت ہمہ معلوم یک بہ یک — من شک فیہ ضل ومن الیقن اھتدا
جز بر شفاعتت نبود اعتمادِ دل — عجل لنا الشفاعۃ یا شافع الوریٰ
ہر کس وسیلہ نامِ تو دارد بہ شوقِ دل — الکل لیطلبونک آت ومن مضیٰ

یارب بفضلِ خویش رساں تحفۂ درود
من اضعف العباد الیٰ اشرف الوریٰ

تحفہ رسولیہ نامی مبارک کتاب آپ کی وہ زندۂ جاوید کرامت ہے جس میں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور معجزاتِ عالیہ کا بیان کیا ہے۔ اس کے ایک باب میں آپ نے حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرسول قصوری کی ولادت سے ایک سال پہلے ان کی ولادت کی خبر دی انھیں پند و نصائح فرمائے اور ان کا نام مبارک بھی معین فرمایا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی روحانی بصیرت اور کشف و کرامت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

مِلّی خدمات

آپ کو جس دور میں کام کرنے کا موقع ملا وہ بڑا ابدامنی کا زمانہ تھا۔ سکھ چیرہ دستیوں نے مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ پنجاب کے مسلمانوں کو من حیث القوم جس ابتلاء سے گزرنا پڑا

اس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لاہور کی سیاسی تاریخ کا یہ باب اس قدر خونچکاں اور مکروہ ہے کہ اس کی مثال ہمیں صدیوں کے واقعات میں نہیں ملتی۔ ہمارے مخدوم مولانا غلام محی الدین قصوری اس دور میں دکھی انسانیت کو جس طرح سہارا دیتے ہیں وہ اہل اللہ ہی کا شیوہ ہے وہ علمِ مصطفیٰ کی شمع کو فروزاں رکھنے کے لیے ان طوفانوں کے سامنے سینہ سپر رہے سیاسی ابتری کے باوجود روحانی تربیت سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اور اس باعزم شخصیت نے اس ظلمت کدے میں نور کی شعاعیں بکھیرنے میں بڑی پامردی سے کام کیا۔

آپ نے اصلاحِ عقائد، اصلاح اعمال و اخلاق کے ساتھ ساتھ متعدد تصانیف قلمبند فرمائیں جنھیں اہل علم وعرفان حضرات نے حرزِ جاں بنایا۔ تصانیف کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ تحفۂ رسولیہ (فارسی نظم)	۷۔ زاد الحاج (پنجابی)
۲۔ دیوان حضوری (" ")	۸۔ خطبات جمعہ وعیدین (عربی و فارسی نظم)
۳۔ رسالۂ نظامیہ د " مسئلہ توحید)	۹۔ شرح دیباچہ بوستان (عربی)
۴۔ خلاصۃ التقریر فی مذمۃ المزامیر	۱۰۔ شرح درود مستغاث شریف
۵۔ رسالہ در ردّ فرقۂ ضالہ وہابیہ	۱۱۔ چہل مجالس (ملفوظات حضرت شاہ غلام علی دہلوی)
۶۔ رسالۂ سلالہ	۱۲۔ مکتوبات شریف

تلامذہ

آپ نے متعدد باکمال ہستیوں کی تربیت فرما کر انھیں خلافت سے نوازا اور مسندِ رشد و ہدایت پر سرفراز فرمایا جن میں سے حضرت خواجہ عبدالرسول قصوری (فرزند ارجمند) مولانا غلام دستگیر قصوری (تلمیذ و داماد) مولانا غلام مرتضیٰ (بیربل شریف) حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی خلیفہ اول حضرت مولانا حافظ نورالدین (چکوڑی شریف) وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نہایت مشہور و معروف ہیں۔

وفات

ہدیۃ الثقلین میں مولانا غلام دستگیر قصوری لکھتے ہیں کہ ۲۱ ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ کو اللہ والے مولوی صاحب حضرت خواجہ غلام نبی آپ سے مثنوی مولوی رومی کا درس لے رہے تھے۔ ابھی تک کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے اپنے شاگردِ رشید کو فرمایا

"مولوی صاحب! کتاب ختم ہوگئی! ....." اسی دن دوپہر ۲۱ ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ کو ا..

ورد کرتے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزارِ مقدس قصور کے قبرستان میں مرجعِ خلائق ہے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے بے نظیرِ زمان سے آپ کی تاریخِ وصال لی ہے۔
۱۲۷۰ھ

حضرت غلام مرتضیٰ نقشبندی بیربلوی رح

وصال: ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ - مزار اقدس: بیربل شریف۔ سرگودھا۔ (پنجاب)

عارف کامل حضرت غلام مرتضیٰ نقشبندی چودھویں صدی ہجری کے نقشبندی مشائخ کرام سے تھے۔ آپ غیر معمولی شہرت کے حامل تھے۔ علم شریعت اور طریقت میں ہر لحاظ سے کامل تھے۔ آپ کا تعلق بیربل شریف کے شریف النفس اور صاحبِ فضیلت خاندان سے تھا۔

ولادت آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد اسلم تھا جو نہایت منکسر المزاج تھے۔ طبعاً بڑے حلیم اور متواضع تھے۔ حضرت غلام مرتضیٰ کی ولادت ۱۲۵۱ھ میں بیربل ضلع سرگودھا ہی میں ہوئی۔ کتب میں مذکور ہے کہ حضرت غلام مرتضیٰ کی پیدائش سے قبل ایک مرد کامل نے آپ کے والد کو فرزند باکمال کی پیدائش اور علوم مرتبت کی اطلاع دی تھی۔

طلب علم جب آپ کی عمر پڑھنے کے لائق ہوئی تو حفظِ قرآن پر آپ کو لگایا گیا اور نہایت چھوٹی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ پھر اس وقت کے دستور کے مطابق فارسی نظم شروع کرائی گئی۔ اور نہایت قلیل عرصے میں تمام فارسی کتب مروّجہ ختم کر لیں۔ ابھی والد ماجد کا سایہ موجود تھا اور کیا معلوم تھا کہ دریائے ولایت کا یہ دُرِّ شاہوار بھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں دُرِّ یتیم بننے والا ہے۔ چنانچہ تیرہ برس کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا۔

والد ماجد کے وصال کے بعد حصولِ علم کے لیے کئی مقامات پر تشریف لے گئے لیکن کہیں بھی جمعیت حاصل نہ ہوئی۔ آخر حافظ قائم مرحوم کے مشورہ سے للہ شریف پہنچے۔ للہ شریف کی فضا آپ کی طبعِ رسا کو ایسی راس آئی کہ علم ظاہر کے ساتھ ساتھ باطنی قویٰ بھی بیدار ہو گئے اور دماغی قوتوں کے ساتھ سینہ منور بھی گنجینۂ محبت و عرفان بن گیا۔

دورانِ تعلیم میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی بعض خصوصیات بیان کرنے کے قابل ہیں۔ للہ شریف میں جس گلی سے روز اول آپ داخل ہوئے اس گلی کے سوا دوسرا کوئی گلی کوچہ نہ دیکھا اور کبھی کسی طالب علم سے کوئی زائد بات نہ کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت خضر علیہ السلام کی تین مرتبہ ملاقات ہوئی۔ ایک مرتبہ عین پیاس کی حالت میں حضرتؒ نے اپنے مشکیزہ سے پانی پلایا اور فوراً غائب ہو گئے۔

بیعت

قطب الاقطاب حضرت خواجہ غلام نبی للّٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کی دولت تو مل ہی چکی تھی۔ اسی اثناء میں کہ علوم سے فراغت کا زمانہ ابھی باقی تھا کہ غوثِ زمانہ سندِ اولیاء حضرت غلام محی الدین قصوری حضوری کی زیارت کا شرف ملا۔ بھلا شاہبازِ طریقت کی نگاہ ایسے ہونہار شکار کو کب چھوڑتی تھی۔ حضرت قصوری حضوری کی بیعت کی سعادت بھی حاصل ہو گئی اور کامل استاد کی نظر شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ کامل پیر کی نگاہِ لطف و کرم کے لیے بھی دل کا آبگینہ چمک اٹھا اور علم و عمل و معرفت کی سہ گانہ راہیں اللہ کے اس محبوب پر بیک وقت کھل گئیں۔ حضرت قصوری حضوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کی تربیتِ باطن اور سلوک نقشبندیہ اور قادریہ کے لیے اپنے جلیل القدر خلیفہ حضرت غلام نبی للّٰہی کو حکم دیا کہ وہ علم ظاہر کے ساتھ توجہات باطنی سے بھی نوازتے رہے اور باطن کو بھی منور کرتے رہے۔

درس و تدریس

ابھی سن مبارک اٹھارہ سال ہی تھا کہ تمام علوم ظاہرہ سے حضورؒ نے فراغت پائی اور اپنے وطن مبارک واپس آئے، درس و تدریس کا مشغلہ شروع ہو گیا اور سعادت مندانِ ازلی اپنے کامل استاد سے علم کے موتی پیہم لینے لگے۔ تھوڑی مدت سے آپ کے فضل و کمال کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور مکمل استعداد رکھنے والے طلبا دھڑا دھڑ آنے لگے۔ یہاں تک کہ طلباء کی تعداد ایک سو تک ہمیشہ رہنے لگی۔ اور یابرکت لنگر اپنے طلباء کا کفیل بنا رہا۔

حضرت للّٰہی کی نگاہ عنایت

دوران تعلیم میں بھی آپ حضرت للّٰہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کی توجہات خصوصی کام کر رہے تاہم ابھی تکمیل باقی تھی۔ چنانچہ للہ شریف کا سفر حضرتؒ کے مشاغلِ حیات کا حصہ رہا اور جب بھی جاتے پندرہ روز

سے کم نہ ٹھہرتے اور اس دوران میں حضرت اعلیٰ اپنے اس محبوب مرید کو خصوصی توجہات سے نوازتے اور کافی وقت ان کی روحانی تربیت میں دیتے۔

سالکین کی رہنمائی

حضرت للہی آپ کو فرزندوں کی طرح عزیز رکھتے تھے اور کسی مرید اور درویش کو آپ سے ہمسری کا دعویٰ نہ ہوتا۔ کبھی کبھی حضرت اعلیٰ للہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دقائق تصوف کے بارے میں سوال کرتے اور جواب شافی پاکر آپ مطمئن ہوتے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔

حضور ابتدا میں اپنا بیشتر وقت تدریسی علوم میں دیتے اور روحانی تربیت میں بڑی مشکل سے کسی کو قبول فرماتے۔ اور جو طالب، سالک بیعت کی خواہش کرتا اسے للہ شریف بھیج دیتے لیکن حضرت پیرو مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بیعت کا دروازہ بھی مخلصین طالبین کے لیے کھول دیا اور تدریس العلوم کا کام اپنے سب سے بڑے صاحبزادہ حضرت ثانی احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کیا۔ سینکڑوں بندگانِ خدا آتے۔ پراگندہ آتے اور جمعیت لے کر جاتے۔

خدمتِ دین

استقامت فقر و ولایت کے لوازمات سے ہے۔ آپ کی ذات با برکات استقامت کا ایک پہاڑ تھی۔ ہر عمل میں مداومت آپ کا طریق کار تھا، ابتدائے حال میں آپ نے مربی طریقت کی سنت میں درس نظامی جاری کیا۔ دور دور سے علم دین کے پیاسے آئے اور سیراب ہوئے۔ اور بیشتر ان میں سے ایسے ہوئے جو بیک کرشمہ دو کار کا مصداق بنے یعنی عالم بھی ہوئے اور فقیر بھی۔ مولانا محبوب عالم سوہاروی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی عطا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن نلی جیسے وحید العصر لوگوں نے تمام علومِ ظاہری بھی آپ سے حاصل کیے اور معرفت الٰہی میں بھی خرقہ خلافت سے فیض یاب ہوئے۔ اس مبارک خانقاہ میں ہمیشہ طالبانِ فیض اور طالبانِ علم کا ایک مجمع رہتا تھا۔ لنگر جاری تھا اور اسّی کے قریب طالب علم رہتے تھے ان کی تمام ضروریات کی کفالت اللہ فرماتا۔ اور برکات و انوار کا یہ سرچشمہ ہر پیاسے کو سیراب کرتا۔

شوقِ کتب بینی

آپ کو کتابوں سے بے حد محبت تھی اور مطالعہ کتب کے لیے رات کا وقت مقرر تھا۔ ہمیشہ کُتبِ تصوف اور تفسیر و حدیث کا مطالعہ رہتا۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا کہ پنجاب بھر میں اس کی مثال نہ ملتی تھی اور ہر کتاب پر

آپ کے ہاتھ کا کچھ نہ کچھ لکھا ہوا موجود ہے۔ جہاں کہیں کوئی نئی کتاب طبع ہوئی ہر قسم کا خرچ برداشت کیا اور وہ حاصل کر لی۔

ملفوظات و مکتوبات

آپ کے مکتوبات شریف اس آخری دور میں بے مثل و بے مثال ہیں۔ دنیا کی بے رغبتی جو فقر فقیری کی بنیاد ہے آپ کے مکتوبات اسی صفت سے بھرے پڑے ہیں۔ توکل علی اللہ جو ولایت کا سرمایہ ہے آپ کے مکتوبات کا خلاصہ ہے غرض آپ کی ہر گفتگو اور ہر تحریر قرآن و حدیث کا خلاصہ ہوا کرتی تھی اور تاثیر کے رنگ میں بھی "گفتۂ او گفتۂ اللہ بود" کا نمونہ ہیں۔ آپ کے چند ملفوظات حسبِ ذیل ہیں:۔

فرمایا کہ جو شخص کسی بزرگ کی کچھ بھی خدمت کرے خواہ کسی قسم کی ہو، اس کا نفع ضرور پہنچ جاتا ہے خواہ اس جہاں میں خواہ آخرت میں، انشاء اللہ بالکلیہ خالی نہیں رہے گا۔ اس ضمن میں اغنی کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جو آپ کا مرید تھا۔ حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ حضرت! فلاں شخص مجھ کو ہمیشہ بلاوجہ ایذا دیتا رہتا ہے۔ کوئی کلام ارشاد فرمائیں کہ جس کے پڑھنے سے خدا تعالیٰ اس کو ہلاک کرے! فرمایا اس شخص نے خوردسالی میں مجھے ایک دفعہ کندھوں پر سوار کیا تھا اب یہ مناسب نہیں کہ میری طرف سے اس شخص کو ایذا پہنچے۔

غور کیجیے واقعہ گو معمولی نظر آتا ہے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے کتنا اہم ہے۔ مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے حق میں بڑے غیور واقع ہوئے تھے۔ ایسے لاتعداد واقعات ہیں جہاں آپ کے کسی مخلص مرید نے آپ کی خدمت میں کسی بے جا ایذا دہندہ کی شکایت کی ہو اور وہ کیفرِ کردار کو پہنچنے سے بچا ہو۔ لیکن یہاں دو چار منٹ کی خدمت کا اتنا پاس و لحاظ ہے۔ یاد رکھو ان اللہ والوں کی جو بھی خدمت کی جائے اللہ والے اس سے بے نیاز ہوتے ہیں مگر ان کی خدمت خود خدمت کرنے والوں کے لیے بیحد مفید ہوتی ہے۔

یہاں سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آیا حضور محبوب عالم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ تنگی تھی۔ کچھ سوچ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہی دو روپے جو میرے پاس تھے حضرت کی نذر کیے اس دن بیس روپیہ کی فتوحات ہوئیں۔ دوسرے دن پھر دو روپے حضرت کی نذر کیے اس دن بھی بیس روپے کی فتوحات ہوئیں۔ تیسرے دن پھر دو روپے نذر کیے۔ مسکرا کر

فرمایا کہ مولوی صاحب! جب پہلے روپے ختم ہو جائیں گے تو پھر دیکھا جائے گا۔ آج اگر تہذیب نو کے دلدادگان کو یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تو وہ معذور ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحائف بھیجا کرتے تھے اور دینی و دنیاوی فتوحات سے مستفید ہوتے تھے۔ نیز فرمایا:

مرشد کے حضور کوئی اور وظیفہ پڑھنا بے ادبی ہے۔

سلوک میں محبتِ شیخ کامل بڑی بھاری شرط ہے۔

جس قدر صلاحیت، پرہیزگاری اور یادِ الٰہی زیادہ ہو اسی قدر چہرہ پر صفائی اور رونق آجاتی ہے۔ کوئی مصنوعی صفائی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

بد مذہب آدمی کے پاس ہرگز نہ بیٹھنا چاہیئے۔ آگ کے پاس بیٹھنے سے اس کی تاثیر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

سخن مرداں، نامرداں را مرد کند۔ مرداں را فرد کند، فرداں را گرد کند۔

ابو جہل کو ابو الحکم کہتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسد کیا ابو جہل مشہور ہوا (یہ ارشاد حسد کی برائی میں فرمایا)

جس کو رات کو ڈر آئے یا خیالات فاسدہ آئیں تو اسے سات بار آیۃ الکرسی، سات بار قل اعوذ برب الفلق، سات بار قل اعوذ برب الناس پڑھ کر سونا چاہیئے۔

جو کسی کے ساتھ محبت رکھے وہ اسی کے ساتھ ہو گا۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ طریقہ علیہ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے کیا حاصل ہونا ہے؟ تو فرمایا۔ "من دخلہ کان آمنا"۔

ایک شخص نے پوچھا کہ یزید اور اس کے ہمراہیوں کے حق میں کیا کہنا چاہیئے؟ تو فرمایا۔ "تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ...... الآیۃ۔

اہلِ حال سے غلبۂ حال کے وقت جو الفاظ و کلمات صادر ہوتے ہیں وہ اس میں معذور ہوتے ہیں۔

واصلانِ حق دو قسم کے ہیں۔ ولی اللہ، خلیفۃ اللہ، شیوۂ ولی اللہ رضا بہ قضا و شیوۂ

خلیفۃ اللہ کبھی رضا بہ قضا اور کبھی برعایتِ خلق تصرف فی الامور۔

سالک کو اس راستہ میں تکالیف کا بہت سامنا ہوتا ہے۔ صبر و استقامت سے کام لینا چاہیئے۔ عشق جانبازی است نہ طفل بازی ؎

زنگن چڑھے رسول دی مولیٰ لایاں بھاگ　　　کپڑے رنگے اتھاندے جنھاندے متھے بھاگ

پھر فرمایا کہ کثرتِ ذکر اور مجاہدہ سے فائدہ ظہور میں آجاتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت تصوف اور شریعت آپس میں متغائر ہیں؟ تو فرمایا: ہرگز نہیں۔ تصوف اور سلوک مغز شریعت ہے جو لوگ متغائر سمجھتے ہیں وہ حقیقتِ شریعت و تصوف سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

اولیاء کرام باذنِ خدا صاحبِ تصرفات ہیں۔

وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود دونوں حق ہیں مگر وحدتِ وجود کی سمجھ اس کو آسکتی ہے جس پر وہ حالت آئے اور پورا کمال اس وقت ہوتا ہے جب وحدتِ شہود ظہور کرے۔

ولی اللہ کی دعا ضائع نہیں جاتی۔ ضرور بندوق کی طرح نشانہ پر جا لگتی ہے۔ ہاں اگر بندوق کا ساانس پیچھے سے نکل جائے تو پھر نہیں چل سکتی۔ اسی طرح دعا کے وقت کوئی وسوسہ یا خیال ایسا آجائے جس سے طبیعت کی وہ تیزی نہ رہے تو پھر اثر کما حقہٗ نہیں ہوتا۔

صورتِ شیخ کو بہ تکلف پکانا ضروری نہیں۔ شیخ کی محبت ایسی پیدا کرنی چاہیئے جس سے اس کا تصور لازم رہے۔

یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کے وظیفہ کے بارے میں ابتدائے امر میں تردد رہتا تھا۔ آخر معلوم ہوا کہ تردد کی وجہ محض سمجھ کی غلطی تھی۔ اس مسئلہ کی بنا استمداد از اولیائے کرام پر ہے اور وہ حدیثِ مبارک سے ثابت ہے۔ تصرفات اولیائے کرام بحالتِ حیات و بعد از حیاتِ ظاہری اکثر محدثین اور فقہاء کے نزدیک ثابت ہیں۔ پس کوئی وجہ اس وظیفہ کے ناجائز ہونے کی نہیں۔

کارخانہ قضا و قدر میں اپنی عقل و رائے کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ مکنوناتِ عالم میں ہزارہا راز پوشیدہ ہیں۔

کرامات

دراصل اولیائے کرام کا ہر فعل کرامت ہوتا ہے۔ کسی نے خواجہ بزرگ سے سوال کیا کہ میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس عرصہ میں تم نے میرا کوئی فعل خلافِ سنت دیکھا ہے؟ بولا نہیں۔ فرمایا یہی کرامت ہے۔ زندگی کو ایک ہی نہج پر اللہ اور اس کے رسول کے لیے وقف کر دینا ہر کہ ومہ کا کام نہیں۔ استقامت کا درجہ کرامت سے افضل ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس باکمال بزرگ نے کہاں تک لوگوں کو شریعت کی سچی راہ دکھائی ہے اور کتنے لوگوں کو مولائے حقیقی کے دروازے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اصل کام تغیرِ نفسی ہے۔ مکنوناتِ عالم میں تصرف اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا تاہم اولیاء اللہ سے کرامت کا ظہور اکثر ہوتا رہتا ہے اور دلوں کو اس بزرگ سے وابستہ کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے اور یہی وابستگی نجات کا باعث بھی بن جاتی ہے لہذا چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ بھک احمد یار میں آپ قیام پذیر تھے۔ مسجد کے نزدیک ہی بتکدہ تھا، مندر کا پجاری ہر روز صبح کی نماز اور اذان کے وقت ناقوس بجانا شروع کر دیتا تھا۔ کچھ دن تو ایسا ہوتا رہا۔ ایک دن آپ نے مندر کے دروازے سے گزرتے ہوئے خادم سے دریافت فرمایا کہ وہ کون ہے جو عبادت میں خلل ڈالنے کے لیے ناقوس بجایا کرتا ہے۔ خادم نے اشارہ کیا۔ آپ نے اس کی طرف تیز نظر سے دیکھا، اور فرمایا:۔

"انشاء اللہ پھر ناقوس نہ بجائے گا"

خدا کی قدرت اسی دن بیمار ہوا اور ناقوس بجانے سے پہلے ہی مر گیا۔

۲۔ حضور گجرات میں رونق افروز تھے۔ منشی رجب علیخان نے عرض کی، حضور میرا ایک ضروری کاغذ گم ہو گیا ہے جس کی گمشدگی سے نقصان کا خطرہ ہے۔ دعا فرمائیے کہ مل جائے آپ نے فرمایا اسی طرح ایک مقربِ شاہی کا ضروری کاغذ گم ہو گیا تھا۔ ایک ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ولی اللہ نے فرمایا کہ حلوہ کھلاؤ۔ وہ حلوائی کی دکان پر حلوہ خریدنے گیا۔ حلوائی نے ایک کاغذ اٹھا کر حلوہ ڈالنا چاہا، مقربِ شاہی نے دیکھا کہ یہ تو وہی کاغذ ہے چنانچہ کاغذ مل گیا۔

منشی صاحب نے عرض کی کہ حضور میں کیا کھلاؤں؟ فرمایا ہم کو چائے پلاؤ۔ منشی صاحب چائے کا سامان جمع کرنے لگے۔ اتنے میں ایک دوست کا خط آیا کہ آپ کا فلاں کاغذ میرے سامان میں چلا آیا ہے

فکر نہ کریں بھیج دیا جائے گا۔

۳۔ حضرت سرہند شریف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مخلص کے ہاں قیام فرمایا آپ کے ہمراہ کوئی بیس کے قریب آدمی تھے۔ ایک شخص نے آپ کی دعوت کی، جمعہ کا دن تھا۔ دور و نزدیک سے حضرت کی آمد کا حال سن کر سو کے قریب آدمی ہوگئے۔ دعوت کنندہ نے ایک شخص کے ذریعہ آپ تک قلتِ طعام کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا جو طعام تیار ہے فقیر کے پاس رکھ دو۔ آپ نے طعام پر دستِ اقدس رکھا اور فرمایا اسے کپڑے سے ڈھانپ دو اور تقسیم کرو۔ تمام حاضرین نے سیر ہو کر کھایا اور ہنوز طعام بہت سا بچ گیا۔

۴۔ مولانا محمد قمر الدین صاحب کو ایک خطرناک مقدمہ درپیش تھا۔ حضرت کے سامنے عرض کی۔ آپ نے دعائے خیر فرمائی۔ حاکم کے سامنے پیش ہوئے اس نے دیکھتے ہی کہا تم بری الذمہ ہو، چلے جاؤ۔ عین اس وقت جبکہ انھیں بری کر دیا گیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے مولوی محبوب عالم سے فرمایا کہ ہمارے مخلص مولوی قمر الدین کو ایک حادثہ تھا جو اللہ کے فضل سے رفع دفع ہوگیا ہے۔ مولوی محبوب عالم نے وقت نوٹ کر لیا۔ جب ان کی ملاقات مولوی قمر الدین سے ہوئی تو دریافت کیا کہ کس تاریخ کو اور کس وقت حاکم نے حکم جاری کیا تھا، جب مولوی صاحب نے وقت بیان کیا۔ عین وہی وقت اور تاریخ تھی۔

۵۔ میاں محمد عظیم صاحب ساکن کوٹ شمس کے ساتھ ایک زمیندار مخالف ہوگیا اور ایذارسانی شروع کر دی۔ ان کی مسجد کی اندر توت کا درخت تھا وہ بھی کاٹ لیا۔ میاں صاحب نے بطور استغاثہ حضرت صاحب کو لکھا۔ آپ نے جواب دیا۔

"من قطع توتک فقد قطع اللہ عرقہ"

چنانچہ وہ شخص بحکم الٰہی بیمار ہوا اور مر گیا۔

۶۔ حضرت قبلہ لٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ کی شادی تھی۔ حضور نے اپنے عام خلفاء کو ایک ایک کام سپرد کر دیا مگر حضرت پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی خدمت ارشاد نہ فرمائی۔ آپ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی خدمت کے لیے درخواست کی۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تمھارے سپرد بھی ایک کام کیا جانا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بارشوں کے دن ہیں آپ دعا کریں کہ بارش نہ ہو اور کام باحسن وجوہ انجام پا جائے۔ آپ نے عرض کی بہت اچھا! اور وہاں سے اٹھ کر ایک حجرے میں تشریف لے گئے، کچھ

عرصہ کے بعد بارش شروع ہوگئی۔ پیرو مرشد نے فرمایا کہ مولوی صاحب کو عرض کرو۔ خادم نے آکر عرض کی۔ آپ حجرے سے باہر نکلے اور تیز نظر سے آسمان کی طرف دیکھا۔ بادل چھٹ گئے اور مطلع صاف ہوگیا اور سال بھر ایک قطرہ نہ برسا۔ للہ شریف کے لوگ تنگ آکر حضرت الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب بیربل والا کے پاس جاؤ اور ان سے دعا کراؤ چنانچہ لوگ آپ کے پاس پہنچے اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی اور بارش ہوئی۔

معمولات و عبادات

لباس آپ کا اکثر سفید و سادہ ہوتا تھا۔ شیریں گفتار تھے۔ دھیمی آواز میں گفتگو فرماتے۔ جمعہ کے دن وعظ بھی دھیمی آواز میں فرمایا کرتے لیکن دور و نزدیک سب کو آپ کا وعظ سنائی دیتا۔ سلام میں اکثر ابتدا فرماتے۔ ہیبت کی یہ حالت تھی کہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ سرکش سے سرکش بھی آپ کے سامنے آتا تو مبہوت ہو کر رہ جاتا۔ متواضع ایسے کہ علماء و فقراء کے لیے سروقد تعظیم کو کھڑے ہوتے۔ ورع اور تقویٰ بے مثل تھا جو کچھ آتا درویشوں اور مسکینوں کو کھلا دیتے۔ تسلیم و رضا، صدق گفتار، صبر اور فقر کا مجسم نمونہ تھے۔ طبیعت بیحد بے تکلف تھی۔ بعض دفعہ چارپائی پر بستر بھی ہوتا مگر بوریا پر لیٹ جاتے۔ چلتے ہوئے نظر نیچی رکھتے۔ اور آہستہ چلتے لیکن جب بازار سے گزرنے کا اتفاق ہوتا تو چہرہ ڈھانپ کر نہایت تیزی سے گزرتے۔ تہجد آٹھ سے بارہ رکعت ادا کرتے، نماز فجر سے فارغ ہو کر ختم امام ربانی مجدد الف ثانی اور دیگر معمولات ادا کرتے۔ ان سے فارغ ہو کر مراقبہ فرماتے اور حاضرین پر القاء فیض کرتے، اشراق و ضحیٰ کی ادائیگی کے بعد ایک ہزار بار یاحی یاقیوم، ایک بار دعائے حزب البحر اور دیگر اسمائے حسنیٰ پڑھتے بعد از فراغت ایک دو سبق تفسیر و حدیث کے پڑھاتے۔ پھر دولت خانہ میں تشریف لے جاتے۔ بعد از ظہر سوا پارہ منزل قرآن کریم تلاوت فرما کر درود کبریت احمر پڑھتے۔ اور تفاسیر کا مطالعہ فرماتے۔ پھر مسند شریف پر بیٹھتے اور عصر تک حدیث شریف یا تفسیر یا فقہ کے اسباق کی تدریس فرماتے۔ عصر کے بعد درس مثنوی شریف اور تفسیر بیضاوی شریف کا شام تک شغل رہتا۔ نماز مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین میں مشغول ہو جاتے اور خادم ختم خواجگان شروع کرتے۔ دعا کے بعد صالحین کے حالات بیان فرماتے اور طالبین کو مناسب نصائح سے مستفید فرماتے۔ نماز عشاء کے بعد خواص حضرات ارد گرد بیٹھ جاتے اور تسبیح ہاتھ میں لے کر درود شریف پڑھتے پھر اٹھ کر سونے کے لیے تشریف لے جاتے آپ کے ہاں

دو عرس ہوا کرتے تھے، ایک ۱۲ ربیع الاول کو اور دوسرا ۲۷ رجب کو۔ عرسِ معراج میں ہجوم کثیر ہو جاتا تھا۔ روشنی کا انتظام ہوتا اور ساری رات ذکرِ معراج ہوتا رہتا۔

آپ کے بیعت کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ طالب کو سامنے بٹھاتے، اس کا ہاتھ مثل مصافحہ کے اپنے ہاتھ میں لے کر اول استغفار پڑھتے۔ بعد ازاں کلمۂ توحید و شہادت کی تلقین فرماتے۔ طریقۂ نقشبندیہ میں داخل فرماتے اور سلوکِ طریقہ مجددیہ طے کراتے کہ یہی طریقہ شیخ العربِ والعجم حضرت خواجہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

تصانیف

آپ نے تالیف و تصنیف کی طرف خاص توجہ فرمائی اور چند یادگار کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ رسالہ مختصر نزہۃ الناظرین مع شرح روض الریاحین

۲۔ مصباح الدجیٰ اور اس کی شرح شمس الضحیٰ۔

۳۔ تحفۃ العارفین وہدیۃ السالکین

۴۔ تذکرۃ المحصنات معراج نامہ عربی

۵۔ رسائل در فضائل رمضان و عیدین قابلِ ذکر ہیں۔

اولاد

آپ کے تین صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی بالترتیب حضرت خواجہ احمد سعید، حضرت محمد سعید اور حضرت غلام رسول تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے سب سے بڑے بیٹے مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوئے۔

وصال

آپ نے پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ میری وفات رجب کے مہینے میں ہو گی۔ جب رجب کا چاند نظر آیا آپ نے محمد دین معمار کی طرف آدمی بھیجا کہ مسجد کی تعمیر کا کام تکمیل کو پہنچ جائے اس نے عرض کیا کہ معراج شریف کے عرس پر حاضر ہو جاؤں گا۔ جب معمار کا یہ پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا کاش ہماری زندگی میں آ جاتا۔ چنانچہ ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ کو یہ آفتابِ ولایت ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

آپ کو بیربل (سرگودھا) میں ایک مسجد کے کونے میں دفن کیا گیا جہاں آج بھی آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی نقشبندیؒ

وصال ۱۳۱۴ھ ۔ مزار : موسیٰ زئی ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان ۔

حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی مشائخین موسیٰ زئی سے ہیں آپ کا خاندان اپنے علاقے میں علم وفضل میں بہت مشہور تھا آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا محمد موسیٰ اچکزئی قندھاری تھا جو بڑے عابد اور جلیل القدر فقیہہ تھے اور اپنے علاقے میں فقیہہ لونی کے لقب سے مشہور تھے ۔

پیدائش آپ کی پیدائش ۱۲۴۴ھ موضع لونی نزد کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پیدا ہوئے ۔

تعلیم آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی اس کے بعد جب ذرا بڑے ہو گئے تو مزید تعلیم کے لیے ایک مدرسے میں داخل ہو گئے ۔ وہاں آپ نے عربی صرف ونحو کا علم پڑھا اس کے ساتھ ہی فارسی پر عبور حاصل کیا حتیٰ کہ عالم شباب تک ضرورت کے مطابق دینی اور دنیوی علم میں کافی دسترس حاصل کر لی مگر ابھی علمی پیاس پوری نہ ہوئی تھی اس لیے آپ مزید حصول علم کے لیے کوشاں رہے ۔

آپ کے بڑے بھائی اخوند محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضع کھوئی بہاراں میں اپنے ماموں مولانا نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھ رہے تھے اور آپ کے ماموں حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مندوں میں سے تھے ۔ ایک مرتبہ آپ اپنے بھائی کے پاس ان کے ملبوسات لے کر گئے آپ کے ماموں صاحب نے آپ سے پوچھا "ہمارے پیر و مرشد حضرت حاجی صاحب کا قافلہ چودھوان کے قریب فروکش ہے ان کے بارے میں تمھیں کچھ معلوم ہے" آپ نے جواب دیا میں اس سے متعارف نہیں اور مجھے ان کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کون بزرگ ہیں اور کس جگہ قیام فرما ہیں ؟

جب آپ کھوئی بہاراں سے واپس گھر جانے لگے تو ماموں صاحب نے ہدایت کی، تمھارے راستہ میں چودھواں آئے گا اور اس کے قریب حاجی صاحب کا قافلہ قیام پذیر ہے ۔ تم ان کی

خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرنا اور یہ پیغام دینا کہ حضور کے خدام جو یہاں کھوئی بہاراں تشریف لائے ہوئے ہیں، کل خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائیں گے۔

لہٰذا آپ گھر واپس جاتے ہوئے چودھواں سے گزرے تو آپ نے اہل بستی سے حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے قافلے کے بارے میں دریافت کیا۔ جب معلوم ہوا کہ حضرت والا اسی جگہ قیام فرما ہیں تو آپ حضرت حاجی صاحب کے حضور حاضر ہوئے اور ماموں صاحب کا سلام و پیغام آپ کی خدمت اقدس میں پہنچایا۔

واقعہ بیعت

اس کے بعد آپ وہاں سے چلے گئے اور اپنے تعلیمی مشاغل میں مگن ہو گئے تھوڑی مدت بعد طلب حق کے ذوق وشوق نے دل میں جوش مارا۔ ان دنوں آپ فقہ کی کتاب ہدایہ پڑھ رہے تھے۔ جذبہ طلب الٰہی اس قدر بڑھ گیا کہ آپ ہر وقت حالتِ استغراق میں رہنے لگے۔ نہ مطالعہ کرنے کو جی چاہتا اور نہ ہی سبق پڑھ سکتے تھے ایک روز اس حالت سے مجبور ہو کر استاد محترم کی خدمت میں عرض کیا کہ تعلیم کا اب مزید جاری رکھنا میرے بس میں نہیں۔ محبت الٰہی کا غلبہ دن بدن افزوں ہوتا جا رہا ہے اور اب میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ فی الحال سلسلہ تعلیم کو ملتوی کر دوں اور کسی اہل اللہ کے حضور حاضر ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہو جاؤں۔ شاید اس طرح غلبۂ حال اور جوشِ دروں کا علاج میسر آجائے۔

استاد محترم یہ سن کر حیران ہو گئے اور پھر مشورہ دیا کہ ہدایہ کا جو تھوڑا سا آخری حصہ باقی رہ گیا ہے اسے ختم کر لیجئے، پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا اور استاد شاگرد اکٹھے کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ آپ نے عرض کیا۔ حضرت! ہدایہ ختم ہوتے میں کافی دن لگ جائیں گے۔ میری طبیعت میں بیحد اضطراب ہے اور میں نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ صبح ہوتے ہی حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کروں گا۔ استاد محترم نے بہتیرا چاہا کہ آپ نہ جائیں لیکن ذوقِ دل نے آپ کو مہلت نہ دی اور روزِ اول کی نوشتۂ تقدیر نے آپ کو مجبور کر دیا لہٰذا آپ دوسرے روز صبح مدرسہ کو خیرباد کہتے ہوئے چودھواں پہنچے۔ چنانچہ آپ بروز ۹ جمادی الثانی ۱۲۶۶ھ کو حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہوئے اور عصر کے وقت بیعت ہونے کی درخواست کی۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ فرماتے ہوئے انکار فرمایا کہ فقری اختیار کرنا بڑا دشوار کام

ہے۔ لیکن آپ نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا" حضرت! میں تو فقیری کے حصول کے لیے تیار ہو کر آیا ہوں۔

اس کے علاوہ آپ نے مزید عرض کیا "میں جذبۂ حصول کے ہاتھوں بے بس ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں "۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" اچھا مغرب کی نماز کے بعد دیکھا جائے گا"۔ لہذا نماز مغرب کے بعد حضرت حاجی صاحب رح نے آپ کی درخواست قبول فرماتے ہوئے آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرمالیا۔

علمِ باطنی کا حصول

گو آپ نے صرف ونحو، علم عقائد، فقہ و اصول اور تفسیر و حدیث کی کتابیں پہلے پڑھی ہوئی تھیں اور ان کے نقوش آپ کے ذہن مبارک میں محفوظ تھے مگر نگاہ ان کے ظواہر سے آگے نہیں جاتی تھی، لہذا شیخ و مرشد حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے شفقت و مرحمت فرماتے ہوئے دوبارہ آپ کو تفسیر و حدیث اور کتبِ تصوف کا درس دینا شروع فرمادیا۔ اس طرح نہ صرف معرض التواء میں پڑا ہوا سلسلۂ تعلیم تازہ ہو گیا بلکہ علمِ ظاہری کے ساتھ ساتھ اس کے جملہ باطنی حقائق و معارف بھی آپ پر عیاں ہونے لگے۔ چنانچہ آپ نے شیخ و مرشد سے مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ، علمِ اخلاق میں احیاء العلوم کامل۔ علم تفسیر میں بغوی کامل اور علم تصوف میں مکتوبات مجددیہ ہر سہ دفتر اور مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر نہایت ہی تحقیق و توجہ اور لگن و یکسوئی سے پڑھے اس کے علاوہ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے علمِ تصوف کے متعدد دیگر رسائل اور کتابیں خاص توجہ سے آپ کو پڑھائیں۔ اور اس طرح حضرت والا کی عنایت سے آپ کی روح علمی استدلال سے گزر کر عرفان و ایقان کے درجہ پر پہنچ گئی۔

خدمتِ مُرشد

حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے کے بعد آپ اپنے گھر بار اور کاروبار سے بالکل لاتعلق ہو گئے اور پیر و مرشد کی خدمت گزاری کو سب دنیاوی کاموں پر ترجیح دی۔ یہاں تک کہ پیر و مرشد کے حین حیات میں شادی تک نہ کی۔ تاکہ شیخ کی خدمت گزاری میں دنیاوی علائق حائل نہ ہو جائیں۔ آپ اکثر و بیشتر صبح کے وقت خانقاہ موسیٰ زئی شریف سے پیدل چل پڑتے اور ڈیرہ اسمٰعیل خان پہنچ کر پیر و مرشد کے

فرمودہ کام کو بطریق احسن سرانجام دینے کے بعد اسی روز دوبارہ خانقاہ شریف واپس تشریف لاتے اور شام کی نماز اپنے شیخ محترم کی معیت میں ادا کرتے۔ پیر و مرشد کی جو خدمات آپ نے کیں وہ کسی دوسرے مرید کے حصہ میں نہ آئیں۔ بارہا بیرون ملک مثلاً ہندوستان، خراسان اور افغانستان کے سفروں میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت گزاری کی غرض سے آپ کے شریک سفر رہے۔ یہ اپنے شیخ محترم سے قلبی تعلق اور باطنی رسوخ کا نتیجہ ہی تھا کہ آپ نے علم حدیث، علم اخلاق، علم سیر اور علم تصوف کی سند اپنے پیر و مرشد سے پائی۔ علاوہ ازیں سلوک و تصوف کی جملہ منازل نہایت تفصیل و تحقیق کے ساتھ اپنے شیخ کی نگرانی میں طے فرمائیں اور فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

(مختصر مقامات عثمانی، ترتیب و ترجمہ از صاحبزادہ محمد سعد سراجی مرشد بابا مدظلہ العالی)

جن دنوں آپ شیخ مرشد کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کر رہے تھے تو ایک روز حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے دریافت فرمایا۔ کیوں ملا عثمان! تمھیں وہ دن یاد ہے جب تم اپنے ماموں مولانا نظام الدین کا سلام و پیام پہنچانے آئے تھے۔ آپ نے عرض کیا۔ حضور! خوب یاد ہے۔ اس کے بعد حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ہم نے اسی روز تمھاری پیشانی میں نسبت نقشبندیہ کا نور مشاہدہ کر لیا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ تم ضرور اکابر نقشبندیہ رحمہم اللہ کی نسبت عالیہ سے بہرہ ور ہوگے لیکن کافی دن گزر گئے اور تم نہ آئے تو گمان ہونے لگا کہ شاید ہمارے کشف اور وجدان میں خطا واقع ہو گئی ہے جب تم یہاں پہنچ گئے تو ہمارے اس کشف کی صداقت ظاہر ہو گئی۔ (تحفۃ السعدیہ۔ مرتبہ مولانا محبوب الٰہی صاحب ص ۵۲)

آپ اپنے پیر و مرشد سے ایسے وابستہ ہوئے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے، آپ اٹھارہ برس چار ماہ اور تیرہ روز تک اپنے شیخ و مرشد کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ اس طرح شیخ و مرید کے درمیان رابطۂ محبت اس قدر مضبوط اور گہرا استوار ہوا کہ زندگی بھر ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے آپ نے خلوص و وفا شعاری سے اپنے پیر و مرشد کی ہر قسم کی خدمات انجام دیں۔ اسی طرح حضرت دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہمیشہ دوسرے ارادت مندوں سے امتیازی مقام آپ کو عطا فرمائے رکھا اور اپنی طرف سے محبت و انس اور شفقت و نوازش ہمیشہ آپ کے شامل حال رکھی۔

عطائے خلافت

ایک رات حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ موسیٰ زئی شریف میں آرام فرما تھے اور حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی قدس سرہ العزیز آپ کے خادم خاص کی حیثیت سے ایک کونے میں بیٹھے ذکر و مراقبہ میں مشغول تھے اس وقت دیا سلائی کی ڈبیہ آپ کے پاس تھی۔ آپ اس خیال سے نہ لیٹے نہ سوئے کہ نہ معلوم کس وقت حضرت شیخ بیدار ہو کر خدمت کے لیے آواز دیں۔ تہجد کے وقت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہوئے اور ملا عثمان کہہ کر آواز دی۔ آپ نے کہا جی حضور! اور ساتھ ہی دیا سلائی جلا کر چراغ روشن کر دیا آپ کی اس ادا سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیحد خوش ہوئے اور آپ کو خدمت گزاری میں اس قدر سرگرم اور مستعد دیکھ کر فرمایا:۔

"ملا عثمان! تم نے بڑی اہم اور صبر آزما خدمات انجام دی ہیں مگر تمہاری یہ خدمت سب پر فوقیت لے گئی"۔

غرض حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت گزاری، جذبۂ ایثار و قربانی اور والہانہ عقیدت و محبت کی بدولت آپ کو نہ صرف طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ بلکہ سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، قلندریہ، شطاریہ اور مداریہ میں بھی خلیفہ مجاز قرار دے دیا۔

سفرِ حج

اپنے پیر و مرشد کی وفات حسرت آیات کے بعد تین برس تک خانقاہ موسیٰ زئی شریف کی مسند ارشاد پر متمکن رہنے کے بعد آپ کے دل میں حج بیت اللہ کا ذوق و وجدان موجزن ہوا۔ اور آپ عازم حرمین شریفین ہوئے۔ جب حج بیت اللہ کے فرض کے ادا کرنے سے فرصت ہوئی تو آپ مکہ مکرمہ سے عازم مدینہ منورہ ہوئے۔ اس وقت آپ پر سرور کائنات و فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ محبت اور غلبۂ شوق اس قدر طاری ہو گیا کہ در و دیوار سے صورت محبوب مشاہدہ فرماتے مدینہ منورہ میں آپ گیارہ روز تک مقیم رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا اس قدر لحاظ تھا کہ آپ نے گیارہ روز کی اقامت مدینہ کے دوران ہر قسم کے کھانے پینے کو ترک فرما دیا تاکہ قضائے حاجت کی ادائیگی خدانخواستہ کسی ایسی جگہ نہ ہو جائے جہاں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قدوم میمنت لزوم فرمایا ہو۔

شانِ استغنا

ایک مرتبہ آپ موسم گرما گزارنے کے لیے خانقاہ غنڈان شریف (افغانستان) پر تشریف فرما ہوئے۔ وہاں کی اقامت کے دنوں کا ذکر ہے کہ ایک روز اس علاقے کے قبائل کے بہت سے لوگ جن میں بچے بوڑھے اور مرد و زن سبھی شامل تھے آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ہم ایک کاریز اور اس سے آباد ہونے والی ملحقہ اراضی جس کی قیمت دس ہزار روپے اور سالانہ آمدنی دو ہزار روپے ہے۔ حضرت قبلہ کے لنگر اور خانقاہ شریف کے مصارف کے لیے ہدیۃً نذر کرتے ہیں، حضرت قبلہ اسے منظور فرما دیں۔ اس کے بعد ان قبیلوں کے لوگوں نے ہر چند آپ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ آپ اس جائیداد کی ملکیت قبول فرما لیں مگر آپ نے ہر بار انکار فرمایا۔

ارشاداتِ عالیہ

۱۔ آپ کا کہنا ہے کہ ہمارے مرشد و مولانا حضرت قبلہ خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو چاہیئے کہ یہاں تک ذکر کرے کہ اسے موت بھی اسی ذکر میں آجائے اور اس کی حقیقت میں (مزید یہ بھی) فرمایا کہ حدیث شریف جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا اللہ (اپنے ایمانوں کو لا الہ الا اللہ کے ساتھ تازہ اور نیا کرو) کے حکم کے مطابق ہر وقت ایمان کی تجدید کرتی چاہیئے۔

۲۔ خوشحالی اور فقر و فاقہ ہر حال میں اللہ اللہ کا ورد کر۔ وہ آدمی ابن الوقت ہے جو خوشی اور فرصت کی حالت میں تو اللہ کو یاد کرتا ہے (اور دیگر اوقات میں نہیں) ہر عبادت کے لیے وقت مقرر ہے چنانچہ رکوع کے لیے وقت مقرر ہے اور نماز کے لیے اپنا وقت ہے لیکن ذکر کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔ ذکر ہمیشہ کرنا چاہیئے۔

۳۔ نماز کی سب سے بڑی تاثیر یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے سے عبادت و بندگی کے ساتھ محبت و رغبت زیادہ ہوتی ہے اور عبادت کے فوت ہونے اور گناہوں کا صدور و ارتکاب سے رنج و غم حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ رابطہ و تعلق اس لیے موصل (ملانے والا) ہے کہ پیر پر فیض کا نالہ جاری ہے جس وقت بھی مرید رابطہ پکڑتا ہے تو اس نالہ فیض سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔

۵۔ اپنے فرزند ارجمند مشہور فی الآفاق حضرت خواجہ سراج الاولیاء صاحبزادہ محمد سراج الدین کے

حق میں فرمایا کہ شیر کا بیٹا ہے اور شیر ہی ہوگا۔

۶۔ قلندروں کی جگہ بیٹھ اور پھر اپنی حالت کا اندازہ کر۔

۷۔ اس دور میں مجددی نسبت عنقا کی طرح (نایاب) ہوگئی ہے۔

۸۔ میرے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وصیت کی کہ سیّد اور قریشی کو جہاں بھی پاؤں خود کو اس کے قدموں میں ڈال دوں۔ اور ہر فقیر یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا جہاں بھی ہو، اس کی خدمت کروں۔

۹۔ مصیبت کے وقت شیخ کا رابطہ مفید ہے۔

۱۰۔ پیر میں شک مرید کے لیے بہت بڑی آفت ہے۔ درویش کا سرمایہ جمعیتِ قلب ہے یعنی کوئی ایسا کام نہ کرے جو پراگندگیٔ خاطر کا سبب ہو اور جمعیت و طمانیت کو نقصان و خرابی لاحق ہو۔

۱۱۔ جس شیخ کے دل میں کسی مالدار یا زمیندار کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو کہ یہ امیر آدمی میرا مرید ہو جائے تو وہ شیخ کافر ہو جاتا ہے (یعنی کافرِ طریقت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طریقت کا تقاضا اختیارِ فقر اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔)

خُلفائے طریقت

آپ کے خلفائے طریقت بے شمار تھے جو برصغیر پاکستان و ہند کے علاوہ افغانستان اور ایران سے تعلق رکھتے تھے۔ چند اکابر خلفاء کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ سراج الاولیاء حضرت خواجہ محمد سراج الدین قدس سرہ العزیز

۲۔ حضرت مولانا سیّد اکبر علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (مؤلف مجموعہ فوائد عثمانی)

۳۔ حضرت سید پیر لعل شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۔ حضرت مولانا محمد حسین صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ

اولاد

آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے چھوڑے جو سب کے سب نیک نفس و پاک طینت تھے اور زندگی بھر شریعت مطہرہ کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہے، ان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ سراج الاولیاء حضرت خواجہ محمد سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ حضرت مولانا سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ حضرت مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ۔

وصال مبارک آپ تیس برس تک فلکِ رشد و ہدایت پر طلوع رہے اور اپنی ضیا باریوں سے متواتر خطۂ خراسان، اطراف صوبہ سرحد و پنجاب بلکہ دیگر صوبہ جات ہندوستان سے آنے والے طالبانِ حق کے دلوں کو جِلا بخشتے رہے۔ بالآخر آپ بوقت اشراق بروز دوشنبہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے فرزند اور خلیفۂ اعظم سراج الاولیاء حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ اپنے شیخ و مرشد حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے قدموں میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار پُرانوار آج بھی مرجع الخلائق ہے۔

حضرت محمد صدیق نقشبندی مستونگی

وصال: ۱۳۲۵ھ، مزار: مستونگ (بلوچستان)

آپ طائفہ محمد حسنی قوم بلوچ سے متعلق تھے۔ جائے پیدائش قندھار تھی۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل میاں ولی محمد صاحب کے درس سے ہوئی جو اپنے زمانے کے جید عالم اور متدین بزرگ تھے ان کے مدرسے میں تدریس کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیم کا خصوصی بندوبست تھا۔ طلبہ کو تجوید کے مطابق قرآن پاک کی قرأت سکھائی جاتی تھی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے ان کا مسلک نقشبندیہ سلسلہ میں میاں فقیر اللہ شکارپوری رح سے ہوتا ہوا سید آدم بنوری سے جا ملتا ہے۔

تزکیۂ نفس آپ طالب علمی کے زمانے میں تحصیل علم میں اس قدر مستغرق رہتے کہ ہم درسوں تک سے دوستانہ گفتگو کے لیے بھی فرصت میسر نہ آتی۔ سبق کے بعد گوشۂ تنہائی کو پسند فرماتے۔ تزکیۂ نفس اور تطہیر قلب کی طرف بھی رجوع کرتے۔ فقط نماز کے وقت

اپنے حجرے سے باہر آتے۔ یوں طالب علمی کے دنوں سے ہی تادیب نفس اور تہذیب اخلاق کی جانب مائل ہوئے اور آشنا و بیگانہ کی صحبت سے پرہیز برتی۔ علم ظاہر و باطن کی تکمیل کے بعد درس وتدریس میں مصروف ہو گئے۔

شرف حج بیت اللہ

ایک مدت کے بعد حج بیت اللہ کا ارادہ کر کے چل پڑے، راستے میں مستونگ (بلوچستان) میں قیام فرمایا۔ آپ کے شاگردوں میں سے اخوند حاجی ملا فیض اللہ بھی ہمراہ تھا۔ دونوں کچھ عرصہ تک مستونگ میں مقیم رہے۔ زادِ راہ کا انتظام ہوتے ہی عازم بیت اللہ شریف ہوئے۔

اخوند ملا فیض اللہ جو آپ کا ہم سفر تھا، کا بیان ہے کہ حج بیت اللہ شریف سے فراغت کے بعد جب ہم مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت حاجی محمد صدیق صاحب ننگے پاؤں سفر کرتے تھے۔

آپ نے پہلے مدینہ منورہ میں مستقل قیام کی ٹھانی۔ بعد میں یکایک رختِ سفر باندھا اور واپس چلے آئے۔ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ہوا تھا کہ مستونگ جا کر قیام کیجیے۔

درس وتدریس

مستونگ میں ورود کے بعد آپ کا اولین قیام محلہ سادات میں ہوا جہاں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ عالم باعمل تھے۔ اس خوبی کی وجہ سے آپ کی زبان مبارک میں ایسی تاثیر تھی کہ جو کوئی آپ کی گفتگو سنتا، آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔

نصاب جو آپ کے ہاں پڑھایا جاتا تھا وہ صرف ونحو، فقہ، حدیث، تفسیر اور انشائے عربی و فارسی پر مشتمل تھا۔ آپ کی ہر فن میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ جو کوئی جس فن میں بھی استفادہ کرنا چاہتا کر لیتا تھا۔ سالکانِ راہِ معرفت کے لیے ایک روشن چراغ کی مثل تھے۔ آپ کے فیض سے ایک مخلوق علم و زہد و تقوٰی سے بہرہ مند اور صاحبِ مسند و ارشاد ہوئی۔

فیض یافتگان

آپ سے فیض یافتگان میں سے یہ حضرات اعلیٰ مراتب تک پہنچے۔

ا۔ شاگرد رشید و خلیفہ اول بنام ملا عبدالواحد اخوند، جن کا شمار جید علماء میں ہوتا تھا۔

۲۔ رفیق اول وشاگردِ عزیزیہ حاجی فیض اللہ جو شروع سے قبر تک ساتھی رہے اور حقِ رفاقت کو بطریقِ احسن نبھایا۔

۳۔ غواصِ بحرِ رحمت حضرت مولانا محمد عمر صاحب ریکیسانی۔

۴۔ جناب سید عبدالرحمٰن شاہ آغا گردگابی۔

۵۔ غریقِ عشق وعرفان جناب ڈاکٹر عبداللہ خان۔

ان میں سے ہر ایک اپنے عہد کا دُرِ یگانہ تھا جس نے آپ کے عمل کو جاری وساری رکھا۔

آپ کی مخالفت

محلہ سادات میں رہنے والے آپ کی مقبولیت برداشت نہ کر سکے۔ سبب پیری مریدی تھا۔ اس لیے انھوں نے ایذا رسانی پر کمر باندھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ آپ کے سر پر پھینک دیتے تھے اور آپ کسی کو بتائے بغیر اسے جمع کرکے باہر ڈال دیتے۔

اسی اثنا میں ان میں سے ایک شخص قتل ہو گیا۔ اس کے قتل کی تہمت آپ کے بے گناہ طلبہ کے سر لگی اور وہ طالب علم ناحق مصیبت میں پھنس گئے۔

اگرچہ وہ طلبا جلد ہی رہا ہو گئے۔ تاہم ان کی تعلیم وتربیت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جس سے آپ آزردہ خاطر ہوئے اور محسوس کیا کہ اہل محلہ ہرگز نہیں چاہتے کہ آپ وہاں قیام فرمائیں۔

ان حالات میں آپ نے قندھار واپس جانے کا فیصلہ کیا اور سوچا کہ دیکھیں اب پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

اصلاحی کام

مستونگ میں آپ کی آمد سے پیشتر اہل مستونگ اور گرد ونواح کے لوگ مسلمان ہونے کے باوجود بعض ایسی رسوم میں مبتلا تھے جو آئین شرع کے خلاف تھیں مثلاً عورتوں کی مُردوں پر نوحہ خوانی، عشرہ محرم میں بالوں کو نوچنا اور سینہ کوبی کرنا۔ تابوت بنانا اور دفنانا۔ ان اجتماعات میں عورتوں اور لڑکیوں کا شامل ہونا۔ شادی کے وقت عورتوں کا مردوں کے ساتھ رقص کرنا جسے "چاپ" کہتے تھے۔ قبروں پر سجدہ کرنا۔ حاجت روائی اور حصولِ اولاد کے لیے پیر کے نام پر بھیڑ بکری اور گائے کا نذرانہ دینا۔ بچوں کے سر کے بالوں کو دو تین جگہ پر چھوڑ دینا، جسے "چھنڈ" کہتے تھے۔ پھر منت ماننا کہ جب بچے کی عمر اتنے سال ہو گی تو اسے پیر کی قبر پر لے جا کر

بال تراشیں گے اور نذر پیش کریں گے۔ بلند چوٹیوں پر ایک لکڑی کو گاڑ کر اس پہ پیر کے نام کا رومال باندھنا اور اس مقام کو "مکانِ پیر" کے نام سے مشہور کر دینا۔ پھر اسی لکڑی کو پیر سمجھ کر بوسہ دینا۔ انتقام جوئی میں دائرہ شرع سے تجاوز کرنا۔ بھیڑوں کا تازہ خون پینا۔ بیٹیوں کو ورثے سے محروم کرنا۔ اپنے جھگڑوں میں شرع کی بجائے جرگہ کی جانب رجوع کرنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ لوگ قرآن مجید کو سمجھنے کی بجائے فقط ناظرہ پڑھنے ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ امامت کے لیے جو ملّا مقرر کیے جاتے وہ کم علم اور غیر تربیت یافتہ ہوتے تھے۔

حضرت محمد صدیق کی روز و شب کی تعلیم و تربیت کے باعث متذکرہ خرابیوں کی اصلاح ہونے لگی۔ آپ کے قندھار تشریف لے جانے کے بعد جلد ہی باشندگانِ مستونگ نے آپ کی کمی کو شدت سے محسوس کیا اور مستونگ کے سرکردہ لوگوں کا ایک گروہ آپ کو واپس لانے کے لیے عازم قندھار ہوا۔ جستجو کے بعد آپ تک پہنچے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ "موجودگی ما بر دلِ سادات بار می گزرد۔ نمی خواہیم کہ بآزردگی در محلۂ سادات بمانیم" (ہماری موجودگی سادات کے لیے بارِ خاطر ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ محلہ سادات میں آزردہ ہو کر رہیں) اس وضاحت سے مستونگ کے وہ صاحبان جو آپ کو واپس لانے کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے تھے حقیقتِ حال سے آگاہ ہوئے۔ آپس میں صلاح مشورے کے بعد ارباب نبی بخش خواجہ خیل نے آپ کے گھر، مدرسے اور مسجد کے لیے زمین کی پیش کش کی اور عرض کی کہ "اگر ہماری درخواست قبول نہ ہوئی تو ہم واپس نہیں جائیں گے۔"

آپ ان صاحبان کے اس جذبے سے متاثر ہو کر دوبارہ مستونگ تشریف لے آئے۔ ارباب نبی بخش خواجہ خیل کے وعدے کے مطابق عمارات تعمیر کر دی گئیں۔

وصال

آپ نے اپنی زندگی کے باقی بیس سال علم و عرفان کی خدمت میں گزار کر ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہی اور جامع مسجد مستونگ کے ایک گوشے میں مدفون ہوئے۔

فرزندانِ روحانی کے سوا جو شاگردان و خلفا سے عبارت ہیں، آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے کوئی کتاب بھی تحریر نہ کی۔ عقیدت مندوں کے اصرار پر بھی اس جانب متوجہ نہ ہوئے بلکہ

فرمایا۔ "آنچہ پیشروانِ ما برائی ما گزاشتہ اند باز ہم کم است کہ ما ہم برآں بفزائیم"۔ (ہمارے پیشرووں نے جو ہمارے لیے چھوڑا ہے کیا وہ کم ہے کہ ہم اس میں اضافہ کریں)

آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی "ہر کہ بر مسند ما نشیند یا بما رابطہ تلمیذی داشتہ باشد، مسلکِ ما را کہ عبارت از ہدایت فعلی قرآن ست از دست ندہد"۔

آج تک مستونگ میں "مدرسہ صدیقیہ" علم کی روشنی بکھیر رہا ہے۔

ماخوذ: تذکرۂ صوفیائے بلوچستان از انعام الحق کوثر

حافظ محمد عبدالکریم نقشبندیؒ

وصال: ۱۳۵۵ھ — مزار اقدس: عید گاہ راولپنڈی (پنجاب)

حافظ عبدالکریم بروز منگل رجب ۱۲۶۴ھ بمطابق گیارہ اپریل ۱۸۴۸ء میں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق مغل ذات سے تھا مگر کپڑے رنگنے کا کام کیا کرتے تھے۔

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت نذر محمد تھا جو نیک صفت اور درویش طبع بزرگ تھے آپ مہینے میں ایک بار کھانا پکا کر اللہ کی راہ میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مجذوب نے آپ کو ایک لقمہ کھانے کو دیا مگر آپ نے کراہت کی وجہ سے نہ کھایا اس مجذوب نے کہا کہ کھا لیتا تو بہتر تھا۔ اچھا جا اگر تو نہیں تو تیری اولاد کو حصہ ملے گا۔

بچپن تین ماہ کی عمر میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور ابھی آپ کی عمر دو برس بھی نہیں ہوئی تھی کہ والد ماجد کا سایۂ شفقت بھی سر سے اٹھ گیا لہذا آپ کی پرورش آپ کے چچا میاں پیر بخش اور عابدہ وزاہدہ پھوپھی نے بحُسن وخوبی انجام دی۔ آپ جب پھوپھی صاحبہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو کہتے، مجھے بھی مصلیٰ بنا دیجیے تاکہ میں بھی نماز پڑھا کروں۔ پھوپھی صاحبہ تہجد کے بعد دعا کیا کرتی تھیں کہ اے اللہ اس بچے کو اپنا بندہ بنا اور دین و دنیا میں اس پر برکت نازل فرما! حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کی ٹھنڈک اب بھی اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور یہ سب

اسی دعا کا نتیجہ ہے۔

تعلیم و تربیت

جب آپ کی عمر ۸ برس ہوئی تو آپ کو محلہ کی مسجد کے امام قاضی محمد زمان رحمہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ مختصر عرصہ میں آپ نے قرآن مجید پڑھ لیا۔ بعدازاں کتب درسیہ فقہ و حدیث و تفسیر بھی انھیں سے پڑھیں جن میں سے مثنوی شریف احیاء العلوم اور مشکوٰۃ شریف خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں۔ سولہ سال کی عمر میں آپ کو کلام مجید کے حفظ کا شوق پیدا ہوا۔ اڑھائی سال کے عرصہ میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ قرأت و تجوید مولانا محمد حسین مکی سے پڑھی۔ حضرت حافظ صاحب نہایت دلکش آواز میں قرآن مجید پڑھتے تھے۔ جس مسجد میں آپ نماز تراویح پڑھایا کرتے وہاں لوگ مغرب کے وقت ہی اپنی جگہ مخصوص کر لیتے تھے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر جگہ ہی نہ ملے۔ غیر مسلم بھی مسجد کے متصل گلی میں بیٹھ کر آپ کے حسنِ قرأت سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔

بیعت

بیس برس کی عمر میں آپ کے دل میں محبتِ الٰہی کے جذبات موجزن ہوئے۔ سوچا کہ کسی مردِ خدا کی غلامی اختیار کی جائے تاکہ قربِ الٰہی کی دولت میسر ہو۔ چنانچہ جہاں کسی بزرگ کے متعلق سنتے کشاں کشاں پہنچ جاتے۔ جب آپ زندگی کی پچیسویں منزل طے کر رہے تھے تو ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقی محمد المعروف بہ حضرت باباجی قدس سرہ (چورہ شریف) راولپنڈی تشریف لائے۔ اور آپ کی دکان پر کھڑے ہو کر آپ سے پوچھا میاں کیا کرتے ہو؟ آپ نے کہا کپڑے رنگتا ہوں تو باباجی نے فرمایا کہ کیا اچھا ہو کہ دل رنگنے کا کام سیکھ لو۔ باباجی کی نگاہِ التفات سے آپ کے دل میں تلاشِ حق کی سچی تڑپ پیدا ہو گئی۔ اور باباجی کے گرویدہ ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

عطائے خلافت

حضرت باباجی قدس سرہٗ نے بھی نہایت شفقت و محبت سے نوازا اور یوں ایک لافانی تعلق پیدا ہو گیا اس کے بعد حضرت حافظ صاحب کا معمول بن گیا کہ ہفتہ عشرہ بعد چورہ شریف پہنچ جاتے۔ جو بھی اچھی سے اچھی چیز نظر آتی خرید کر لے جاتے اور حضرت شیخ کی نذر کر دیتے اور مرشد کی توجہاتِ عالیہ سے مستفیض ہو کر واپس آجاتے اور یہ واپسی نئی حاضری کی تمہید بن جاتی۔ آخر مدارج سلوک کو طے کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ گئے کہ حضرت باباجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خرقۂ خلافت و اجازت سے نواز دیا۔

جب آپ کو اجازت و خلافت عطا ہوئی تو حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا خاص ملبوس آپ کو عطا فرمایا۔ آپ پر بڑی رقت طاری ہوئی اور عرض کیا کہ حضور! غلام کو تو جناب کی محبت ہی کافی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں حکم کا بندہ ہوں اور اس امانت کو آپ کے حوالے کرنے پر مامور ہوں یہ میرا نہیں اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ آپ نے نصیحت فرمائی کہ بیٹا دنیا کی طرف توجہ نہ کرنا۔ اس کو پیٹھ پیچھے ڈال کر ہمہ تن اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہنا۔ دل کو غیر اللہ سے الگ رکھنا اور سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے سمجھنا۔ یہ سب کچھ سن کر آپ کے دل میں عشقِ الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی۔

ذکر و فکر کا غلبہ

عالمِ بے خودی میں دل پسند ذکر و فکر کا غلبہ بے اندازہ ہو گیا آپ صبح و شام خلوت نشینی کے لیے "سرداراں دا باغ" میں تشریف لے جاتے اور حالتِ مراقبہ میں مشغول رہتے۔ کئی کئی راتیں آپ نالہ لئی کے کنارے عبادت و ریاضت میں گذار دیتے اور کبھی قبرستان پیر بدھائی میں جو کہ نالہ لئی کے بیرونی کنارے پر ہے۔ تنہائی میں ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔

شوقِ الٰہی کی چنگاری شعلۂ جوالا بن گئی۔ کاروبار مشکل ہو گیا اور آپ دکان اور گھر بار چھوڑ چھاڑ جنگل کی طرف چل دیے۔ وہاں مطالعۂ قدرتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور عجیب مشاہدے اور مکاشفے کا ظہور ہوا۔ پھرتے پھرتے خیال آیا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ نیز مشائخِ طریقت کا مقولہ ہے کہ الصوفی ھو الکائن والبائن یعنی صوفی وہ ہے جس کا ظاہر خلق کے ساتھ اور باطن ان سے الگ ہو یعنی ان کے ساتھ ہو۔ چنانچہ آپ گھر واپس تشریف لے گئے اور عام معمولاتِ زندگی دوبارہ شروع کر دیے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کی عبادت میں لگ گئے۔

تعمیلِ ارشاد

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت باباصاحب علیہ الرحمۃ کے پاس گیا۔ آپ کا بکریاں چرانے والا چرواہا بیمار تھا۔ کسی نے پوچھا۔ جناب! چرواہا تو بیمار ہے۔ آج بکریوں کو چرانے کے لیے کون لے جاوے گا۔ آپ نے بطور استہزاء مسکرا کر فرمایا آج حافظ جی کو روانہ کریں گے۔ یہ کہہ کر آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور میں فوراً بکریوں کو نکال کر جنگل میں لے گیا۔ بعد میں آپ نے مجھے بلایا تو کسی نے کہہ دیا کہ وہ تو بکریوں کو لے کر باہر چلے

گئے ہیں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور آدمی بھیج کر مجھے واپس بلا لیا اور فرمایا حافظ جی! میں نے خوش طبعی کے طور پر کہہ دیا تھا آپ سچ مچ بکریاں لے کر چلے گئے۔

کرامات

۱۔ آپ دو دفعہ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ پہلی دفعہ کسی وجہ سے حکومت نے حجاج کے مدینہ طیبہ جانے پر پابندی عائد کر دی۔ حضرت حافظ صاحب کی طبیعت میں اس بات کا بڑا قلق پیدا ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں حاضری نہ ہو سکی۔ شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ ایک رات تہجد کے وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حالتِ مراقبہ میں زیارت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس وقت واپس جانا ہی مناسب ہے انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں پھر بلائیں گے۔ چنانچہ آپ ۱۹۱۱ء میں دوبارہ حج کے لیے گئے تو دربارِ رسالت کی حاضری سے بھی مشرف ہوئے اور یہ کیفیت ہو گئی کہ واپسی کو قطعاً دل نہیں چاہتا تھا اور روزانہ دعا کیا کرتے تھے کہ مجھے دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ کے لیے قیام تصیب ہو۔

ایک روز عشاء کے بعد ایک نورانی صورت بزرگ تشریف لائے اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ واپس ہند جائیں آپ کے وجود سے بہت سی مخلوق فیض یاب ہو گی۔ اور آپ کی قبر بھی وہیں ہو گی۔ ساتھ ہی قبر کی جگہ بھی دکھا دی گئی۔ چنانچہ اسی جگہ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مزار پُرانوار ہے۔

۲۔ ایک دفعہ قحط پڑا تھا۔ میں ہر ہفتے اپنے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جایا کرتا تھا دو اڑھائی روپے جو تھوڑی مشکل سے مجھے دکان سے بچتے تھے (کبھی کوئی دوست بھی مدد کر دیتے تھے) اس سے میں تمام اشیائے خوردنی خرید کر اور اپنے سر پر اٹھا کر جناب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے جایا کرتا تھا۔ گگن سٹیشن پر اتر کر تین میل پیدل بھی چلنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات بوجھ اتنا ہوتا تھا کہ میں تھک جاتا تھا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوتے اور مائی صاحبہ علیہا الرحمۃ دعائیں دیتیں کہ خدا نے حافظ صاحب کو اس قحط کے زمانے میں ہمارے لیے بھیج دیا۔

اس تھوڑی سی خدمت سے مجھے اپنے قبلہ کی بیحد رضا حاصل ہو گئی اور آپ مجھ پر نہایت خوش ہو گئے۔ ایک دفعہ مجھے ایک کباڑی کی دکان سے ایک بڑی دری تو روپے میں مل گئی۔ جو میں نے خرید لی۔ وہ اتنی بوجھل تھی کہ میں اٹھا نہ سکتا تھا۔ سٹیشن دگگن) سے اتر کر آخیر میں اسے اپنے ہی سر پر اٹھا کر لے گیا۔ یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں تھوڑی دور چلتا تھا، اور دری کو زمین پر رکھ کر اسی پر بیٹھ جاتا تھا اور تھوڑا آرام کرنے کے بعد پھر دری کو سر پر اٹھا کر چل پڑتا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ دری کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔

سبحان اللہ! اپنے شیخ کی محبت بھی عجیب شے ہوتی ہے۔

تعلیمات

آپ کی تعلیمات ارشادات کی صورت میں ہیں۔ چند ارشادات مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ فرمایا: شریعت حقہ کی بڑے ذوق وشوق اور احتیاط سے پابندی کرو اور اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہو کیونکہ شریعتِ حقہ ہی حیات ابدی کا ذریعہ ہے۔ نیز اس شریعتِ حقہ کی پابندی امراضِ باطنی کا ازالہ کرتی ہے۔

۲۔ فرمایا: طالب اللہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ سعادت کے تین اصولوں پر ہمت واستقلال کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

اوّل ملازمت ذکر اللہ کی کہ کسی حال میں بھی ذکر سے غافل نہ رہے۔

دوّم مخالفت نفس امارہ کی تاکہ حرص وہوا کم ہو۔

سوّم موافقت حدودِ شرعیہ۔ ایسی موافقت کرے کہ تمام حرکات وسکناتِ ظاہری اور تمام خیالات وافکار باطنی میں شرعی حدود اور سنن وآداب کو ملحوظ رکھے۔

۳۔ فرمایا: جب ان تین اصولوں کی پابندی نصیب ہو جائے تو پھر بفضلِ خداوند کریم دل سراسر ذاکر ہو جاتا ہے اور تمام اعضاء فرمانبردار اور نفسانی صفات مغلوب ہو جاتی ہیں اور ظاہر و باطن آباد ہو جاتے ہیں۔

۴۔ فرمایا: طریقہ خواجگان قدس اللہ اسرارہم میں بندگانِ خدا کی خدمت بجا لانا اور ان کو

راحت پہنچانا ذکر و مراقبہ پر مقدم ہے۔ عبادات و نوافل فی اللہ محبت اور خدمت خلق کے برابر نہیں ہو سکتے۔

۵۔ فرمایا: طالب صادق کے لیے ضروری اور لازمی ہے کہ ہر حال میں رُوئے دل اپنے شیخ و مرشد کی طرف رکھے اور جو کچھ کہیں سے بھی حاصل ہو اپنے شیخ کی توجہ سے جانے۔

۶۔ فرمایا: مرید کا رابطہ اپنے شیخ کے ساتھ جس قدر قوی ہوگا اسی قدر اس پر فیوض و برکات کا فیضان ہوگا اور معرفت زیادہ ہوگی۔ ذکر و عبادت میں سستی نہ آئے گی۔ فنا فی الشیخ ہونا ہی عین فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہے مگر یہ نعمت کسی قسمت والے کو ملتی ہے۔ جو معرفت اور ترقی رابطہ سے ہوتی ہے وہ کسی اور شے سے نہیں ہوتی۔ رابطہ شرک نہیں۔ رابطہ مرید کے لیے زینہ ہے جس کے ذریعے وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے پس شیخ کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا چاہیئے۔

۷۔ فرمایا: آدمی صبح سحری کے وقت اٹھے، تہجد پڑھے پھر استغفار پڑھے۔ پھر نماز فجر با جماعت پڑھے پھر وظائف و مراقبہ کرے۔ پھر سورج نکلنے کے بعد نفل اشراق پڑھے اور سب کے بعد دن چڑھے تلاوت کرے۔ فرمایا: مراقبہ سے سینہ صاف ہو جاتا ہے اور تلاوت سے معارف چمکتے ہیں

۸۔ فرمایا: اپنے پیشوا کو چھوڑ کر کوئی اور فقیر نہ ڈھونڈو۔ کم از کم پیشوا کے ساتھ ایسا ہو کہ جیسے ایک آقا کا نوکر کہ وہ جس کا کھاتا ہے اسی کا گاتا ہے اگر اس سے کم تعلق ہے تو کچھ بھی نہیں۔

۹۔ فرمایا: جس شخص کے پاس بیٹھنے سے دنیاوی ہوس بڑھے اس کے پاس مت بیٹھو اور اس سے دور بھاگو۔ اور جس کے پاس بیٹھنے سے دنیا سے نفرت پیدا ہو اس کے پاس سات کام چھوڑ کر بھی بیٹھو۔ یہ صحبت تمھارے لیے اکسیر ہوگی۔

۱۰۔ فرمایا: جو کچھ پیشوا ذکر اذکار وغیرہ بتائے اگر مرید کرتا ہے تو کبھی ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔ اور اگر چھوڑ دے تو معتوب ہو جاتا ہے۔ نہ دنیا کا رہتا ہے نہ عاقبت کا۔ اللہ محفوظ رکھے۔

۱۱۔ فرمایا: سب سے اول کام نیت کا درست کرنا ہے اگر خدا کو محض خدا کی محبت کے لیے یاد کرتا ہے تو خدا ضرور ملے گا اور اگر کوئی اور دنیوی غرض درمیان میں ہے تو پھر مشکل ہے۔ اگر تیری نیت درست ہے تو تُو دروازہ کھٹکھٹاتا رہ۔ چاہے کُھلے یا نہ کُھلے۔ مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ نہ کُھلے۔ وہ کون ہے جس نے دروازہ ٹھونکا اور اس کے لیے کھولا نہ گیا ہو۔

۱۲۔ فرمایا: اگر روئی کو سورج کے سامنے رکھا جائے تو کبھی آگ نہیں لگتی اور اگر درمیان میں آتشی شیشہ رکھ دیا جائے تو فوراً آگ لگ جاوے گی۔ پس قلبِ طالب اور خالق کے درمیان تصورِ شیخ آتشی شیشے کی مانند ہے۔ بغیر محبتِ شیخ طالب کے دل میں کبھی آتشِ عشق نہیں لگتی۔ نیز فرمایا۔ ہمارا کوئی کام بغیر تصور نہیں ہوتا۔ مثلاً جولاہا اگر کپڑا بنتا ہے تو پہلے اس کا تصور کرتا ہے۔ معمار اگر مکان بناتا ہے تو پہلے اس کا تصور کرتا ہے۔ نماز میں جب کہا جاتا ہے "انعمت علیہم" تو ہدایت یافتہ لوگوں کا تصور آتا ہے اور جب لفظ "مغضوب" کہا جاتا ہے تو گمراہ لوگوں کا تصور آتا ہے۔ اسی قرآن میں فرعون اور شیطان کا نام آتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا بھی، اور قرآن نماز میں پڑھا جاتا ہے اور سب کا تصور نماز میں آتا ہے تو کیا آدمی ان سب کی عبادت کرتا ہے؟ نہیں، عبادت خدا ہی کی کرتا ہے۔ اسی طرح تصورِ شیخ کی مثال ہے۔ نام خالق کا لیتا ہے اور محبت کے لیے شیخ کا تصور کرتا ہے۔

۱۳۔ فرمایا: ظاہری ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ظاہری لوگوں کے لیے ہے۔ فقیر کی دعا دلی ہوتی ہے جو خود بخود دل سے نکلتی ہے۔ ورنہ ظاہری دعا دعا ہی نہیں۔ پس تو اپنے آپ کو ایسا بنا لے کہ تیرے حق میں پیشوا کی دلی دعا نکلے۔

۱۴۔ فرمایا: ابتدا میں جب آدمی خدا کی عبادت کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اپنے رشتہ دار دشمن بن جاتے ہیں اس کے بعد دوست و آشنا۔ لیکن جب انسان ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مولا کی یاد و عبادت میں لگا رہتا ہے اور لوگوں کی دوستی اور دشمنی کی پروا نہیں کرتا ہے، تو پھر شیطان آکر وسوسے ڈالتا ہے کہ تو کیا کھائے گا اور کیا پہنے گا۔ تمہارے بیوی بچے بھوکے مر جاویں گے۔ جب انسان ان وسوسوں کی بھی پروا نہیں کرتا تو پھر اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے (دلی) روشنی عطا کرتا ہے اور وہ ثابت قدم ہو جاتا ہے۔ پھر تمام عزیز و اقارب جو پہلے دشمن ہو چکے تھے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔

۱۵۔ فرمایا: مرید وہ ہے جو دن بھر بھوکا رہے اور رات بھر عبادت کرے۔ پھر کہے میں گنہگار ہوں کہ حقِ عبادت ادا نہیں کرتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک دوست (مولوی سندھی صاحب) کو فرمایا۔ "جنگل میں جا کر اللہ اللہ کرو۔"

عرض کی۔ وہاں کہاں سے کھاؤں گا؟ فرمایا۔ ماں کے پیٹ میں کہاں سے کھاتا تھا؟ انسان کا حقیقی رازق اللہ ہے۔ مگر افسوس بندے نے اپنا کام (عبادت) چھوڑ دیا اور روزی کے پیچھے ہو لیا جس کا ضامن خود خالق ہے۔

فیضِ عام آپ نے ہزاروں افراد کو ذکر و فکر کی لذت سے آشنا کر دیا۔ بیشمار بے نماز آپ کے فیضِ صحبت سے تہجد گزار بن گئے۔ شیعہ اور مرزائیہ کا مدلل رد فرمایا کرتے تھے متعدد افراد آپ کے دستِ حق پرست پر عقائد باطلہ سے تائب ہوئے۔ پہلے پہل آپ کاروبار کیا کرتے تھے لیکن بعد ازاں ہمہ وقت خلق خدا کی راہنمائی میں صرف کرنے لگے۔ آپ کی عام گفتگو اور وعظ و تقریر یادِ الٰہی، اتباعِ سنت، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی تلقین پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔

تصنیف و تالیف آپ کی شب و روز کی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ آپ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ تاہم "ہدایۃ الانسان الی سبیل العرفان" تصوف و اخلاق پر آپ کی نہایت اہم کتاب ہے۔ "مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی" قدس سرہ العزیز کا اردو میں ترجمہ کروا کر شائع کیا۔ تاکہ علوم و معارف کے اس بحرِ زخار کا فائدہ عام سے عام تر ہو۔ اس کے علاوہ دعائے حزب البحر از امام حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کو از سر نو مرتب فرما کر شائع کیا۔ اس ترتیب کے دوران متحدہ پاک و ہند کے اطراف و اکناف بلکہ مصر اور بیروت سے دعائے حزب البحر کے نسخے منگوائے اور انہیں سامنے رکھ کر ایک قابلِ وثوق نسخہ مرتب فرمایا۔ عیدگاہ راولپنڈی کی موجودہ عمارت بھی آپ کی توجہات کا نتیجہ ہے۔

خُلفاء آپ نے ۲۷ حضرات کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا جن میں سے فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں، مولانا حکیم خادم علی، خواجہ صوفی نواب الدین موہری شریف، مولانا عبدالرحمٰن (فرزند) اور مولانا قاضی عالم الدین نہایت مشہور ہوئے۔

وصال حضرت مولانا حافظ محمد عبدالکریم قدس سرہ کا وصال ۲۸ رصفر ۱۳۵۵ھ (۲۰ رمئی ۱۹۳۶ء) بروز بدھ ہوا۔ آپ کا مزار پُر انوار عیدگاہ راولپنڈی میں مرجع خلائق ہے۔

اولاد آپ کے ہاں چار صاحبزادے مولانا عبدالعزیز (۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء)، مولانا عبدالرحیم (م ۱۳۳۶ھ) مولانا عبدالحق اور مولانا عبدالرحمٰن پیدا ہوئے جن میں سے آخر الذکر

آپ کے جانشین ہوئے۔

ماخوذ: انوار الکریم از انیس احمد شیخ۔

حضرت محمد عبداللہ درخانی نقشبندیؒ

وصال: ۱۳۶۳ھ - مزار: درخان (بلوچستان)

آپ کی ولادت باسعادت درخان میں روز سہ شنبہ ۱۱ محرم ۱۲۹۸ھ / ۱۸۷۶ء کو ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار حاجی محمد عظیم رئیسانی عالم اور متقی تھے۔ والدہ محترمہ حضرت مولانا محمد فاضل کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بیان کے مطابق انھوں نے آپ کی پیدائش سے پیشتر ایک خواب دیکھا کہ میں ایک ایسے مکان میں ہوں جو نور سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ وہاں ایک خاتون تشریف لائیں وہ صورت و لباس میں بہت ہی حسین وجمیل تھیں۔ ہر طرف دلآویز خوشبو بکھر گئی۔ انھوں نے عربی زبان میں ارشاد فرمایا کہ میں فاطمہ ہوں اور وہ میرے والد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنھوں نے مجھے بھیجا ہے جب میں نے دیکھا تو تھوڑی دور حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ و تشریف فرما تھے۔ بہت ہی حسین اور بے نظیر لباس پہنے ہوئے تھے۔ پھر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چراغ میں بتی اور تیل ڈال کر اسے جلایا اور مجھے دے کر فرمایا تیرا یہ چراغ نہیں بجھے گا۔

مولانا محمد فاضل نے اپنے نواسے کا نام عبداللہ تجویز کیا۔ آپ کو اس سے بیحد محبت تھی، اسی لیے تعلیم و تربیت کا اہتمام خود ہی فرماتے رہے مگر آپ کی وفات (۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) کے بعد ان کی تعلیم رک گئی۔ لیکن آپ کی روح مبارک مرقد میں بھی بیقرار رہی کہ میرا نواسہ کیوں تعلیم سے محروم ہو رہا ہے۔ اس لیے ایک رات آپ نے عالم رؤیا میں ان سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ کیا لیکن ان کی والدہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا فرزند ایک لمحے کے لیے بھی ان سے جدا ہو۔ دوسری اور تیسری رات بھی آپ نے تحصیل علم کا ارشاد فرمایا۔

آخر کار گھر سے دور رہ کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مل گئی اور آپ اپنی والدہ کی نیک دعاؤں کے ساتھ مزید حصولِ تعلیم کی غرض سے روانہ ہوئے۔ تسکار پور پہنچ کر ایک دینی مدرسے میں داخل ہو گئے۔ اسی مدرسے میں سندھ کے ایک بڑے زمیندار کا لڑکا بھی زیرِ تعلیم تھا جو اب "تک ردکر بیا" ہی پڑھ رہا تھا۔ آپ کے استاد نے آپ سے اس طالب علم کو درس دینے کے لیے کہا آپ اسے نیک نیتی سے پڑھانے رہے جس کے باعث اس کے والدین نے خوش ہو کر آپ کے لیے باقاعدہ عمدہ کھانا بھجوانا شروع کیا مگر آپ کو یہ بات پسند نہ آئی۔

پہلے آپ نے استاد صاحب کی خدمت میں عرض کرنے کا ارادہ کیا کہ میں اس طالب علم کو درس نہیں دے سکتا۔ پھر استاد کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے خاموش رہے اور اس مدرسہ ہی کو خیر باد کہہ کر سکھر کے گاؤں "دو بنگ" چلے گئے۔ وہاں مولانا نذر محمد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ یہ آخری مرحلہ تھا۔ آپ کے ساتھ سات دوسرے طالب علم بھی اسی منزل میں تھے۔

آپ یہاں دو سال تک رہے اور ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس مدرسے میں کھانے پینے کا معقول بندوبست نہ تھا۔ ہر طالب علم کے حصہ میں جوار کی چوتھائی روٹی آتی تھی۔ تسکار پور آپ نے لذیذ کھانوں کی وجہ سے چھوڑا تھا یہاں قدرت نے جوار مہیا کی۔ آپ اسی حال میں خوش رہے اور اپنے درِ مقصود کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔

آپ نے ڈھاڈر میں دینی مدرسہ بھی قائم کیا جس سے اس علاقے کی معزز ہستیاں بہرہ ور ہوئی ہیں ان میں سے سید اورنگ شاہ اور سید عبد المجید شاہ زیادہ معروف ہیں۔

گرمیوں میں آپ سریاب (کوئٹہ) تشریف لائے۔ کیونکہ ڈھاڈر کی گرمی ناقابل برداشت ہوتی ہے جس کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے ؎

سبی و ڈھادر ساختی   دوزخ چرا پرداختی

سریاب میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا تھا۔ آپ فتویٰ بھی لکھ کر دیتے تھے۔ اپنے علمی تبحر کے باعث ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء سے ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء تک سابقہ ریاست قلات کے قاضی القضاۃ رہے۔ آپ نے حضرت قطبِ عصر خواجہ محمد عمر چشتموی (۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء — ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء) کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہو گئے۔ آپ ایک خوش گو شاعر بھی تھے۔

مرشد کے ارشاد پر نقشبندی مجددی سلسلہ کا منظوم شجرہ بھی تیار کیا جو آپ کی قادر الکلامی کا مظہر ہے
آپ متعدد کتب کے مصنف تھے۔ مشہور اور اہم کتابیں یہ ہیں:۔
۱۔ "افازۃ المصلی" اس میں نماز حنفی کے جامع مسائل صحیحہ پر بحث کی گئی ہے۔ یہ عربی میں لکھی گئی ہے اور ساتھ ساتھ فارسی ترجمہ بھی ہے۔ یہ ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی بار سو مواد ۴ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء کو چھپی۔
۲۔ "سلسلہ قبلہ چشموی" یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اس میں سلسلہ نقشبندی مجددی کے بزرگوں کے حالات مندرج ہیں۔ کتاب کی افادیت میں اس بات سے اضافہ ہوا ہے کہ اس میں بلوچستان کے مقام چشمہ شریف متصل کوئٹہ کے نقشبندیہ مجددیہ بزرگانِ دین کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ کتاب ۲۱ صفر ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء کو چھپی جو کہ آج کل نایاب ہے۔
۳۔ "شمائل شریعت" براہوئی منظوم کتاب ہے۔ ۱۲۰ صفحات پر مبنی ہے۔ سنہ تالیف ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ/۳-۱۹۰ء اور سن طباعت ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۵ء ہے۔ اس میں حضور پاک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل کا بیان ہے۔ مؤلف نے مستند کتب جیسے شمائل ترمذی، معارج النبوۃ، نزہۃ المجالس وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔
۴۔ "سفر حجاز درخانی" یہ کتاب فارسی نثر میں ہے آپ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے سفر حجاز کے واقعات کو ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں صفحہ قرطاس پر منتقل کیا۔
۵۔ "معجزاتِ شریفہ" یہ منظوم کتاب براہوئی میں ہے۔ ۴ اصفر المظفر ۱۳۵۰ھ بمطابق یکم جولائی ۱۹۳۱ء کو چھپی۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ پھر نعت شریف اور درود شریف پڑھنے کے فوائد درج ہیں اس کے بعد کم وبیش ستر معجزات کا بیان ہے۔
۶۔ "فتوی درخانی" یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور اس کی دو جلدیں ہیں اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ آپ نے جو شرعی فیصلے کیے ان کو قلمبند کیا گیا ہے۔
۷۔ "تحفۃ العوام" یہ کتاب عوام الناس کی اصلاح اور نصیحت کے لیے ہے۔
۸۔ "راہ نامہ" یہ کتاب آخرت کا توشہ ہے۔ پڑھنے والے کو راہِ حق کی ہدایت ملتی ہے۔

۹۔ "کنز الاخیار" یہ کتاب قلمی صورت میں مولانا عبدالباقی درخانی کے پاس ہے۔

وصال مولانا عبدالباقی درخانی کا وصال یکشنبہ ۱۱ر صفر المظفر ۱۳۶۳ھ بمطابق ۶ر فروری ۱۹۴۴ء کو رات کے وقت ہوا۔

ماخوذ: تذکرہ صوفیائے بلوچستان از انعام الحق کوثر

حضرت سیّد نُور الحسن شاہ بخاری نقشبندیؒ

وصال: ۱۳۷۲ھ، مزار: حضرت کیلیانوالہ۔ گوجرانوالہ۔ پنجاب

آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کے فیض یافتہ تھے۔ آپ کا تعلق سلسلۂ نقشبندیہ سے تھا۔ آپ مقبولانِ بارگاہِ رب العزت سے تھے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں یگانہ تھے۔ آپ کا اسم گرامی سید نور الحسن بخاری والد ماجد سید غلام علی شاہ اور سید حافظ غلام مصطفیٰ شاہ چچا تھے۔

آپ کے والد گرامی مڈل کے بعد نارمل پاس کر کے ہیڈ ماسٹر سکول مقرر ہوگئے۔ نہایت ہی دیانتدار اور محنتی، لائق ترین استاد، صوم وصلوٰۃ کے پابند، نیک سیرت، بلند اخلاق، باہمت اور عبادت گزار تھے۔ سلسلہ بیعت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ سے منسلک تھا۔ خاندان کا شیعہ مذہب کی طرف رجحان تھا۔ ان کے بھائی حافظ غلام مصطفیٰ شاہ نہایت ہی متقی، پرہیزگار، صالح، متبع شریعت، شب بیدار، تہجد گزار، مسلک اہل سنت والجماعت اور عابد تھے۔ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مریدوں میں سے تھے۔

آپ کے والد گرامی موضع احمد نگر سے ہیڈ ماسٹر سکول ریٹائرڈ ہونے کے بعد حضرت کیلیانوالے آگئے۔ اور آپ کے برادر اکبر سید حسین شاہ بخاری میٹرک کرنے کے بعد نہری پٹواری کا کورس کر کے نہری پٹواری ہوگئے۔ اور ان پر سائیں قربان علی شاہ عاشق تھے۔ وہ روزمرہ جہاں بھی ہوتے دیکھنے کے لیے ہمیشہ آتے۔

ولادت آپ کی ولادت بروز بدھ بوقت نصف شب بتاریخ ۲۷ر جمادی الاول ۱۳۰۶ھ مطابق ۳۰ر جنوری ۱۸۸۹ء ہوئی۔ آپ حسین وجمیل اور ہونہار تھے۔ پیشانی مبارک میں

نورِ ولایت کی خاص چمک تھی۔

سلسلۂ نسب

حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری بن سید غلام علی شاہ بخاری بن سید حیات علی شاہ بخاری بن سید عالم شاہ بخاری الخ۔

بچپن

آپ کو بچپن میں بچوں کی طرح کھیل کود سے نفرت تھی اور اچھے کاموں کی طرف رغبت۔ ہونہار اور ذہین تھے۔ آپ کی ابھی عمر چھوٹی تھی کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے شفقت سے اور پوری نگہداشت سے آپ کی پرورش کی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت ہی متقی پرہیزگار، عبادت گزار، بیواؤں اور یتیموں اور حاجت مندوں اور بے کس لوگوں کی سہارا تھیں۔

آپ اپنی والدہ ماجدہ اور برادر اکبر سید حسین شاہ بخاری کا عقیدت سے احترام کرتے تھے۔ کبھی ان کے سامنے آنکھ نہ اٹھاتے اور بڑوں کا ادب دل سے کرتے۔ آپ فرماتے کہ ادب کرنے والا کامران کامیاب ہے۔ بے ادب گستاخ اور نامراد ہے۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا مرشد پاک میری والدہ ماجدہ ہیں۔

تعلیم و تربیت

آپ کی عمر ابھی پانچ سال ہوئی تو آپ کو احمد نگر کے سکول میں داخل کر دیا گیا۔ پھر وہاں سے بنڈی بھٹیاں میں داخل کیا گیا۔ وہاں آپ کے بڑے بھائی سید حسین شاہ تہری پٹواری تھے۔ آپ ہر جماعت میں اول پوزیشن حاصل کرتے۔ چھٹی جماعت وہاں پڑھی۔ اس کے بعد آپ کے والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کے برادر اکبر سید حسین شاہ بخاری پٹوار چھوڑ کر گھر آ گئے اور کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو گئے۔ آپ بھی ان کے ساتھ گھر آ گئے۔ مگر حضرت کنبلیانوالے میں سکول نہ تھا اس لیے آپ تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ آپ بی خصوصیت تھی کہ نماز روزہ پورے احترام سے ادا کرتے تھے۔

ذریعہ معاش

کھیتی کے کاروبار کے ساتھ ساتھ مولوی نور الٰہی رح سے خوشنویسی کا کام سیکھنا شروع کر دیا قلیل عرصہ میں آپ مایہ ناز خوشنویس ہو گئے اور چند کتابوں کی کتابت بھی کی۔ خوشنویسی کے کام کو چھوڑ کر ہیبت خانکی میں ٹھیکیداری کا کام سیکھا اور وہیں کچھ عرصہ یہ کام کرنے کے بعد ہیڈ مرالہ میں بھی اسی کام کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر کچھ مدت بعد چک ۱۴ ضلع شیخوپورہ میں مربعے ملے تو ٹھیکیداری چھوڑ کر وہاں تشریف لے گئے اور اپنے برادر

اکبر سید حسین شاہ بخاری کے ساتھ مل کر کاشتکاری کرنے لگے۔ لیکن بعد میں وہاں بھی نہر پر ٹھیکیداری کا کام شروع کر دیا۔

کیلیانوالہ شریف کے خاندانِ سادات کے بہت سے افراد شیعہ ہو گئے تھے۔ انھی کے زیر اثر آپ بھی تشیع سے متاثر تھے۔ لیکن موجودہ دور کے شیعہ کے برعکس نماز اور روزہ کے پابند تھے۔ قدرت نے آپ کو بڑی دلکشی اور پُر سوز آواز عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ جب آپ مجلس پڑھتے تو سامعین بڑے اشتیاق سے سنتے۔ جب آپ اپنی خوشی سے عشق نبوی کی نعت پڑھتے تو آپ پر اس قدر سوز طاری ہو جاتا کہ آنکھوں سے سیل رواں ہو جاتا اور سننے والے دم بخود بلکہ وجد میں آجاتے تھے۔

بیعت آپ نے میاں شیر محمد شرقپوری صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت ہونے کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اپنے برادرِ اکبر سید حسین شاہ بخاری کے ساتھ شرقپور میں تبادلہ زمین کے سلسلہ میں گئے۔ راستہ میں حضرت مولانا میاں شیر محمد شرقپوری رح نے آپ کو سامنے کرتے سے پکڑ لیا اور سید حسین شاہ رح سے فرمایا کہ ان کا کیا نام ہے۔ انھوں نے کہا کہ نور الحسن۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ اس کو "نور" بنا دوں۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی بڑے سے بڑے آفیسر سے مرعوب نہیں ہوا۔ لیکن جناب میاں صاحب نے دل پر ایک ایسی ٹھیس لگائی کہ میں بے بس ہو گیا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ زمین کے مربعوں کے تبادلے کی اتنی بڑی ضرورت نہیں۔ اگر تم چاہو تو ہم تمھاری قسمت کا تبادلہ کر دیتے ہیں۔

گھر آکر یہ سارا واقعہ آپ کے برادر اکبر نے اپنی والدہ ماجدہ سے کہہ سنایا کہ آج ایک اللہ کے بندے نے ان کو فرمایا کہ تمھیں نور بنا دیا جائے تو یہ خاموش رہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، تو آپ نے مؤدبانہ التماس کی کہ آپ میرے مرشد پاک ہیں۔ والدہ ماجدہ نے جواب دیا کہ آج کے بعد ہم تمھارے مرشد نہیں ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب سے میں شرقپور حضرت میاں صاحب رح سے مل کر آیا تھا مجھے آدھی رات کے بعد نیند نہیں آتی تھی۔ میں نے نعت رسولِ مقبول پڑھنی شروع کی تو کچھ سکون حاصل ہو جاتا تھا آخر میں خود حضرت میاں صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میاں صاحب میری طرف دیکھ کر خوش

ہوئے اور فرمایا کہ شاہ جی کیسے آئے ہو۔ عرض کی کہ والدہ ماجدہ نے آپ کی خدمت عالیہ میں بھیجا ہے۔ میاں صاحب نے حجام کو بلا کر ان کی لبوں کو سنتِ مطہرہ کے مطابق بنانے کا حکم دیا۔ آپ بڑی بڑی مونچھیں رکھنے کے شوقین تھے۔ حجام نے سنت کے مطابق کر دیں تو حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ شاہ جی اب تمھارے دل کی صفائی کر دی گئی ہے۔ اور اس کے بعد شاہ صاحب کو سلسلہ نقشبندیہ میں داخل کیا۔

ریاضت و عبادت

حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد آپ نے شرقپور شریف میں قیام کے دوران قرآنِ مجید پڑھا اور مرشدِ کامل کی نگاہ سے وہ فیوض حاصل کیے کہ آپ کی تحریر و تقریر بڑے بڑے علماء کو حیرت زدہ کر دیتی تھی۔ آپ اکثر و بیشتر سفر و حضر میں حضرتِ میاں صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ بیعت کے بعد آپ نے بے حد ریاضت و عبادت کر کے قلیل عرصہ میں سلوک کی تمام منازل طے کر لیں۔ کیونکہ آپ پہلے ہی ادب کی وجہ سے کُندن تھے اور والدہ ماجدہ کی دعائیں ہمہ وقت ساتھ تھیں۔ باوجودیکہ آپ علم دینی بوجہ مجبوری حاصل نہ کر سکے۔ لیکن جناب میاں صاحب نے برق توحیدی سے آپ کو جلدی ہی علم لدنی سے مالا مال کر کے مولانا، علامۃ الدہر کے خطابوں سے نوازا۔

خلافت

حضرت میاں شیر محمد صاحب نے جب ہر طرح سے آپ کی ظاہری اور باطنی تربیت کر دی تو ایک روز آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کرنے کی تاکید کی تاکہ تشنہ لوگ فیض یاب ہوں۔ اور آپ نے ہدایت فرمائی کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہنا۔

سلسلہ رُشد و ہدایت

خلافت کے بعد آپ نے اپنے مرشد کے حکم کے مطابق کیلیانوالہ شریف میں مخلوقِ خدا کی خدمت اور دعوتِ دین کا سلسلہ شروع کیا۔ کیلیانوالہ میں اس وقت سید حضرات کی اکثریت تھی اس لیے انھوں نے آپ کی مخالفت شروع کر دی اور طرح طرح سے دکھ دینا شروع کر دیا۔ مقدمہ بازی اور قاتلانہ حملے تک نوبت پہنچی لیکن آپ کمال حلم سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مخالفین کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور آپ کے فیض کا آفتاب دن بدن عروج پر رہا۔

حضرت شاہ صاحب اپنے دور کے وہ عظیم روحانی پیشوا تھے جن کے ذریعے اَن گنت افراد

راہِ راست پر آئے اور بیشمار منزلِ مقصود کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ لدنّی کی دولت سے نوازا تھا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ پر گفتگو فرماتے اور اسے منٹوں میں حل فرما دیتے۔

دو قومی نظریہ کی حمایت

آپ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی اور مؤید تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کانگریسی اور احراری لیڈروں کے مسموم اثرات کے ازالے کے لیے کوشاں رہے چنانچہ ایک مرتبہ مشہور احراری لیڈر ملک لعل خان سے دورانِ گفتگو فرمایا۔

"فرمانِ مولیٰ کریم ہے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی حقیقتاً تمھارے دوست اور سرپرست اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایماندار بندگانِ خدا ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہی پیشوا اور رہنما ہیں، ان کے فرمان تو عرض کر ہی دیے۔ اب ان کے سوا آپ کو گاندھی اور نہرو کا فرمان واجب العمل ہو گا جو سوائے جہنم کے ہمیں کسی راستے پر نہیں لے جا سکتا۔

معمولات

آپ کی شبانہ روز زندگی عبادت اور ذکر و فکر میں بسر ہوتی تھی۔ مریدوں اور عقیدتمندوں کو بھی شریعتِ مبارکہ کی اتباع کی تلقین فرماتے۔ اس کے بعد اوراد و وظائف کی باری آتی۔ آپ مکان شریف اور شرقپور شریف سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لے جاتے اور حضرت داتا گنج بخش ہجویری قدس سرہٗ کے مزار پُر انوار پر ضرور حاضری دیتے۔ بعض اوقات شاہ محمد غوث رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف پر بھی حاضر ہوتے۔

آپ پچیس سال کی عمر مبارک میں حضرت میاں صاحب سے دستِ بیعت ہوئے۔ نصف شب کے بعد بیدار ہو کر پہلے دو رکعت تحیۃ الوضوء ادا فرماتے اور پھر تہجد کی نماز ادا فرما کر تین ہزار مرتبہ درود خضری پڑھتے پھر صبح کی نماز تک مراقبہ میں رہتے۔

آپ کا محبوب وظیفہ درود خضری "وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ و بارک وسلم" سورہ اخلاص، سورہ فلق، سورۃ الناس کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

لباسِ مبارک

آپ ہمیشہ سادہ لباس پہنتے۔ فاخرہ لباس سے ہمیشہ اجتناب فرماتے رہے۔ باریک ململ سوا پانچ گز سفید دستار مبارک اور سفید کپڑے کی ٹوپی کلاہ دار جمعہ اور عیدین کے دن یا شرقپور یا مکان شریف کے ختم کے موقعہ پر پہنتے ورنہ سفرو

حضر میں پانچ کنزوں والی ٹوپی سفید اور اس پر دو گز لمبا رومال جو آسمانی رنگ کا باریک لکیر دار کپڑا ہوتا، باندھتے تھے۔ کرتہ طرپڑان والا جس کے بازو کھلے ہوتے، سفید اور زانوؤں تک لمبا ہوتا تھا زیبِ تن فرماتے۔ تہبند سفید لٹھے کا ہوتا۔ جمعہ کے دن اس پر سفید چوغہ پہنتے۔ اور ایک رومال لکیر دار شانہ پر رکھا ہوتا۔ سردیوں میں گرم سرج کی بند گلے کی واسکٹ پہنتے اور سفید چادر تین گز لمبی اور پونے دو گز چوڑی بالعموم استعمال فرماتے اور سردی میں ہلکا سا دُھسہ اوپر لیا جاتا۔ جُوتا دیسی اور سادہ استعمال کرتے۔ نیا جوتا پاؤں میں ڈال کر دو نفل رکعت ادا فرماتے تھے۔

تصنیف آپ کی تصنیفِ جلیل "الانسان فی القرآن" تبحرِ علمی کا بہترین شاہکار ہے۔ جس میں آپ نے مختلف موضوعات پر شرحِ صدر سے گفتگو فرمائی ہے اور بعض اختلافی مسائل کو بڑے حکیمانہ انداز سے سُلجھایا ہے۔

شادی آپ کی شادی موضع بدورنہ ضلع گوجرانوالہ کے سید خاندان میں آپ کے پیر و مرشد حضرت میاں صاحب کے وصال کے ایک سال بعد میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

اولاد حضرت سید محمد باقر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی گدی نشین۔ حضرت سید محمد جعفر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی۔ سیدہ ثریا خاتون کا بچپن میں انتقال ہوگیا۔ سیدہ بلقیس خاتون۔

خلفاء آپ کے حلقہ ارادت میں بڑے بڑے علماء شامل ہوئے۔ چند ایک کے نام جو معلوم ہو سکے، یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ مدظلہ العالی بانی و مہتمم جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ بھکھی شریف

۲۔ حضرت مولانا محمد نواز مدظلہ العالی صدر مدرس مدرسہ مذکورہ

۳۔ حضرت مولانا سید منصور شاہ مدظلہ العالی مدرس جامعہ رضویہ لائل پور

۴۔ مولانا سید منیر حسین شاہ جوکالوی مؤلف انشراح الصدور بتذکرۃ النور (سوانح حیات حضرت شاہ صاحب ممدوح قدس سرہ)

وصال آپ کو بعمر ۳۴ سال جوڑوں کی درددوں کا عارضہ شروع ہو گیا۔ جوں جوں علاج کروایا مرض بڑھتا گیا۔ وجع المفاصل کا مرض متواتر اڑھائی سال سے شدت اختیار کر گیا مگر زبان مبارک پر حرفِ شکایت نہ تھا۔ باوجودیکہ مرض کا غلبہ شدت کا تھا مگر رشد و ہدایت میں باقاعدہ مصروف رہتے اور کسی طالبِ حق کو خالی نہ بھیجتے آپ بہت ہی فیاض تھے۔ آخری وقت تک مرض وجع المفاصل ہی رہی

۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ (۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء) جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب گیارہ بج کر پچیس منٹ پر ۶۳ برس کی عمر میں یہ آفتابِ ولایت عازمِ فردوس ہوا۔ حضرت کیلیانوالہ شریف میں آپ کا مرقد منور مرجعِ خلائق ہے۔ آپ کے وصال کے بعد بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد باقر علی شاہ مدظلہ العالی سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ کرمانوالے نقشبندیؒ

وصال: ۱۳۸۵ھ، مزار: کرمانوالہ، اوکاڑہ

حضرت سید محمد اسمٰعیل اتباعِ شریعت میں یگانہ تھے آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کے تربیت یافتوں میں سے تھے آپ کامل درویش اور بے نظیر عارف تھے۔ آپ کی زندگی کا سب سے روشن پہلو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ یعنی خود اتباع پر گامزن ہو کر دوسروں کو اتباعِ سنت کا درس دیا۔

حسب نسب حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صحیح النسب سید ہیں آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید سکندر علی شاہ المعروف سید سید علی شاہ ہے جو بڑے متقی، علم دوست اور سخی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب بیالیس واسطوں سے حضرت علی المرتضیٰ سے ملتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۱۵ھ مقام کرموں والا ضلع فیروزپور میں ہوئی۔

آپ مادرزاد ولی ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حسب نسب پہ فخر کرنا شریعت مطہرہ میں ناروا ہے۔ آپ نے کبھی اپنے حسب نسب پر فخر نہ کیا کہ راہِ طریقت میں فخر و مباہات کی گنجائش نہیں۔ بلکہ اس منزل تو صرف گرمیِ عشق ہی سب کچھ ہے۔

داغِ یتیمی

سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں ہی باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے اور داغِ یتیمی نصیب ہوا۔ مگر طبیعت میں ابتدا سے ہی مصائب و آلام برداشت کرنے کی ہمت قدرت نے رکھ دی تھی۔

حصولِ علم

آپ نے ابتدائی تعلیم پرائمری سکول سلطان خان والا میں حاصل کی۔ چند دینی کتب میاں رحمت علی جو کہ راجپوت سکنہ کرموں والا شریف سے پڑھیں۔ پھر آپ جلالپور شریف چلے گئے اور وہاں پیر سید فضل شاہ صاحب کے ہم سبق رہے۔ پیر سید حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بقیدِ حیات تھے آپ شاہ صاحب پر بہت مہربان تھے اور آپ کی ذہانت خداداد کے معترف تھے۔ جب کبھی مولوی عبدالرحیم صاحب (ساکن کرڑی) رخصت پر جاتے تو پیر سید حیدر شاہ صاحب انھیں (شاہ صاحب اور سید فضل شاہ صاحب کو) درس دیتے۔ یہ وہ شرف تھا جس کا ذکر پیر سید فضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے فخر کے ساتھ کیا کرتے تھے اور یہ فخر بھی بجا ہے آپ کی عمر مبارک چوبیس پچیس سال کی تھی کہ آپ نے دہلی اور سہارن پور کے دینی مدارس میں باقاعدہ داخلہ لے کر نہایت تندہی سے قلیل مدت میں علوم دینیہ کے علاوہ معقول و منقول میں کمال دسترس حاصل کر لی۔

ایک دفعہ آپ نے اپنے اساتذہ کے اصرار پر تقریر کی۔ معلوم نہ ہو سکا کہ خلقِ خدا کہاں سے آگئی کہ ایک ہجوم تھا اور تقریر کی تاثیر سے سامعین کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ سہارن پور میں ایک آریہ سماجی پنڈت تھا جو اسلام پر اعتراض کرتا تھا۔ طلبہ سے اعتراض کا جواب نہ بن آتا تھا اس لیے طلبہ ادھر کا رُخ نہ کرتے تھے۔ ایک دن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عمداً اس کی دکان کے سامنے سے گزرے تو آریہ سماجی نے کہا کہ کیا کوئی سوال کرنا چاہتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ "سوال" کا مادہ بتاؤ اور مادہ کی قدامت ثابت کرو۔ آریہ سماجی بوکھلا گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا اور اس کے بعد اس نے طالب علموں پر سوال کرنے چھوڑ دیے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ کی علمی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔

سہارن پور میں ایک سیاہ پوش بزرگ تھے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس وقت بھی عزت کرتے حالانکہ قبلہ سرکار کرما نوالہ ابھی تک ظاہری طور پر صاحبِ نسبت نہ ہوئے تھے آپ جب کبھی ان بزرگوں کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بزرگ حاضرینِ مجلس سے فرماتے کہ اب آپ سب لوگ چلے جائیں کہ میرے بھائی آگئے ہیں اور آپ سے علیحدگی میں گفتگو فرماتے۔

بیعتِ اولیٰ جب آپ علوم ظاہری میں کمال حاصل کر چکے تو آپ میاں رحمت علی صاحب کی معیت میں فیروز پور کے ایک مشہور بزرگ مولٰینا شرف الدین صاحب چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی بیعت فرمائی (یہ مولٰینا خواجہ اللہ بخش تونسوی سے بیعت تھے) اس بیعت کو ابھی چند سال ہی گزرے تھے کہ مولٰنا شرف الدینؒ صاحب کا وصال ہو گیا۔ آپ کو اس مفارقت کا سخت صدمہ ہوا۔

بیعتِ ثانی اتفاق سے آپ کی ملاقات ایک مجذوب سے ہو گئی۔ وہ کہنے لگے "شاہ جی! آپ کا حصہ شرقپور شریف میں ہے" اسی طرح خواجہ مظفر علی خان صاحب (خلیفہ مجاز سائیں توکل شاہ) نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ شرقپوری کی خدمت میں جائیں، آپ کا حصہ وہاں ہے۔ چنانچہ ایک مجذوب اور سالک کی رہنمائی پر آپ نے شرقپور شریف کا سفر اختیار کیا اور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ کیمیا سے فیض یاب ہوئے۔ اعلیٰ حضرت میاں صاحب آپ پر اس قدر مہربان تھے کہ آپ کی نذر واپس نہ کرتے حالانکہ کسی سے نذر وغیرہ قبول نہ فرماتے تھے اور آپ کو "ہمارے شاہ صاحب" فرماتے اور کرما نوالہ کی بجائے کرما نوالے شاہ صاحب کہتے، کیونکہ آپ کی پیشانی مبارک میں نورِ ولایت نمایاں تھا۔ لہٰذا خداوند قدوس نے جب آپ پر اپنا خاص کرم کیا تو آپ صاحبِ کرم ہو گئے۔

سلسلۂ طریقت حضرت سید محمد اسمٰعیل کرمانوالے، حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ، حضرت بابا امیر الدین، حضرت سید صادق علی شاہ، حضرت سید امام علی، حضرت سید شاہ حسین رنہ چھتر رح، حضرت خواجہ حاجی احمد، حضرت خواجہ محمد زمان، شیخ محمد زکی رح الخ۔

خلافت اعلیٰ حضرت میاں صاحب کی ہدایت کے مطابق آپ نے خاصی ریاضت اور عبادت کی بلکہ ہمہ تن یادِ الٰہی میں مصروف رہنے۔ ایک دفعہ آپ پر کچھ عرصہ کے لیے سکر

کی کیفیت ہوگئی لیکن میاں صاحب کی نظرِ عنایت سے آپ حالتِ صحو میں آگئے۔ یادِ الٰہی میں مگن رہنے کی وجہ سے آپ کام کاج کی طرف توجہ نہ دے سکے لہٰذا ایک دفعہ آپ کے بڑے بھائی سید نور محمد شاہ نے آپ کو سختی سے گھر کے کاروبار کی طرف راغب کرنا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا کہ بھائی جان دنیا کے کام آپ جانیں اور سنبھالیں مجھے کوئی سروکار نہیں۔ خداوند کریم میرا کارساز ہے۔ میری قسمت کا لکھا مجھے مل ہی جائے گا۔ جب سلوک کی منازل طے کر چکے تو اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری نے انھیں خرقۂ خلافت سے نوازا اور روحانی دولت اور نورِ معرفت سے مالا مال کر دیا۔

ذریعۂ معاش

آپ بہت بڑے طبیب بھی تھے۔ جب کوئی مریض آتا تو دیکھ کر ہی فرما دیتے کہ اس کو فلاں مرض ہے۔ آپ پوری پوری تشخیص فرماتے تھے آپ نے باقاعدہ طب کا علم پڑھ کر سند حاصل کی تھی۔ جو مل جاتا اس پر گزارہ کرتے کیونکہ آپ بہت ہی متوکل تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خداوند قدوس پر توکل رکھو، اللہ تعالیٰ توکل رکھنے والوں کو محبوب بنا لیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے کہ متوکل کا رزق میرے ذمہ ہے اس کو اس جگہ سے رزق دوں گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (متوکل کے لیے بس خدا کافی ہے) آپ نے اس ارشادِ ربانی پر کماحقہٗ عمل کیا۔

آبائی گاؤں سے ہجرت

آپ اپنے آبائی گاؤں کرمونوالہ شریف میں ۱۹۴۶ء تک تشریف فرما رہے آپ نے جامع مسجد کی توسیع فرمائی اس مسجد میں ایک نیم کا درخت کافی پھیلاؤ میں تھا۔ گرمیوں میں جمعۃ المبارک کی نماز اسی درخت کے نیچے ادا ہوتی تھی درویش اور زائرین اس کے نیچے آرام کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے وقت آپ براستہ گنڈا سنگھ والا قصور تشریف لائے۔ پھر پاکپتن میں سوا سال قیام پذیر رہے۔ پھر آپ پکا چک ۲-۵۶/L سری رام نگر تشریف لے آئے۔

کرمانوالے میں قیام

آپ کے مرشد پاک کا حکم تھا کہ جہاں بھی آپ اقامت پذیر ہوں، جمعہ کا خطبہ آپ خود دیا کریں اس حکم پر آپ سختی سے عمل کیا کرتے تھے یہ پکا چک سر گنگا رام نے آباد کیا تھا اور اسی کے نام پر رام نگر مشہور تھا۔ (گنگا رام ہسپتال لاہور میں اسی کی یادگار ہے) سر گنگا رام نے بے انتہا کوشش کی کہ اس جگہ ریلوے سٹیشن قائم ہو

جائے۔ ریلوے لائن اور پختہ سڑک لاہور اوکاڑہ پر یہ چک واقع ہے مگر وہ ناکام رہا۔

پکا چک ۵۶، ایل ۲ میں با اثر مرزائی مقیم تھے۔ انھوں نے ایک با اثر زمیندار کے ساتھ مل کر آپ کی مخالفت شروع کردی بلکہ تنگ کرنا شروع کردیا۔ آپ نے تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ فنانشل کمشنر جناب اختر حسین صاحب نے مرزائیوں کے دباؤ کی وجہ سے آپ کی الاٹمنٹ منسوخ کردی جو فضل الٰہی صاحب پراچہ وزیر مال نے بحال کی۔ بالآخر مخالفین کا زور ٹوٹ گیا اور آپ کے حُسنِ اخلاق نے تمام دوست دشمن کو اپنا گرویدہ کر لیا (خزینہ کرم صلا)

اب پکا چک کی بجائے اس چک کا نام حضرت کرمانوالہ رکھا گیا۔ آپ کا خلقِ عظیم دیکھ کر ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر آپ کا اسم گرامی تھا۔ آپ پیکرِ صبر و رضا اور بہت ہی متوکل و فیاض تھے۔

اب آپ نے کوشش شروع کی کہ اس جگہ ریلوے سٹیشن بن جائے تاکہ ہر آنے والے کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ آسانی سے آجا سکے۔ پھر مرزائیوں نے مخالفت شروع کردی۔ آخر حکومت پاکستان نے اس جگہ سٹیشن حضرت کرمانوالہ کے نام سے منظوری دے دی جو بن گیا۔ مخالفین سخت نادم ہوئے۔ مخالفوں کو کیا علم تھا کہ آپ کون ہیں۔ وہ لوگ مخالفت کرتے رہے اور آپ ان سے اپنا اخلاق پیش کرتے رہے۔ آپ پیکرِ اخلاق تھے۔ مؤرخہ ۴ دسمبر ۱۹۵۰ء کو ریلوے سٹیشن حضرت کرمانوالہ منظور ہوا اور ڈاک خانہ ستمبر ۱۹۵۱ء کو منظور ہو گیا۔

پکا چک اب حضرت کرمانوالہ کے نام سے مشہور ہو گیا آپ کے چشمہ فیض کرم سے طالبانِ حق اپنی اپنی جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے تھے اس جگہ چوری کرنے کا عام رواج بلکہ فخر سمجھتے تھے۔ اب وہی چور اپنی عاداتِ بد سے توبہ کر کے نمازی بن گئے اور آپ کی بدولت اس علاقے میں امن قائم ہو گیا۔ شمع رسالت کے پروانے آپ کے گرد جمع رہتے۔ اور اس شمع نورانی سے اپنے اپنے دلوں کو منور کرتے۔

آپ نے وہاں ایک کوٹھی الاٹ کروائی، کوئی وقت تھا وہاں ہندو آباد تھے اب اسی کوٹھی میں ایک مردِ خدا مقیم رہے اب اس کوٹھی میں پانچ وقت نماز ادا ہوتی ہے۔ اذان کی آوازیں فضا میں گونج رہی ہیں۔ قرآن مجید کی دن رات تلاوت ہو رہی ہے بلکہ اب یہ کوٹھی چشمۂ فیض کرم ہے طالبانِ حق اس جگہ دور دور سے آکر اس چشمۂ فیض کرم سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اب یہی کوٹھی دینِ الٰہی

کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔

تبلیغ احیائے سنت آپ نے اپنی زندگی احیائے سنتِ نبوی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ سفر و حضر میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی فرماتے۔ خلافِ شرع امور کو قطعی طور پر ناپسند فرماتے اور معاشرے میں سرایت کردہ خرابیوں کو دور کرنے کی سعی فرماتے اگرچہ جلسے اور جلوس میں شامل نہ ہوتے مگر اپنے حلقے میں مصروفِ عمل رہتے۔ ہر آنے والے کو تبلیغ فرماتے۔

آپ دراصل روحانی طبیب تھے جو بھی صدقِ قلب سے حاضر خدمت ہوا اس کے جسم دل اور روح کا آپ مکمل علاج کر دیتے اور اس کے دل کو نورِ معرفت سے منور کر دیتے تھے اور اس شخص کو نماز پنجگانہ با جماعت ادا کرنے کی تلقین فرماتے۔ صورت اور سیرت شرع محمدی کے مطابق بنانے کی تاکید فرماتے اور آپ ارشاد فرماتے کہ نماز ابتدائی قاعدہ ہے اور انتہائی مقام بھی نماز ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے۔

جب کبھی آپ باہر تشریف لے جاتے تو مسجد میں قیام فرماتے۔ مساجد کو حسین بنانے کی ہدایات فرماتے۔ اگر دنیا میں آپ کو کسی چیز سے محبت تھی تو وہ مساجد تھیں)۔ آپ نے کئی پرانی مساجد کو آباد کیا اور بعض جگہ پر نئی تیار کروائیں۔ جب آپ شرقپور تشریف لے جاتے تو مسجد میں قصبہ کے باہر تشریف رکھتے۔ آپ نے حضرت کرمانوالہ میں ایک وسیع و عریض جگہ جو کہ برلبِ سڑک ہے، نماز کے لیے منتخب فرمائی اور اس جگہ کو مسجد کا درجہ دیا۔

طعام خانہ جہاں بھی آپ قیام پذیر رہے لنگر کا انتظام باقاعدہ اور وسیع ہوتا۔ تاکہ زائرین کو کھانا دو وقت ملتا رہے۔ لنگر مٹی کے برتن میں چار آدمی کا سالن ہوتا تاکہ امیر و غریب مل بیٹھ کر کھانا کھاویں اور دلوں میں روحانیت کی محبت پیدا ہو اور کھانا سنت کے مطابق بیٹھ کر کھایا جاتا اور لنگر یعنی کھانا لذیذ ہوتا۔

سیرت آپ بلند اخلاق و اخلاص کے مالک تھے۔ متوکل، فیاض، بردبار، حلیم الطبع، مستجاب الدعاء اور فیاض تھے۔

آپ اپنے وقت میں بلند عالم دین، اعلیٰ طبیب، روحانیت میں اعلیٰ مقام، اعلیٰ خطیب، اعلیٰ

مبلغ، اعلیٰ مفسر، شب بیدار، متوکل، متبع شریعت، صائم الدہر، مجسمۂ خشیتِ الٰہی، عاشقِ رسول تھے۔ آپ کا محبوب وظیفہ یہ درود تھا "وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمدٍ وآلہٖ وبارک وسلم" ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور سورۂ اخلاص بھی پڑھتے تھے۔

پیر خانہ سے محبت آپ کو اپنے پیر خانہ سے بے پناہ محبت تھی۔ ایک دفعہ چند بیلی آپ کی مجلس میں بیٹھے کوئی نئی تسبیح دیکھ رہے تھے۔ تسبیح کے امام کے سوراخ کو پیشِ نظر رکھ کر مدینہ منورہ کا نقشہ دیکھتے تھے آپ نے فرمایا ذرا مجھے دو میں بھی دیکھوں۔ اور فرمایا کہ آپ کو کیا نظر آرہا تھا، ایک بیلی نے کہا کہ مدینہ منورہ۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ مجھے تو شریف قبور شریف نظر آرہا ہے۔ یہ فرمانا تھا کہ کئی صاحبِ دل ساتھی وجد میں آگئے۔

قبلہ شاہ صاحب ملاقاتیوں کو بیکار محض نہ بیٹھنے دیتے۔ غرض یہ ہوتی تھی کہ مریدوں کی دلی کدورتیں آپ کی توجہ سے زائل ہو جائیں اور بعض کے کئی مشکل کام اسی کام کاج میں حل ہو جاتے، ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا حضور! مجھ پر ایک ہزار قرض ہو گیا ہے، دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا رب کریم خیر کر دے گا۔ جاؤ جا کر کچھ کام کرو۔ وہ بیلی پرالی کے گٹھے اٹھا اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے لگا اس طرح اس نے سات گٹھے اٹھائے اور اجازت لے کر چلا گیا۔ دوسری دفعہ حاضرِ خدمت ہوا تو عرض کیا سرکار! تین سو روپیہ باقی رہ گیا ہے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت کتنے گٹھے اٹھائے تھے۔ عرض کیا کہ سات۔ آپ نے فرمایا کہ اگر دس گٹھے اٹھائے ہوتے تو یہ قرض ادا ہو چکا ہوتا۔ اللہ اکبر! کتنی برکت ہے بزرگوں کے ہاں معمولی کام کرنے میں کہ سات گٹھے اِدھر سے اُدھر کر دیے تو سات صد قرض دور ہو گیا۔

آپ حقہ ناپسند فرماتے اور اعلیٰ حضرت میاں صاحب حقہ پینے والوں کو قبلہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھیج دیتے کہ شاہ صاحب کو حقہ چھڑانے کی ترکیب اچھی آتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے کہ اصل چابی تو اعلیٰ حضرت ہی کے ہاتھ میں ہے آپ دعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھاتے اور نہ ہی پھونک وغیرہ یا دم کرتے ہمیشہ یہی فرماتے کہ رب کریم خیر کر دے گا۔ آپ کے ان الفاظ میں وہ اثر تھا کہ آپ کے فرمانے کی دیر ہوتی، کام ہونے میں دیر نہ تھی آپ کی شخصیت ان مقبولانِ بارگاہِ الٰہی میں سے ایک ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نعمت و برکت سے نوازا تھا۔

روحانی تصرّفات

آپ کے روحانی تصرفات کے واقعات بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں :-

۱- اخلاص کا واقعہ

آپ کی طبیعت میں بہت بے نیازی تھی۔ دنیا کے کاموں میں آپ بالکل بے نیاز تھے۔ آپ موضع کرمونوالہ ضلع فیروزپور میں اقامت پذیر تھے۔ ریلوے سٹیشن فیروزشاہ سے جانب شمال چار میل کا سفر ریتیلا تھا۔ گرمیوں میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ راستہ پیدل چلنے کا تھا۔ ایک دفعہ مہاراجہ فریدکوٹ کی والدہ نے درخواست کی کہ اگر آپ ایک دفعہ فریدکوٹ تشریف لاویں تو موضع کرمونوالہ سے فریدکوٹ تک براستہ ریلوے سٹیشن فیروزشاہ پختہ سڑک تعمیر کروا دی جائے گی مگر آپ نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا کیونکہ مہاراجہ فریدکوٹ کی والدہ آشوب چشم میں مبتلا تھی۔ علاج کروایا مگر شفا نہ ہوئی آپ کی نظر کرم سے وہ صحت یاب ہو گئی۔

۲- حقیقتِ حال کو ظاہر کر دیا

شیخ محمد انور صاحب شرقپوری بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پہلوان قسم کا ایک آدمی حاضر خدمت ہوا۔ اور امرود پیش کیے آپ نے قبول فرما لیے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضور امرود بہت اچھے ہیں آپ ہی کے لیے لایا ہوں آپ ہی کھائیں۔ آپ خاموش رہے اس نے دوبارہ کہا، جب سہ بارہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے گیارہ امرود خرید کیے تھے، رائے ونڈ سٹیشن پر دو کیوں کھائے تھے۔ وہ شخص خاموش ہو گیا۔ جب وہ مجلس سے اٹھ کر باہر گیا تو میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا اور اس سے حقیقتِ حال دریافت کی، اس نے بتایا کہ رائے ونڈ سٹیشن پر مجھ پر بھوک کا غلبہ ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ حضرت صاحب تو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ دو امرود میں نے کھا لیے۔ مگر حضرت قبلہ کو تو معلوم ہو گیا اور میں شرمسار ہوا ہوں۔

۳- ایک شخص کی ضرورت کو پورا کر دیا

حکیم شیر محمد صاحب انداعظم چھینہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کا جسم لرز گیا اور فرمایا کہ ایک بیلی فلاں جگہ نہا رہا ہے اس کے لیے فوراً کپڑے لے جاؤ۔ وہ بے چارہ نہر میں نہا رہا تھا کہ کوئی راہ گیر اس کے سارے کپڑے اٹھا کر چلتا بنا اور وہ غریب نہر میں حیران پریشان ہے کہ اب باہر کیسے آئے۔ چنانچہ اسے کپڑے پہنچا دیے گئے۔

۴۔ خواہش کا احترام

انھی حکیم صاحب نے بیان کیا کہ میں حضرت کی خدمت میں حضرت کرماں والہ حاضر تھا۔ علاقہ پشاور کی چند عورتیں حضرت قبلہ کی زیارت کے لیے آئیں۔ دستور کے مطابق انھیں مائی صاحبہ کے پاس زنان خانہ میں بھیج دیا گیا۔ میری لڑکی بھی وہاں موجود تھی اس نے بتایا کہ جب وہ عورتیں آپ کی زیارت سے محروم رہیں تو انھیں بہت حیرت ہوئی اور انھوں نے کہا کہ ہم نے اتنا دور دراز کا سفر محض حضرت قبلہ کی زیارت کے لیے اختیار کیا تھا اور راستہ کی صعوبت اٹھائی تھی مگر ہمیں گوہر مقصود حاصل نہیں ہوا۔ اتنے میں انھیں معلوم ہوا کہ قبلہ حضرت صاحب اندر تشریف لا رہے ہیں۔ تمام اجنبی عورتیں پردہ میں ہوگئیں۔ میری لڑکی اور وہ پٹھان عورتیں ایک کمرہ میں چلی گئیں۔ قبلہ حضرت صاحب بھی اسی کمرہ کے دروازے تک گئے اور دروازے میں چند سیکنڈ تشریف فرما رہے پھر واپس چلے آئے اور ان عورتوں کو زیارت سے مشرف فرمایا۔

۵۔ آپ کی دعا سے فرزند عطا ہوا

صوفی محمد اسحاق سکنہ قبولہ شریف بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صاحب کی دعا کی برکت سے رب العزت نے مجھے فرزند عطا کیا تو ہمارے علاقہ میں قبلہ حضرت صاحب کا عام چرچا ہوگیا۔ میرے چچا مولا بخش نے کہا کہ میں بھی حضرت صاحب کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے ساتھ لے جائیں چنانچہ میں اسے ساتھ لے کر حاضر خدمت ہوا تو مدعا عرض کیا آپ نے فرمایا کہ یہ تو پہلے ہی مرید ہے۔ بار بار مرید نہیں ہوا کرتے مگر میرے چچا نے اصرار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بیلیا جا اپنی ماں سے پوچھ لینا کہ تو مرید ہو چکا ہے مگر وہ مُصر رہا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ سارا راستہ جھگڑتا رہا کہ مجھے مرید نہیں کرایا۔ جب ہم گھر پہنچے تو اس نے اپنی والدہ سے ذکر کیا اس نے بتایا کہ تمھارے والد نے تمھیں بچپن میں اپنے پیر و مرشد (حضرت کرماں والے) کا مرید کرایا تھا۔ چنانچہ جو آپ نے فرمایا صحیح ثابت ہوا۔

۶۔ ایک ہی نظر سے کایا پلٹ گئی

حکیم شیر محمد صاحب از اعظم چھینہ بہاولنگر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۱۹۳۰ء میں کامل طب و جراحت کا چار سالہ کورس پاس کیا اور میری تعیناتی منچن آباد کے سرکاری یونانی دواخانہ میں ہوگئی۔ ریاست بہاولپور میں رفاہِ عامہ کے لیے سرکاری یونانی دواخانے نواب صاحب بہاولپور کی طرف سے کھلے ہوئے تھے اس دواخانہ میں ایک ملازم عبدالرحمٰن نامی تھا۔ وہ حضرت قبلہ کا مرید تھا۔ مجھے

بھی قبلہ حضرت صاحب کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ میں اس وقت بہت ہی خوش پوش نوجوان تھا۔ میں اس وضع قطع میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے بعد نماز عشاء مجھے بلایا اور اپنے پاس بٹھلایا اور اپنا دست مبارک میرے سینے اور قلب پر پھیرا۔ بس پھر کیا ہوا بیان سے باہر ہے۔ میں کئی دن عالم حیرت میں رہا۔ دنیا کی لذتوں سے دل برداشتہ ہوگیا اور جلدی جلدی قبلہ حضرت کی خدمت میں آنا جانا شروع کر دیا۔ میں نے رسالہ "الفرق بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطٰن" میں جو صفات ایک ولی کامل کی دیکھی تھیں حضرت قبلہ میں بدرجہ اتم پائیں۔ آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہی اللہ اللہ اس کے حبیب کی محبت دل میں سما جاتی اور لذتِ آشنائی سے آگاہی ہو جاتی۔

وفات آپ کا وصال ۲۷ رمضان ۱۳۸۵ھ (۲۰ جنوری ۱۹۶۶ء) بروز جمعرات بوقت ۴۵-۳ بجے کرمانوالہ میں ہوا۔ اور وہیں مزار مبارک مرجعِ خلائق ہے۔

اولاد ۱۔ سید محمد علی شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین ہیں۔ ۲۔ سید عثمان علی شاہ بعمر ۲½ سال رحلت کی۔ ۳۔ سید عثمان علی شاہ ثانی۔ ۴۔ سید میر طیب شاہ (بعمر ۱۰½ سال وفات پائی) ۵۔ سید غلام جیلانی (بعمر ۲½ سال وفات پائی) لڑکیاں بھی تولد ہوئیں۔ قبلہ سید محمد علی شاہ صاحب مدظلہ العالی کے فرزند سید غضنفر علی شاہ ہیں اور سید عثمان علی شاہ کے دو بیٹے سید صمصام علی شاہ، سید امیر طیب شاہ مدظلہ العالی۔

خلفاء آپ کے خلفاء اور مرید بہت ہیں۔ مگر حضرت سید محمد علی شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین و حضرت سید عثمان شاہ کا خاص مقام ہے۔

حضرت فیض محمد قندھاری نقشبندیؒ

وصال: ۱۳۸۰ھ۔ فیض آباد۔ تاندلیانوالہ۔ فیصل آباد۔

حضرت فیض محمد قندھاریؒ سلسلہ نقشبندیہ کے ان بندگان میں سے تھے جنھوں نے ریاضت اور عبادت کو زندگی کا مقصود بنا رکھا تھا۔ آپ عارف کامل تھے۔ ترک و تفرید میں یگانہ روزگار تھے

پرہیز گاری اور خدمتِ خلق آپ کا خاصہ تھا۔

پیدائش

آپ ۱۲۸۰ھ میں قلعہ سیداں میں پیدا ہوئے۔ قلعہ سیداں افغانستان میں ایک قصبہ ہے جو قندھار شہر سے مشرق کی طرف ۶۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

والدِ ماجد

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سید امیر محمد شاہ تھا آپ نجیب الطرفین حسنی سید ہیں۔ آپ کے جدِ امجد سید خان محمد بخارا سے قندھار آگئے اور قلعہ سیداں کو شرفِ سکونت بخشا۔

حضرت سید فیض محمد شاہ صاحب قندھاری رحمۃ اللہ علیہ خورد سالگی سے ہی ایسی صفات کے حامل تھے جو کہ آپ کے مادر زاد ولی اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ کو عام بچوں کی طرح لہو ولعب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ شروع سے ہی سنجیدگی اور بالغ نظری طبیعت میں موجود تھی، اپنا اکثر وقت یادِ خداوندی میں گزارتے۔ پانچ سال کی عمر میں ہی آپ رات کو آہستگی سے دریا کی طرف تشریف لے جاتے اور وہاں پر اپنے خدا کے حضور اپنی عبودیت کا اظہار فرماتے اور صبح صادق کے وقت واپس گھر لوٹتے۔ چنانچہ گھر میں آپ کی عبادت کے لیے ایک علیحدہ کمرہ وقف کر دیا گیا جہاں پر حق بندگی ادا فرماتے اور تقربِ خداوندی حاصل فرماتے۔ آپ کے کم عمری میں یہ کمالات دیکھ کر آپ کے والد بزرگوار حضرت سید امیر محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فیض محمد شاہ صاحب امورِ دنیاوی میں ہماری معاونت نہیں کریں گے بلکہ روحانیت کے علمبردار ہوں گے۔

قلندر سے ملاقات

آپ کی عمر جبکہ نو سال تھی کہ ایک دن اپنے موروثی باغ جو چار ایکڑ زمین پر مشتمل تھا جس میں قندھاری انار، انگور اور متفرق پھل لگے ہوئے تھے، کی اس دیوار پر بیٹھے تھے جو شاہراہ سے ملحق تھی۔ وہاں سے ایک صاحبِ کشف قلندر مرد کا گذر ہوا اس نے حضرت سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ آپ نے جلدی سے درخت سے دو انار اتار لیے اور کوٹ چھان کر اس فرشتہ سیرت درویش کو پیش کیے۔ جب وہ پی چکا تو آپ نے مزید شربت پینے کے لیے پوچھا، اس نے رضامندی ظاہر کی تو آپ نے دوسری مرتبہ انار میں انگوروں کا ایک تازہ گچھا بھی نچوڑ کر شامل کر دیا۔ یہ پیالہ پی کر اللہ کا وہ بندہ بہت خوش ہوا اور آپ کو بہت دعائیں دیں اور جاتے وقت فرمایا۔ "برخوردار! اللہ تمہاری عمر دراز کرے، تمہارے در پر سدا لنگر

جاری رہے گا۔ طالبانِ رشد وہدایت اکنافِ عالم سے تمھارے آستانے پر آیا کریں گے۔ تمھارا فیض عام ہوگا جس سے ہر کس و ناکس مستفید ہوگا۔

شیخ طریقت کی جستجو

آپ کے آبائی گاؤں قلعہ سیداں میں ایک صاحبِ دل بزرگ تشریف لائے آپ نے ان کی خدمت میں جا کر بیعت کی درخواست کی۔ مگر اس عالی نظر درویش نے کہا کہ آپ کے مقدر میں کسی اور مردِ کامل کا فیض ہے رات کو استخارہ کریں اور جن بزرگوں کی نشاندہی ہو ان کی طرف رجوع کریں اور فیض یاب ہو کر دنیا کو اپنے فیض سے مستفید کریں۔ آپ نے حسب الامر استخارہ کیا۔ پہلی رات خواب میں حضرت قدوۃ الاولیاء، زبدۃ الاصفیا خواجہ ملا راحم دل کی زیارت ہوئی۔ مگر یہ پتہ نہ چلا کہ وہ بزرگ کہاں رہتے ہیں۔ دوسری رات استخارہ کیا تو پھر حضور خواجہ ملا راحم دلؒ نے زیارت سے مشرف کیا اور ساتھ ہی اپنی جائے قیام موضع صوفہ کا پتہ بھی دیا۔ دوسرے روز حضرت پیر قندھاری، حضور خواجہ ملا راحم دلؒ کی خدمت میں حاضری کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور رات موضع خنزیری میں اپنی پھوپھی کے گھر قیام کر کے اگلے روز دوپہر سے قبل موضع صوفہ پہنچ گئے۔

موضع صوفہ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ حضرت پیر قندھاریؒ نے اس میں قیام فرمایا تھوڑی دیر بعد اس مسجد میں حضرت خواجہ ملا راحم دلؒ تشریف لائے۔ حضور نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور اس قدر خوش ہوئے کہ سفر کی صعوبت تک کا خیال جاتا رہا۔

حضرت خواجہ ملا راحم دلؒ نے دیر تک آپ کو توجہات باطنی سے نوازا اور بیعت فرما کر واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ واپسی پر آپ اپنی ہمشیرہ کے گھر رکنے کی بجائے سیدھے گھر تشریف لے گئے۔ اور کمال یکسوئی اور پورے ذوق و شوق سے شیخ کے فرمودہ سبق (اسم ذات) کی تکرار میں ہمہ وقت مشغول رہنے لگے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد رات کی خاموشی میں اپنے پیر و مرشد کی قدم بوسی کے لیے چلے جاتے اور دوسرے دن واپس تشریف لے آتے۔ ایک طرف جذبۂ جہد و اکتساب اور ذوق و شوق کا غلبہ تھا اور دوسری طرف مرشد کا بے پایاں الطاف و اکرام تھا۔ مختصر یہ کہ دو تین ماہ کے قلیل عرصے میں حضرت پیر قندھاریؒ طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے تمام اسباق لطائف پر حاوی ہو چکے تھے۔ ہر بُن مُو ذاکر تھا اور جسم مبارک انوار الٰہیہ کی تجلی گاہ بنا ہوا تھا۔

اکتسابِ علم پیر و مرشد کی روحانی توجہات اور برکات سے منور ہونے کے ساتھ ہی علوم دینیہ کی تحصیل کا شوق بھی پیدا ہوا۔ قندھار شہر جاکر مولوی جان محمد سے صرف و نحو اور ادبِ عربی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد شہر قندھار سے جانبِ مغرب دریائے ارغنہ کے اس پار موضع تغنسرا کی بہت بڑی دینی درس گاہ میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت مولانا بہاء الحق اور دیگر مدرسین سے درس نظامی کی تکمیل کی اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، علم الکلام، منطق و فلسفہ میں دسترس کے ساتھ علمِ طب پر بھی کافی عبور حاصل کیا۔

زمانہ طالب علمی کے دوران آپ کا معمول تھا کہ گاہ بگاہ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ عام لڑکوں سے عموماً الگ تھلگ رہا کرتے۔ رات کو چپکے سے حسبِ عادت دریا کے کنارے خاموش اور سنسان فضاؤں میں جاکر محوِ عبادت ہو جاتے۔ سوائے سبق و تکرار سبق کے کبھی کسی طالب علم سے زائد کلام نہ فرماتے۔ آپ کی یہ عادات آپ کے ساتھیوں کو حیرت میں ڈال دیتیں۔ آپ کے بعض ہم درسوں نے استاد صاحب سے جو صاحبِ دل بھی تھے آپ کی اس کیفیت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ طالب علم اللہ کا مقبول بندہ ہے اس کے بارے میں ہرگز زبان درازی نہ کرنا اور اس کی ہر طرح سے عزت و تکریم بجالایا کرو۔

خرقۂ خلافت چار سال کے قلیل عرصہ میں آپ علومِ دینیہ سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ درس گاہ سے قندھار شہر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ ملا راحم دل رح شہر کی ایک مسجد میں فروکش ہیں آپ فوراً ان کی خدمت میں پہنچے۔ دریائے رحمت جوش میں تھا۔ پیرِ کامل، مریدِ صادق کو لے کر کابلی دروازہ سے باہر درگاہ حضرت خواجہ ملا محمد سالم نقشبندی (المعروف ملا اخوند صاحب) تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر مراقبے کے بعد آپ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا اور برصغیر پاک و ہند جانے کا حکم دیا۔ یہ ۱۸۷۶ء کا زمانہ تھا اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ اس صحبت میں ایک دوسرے بامراد صادق الیقین مرید کو حضرت خواجہ ملا راحم دل رح نے شرفِ خلافت سے سرفراز فرماکر علاقہ ہرات (ایرانی سرحد) کی طرف جانے کا حکم دیا۔

پاک و ہند میں سیر و سیاحت

بزرگانِ دین نے ہمیشہ خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھے رکھا۔ اس کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں فرمایا۔ تبلیغِ دین کی خاطر اپنے اعزہ و اقارب کی قربت سے محرومی کا سامنا بھی ہمیشہ خندہ پیشانی سے کیا۔ حضرت سید فیض محمد صاحب قندھاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انھی والا قدر ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے وطن مالوف کو صرف خدمتِ دین کی خاطر خیر باد کہا اور اپنے مرشد پاک کے فرمانِ عالی کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے حضرت پیر قندھاری رحمۃ اللہ علیہ بائیس سال کی عمر شریف میں ۱۸۷۰ء میں افغانستان سے عازمِ ہندوستان ہوئے۔

حضرت سید فیض محمد صاحب قندھاری رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صوبہ بلوچستان سے برصغیر پاک و ہند کی سرحد میں داخل ہوئے۔ سرحد پار کر کے حضرت خواجہ پیر میاں عبدالحکیم صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، کے مرقد مبارک پہ حاضری دی اور وہاں دو یوم تک قیام فرمایا۔ وہاں سے پشین کی طرف رجوع فرمایا اور حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک پر چلہ کشی کی۔ وہاں حاضری کے بعد حضرت پیر قندھاری حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ انور سے چالیس دن تک حصولِ فیض فرمایا اس کے بعد حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُرانوار جو دہلی دروازہ لاہور کے بیرونی طرف ہے، پہ چھ ماہ تک قیام فرمایا پھر مزاراتِ ملتان کی زیارت فرمائی اس کے بعد خواجۂ خواجگان حضرت سیدنا باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانۂ عالیہ کے انوار و تجلیات سے استفادہ فرمایا اور تین ماہ تک وہاں قیام پذیر رہے۔ حضرت قبلہ سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرقدِ انور سے گنجہائے تجلیات و برکات کو دامن میں سمیٹا۔ لاہور سے عازمِ کشمیر ہوئے۔ اور حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ عالی پہ چلہ کشی فرمائی۔ الغرض حضرت قبلہ پیر قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۷۰ء سے ۱۹۲۰ء تک پچاس سال کا عرصہ پاک و ہند کی سیر و سیاحت اور زیاراتِ مزاراتِ بزرگانِ دین سے اکتسابِ فیض میں بسر فرمایا۔

شادی کے بعد شاہدرہ میں قیام

آپ کی شادی ستر سال سے اوپر کی عمر میں فاطمہ بنت عزیز دین (موضع کڑیالہ نزد پتوکی) سے ہوئی جو

غوث زمان حضرت اعلیٰ میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ کے رشتہ داروں سے ہیں۔ جس کے بعد آپ نے کسی جگہ مستقل سکونت کی ضرورت محسوس کی۔ پہلے حضرت شاہ محمد غوث رح سے متصل ایک مکان میں کچھ عرصہ رہے۔ پھر شاہدرہ باغ میں پچیس سال تک مقیم رہے۔ بعد ازاں عقیدتمندوں کے بیشمار تقاضوں اور پیہم اصرار کی بنا پر فیض آباد (نزد تاندلیانوالہ ضلع لائلپور) تشریف لے گئے۔

فیض آباد میں قیام

آپ کی نقل مکانی کی خبر تمام عقیدت مند حضرات کو پہنچی تو جوق در جوق وہاں پہنچنے لگے اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی رہائش کے لیے مکانات، مہمان خانے اور دیگر ضروری عمارتیں بھی بنوادیں اور جملہ ضروریات خانگی بھی فوری طور پر مہیا فرمادیں۔ یہاں کے مریدین کی عقیدت کو دیکھ کر آپ نے آخر دم تک یہیں اقامت فرمائی اور تقریباً سولہ برس تک خلقِ خدا کو انوار و برکات سے نوازتے رہے۔

آپ بہت بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ بچپن ہی سے آپ سے کرامات کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ کرامت تھا آپ نے اپنے فیضِ نظر سے ہزاروں افراد کی بگڑی بنا دی۔ اور ہزاروں افراد کی ڈوبتی کشتی پار لگادی۔ اور ہزاروں افراد کو فسق و فجور سے نجات دلا کر تقویٰ و طہارت کی صراطِ مستقیم پر گامزن کردیا۔ بہت سے غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور بہت سے خوش نصیب افراد آپ سے نعمتِ باطنی اور قوت روحانی حاصل کر کے اجازت و خلافت کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

خلفائے کرام

آٹھ خلفائے کرام ہیں جو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت فرما رہے ہیں۔ ان خلفاء کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت قبلہ صاحبزادہ حاجی سید حسین علی شاہ صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین آستانہ عالیہ فیض آباد شریف۔

۲۔ حضرت صوفی محمد صدیق صاحب موضع مرولہ نزد رینالہ خورد ضلع ساہیوال

۳۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب موضع دھرونڈ ضلع لائلپور

۴۔ جناب حکیم محمد لطیف صاحب بچاہ میراں لاہور

۵۔ حضرت جناب حافظ سید عبدالواحد شاہ صاحب موضع مہلوکے ضلع ساہیوال

۶۔ حضرت سید طالب حسین شاہ صاحب خطیب و مدرس موضع ٹانگو والی ضلع سرگودھا۔

۷۔ حضرت مولانا عبد المجید صاحب موضع لکھو والا نزد پتوکی۔

۸۔ حضرت مولانا حاجی عبد المجید صاحب بمقام کنہری (سندھ)

وصال مبارک

مؤرخہ ۱۸ رجب المرجب ۱۳۸۰ھ بمطابق ۶ جنوری ۱۹۶۱ء، ۲۳ پوہ ۲۰۱۷ بکرمی بروز جمعۃ المبارک بوقت ۴ بجکر پندرہ منٹ علی الصبح اپنے حجرۂ مبارک میں بمقام فیض آباد شریف چک نمبر ۱۱۱ ھ گ۔ ب نزد تاندلیانوالہ ضلع لائلپور وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو گیارہ سال تھی اور آپ اسم ذات کا ذکر کر رہے تھے کہ روحِ انور عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی اور فرقت کے غم میں ہزاروں مشتاقانِ دید کو سوگوار چھوڑ گئی۔

نمازِ جنازہ آپ کے خلیفہ اول جناب صوفی محمد صدیق صاحب نے پڑھائی آپ کا مزار پر انوار بمقام چک نمبر ۱۱۱ ھ فیض آباد شریف نزد تاندلیانوالہ ضلع فیصل آباد میں مرجعِ خلائق ہے۔

اولاد میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

۱۔ حضرت قبلہ کی عمر مبارک پچھتر سال کی تھی تو آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت سید عبد الکریم شاہ صاحب ۱۹۲۵ء میں شاہدرہ میں قیام کے دوران پیدا ہوئے مگر عالم طفولیت ہی میں صرف دو سال اس جہان فانی میں گزار کر ملکِ عدم کی طرف سدھار گئے۔

۲۔ حضرت پیر قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید حسین علی شاہ صاحب مدظلہ العالی ہیں جن کی ولادت باسعادت ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ حضرت پیر قندھاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک اس وقت اناسی (۷۹) برس تھی۔ حضرت سید حسین علی شاہ صاحب دامت برکاتہم ایک متشرع اور صوفی مزاج شخصیت ہیں اور آستانہ عالیہ فیض آباد شریف کے سجادہ نشین ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ حضرت سید حسین علی شاہ صاحب کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں آپ کے صاحبزادوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ سید عبد الحفیظ شاہ صاحب ۲۔ سید عبد الواحد شاہ صاحب ۳۔ سید عبد الوحید شاہ صاحب ۴۔ سید رضا حسین شاہ صاحب ۵۔ سید محمد عامر شاہ صاحب۔

۳۔ حضرت سید پیر قندھاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے صاحبزادے سید عبد الغفور شاہ

صاحب دامت برکاتہم ہیں آپ کی ولادت ۱۹۳۱ء میں ہوئی جس وقت حضرت قندھاری صاحب کی عمر شریف اکیاسی برس تھی۔ سید عبدالغفور شاہ صاحب کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہے صاحبزادوں کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:۔

۱ء سید پرویز شاہ صاحب قندھاری ۲ء سید جاوید علی شاہ صاحب ۳ء سید سرفراز علی شاہ صاحب ۴ء حاجی سید ظفر علی شاہ صاحب ۵ء سید نوازش علی شاہ صاحب۔

اللہ رب العزت آستانہ عالیہ فیض آباد شریف کے فیض کو قائم و دائم رکھے اور یہاں پر حاضری دینے والے فیض قندھاری سے مستفیض ہو کر بامراد لوٹتے رہیں۔

حضرت شاہ شمس الدین سبزواریؒ

وصال: ۶۷۵ھ ، مزار: ملتان

حضرت شمس الدین اپنے وقت کے اکابر اولیاء سے تھے آپ کے متعلق تاریخ صحیح تعین نہیں کر سکی کہ کیا یہ شمس الدین وہی ہیں جن کی مولانا روم سے ملاقات ہوئی یا یہ کوئی اور بزرگ ہستی ہیں کیونکہ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ شمس الدین محمد تبریزی کا مزار تبریز میں ہے اور ملتان میں جن شمس الدین کا مزار ہے وہ کوئی اور بزرگ ہیں۔ اسی طرح ان حالات کے بارے میں بھی بعض اختلافی روایات ملتی ہیں۔ حضرت شمس الدین کے حالات پر ایک کتاب گلزارِ شمس لکھی گئی ہے جس میں لکھا ہے کہ شاہ شمس الدین کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت سبزوار میں ہوئی اس لیے آپ کو سبزواری بھی کہتے ہیں۔ جب اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کشمیر گئے تو وہاں میر شمس الدین عراقی کہلائے۔ چونکہ آپ اکثر سفر ہی میں رہتے تھے اس لیے جب قونیہ (ترکستان) گئے تو وہاں کے لوگ انھیں شمس پرندہ کہہ کر بلانے لگے۔ شام اور مصر میں آپ کو شمس مغربی کہتے تھے۔ جب تبریز میں زیادہ مدت رہے تو شمس تبریزی کہلائے "شاہ قاسم انوار" بھی آپ کا خطاب تھا۔

ان مختلف ناموں کے باعث بعض مؤرخوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ شاید یہ الگ الگ ہستیاں

ہیں۔ چونکہ بعض کہتے ہیں کہ شمس الدین تبریزی جن کا مزار ملتان میں ہے۔ یہ وہ شمس الدین نہیں جن کی مولانا روم سے ملاقات ہوئی تھی بلکہ یہ کوئی اور بزرگ ہیں شمس الدین تبریزی کا مزار تبریز میں ہے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بھی یہی خیال ہے۔

اخبار الصالحین میں لکھا ہے کہ شیخ شمس الدین تبریزی کے والد کا نام علی بن ملک داؤد تبریزی تھا اور تبریز میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ اس کے برعکس مولوی غلام سرور لاہوریؒ آپ کے والد بزرگوار کا نام محمد بن ملک داد بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں آپ شیخ ابوبکر سلمہ باف تبریزی کے مرید تھے۔ بعض آپ کو بابا کمال خجندی کا اور بعض رکن الدین سنجاسی کا مرید بتاتے ہیں۔ صاحبِ نفحات الانس لکھتے ہیں کہ شیخ شمس الدین تبریزی نے شیخ سلمہ باف بابا کمال خجندی اور شیخ رکن الدین سنجاسی تینوں سے استفادہ کیا۔

جواہر مضیہ میں لکھا ہے کہ جب شیخ شمس تبریز مولانا روم کے پاس قونیہ گئے تو مولانا کے آس پاس تلامذہ بیٹھے تھے اور سامنے کتابوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ شمس تبریزی سلام کر کے بیٹھ گئے، پھر کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کیا ہے؟ مولانا بولے یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔ یہ کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔ مولانا روم نے پیچھا کیا مگر آپ جا چکے تھے۔ مولانا روم نے علاقے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر شمس تبریزی کو نہ پا سکے۔

اس کے برعکس خزینۃ الاصفیاء میں مولوی غلام سرور لکھتے ہیں کہ شمس تبریزی نے کتابوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا مولانا یہ کیا ہے؟ وہ بولے اسے قیل وقال کہتے ہیں۔ شمس تبریزی نے کتابیں اٹھا کر پاس ایک حوض میں ڈال دیں۔ مولانا متحیر ہو کر بولے یہ کیا؟ آپ نے کتابیں حوض میں سے نکال کر پھر مولانا کے سامنے رکھ دیں۔ مولانا یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کسی کتاب کو پانی نے چھوا تک نہ تھا۔ حیران ہو کر پوچھا اے شیخ یہ کیا؟ شمس تبریزی نے فرمایا یہ ذوق و حال ہے جس کی تمہیں خبر نہیں

شمس تبریز کی وفات کے متعلق بھی مؤرخین کے بیانات میں اختلاف ہے۔ اخبار الصالحین کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ مولانا روم کے پاس خلوت میں بیٹھے تھے کہ کسی نے باہر سے اشارہ کر کے حضرت کو بلایا۔ آپ نے مولانا سے فرمایا کہ مجھے قتل کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ پھر اٹھ کر باہر چلے گئے۔ جہاں سات افراد کھڑے تھے۔ انھوں نے آپ پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ قتل ہوتے

وقت آپ نے اس زور کا نعرہ لگایا کہ ساتوں آدمی بے ہوش ہو گئے۔ ان میں مولانا روم کا بیٹا علاء الدین محمد بھی تھا۔ قتل کی جگہ آپ کی لاش موجود نہ تھی، صرف خون کے چند قطرے دکھائی دیے۔ علاء الدین ایک عجیب بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ مولانا روم نے اس کے جنازے میں شرکت نہ کی۔ قتل کا یہ واقعہ ۶۴۵ھ کا ہے۔

آپ کی لاش کے متعلق بھی دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قاتلوں نے جسم کے ٹکڑے کر کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا روم کے فرزند سلطان ولد کو خواب میں ہدایت ملی کہ میرے جسم کے ٹکڑوں کو فلاں کنوئیں سے نکال کر مدرسہ کے بانی امیر بدر الدین کے پہلو میں دفن کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب ہو گئے اور پھر آپ کا سراغ نہ ملا۔

ان اختلافی مباحث سے قطع نظر اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ شیخ شمس الدین تبریزیؒ وہی باکمال بزرگ اور ولی اللہ ہیں جن کی مولانا روم سے صحبت رہی اور ملتان میں جو شمس تبریزیؒ مدفون ہیں یہ وہی شمس ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور شمس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

آباؤ اجداد

آپ کے اجداد میں سے سید محمد یعنی امام جعفر صادق کی موجودگی میں طبرستان سے چلے گئے اور محمد آباد شہر بسایا۔ جو آپ کے نام سے منسوب ہے۔ ان کی اولاد سندھ، خراسان اور قندھار وغیرہ میں پھیلی۔ سید صلاح الدین محمد نور بخش اسی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ سبزوار میں سکونت تھی۔ آپ کے والد کا نام سید صلاح الدین نور بخش تھا۔

پیدائش

آپ کی پیدائش ۱۵ شعبان بروز جمعۃ المبارک ۵۶۰ھ میں سبزوار میں ہوئی۔ اس وقت کے حاکم کا نام محمد یار مرزا تھا۔ پیدائش کے وقت آپ کا نام محمد رکھا گیا۔

سلسلہ نسب

حضرت شمس الدین تبریزی کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق سے اس طرح ملتا ہے:

محمد تبریزی بن سید صلاح الدین محمد نور بخش بن سید علی ملقب بہ سلام الدین بن سید عبد المؤمن بادشاہ افریقہ بن سید علی خالد الدین بن سید محمد محب الدین بن سید محمود سبزواری بن سید محمد بن ہاشم علی بن سید احمد ہادی بن سید منتظر باللہ بن سید عبد المجید ابن سید غالب الدین بن سید محمد منصور بن اسماعیل ثانی بن سید محمد عرب یعنی بن سید اسمٰعیل

اعرج اکبر بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام۔

تعلیم و تربیّت

ہوش سنبھالنے پر شمس تبریزی کو تعلیم و تربیت کے لیے ان کے چچا عبدالہادی کے سپرد کیا گیا جو شاہ مراکو کے پوتے اور متبحر عالم تھے۔ چچا نے بھتیجے کو بڑی محنت سے تعلیم دی، تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے علوم ظاہری بھی اچھی طرح پڑھا دیے۔ ۵۷۹ھ میں جب سید صلاح الدین محمد نوربخش دعوتِ اسلام کے لیے بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے تو شمس سبزواری کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر انیس سال کی تھی بدخشاں میں ہزاروں لوگوں کو طریقۂ حق کی تعلیم دی۔ پھر تبت کو چک کو گئے اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل کیا۔ وہاں سے کشمیر کا رخ کیا۔ جہاں کے لوگ آفتاب پرست تھے۔ باپ بیٹے کی کوششوں سے اس علاقے کے ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا۔ اس علاقے کی چنگرڑ قوم نے انھیں بہت پریشان کیا۔ مگر یہ لوگ بھی جلد مطیع ہو گئے۔

شادی

۵۸۶ھ میں باپ بیٹا واپس اپنے وطن سبزوار تشریف لے گئے۔ شمس سبزواری نے شادی کی ان کے دو فرزند تولد ہوئے جن کے نام نصیر الدین محمد اور سید علاءالدین احمد تھے۔ سید علاءالدین احمد "زندہ پیر" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تبریز میں قیام

شمس سبزواری کو تبریز بہت پسند تھا۔ چنانچہ ۶۰۰ھ میں والد کی اجازت سے وہاں تشریف لے گئے۔ قونیہ میں قیام فرمایا اور مولانا رومؒ سے ملاقات ہوئی۔ مولانا روم اور شمس سبزواری کی ملاقات کا حال اور کتابوں کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس لیے اسے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد مولانا روم کو شمس سبزواری کے عظیم مرتبے کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ان سے بیعت کر لی۔

شمس سبزواری ۱۲ سال تک تبریز میں سُکر کی حالت میں رہے۔ اتنے طویل قیام کے باعث شمس تبریزی کہلانے لگے۔ تین ماہ تک آپ اور مولانا روم دونوں چلہ کش حجرے میں خلوت گزین بھی رہے۔

سیاحت

کہتے ہیں مولانا روم کو چونکہ آپ سے بہت عقیدت تھی وہ آپ کا بیحد احترام کرتے تھے اور ہر وقت ساتھ رکھتے تھے۔ اس لیے مولانا کے بعض عقیدتمندوں

کو یہ شاق گزرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مولانا ایک ننگ دھڑنگ فقیر کے تبعۃ میں آگئے ہیں۔ چنانچہ وہ شمس تبریزی کے مخالف ہو گئے۔

شمس تبریزی نے تبریز چھوڑ کر سبزوار کی راہ لی پھر بغداد چلے آئے۔ بغداد سے ایک مرتبہ تبریز بھی آئے پھر دمشق چلے گئے۔ بعض بیانات کے مطابق علمائے بغداد کو آپ کے خیالات سے اختلاف ہوگیا۔ چونکہ ان علماء کا بادشاہ پر خاصا اثر تھا اس لیے انھوں نے شمس سبزواری پر بے دینی کا الزام لگا کر شاہی حکم سے انھیں شہر بدر کر دیا اور یہ کاظمین چلے گئے۔

بادشاہ نے انھیں شہر بدر کرنے کا حکم تو دے دیا تھا مگر اس نے علماء کے اصرار پر ایسا کیا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ بادشاہ ان کا دل سے قدردان تھا۔ اتفاق سے بادشاہ کا لڑکا وفات پا گیا۔ جس سے بادشاہ کو یہ خیال گزرا کہ شاید اسے یہ سزا شمس سبزواری کو شہر بدر کرنے کے باعث ملی ہے چنانچہ اس نے اپنے مشیروں کو شمس سبزواری کے پاس بھیج کر انھیں واپس بلا لیا اور بغداد میں رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد علماء کی مخالفت کے باعث آپ نے بغداد کو چھوڑ کر ہندوستان کا رُخ کیا۔

ملتان میں آمد و قیام

ہندوستان کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد آپ نے ملتان کا رُخ کیا اور یہیں اقامت گزین ہو گئے۔ ان دنوں شیخ بہاء الدین زکریاؒ بقیدِ حیات تھے۔ کہتے ہیں شیخ نے دودھ کا پیالہ شمس سبزواری کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے ایک پھول پیالے میں ڈال دیا۔ مطلب یہ کہ ہم ملتان میں پھول بن کر رہیں گے اور ہماری وجہ سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

حکایت

ایک روز آپ شہزادہ محمد کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے۔ کشتی ڈگمگانے لگی۔ یوں معلوم ہونے لگا کہ ڈوب جائے گی۔ شمس سبزواری نے شہزادے سے کہا تمھارے پاس جو چیز ہے وہ دریا میں پھینک دو۔ ورنہ کشتی ڈوب جائے گی۔ شہزادے کے پاس وہ جواہرات تھے جو وہ ساتھ لایا تھا اس نے ارشاد کی تعمیل میں جواہرات دریا میں ڈال دیے۔ دیکھا تو دریا میں دور دور تک جواہرات ہی جواہرات دکھائی دے رہے تھے۔

ملتان میں گرمی کی شدت کا باعث

بغداد کی طرح ملتان کے لوگوں نے بھی آپ کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔
یہاں تک کہ ایک دفعہ گوشت بھوننے کے لیے آگ کی ضرورت پڑی تو شہزادے کو بھیجا کہ کہیں سے آگ لے آئے مگر سارے شہر میں کسی نے آگ نہ دی۔ ایک شخص نے تو شہزادے کو پیٹ ہی دیا۔
شمس سبزواری نے جب لوگوں کا یہ رویہ دیکھا تو جلال میں آ کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی، سورج سے کہا، شمس! میں تیرا ہم نام ہوں نیچے آ۔ تاکہ میں تیری گرمی سے گوشت بھون لوں۔
کہتے ہیں سورج اتنا نیچے آگیا کہ اس حدت سے لوگ تڑپنے لگے۔ لوگوں کی چیخ و پکار سن کر شمس سبزواری کو رحم آگیا اور غصہ فرو ہوا۔ سورج سے کہا "باز برو" اور وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔
ملتان کی گرمی کو عوام اسی واقعہ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

دیوان شاہ شمس الدین

آپ کے فارسی غزلیات کا ایک مجموعہ دیوان شاہ شمس الدین کے نام سے مشہور ہے۔ اس مجموعے میں سے ایک غزل نمونہ کے طور پر درج کی جاتی ہے:۔

اے دستہ گل مرحبا از بوئے ریحاں آمدی — جانِ عالم را توئی از عالمِ جاں آمدی
عیسیٰ غلام درگہت موسیٰ بصیرہ در رہت — زفرق شدہ جولاں گہت تا تو بمیداں آمدی
کردہ تجلیل چاکری موسیٰ بجاں فرماں بری — کز عالمِ پیغمبری محبوبِ خوباں آمدی
دنیا نہ دید جائے تو در مسند بالائے تو — آں عرش خاکِ پائے تو گنج بویراں آمدی
خصم نافرمان تو زد شنک مد دندان تو — خندہ شد یک بار تو پُر خون دنداں آمدی

اے شمس حسینی با صفا، می گو تو نعتِ مصطفیٰ
زیرا کہ در بستان او، تو مرغان خوش خواں آمدی

وصال

آپ کا وصال اندازاً ۶۷۵ھ میں ہوا۔ اور آپ کو ملتان میں اس جگہ پر دفن کیا گیا جہاں آپ کا قیام تھا۔ آپ کا روضہ آپ کے وصال کے دو سال بعد ۶۷۷ھ میں تعمیر ہوا۔ پیر حاجی صدر الدین، آپ کے صاحبزادے سید احمد شکر یار اور شہزادہ محمد نے (جو آپ کے ساتھ ہی سبزوار سے ملتان آیا تھا) مل کر اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس وقت روضے کی عمارت

بالکل سفید تھی۔

اولاد صاحب کنز الانساب کا بیان ہے کہ شمس سبزواری نے ۶۵۵ھ میں ملتان میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ نصیر الدین محمد نے ۲۱ رمضان ۶۸۲ھ میں بعمر ۹۴ برس وفات پائی، ان کا مزار قلعہ لاہور کے تہ خانہ میں بتایا جاتا ہے۔ دوسرے فرزند کا نام سید علاء الدین احمد تھا۔ جو سید احمد شکر بار بھی کہلاتے تھے۔ ان کا مزار ریاست جے پور کے قصبہ نرڑ میں بتایا جاتا ہے۔

ماخوذ: انوار اصفیاء شائع شدہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

حضرت امام سیّد علی الحق زنجانیؒ

سیالکوٹ کا شہر جس قدر قدیم ہونے کا دعویٰ کرے بجا ہے۔ اس شہر کے موجودہ آثار دل میں مزاراتِ اولیائے کرام کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ آثار ہماری ثقافت اور تاریخ کے آئینہ دار ہیں۔ زمانہ ماضی کی امانت ہیں اور تہذیب و تمدن کا عکس پیش کرتے ہیں۔ آثاروں، اور مزارات کی موجودگی کی بنا پر یہ شہر قابلِ دید تھا اور اب بھی ہے۔

پنجاب میں غزنوی خاندان کی حکومت تقریباً پونے دو سو سال تک رہی ہے اور البیرونی جس نے محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندوستان کی سیاحت کی ہے "کتاب الہند" میں جن شہروں کا ذکر لکھا ہے ان میں ایک سیالکوٹ بھی ہے۔ سیالکوٹ کو دیکھنے کی اسے بے حد تمنا تھی۔ لیکن وہ عدیم الفرصتی یا دیگر وجوہات کی بنا پر سیالکوٹ نہ آسکا۔ اس سرزمین کے بوسیدہ کھنڈرات، مقدس مزارات، مسمار قلعے، منہدم فصیلیں، ٹوٹی پھوٹی قبریں، گلی گلی، کوچہ کوچہ میں شہیدوں کے مزارات اور پرانے قبے اس شہر کی گذشتہ عظمت اور پے در پے انقلابات کا پتہ دیتے ہیں۔

اس شہر میں بڑے بڑے اولیاء کرام استراحت فرما ہیں جن کے قافلہ سالار حضرت امام سید علی الحقؒ حضرت سید ناصر مست المعروف شاہ سیداں، حضرت شاہ محمد غوث حمزہ، حضرت مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی

اور ان کے فرزند ارجمند مولوی عبداللہ لاہوری ہیں۔ ان کے علاوہ اور اکابر دین بھی ہیں جنھوں نے شہر سیالکوٹ کو اپنا مسکن بنایا۔ خدمتِ دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں اور علمِ دین کی بھرپور اشاعت کی اور اسی شہر میں رحلت فرمائی۔ مگر افسوس ان اکابرِ دین کا نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق محفوظ نہ رکھ سکے۔ یہ شہر فقراء، عرفاء اور شہداء کا مسکن ہے۔ اس شہر کی ہر گلی اور ہر کونہ میں کسی شہید یا ولی اللہ کا مزار قائم ہے۔ جو اپنی گذشتہ عظمت کا پتہ دیتا ہے۔ مگر صفحاتِ تاریخ سیالکوٹ ان کے اسماءِ گرامی سے نا آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ ان مزارات میں حضرت امام سید علی الحق رح کا مزار قابلِ ذکر ہے۔ یہ مزار ایک اونچے مقام پر نالہ ایک (عایک) کے نزدیک واقع ہے۔ یہ نالہ ریاست جموں سے برآمد ہوتا ہے اور ضلع سیالکوٹ کے مشرقی علاقوں، تحصیل ڈسکہ اور وزیرآباد سے گزرتا ہوا مختلف شاخوں میں بٹ کر دریائے چناب میں گرتا ہے۔

نام و نسب

حضرت امام صاحب کا اسمِ گرامی علی الحق اور خطاب امام تھا۔ امام کے معنی رہبر، پیشوا، مجدد اور مجتہد ہے آپ اسلامی لشکر کی قیادت کرتے تھے اور خطابت کے فرائض ادا کرتے تھے۔ اس لیے امام کے نام سے شہرت پائی۔ آپ تبلیغی مشن پر تشریف لائے تھے اس لیے پیشوا کی حیثیت سے امام صاحب کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے بلند پایہ علماء و فقہاء و صلحاء سے تھے آپ نسباً سید تھے آپ کے والد ماجد کا نام سید حسن مکی تھا آپ کے آباؤ اجداد ترکستان میں سادات عظام سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام سید علی الحق رح، حضرت سید میراں حسین زنجانی رح، حضرت سید یعقوب زنجانی رح، اور سید اسحاق زنجانی رح چاروں آپس میں رشتہ دار تھے اور چاروں اکٹھے ترکستان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔

شجرۂ نسب

آپ کا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

حضرت امام سید علی الحق بن حسن مکی بن سید احمد بن سید یوسف بن سید اسحاق ابن سید ہاشم بن سید عبدالرزاق بن سید عربی بن سید محمد صالح بن سید علی اکبر بن سید طاہر بن سید محی الدین بن سید عبداللہ بن سید ابوالحسن سر آہنگ احمد بن سید موسیٰ بن ابراہیم اصغر بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید امام حسین بن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

اوصاف

حضرت امام سید علی الحق پیر طریقت، واقف اسرارِ حقیقت، جامع علوم ظاہر و باطن کاملانِ وقت و صاحبِ کرامت تھے۔ ریاضت و مجاہدہ و تقویٰ، فقر و غنا، اور توکل و قناعت میں اپنے زمانے میں ممتاز تھے۔ عارف شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی آپ حافظِ قرآن بھی تھے۔ آپ سے بیشمار خوارق و کرامات صادر ہوئیں۔ آپ عظیم جرنیل عظیم فاتح، عظیم صوفی اور مبلّغ بھی تھے، آپ کا مشن تبلیغ اور اشاعت دین اسلام تھا۔

جہاد اور شہادت

بیان کرتے ہیں کہ سیالکوٹ میں راجہ ساہنپال حکمران تھا اور لاہور سے لے کر پہاڑوں کے دامن تک سارا علاقہ اس کے زیر نگین تھا۔ یہ بڑا ظالم اور جابر حکمران تھا۔ ہندوستان کے کسی راجہ کی بالادستی کو قبول نہیں کرتا تھا۔ اس نے قلعہ کو از سر نو تعمیر کرنا چاہا۔ ایک جوتشی نے راجہ کو مشورہ دیا کہ اگر کسی مسلمان کا خون قلعہ کی دیواروں میں چھڑک دیا جائے تو قلعہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے حملے سے محفوظ ہو جائے گا۔ راجہ نے ایسا ہی کیا۔ اس نے ایک مسلمان بڑھیا جس کا نام راستی تھا کے بے گناہ بیٹے مراد نامی کو قتل کر کے اس کے مقدس خون کو قلعے کی دیواروں پر چھڑکا اور جسم کو قلعہ کی بنیاد میں دفن کر دیا گیا۔ غریب بڑھیا کسی وسیلہ سے حضرت امام صاحب سے ملاقی ہوئی تو انھوں نے بڑھیا کی فریاد بادشاہ وقت تک پہنچائی۔ بادشاہِ وقت کو راجہ کے اس ظلم پر بہت غصہ آیا۔ حضرت امام صاحبؒ کو امیر بنا کر ان کی قیادت میں ایک لشکر سیالکوٹ کو روانہ کیا تاکہ راجہ کو اس ظالمانہ حرکت کی سزا دی جائے۔

یہ اسلامی لشکر حفاظ، علمائے کرام، غازیوں اور نوغازیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں ایک قابل جرنیل میر سید برخوردار، حضرت امام صاحب خود اور آپ کے بھائی امام ناصرالدین بھی شامل تھے ان کے علاوہ دیگر سپہ سالار فوج سید محمد ہمایوں، سید غالب علی غازی، شیخ نصیر محمد، سید محمد عباس، سید محمد جعفر رح سید صمصام، عبداللہ مختار، محمد سعید اور سید سرخ رو بھی تھے۔ یہ لشکر مقام رودل سے روانہ ہوا جب جالندھر پہنچا تو آپ کے بھائی سیدنا امام ناصرالدین بیمار ہو گئے اور چند روز علالت کے بعد وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ مزار آپ کا جالندھر میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ سبحان رائے بٹالوی خلاصۃ التواریخ میں یوں بیان کرتے ہیں " جالندھر پرانا قصبہ ہے اس کے نواح میں شاہ

ناصر الدین کا مزار ہے کہ بادشاہت اور فقیری اس کی ذات میں جمع تھیں۔ گرمیوں میں اس کے مزار پر لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ بھائی کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت امام صاحب سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ راجہ کو جب اسلامی لشکر کی آمد کا پتہ ملا تو وہ بھی اپنی فوج جمع کر کے لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔ راجہ نے اپنے بھائی جگت پال کو سات ہزار پیدل و سوار فوج دے کر سیالکوٹ سے تین فرلانگ کے فاصلہ پر قصبہ جگت پور (موجودہ پسرور) میں اسلامی لشکر کا راستہ روکنے کے لیے مقرر کیا۔ چنانچہ پسرور کے قریب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ راجہ کے بھائی کو شکست ہوئی اور ہندو فوج بھاگ نکلی۔ اس لڑائی میں اسلامی سپاہ کے تین سو ستر آدمی شہید ہوئے اور تین ہزار ہندو مارے گئے۔

سید میر برخوردار اور دیگر شہیدوں کو پسرور ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا ان شہیدوں کے اکثر مزارات اب تک موجود ہیں۔ یہ مزارات پُر انوار مرجع خلائق ہیں۔

اس کے بعد اسلامی لشکر نے شہر سیالکوٹ کا رخ کیا۔ سیالکوٹ کے راجہ ساہن پال نے قلعہ کی حفاظت کے تمام انتظامات کر رکھے تھے اور مقابلہ کی ٹھان رکھی تھی۔ حضرت امام صاحب نے ندی ایک (عائق) کے جنوب کی جانب قیام کیا۔ دو دن سیالکوٹ کے گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی کے بعد حضرت امام صاحب شہر میں داخل ہو گئے۔ راجہ قلعہ میں گھر گیا۔ حضرت امام صاحب نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر راجہ نے شکست کھائی اور قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ مگر مسلمانوں کو اس کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ یعنی حضرت امام صاحب اور ان کے ساتھ دوسرے کئی بزرگوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جو بزرگ جس جگہ شہید ہوا ان کو اسی مقام پر دفن کیا گیا۔ اس لیے قلعے کے آس پاس حضرت امام صاحب کے علاوہ اور بھی کئی شہداء کی قبور ہیں جو حضرت امام صاحب کے ساتھ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ حضرت امام صاحب کے ساتھ شہادت پانے والوں میں سے ایک بزرگ حضرت سید سُرخ رُو بھی تھے جو لڑائی کے وقت قلعے کے دروازے کے سامنے شہید ہوئے۔ ان کا مزار قلعے کے دروازے کے اندر ہے۔ یہ مزار پُر انوار کئی صدیوں سے مرجع خلائق ہے۔ ان میں ایک اور بزرگ ہستی تھی جن کا نام نامی حضرت بہلول تھا۔ ان کا مزار حضرت امام صاحب کے مزار سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ مزار کے احاطے کے بائیں جانب ایک اونچا پلیٹ فارم ہے جس پر

تین قبریں ہیں۔ ایک حضرت بہادل کی، دوسری دو ان کے سابقوں کی ہیں جن کے ناموں کی تا حال تصدیق نہیں ہو سکی۔ ان قبروں کو درختوں نے احاطہ کیا ہوا ہے۔

مفتی علی الدین خلف مفتی خیر الدین لاہوری "عبرت نامہ" میں تحریر کرتے ہیں :۔

"سیالکوٹ دار الحکومت پنجاب ولایت بودہ و در ہنگام یورش سلطان محمود غزنوی امام ولی الحق و پیر سرخ و پیر کالک بمددگاری سلطان موصوف دریں ولایت رسیدہ محاصرہ بسیالکوٹ فرمودند۔ چوں قلعہ مذکور بغایت قلب و مستحکم بود۔ یعنی بر ستھم تنان و دیران فوج بادشاہ افتتاح آں مشکل نمودہ آخر کار بدرجہ ظہور و کرامات صاحبان موصوف رسید۔ چنانچہ پیر سرخ بر دروازہ قلعہ رسید و سر خود را از تن تراشیدہ بذکر لا الٰہ الا اللہ بر دروازہ زد۔ بمجرد ضرب پیر دروازہ از ہم جدا شد و فوج اسلام داخل گردید۔ راجہ وقت تاب مقاومت ندیدہ بکوہ اکھنور گریخت۔ پیر کالک تعاقب نمود۔ در کوہ اکھنور بموضعی بوقت شب بدو پیوست و آوازے چناں ہیبت ناک زد کہ ہمہ سکنہائے آں موضع بیجان و مثل سنگ گردیدند۔ ازاں روز را حکام اسلام در آنجا رواج یافتند۔ بعد ازاں بوقت ملک خسرو یورش بر لاہور آوردہ محاصرہ کرد و دست نیافت۔ بعدہٗ بر قلعہ سیالکوٹ یورش آوردہ از ملازمان ملک خسرو مسخر نمودہ و تعمیر شکست وریخت قلعہ کردہ تھانہ خود در آں گذاشتہ بغزنین رفت۔ ازاں بعد حکومت لاہور مضاف گردید۔"

مذکورہ بالا بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت امام علی الحقؒ، پیر سرخؒ اور پیر کالکؒ (قلق) سلطان محمود غزنوی کے حملہ کے وقت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے۔ قلعہ کا محاصرہ کیا اور فتح پائی پھر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ راجہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ کوہ اکھنور کی طرف بھاگ گیا۔ پھر اسلامی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی اور اسلامی حکومت کا آغاز ہوا۔ قلعہ کی شکست وریخت کی تعمیر ہوئی۔ ملک خسرو کو اپنا نائب چھوڑ کر غزنین واپس چلا گیا۔ مفتی علی الدین صاحب نے راجہ وقت کے نام سے آگاہ نہیں کیا۔ بہر حال یہ عہد سلاطین غزنی کا تھا۔ جبکہ شمالی پنجاب میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

حضرت امام سید علی الحق کی خانقاہ کو حضرت شاہ دولہؒ نے بنوایا۔ حضرت شاہ دولہؒ نے مقبرہ کو نہیں بنوایا بلکہ مرمت کروایا تھا جب تک سیالکوٹ میں رہے اس روضہ کی نگرانی کرتے رہے۔ یہ عہد

خاندانِ غور کا نہ تھا بلکہ جہانگیری عہد تھا۔ جس زمانہ میں حضرت شاہ دولہؒ زندہ تھے اور سیالکوٹ میں سکونت رکھتے تھے۔

۳۹۳ھ میں محمود غزنوی ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اس کا بڑا مقصد بھی قرامطہ کا استیصال تھا محمود غزنوی نے سب سے پہلے سیستان یا سیوستان پر حملہ کیا اور اس علاقہ کے قرمطی حکمران حنیف کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ غزنین لے گیا۔ پھر دوبارہ ۳۹۵ھ میں محمود غزنوی نے قرامطہ کے ایک بڑے مرکز بھاطیہ پر لشکرکشی کی۔ بھاطیہ اس وقت شہر اوچ کا قدیم نام تھا۔ جس کی صاحبِ تاریخ فرشتہ نے بھی تصدیق کی ہے۔ بھاطیہ کی مہم سر کرنے کے بعد ۳۹۶ھ میں محمود غزنوی ملتان پر حملہ آور ہوا اور وہاں قرمطی حکمران داؤد بن نصر کو شکستِ فاش دے کر اس فتنہ کا سر کچل دیا۔ ۴۰۱ھ میں محمود غزنوی نے دوبارہ ملتان کا رخ کیا اور ملتان کو مکمل طور پر فتح کرکے وہاں کے قرامطہ کو گرفتار کرکے انھیں قتل کروا دیا۔

بھاطیہ (اوچ) میں سلطان محمود غزنوی کے عہد میں راجہ بجے راؤ حکمران تھا اور چونکہ بھاطیہ (اوچ) ملتان کے زیرِ اثر علاقوں میں سے تھا اس لیے راجہ بجے راؤ نے قرامطہ کو یہاں پر خصوصی مراعات دے رکھی تھیں۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے ملتان کے ساتھ ساتھ بھاطیہ (اوچ) کی سرکوبی بھی ضروری سمجھی ۳۹۶ھ اور ۴۰۱ھ میں اور اس سے پہلے عباسی خلیفہ کا معتوب حاکم ابوالفتح داؤد قرمطی حکمران تھا۔ چوتھی صدی ہجری سیالکوٹ کی تاریخ کا ایک تاریک دور ہے۔ تذکرہ نگار اور مؤرخین اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔

سرحد اور پشاور کا علاقہ غزنی سے ملحق ہو چکا تھا اور راجہ جے پال نے اطاعت قبول کرلی تھی یہ زمانہ سلطان سبکتگین کا تھا جو امیر الغازی الناصر الدین سبکتگین کے لقب سے تختِ نشین ہوا جس نے اپنے تدبر اور حسنِ انتظام سے وہاں کامیاب حکومت قائم کرکے اور راستوں اور قلعوں کی درستی کرکے آئندہ فتوحات کی بنیاد ڈالی۔ امیر ناصرالدین سبکتگین ۲۷ رشعبان ۳۶۶ھ جمعہ کی نماز کے بعد تخت نشین ہوا اور ماہ شعبان ۳۸۷ھ بمطابق ماہ اگست ۹۹۷ء میں وفات پائی۔

اگر بابا ابواسحاق گازرونی بن ابراہیم شہریار کو حضرت امام سید علی الحق کا داماد تسلیم کرلیا جائے تو یہ دور غزنوی تعین ہوتا ہے۔ شہاب الدین مسعود بن محمود بن سبکتگین ۴۲۲ھ میں تخت پر بیٹھا اور

۴۳۲ھ میں وفات پائی۔ پھر حضرت امام سید علی الحق کو حضرت شیخ اسمٰعیل بخاری جن کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء میں لاہور آئے تھے۔ اور ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں رحلت فرمائی، کا ہم عصر ہونا چاہیئے۔

مزارِ اقدس

مزار حضرت امام سید علی الحق ایک اونچے مقام پر نالہ ایک (عائق) کے نزدیک واقع ہے۔ اس کے گرد و نواح کی آبادی اکثر پختہ ہے۔ سڑکیں اور گلیاں کشادہ ہیں۔ یہ آبادی عمارات اور باغات سے مزین ہے۔ جس مقام پر حضرت امام صاحب کا مزار ہے وہ "محلہ امام صاحب" کے نام سے مشہور و معروف ہے آپ کے مزار پر ایک گنبد تعمیر ہے جو اسلامی ثقافت تہذیب و تمدن اور ماضی کی تاریخ کا آئینہ دار ہے۔ فنِ تعمیر کے اعتبار سے اسلامی تعمیری خصوصیات کا حامل ہے یہ گنبد پختہ، اور چونہ گچ، مدوّر صورت کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے گرد چاروں طرف چار چھوٹے چھوٹے مینار ہیں جو پختہ اور چونہ گچ استر کار ہے۔ چاروں طرف چار محرابیں ہیں۔ گنبد کا اندرونی حصہ نقش و نگار سے مرصع ہے۔ مزار کے صحن میں ایک لمبا چوڑا پختہ برآمدہ تعمیر ہے۔ یہ اضافہ اور تعمیر دورِ حاضر کی نشانی تھی جو کہ پہلے نہ تھی، داخل ہونے کا دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ خانقاہ کا فرش سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ مزار کے جانب شمال اور جنوب میں چند شہداء کی قبریں ہیں جن کے نام وجائے سکوتت سے تاریخ کے اوراق آشنا نہیں۔ داخلی دروازہ کے نزدیک جانب جنوب ایک عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے جو ذکر و فکر کرنے والوں اور نمازیوں سے معمور رہتی ہے۔ اس مسجد کے ایک کونے میں غسل خانہ اور سقادہ بھی ہے۔ طالبانِ علم اور مسافروں کے رہنے کے لیے حجرے اور مسافر خانے بھی ہیں۔ چاہ کی بجائے اب میونسپلٹی کے نل سے پانی لیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ روضہ کے پائیں ایک تہ خانہ بھی ہے۔ تہ خانہ کی کیفیت کا کچھ علم نہیں ہو سکا۔ مگر اس کے آثار گرد و نواح کی زمین کی کھدائی کے وقت نظر آتے ہیں۔ اس قدیم شہر کے اسلامی آثارات لاوارث ہیں جو خستہ و شکستہ و قابلِ مرمت ہیں۔ حضرت شاہ دولہ گجراتی کو رفاعی کاموں میں بہت دلچسپی تھی۔ آپ نے رفاہِ عام اور فیضانِ خلائق کے لیے مہمان سرائے مسجدیں، پل، کنوئیں اور تالاب بنوائے جن میں سے بعض کے آثار اب تک موجود ہیں۔ ڈیک نالہ والا پُل گوجرانوالہ میں بھی آپ کے کارہائے نمایاں میں شامل ہے۔ شہر سیالکوٹ سے آپ کو بہت اُنس تھا۔ نالہ ایک (عائق) پر آپ نے ایک بڑا پختہ چونہ گچ پل بنوایا اس کے علاوہ آپ نے سیالکوٹ میں تالاب اور مہمان سرائے بھی تعمیر کروائی۔ پسرور

کے قریب نالہ ہسلی پر ایک پختہ پُل تعمیر کروا دیا۔ تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا کہ نالہ ایک (عائق) کا پُل گر گیا تھا حکومت پاکستان نے اس کو از سرِ نو تعمیر کروا دیا۔ یہ پُل اب دورِ حاضر کی نشانی ہے آپ کو شاہ دولہ دریائی بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے کئی پُل بنوائے۔ حضرت سید ناسر مست سیالکوٹی المعروف شاہ سیداں کے زیرِ سایہ پرورش پائی۔ زیادہ عمر سیالکوٹ شہر میں بسر کی پھر گجرات تشریف لے گئے۔ جب تک آپ سیالکوٹ میں مقیم رہے۔ مزارات اور شہداء کی قبروں کی مرمت کرواتے رہتے تھے اور ان کی نگرانی بھی کرتے تھے "تذکرہ اکابر اسلام" میں دیوی پرشاد لکھتے ہیں۔ "آپ (شاہ دولہ) سر مست کے مرید تھے اور زیادہ عمر ان کی سیالکوٹ میں بسر ہوئی"۔

عرس مبارک آپ کا عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ ۶، ۷، ۸ محرم الحرام عرس کی تاریخ ہے اس کے علاوہ مزار مبارک پر جمعرات کو ہزاروں عقیدتمند حاضری دیتے ہیں اور خاصا میلہ ہوتا ہے۔ عیدین کے موقع پر روضہ مبارکہ پر ایک عظیم الشان میلہ ہوتا ہے جس میں ضلع کے لوگ آتے ہیں۔ عرس کے موقع پر مجالسِ ذکر و سماع ہوتی ہیں۔ جن میں آپ کے عقیدتمند جوش و جذبہ اور سرمستی کے عالم میں شریک ہوتے ہیں۔ روضہ مبارک پر صبح سے شام بلکہ رات بھر قرآن پاک کی تلاوت، نعت خوانی اور درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ دربار کے اندر باہر اور گنبد پر رنگین بلبوں سے روشنی کی جاتی ہے اور دربار بقعۂ نور بنا ہوتا ہے۔

میدان امام صاحب میں خاصی رونق ہوتی ہے۔ عرس سے ہفتہ عشرہ پہلے دربار کے ارد گرد دُکانیں لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ دربار کے آس پاس کی تمام سڑکوں اور گلیوں میں بہت زیادہ رونق ہو جاتی ہے اور ہر آدمی اپنی ضرورت کے مطابق خرید و فروخت کرتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ عہدِ مغلیہ میں یہ مقام پُر رونق تھا اور تجارت کا اہم مرکز تھا۔ کاروبار کے لحاظ سے اسے بہت اہمیت تھی۔ لین دین کا طریقہ مال بعوض مال تھا۔ غزنی اور سرحدی قافلے والوں کا جائے قیام تھا۔

ماخوذ: تذکرہ امام علی الحق از میاں اخلاق احمد مرحوم۔ شاد باغ۔ لاہور

حضرت سیّد یعقوبؒ زنجانی

مزار: لاہور (پنجاب)

آپ حضرت سید میراں حسین زنجانی کے حقیقی بھائی اور عمر میں حضرت سید موسیٰ زنجانی سے بڑے تھے سید یعقوب، زنجان میں حضرت سید علی محمود کے گھر پیدا ہوئے اور دوسرے بھائیوں کی طرح ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ پھر زنجان کے امام مسجد سے عربی اور فارسی کی تکمیل کی۔ آپ کے والد بہت بڑے عالم اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تربیت نہایت پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی تعلیم اور تربیتِ اخلاق پر بہ نفس نفیس توجہ فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق ۲۰ سال کی عمر میں آپ نے فقہ، حدیث اور تفسیر کی تعلیم مکمل کرلی۔

بیعت

آپ نے علوم باطنی سے بہرہ ور ہونے کے لیے اپنے والدِ محترم کے دستِ مبارک پر ہی بیعت کی جو زنجان میں اپنے زمانے کے جید عالم اور علوم ظاہری و باطنی میں کامل پیر طریقت تسلیم کیے جاتے تھے۔

حضرت سید یعقوب زنجانی کی اپنے والد بزرگوار کے دستِ حق پر بیعت کا حوالہ حدیقۃ الاولیاء اور تحفۃ الابرار میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آپ نے اپنے والد گرامی سید علی موسوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کے والد ماجد کو موسوی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک روحانی بزرگ حضرت سید موسیٰ کے مرید تھے۔ حضرت سید یعقوب زنجانیؒ نے اپنے والد کے زیرِ سایہ منازلِ سلوک طے کیں۔ کافی عرصہ ذکر و فکر، ریاضت نفس اور مراقبہ میں مصروف رہے اور علومِ باطنی سے بہرہ ور ہونے کے بعد والد بزرگوار سے خلافت عطا ہوئی۔ ۲۹ سال کی عمر تک آپ نے اپنے والدین کی خدمت کی۔ اس خدمت کے دوران آپ جاگیر کے انتظام میں بھی اپنے والد بزرگوار کا ہاتھ بٹاتے رہے۔

سفرِ لاہور

آپ نے اپنے بھائی جناب حضرت میراں حسین زنجانی کے ہمراہ لاہور کا سفر اختیار کیا جس کا مفصل ذکر حضرت میراں حسین زنجانی کے سفر میں کیا جا چکا ہے لہذا آپ کی آمد کا سنہ بھی وہی ہے جو حضرت سید میراں حسین زنجانی کی آمد کا ہے یعنی ۳۸۷ھ بمطابق ۹۹۷ء۔ زنجان

سے لاہور تک کا سفر ایک طویل تبلیغی سفر تھا اور پھر اس زمانے کا سفر جبکہ سفر کرنے کے خاطر خواہ انتظامات نہ تھے۔ راستے دشوار تھے اور راستے میں آپ کو بیشمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ نے تمام تکالیف رضائے الٰہی کی خاطر بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ اس سفر سے قبل آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے کر لاہور آئے۔

آپکی آمد کے بارے میں تاریخی اختلاف

تذکرہ نگار آپ کی آمد کے سنہ کے بارے میں متفق نہیں۔ سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ ۵۵۷ء میں حضرت صدر دیوان زنجانی کہ اصلی نام ان کا سید یعقوب زنجانیؒ تھا۔ شیخ المشائخ حضرت سید حسین زنجانیؒ، سید اسحٰق زنجانیؒ اور امام علی الحقؒ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ تحقیقاتِ چشتی اور تاریخ لاہور مؤلفہ کنہیا لال میں لکھا ہے کہ ۴۳۸ھ میں بعہد سلطان بہرام شاہ غزنویؒ، شیخ المشائخ حضرت شاہ حسین زنجانیؒ، سید اسحٰق زنجانیؒ کے ہمراہ تشریف لائے عجیب بات یہ ہے کہ دونوں مصنفوں نے شاہ حسین زنجانیؒ کی وفات ۴۳۱ھ لکھی ہے بلکہ ہسٹری آف لاہور کے مصنف سید محمد لطیف اور محمد الدین فوق نے بھی سوانح داتا گنج بخش میں حضرت شاہ حسین زنجانی کا سالِ وفات ۴۳۱ھ لکھا ہے لیکن تذکرہ حضرت صدر دیوان میں دونوں مصنفوں کا یہ بھی تسلیم کرنا کہ حضرت شاہ حسین زنجانی ۴۳۱ھ میں وفات پا گئے اور پھر یہ بھی لکھا کہ وہ ۵۳۵ھ بعہد بہرام شاہ لاہور تشریف لائے، کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ بلکہ تحقیقاتِ چشتی کے مصنف نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ان ہر سہ زنجانی بزرگوں کے ساتھ حضرت امام علی الحق بھی جن کا مزار سیالکوٹ میں ہے اور جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے تشریف لائے۔ لیکن جب تاریخ کی چھان بین کی جائے تو یہ واقعہ بھی سرتا پا غلط نظر آتا ہے اس لیے کہ سیالکوٹ کی تاریخوں میں امام علی الحقؒ کی آمد کا ذکر سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں بیان کیا گیا ہے۔ سلطان فیروز ۵۰ سال کی عمر میں ۷۵۲ھ میں دہلی کا بادشاہ ہوا۔ ۷۸۹ھ میں عالم پیری کی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں اس نے اپنے فرزند کو سلطنت سونپ دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان سراسر غلط ہے کہ حضرت امام علی الحق ان تینوں زنجانی حضرت کے ساتھ تشریف لائے کیونکہ امام علی الحق اور تذکرہ بزرگانِ زنجان کے زمانوں میں ساڑھے تین سو سال سے زیادہ کا فرق ہے۔

لاہور میں قیام

لاہور میں تشریف لانے کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت سید میراں حسین زنجانی کی رائے کے مطابق آپ نے شہر لاہور کے جنوبی علاقے میں سکونت اختیار کی۔ یہ یہی علاقہ تھا جو بعد ازاں شاہ عالمی کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ چونکہ عیال دار تھے اور آپ کی بیوی آپ کے ہمراہ آئی تھی اس لیے آپ کے لیے رہائش کا ٹھکانہ بنانا بہت ضروری تھا۔ آپ نے شروع شروع میں محنت مزدوری کو ذریعہ معاش بنایا۔ محنت کا جو کام مل جاتا کر لیتے۔ لہٰذا کچھ عرصہ کے بعد آپ کا رہن سہن درست ہو گیا۔ آپ صاحب شرع بزرگ تھے۔ اور ظاہری شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ آپ کا ہر فعل سنت کے مطابق تھا۔ محنت و مزدوری کے ساتھ ساتھ آپ نے ذکر و فکر بھی جاری رکھا اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے اپنے عمل سے لوگوں کے دلوں میں مقام پیدا کیا۔ آپ لوگوں سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ اس لیے بہت سے لوگ آپ کے اخلاق صالحہ کے گرویدہ تھے۔

آپ کی بزرگی کا چرچا

آپ کی بزرگی کا چرچا یوں ہوا کہ ایک دفعہ چند مصائب زدہ ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت بارگاہِ الٰہی میں ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ ہماری مشکلات آسان ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے بارگاہِ رب العزت میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ یا الٰہی اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقے سائلان کی مشکلات حل فرما۔ لوگ دعا کروانے کے بعد واپس چلے گئے۔ دوسرے روز ہی ان سب کی مرادیں پوری ہو گئیں۔ چنانچہ وہ نذر و نیاز لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ سے آپ کی بزرگی کا چرچا ہوا۔

فیوض و برکات

بعد ازاں بہت سی کرامات اور خرقِ عادات کے اظہار سے لاہور کے علماء اور شرفاء بھی آپ کی بزرگی اور شرافت کے قائل ہو گئے۔ آپ نہایت وسیع الاخلاق بزرگ تھے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ اس سے بڑی خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اس کے حال پر اپنی شفقت فرماتے کہ اسے سو فیصد یقین ہو جاتا کہ آپ صرف میرے ہی حال پر کرم فرماتے ہیں۔

بیشمار لوگ روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے روحانی فیض و برکت کی بدولت اسلام

کی روشنی سے اپنے قلوب منور کرتے۔ چنانچہ اس شمع معرفت کی کرنوں کی روشنی اور چمک سے لاہور کی ظلمتِ کفر و شرک ختم ہونا شروع ہو گئی۔

آپ کے فیوض و برکات سے نہ صرف کثیر تعداد میں مسلمان ہوئے بلکہ پنجاب کا فرمانروا بھی آپ سے فیض یاب ہو کر آپ کا معتقد ہوا۔ آپ کے زمانے میں غزنوی حکومت کی طرف سے باہلم لاہور کے صوبے کا گورنر تھا۔ باہلم نے ناگور کی ریاست پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ غزنوی خاندان کا رعب ہندوؤں پر چھا جائے۔ باہلم حضرت صدر دیوان زنجانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور فتح کے لیے دعا کروائی۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ حملہ کرو۔ خدا تعالیٰ آپ کو فتح دے گا۔ جب باہلم نے ناگور کی ریاست پر حملہ کیا تو فتح نصیب ہوئی۔ قبولیتِ دعا کا یہ عظیم الشان نشان دیکھ کر آپ کا مرید ہو گیا اور اپنی بہت سی زمین آپ کی نذر کی جس سے آپ کا خزانہ ظاہری دولت سے بھی پر ہو گیا اس نے آپ کا وظیفہ بھی مقرر کیا تھا جس سے آپ کی بقیہ زندگی معاشی اعتبار سے بہت اچھی گزری۔

شادی اور اولاد

آپ کی شادی ۲۰ سال کی عمر میں ابو محمد کی بیٹی سے ہوئی جو آپ کے والد کے چچا سید عبداللہ اسحاق کے فرزند تھے اس عفیفہ کا اسمِ گرامی زینب تھا جس کے بطنِ اطہر سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سید قاسم تھا۔ انھیں سے لاہور میں ساداتِ زنجانیہ کے سلسلے کا آغاز ہوا۔

وفات

آپ نے لاہور میں وفات پائی اور آپ کی قیام گاہ ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ جہاں آجکل آپ کا مزار مبارک موجود ہے تحقیقاتِ چشتی میں آپ کی وفات کا سنہ بحوالہ سفینۃ الاولیاء ۹۰۲ھ درج ہے۔ پھر اسی سنہ کو حضرت میراں حسین کا سنہ وفات بھی قرار دیا جاتا ہے جو میری تحقیق کے مطابق غلط ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس سلسلے پر تحقیقاتِ چشتی کے حوالے سے مفصل بحث کی جا چکی ہے۔

مزار مبارک

تحقیقاتِ چشتی میں آپ کے مزار کی متعلقہ عمارات و قبور کا مفصل حال درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزار کا احاطہ بہت وسیع تھا۔ غرب رویہ اس کے قصاب خانہ و مشرق رویہ تالاب زنن چند گرد و نواح تمام قبرستان۔ سکھوں کے عہد عملداری میں اس مزار کے قبرستان کی حد بہت دور تک تھی۔ احاطہ مزار کا قبروں کے علاوہ یہاں دار و غان مہاراجہ رنجیت سنگھ اور قاضیان

لاہور کے قبرستان بھی تھے۔ مزار کے مغرب کی طرف جو قصاب خانہ تھا اس کے ساتھ ہی مزار سے متصلہ پہلوانوں کا اکھاڑہ تھا۔ قبر پر سنگِ مرمر کا تعویذ تھا اور ایک طرف نشست گاہ خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی تھی جو آج تک موجود ہے جہاں انھوں نے اعتکاف کیا تھا۔ غرب رویہ ایک مسجد پختہ عالیشان جس کے تین در محرابی کلاں ہیں۔ مشرقی جانب سبزی منڈی تھی۔

"تاریخ لاہور کے مصنف رائے بہادر کنہیا لال نے اپنی کتاب تاریخ لاہور میں حضرت کے مزار کے حالات درج کیے ہیں ان کا بیان ہے کہ آپ کا مزار چار دیواری کے اندر واقع ہے۔ آپ کا مزار ایک چبوترے پر ہے۔ چبوترے کے غرب رویہ پختہ عمارت اور ایک عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس کی تین محرابیں منقطع ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں اور بھی کئی عمارتیں ہیں۔ پہلے ہر جمعرات کو یہاں میلہ لگتا تھا، اب ہر سال ۱۶ رجب کو آپ کا عرس ہوتا ہے لیکن اب کچھ چرچا نہیں۔ کیونکہ دونوں طرف لالہ رتن چند کے تالاب اور ان کی سرائے نے مزار اور اس کی متعلقہ عمارتوں کو چھپا دیا ہے۔

محمد دین فوق صاحب اس مزار کا حال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ مزار کا احاطہ بہت تنگ ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں مزار کی متعلقہ زمین متولیوں نے بیچ دی یا لوگ خود قابض ہو گئے۔ ذبح خانہ اور کشتی گیروں کے اکھاڑے بھی نابود ہو گئے ہیں۔ ذبح خانہ غالباً اس وقت یہاں سے ہٹایا گیا جب ۱۸۸۱ء میں میو ہسپتال اور میڈیکل کالج کی تعمیر شروع ہوئی۔ قبرستان بھی اس زمانے میں بند ہو چکا تھا۔ احاطہ مزار کی جو زمین دیوان رتن چند کی سرائے اور تالاب سے بچ گئی وہ یار لوگوں کے کام آئی۔ چنانچہ اب وہاں کئی مکانات موجود ہیں۔ انھیں میں خانقاہ کے متولی بھی رہتے ہیں۔ کچھ زمین زنانہ ہسپتال والوں نے لے لی۔ سرائے رتن چند میں سبزی منڈی لگتی تھی۔ جب ۱۹۲۷ء میں لاہور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو ہندوؤں نے سبزی منڈی بیرون موچی دروازہ کا بائیکاٹ کر کے اس سرائے میں ایک ہندو سبزی منڈی قائم کی۔ چونکہ وہ ہنگامی جوش تھا اس لیے وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

مزار کی موجودہ حالت

شاہ صدر دیوان زنجانی کا مزار مبارک اب نظروں سے بالکل پوشیدہ ہے۔ لیڈی ایچی سن ہسپتال کے دروازے سے مشرقی جانب تھوڑے سے فاصلے پر ایک پریس ہے سے ایک چھوٹی سی تنگ گلی گزرتی ہے جو سیدھی خانقاہ صدر دیوانؒ پہ جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس راستہ کی دائیں جانب سرائے رتن چند کی پشت اور دائیں جانب زنانہ ہسپتال

کی طویل دیوار ہے۔

مزار مبارک دو قد آدم بلند چار دیواری کے اندر ہے اور اس چار دیواری کا دروازہ شرق رویہ ہے۔ دربار کی حدود میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب وضو کے لیے ٹوٹیاں ہیں اور بائیں جانب ایک چبوترہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی خانقاہ میں داخل ہونے کے لیے صدر دروازہ ہے جو محرابی شکل کا ہے۔ جس کے اوپر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ شعر کندہ ہے ؎

السلام اے لاڈلے شاہِ علیؒ　　　رہنماؤں کے صدر دیوانِ ولی۔

محرابی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی بائیں جانب اعتکافیہ حجرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہے۔ اس سے ذرا آگے پختہ چار دیواری کے عین درمیان ایک بہت بڑے چبوترے پر شاہ دیوان زنجانیؒ کا مزار مبارک ہے۔ یہ چبوترہ زمین سے تین فٹ بلند ہے۔ اس چبوترے پر دو فٹ اونچا ایک جنگلا لگا ہوا ہے۔ اس چبوترہ کا جنگلا اور چبوترہ کی قبروں کی مرمت اور چبوترہ کا فرش خشتی ایک کشمیری نے ۱۹۴۰ء میں تعمیر کروایا تھا۔ اس کا نام تاج الدین ولد فضل دین تھا۔ چبوترے کے جنگلے کا دروازہ جنوب رویہ ہے۔

چبوترہ پر پانچ قبریں ہیں۔ تین قبروں کے بعد حضرت کے مزار مبارک کا تعویذ مبارک ہے اور آپ کے مزار کے بعد اسی چبوترے پر ایک اور قبر ہے۔ آپ کی قبر دوسری قبروں سے ذرا بلند ہے آپ کی قبر کے علاوہ دوسری چار قبروں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ایک قبر آپ کے صاحبزادے سید محمد قاسم کی، دو قبریں بھتیجوں کی اور ایک قبر آپ کی بیوی زینب کی ہے۔ آپ کی قبر پر اکثر سبز رنگ کا غلاف چڑھا رہتا ہے۔ چبوترہ کی شمالی جانب ایک چھوٹا سا چراغدان بھی ہے۔

چبوترہ کے غرب رویہ مسجد ہے اس کے تین محرابی دروازے ہیں۔ مسجد کے ساتھ جنوب کی طرف ایک اور چبوترے پر گیارہ قدیم قبریں ہیں جہاں پر ایک درخت "ون" اور ایک "نیم" کا ہے۔ ان قبروں میں سید کرم علی شاہ سجادہ نشین کی بھی قبر مبارک ہے۔ چار دیواری کے باہر خانقاہ کے صدر دروازے کے ساتھ ہی ایک کنواں اور بڑ کا درخت ہے۔ سید حامد علی شاہ موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

ماخوذ: آفتاب زنجان - از علامہ عالم فقری۔

حضرت سیّد موسیٰ زنجانی

مزار: پاک نگر۔ لاہور

حضرت موسیٰ زنجانی رح حضرت میراں حسین زنجانی کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کا اصل نام موسیٰ تھا چونکہ آپ کے والدین کافی امیر تھے اس لیے آپ کو میر موسیٰ زنجانی رح کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ آپ عمر میں حضرت میراں حسین زنجانی رح اور حضرت یعقوب زنجانی رح سے چھوٹے تھے۔

پیدائش اور پرورش

حضرت موسیٰ زنجانی اہلِ بیت کے خاندان سادات زنجانیہ کے چشم وچراغ جناب سید علی محمود کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین نے آپ کو بھی کچھ بنیادی تعلیم گھر پر دی اور کچھ تعلیم آپ نے امام مسجد سے حاصل کی۔ حضرت سید علی محمود بذاتِ خود دینی علوم سے اچھی طرح بہرہ ور تھے۔ بلکہ عالم فاضل تھے۔ اسی وجہ سے ان کا گھریلو ماحول دینی تھا۔ اس دینی ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے بچپن ہی سے آپ کے رجحانات بھی مذہبی تھے۔ اس کے علاوہ لڑکپن میں آپ کے ذہن پر صوفیانہ خیالات کا بھی اثر ہوا کیونکہ آپ کے والد ماجد ایک باعمل صاحبِ شریعت وطریقت صوفی تھے اور ان کی تربیت کی وجہ سے آپ کا رُجحان بھی تصوف کی طرف ہوا۔

جوانی کے عالم میں آپ نے اپنے والد ماجد کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ نیک کام بھی کرتے اور رات دن عبادت کرتے۔

بیعت

جب حضرت سید میراں حسین زنجانی کو خرقۂ خلافت ملا اور آپ واپس اپنے گھر زنجان آئے تو اس وقت آپ نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کی ہدایت کے مطابق منازلِ سلوک طے کرنا شروع کر دیں۔ آپ کا سلسلہ طریقت بھی جنیدیہ تھا جو حضرت سید میراں حسین زنجانی رح کا تھا۔

سفر لاہور

حضرت سید میراں حسین زنجانی رح کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد آپ نے بھی ان کے ہمراہ ہندوستان کی طرف تبلیغی سفر اختیار کیا اور زنجان سے

لاہور تک طویل راستے میں سفر کی تمام صعوبتیں رضائے الٰہی کی خاطر بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیں۔

لاہور میں قیام

لاہور میں آپ کی آمد کا سن بھی ۴۳۷ھ ہے۔ جو کہ حضرت سید میراں زنجانی کی آمد کا ہے۔ لاہور میں آمد کے بعد شروع شروع میں کچھ عرصہ آپ نے اپنے بھائی یعقوب زنجانی کے ساتھ ہی قیام کیا۔ پھر آپ نے لاہور شہر کی شمال مشرقی جانب رہنا شروع کیا۔ جہاں آج کل مستی دروازہ ہے۔

ریاضت و عبادت

آپ کبھی کبھار حضرت سید میراں حسین زنجانی سے ملتے رہتے تھے اور ان سے باطنی رہنمائی حاصل کرتے تھے پہلے پہل آپ نے عرصہ دراز تک "اللہ" کا ورد کیا اور پھر "اللہ الصمد" کا ورد کیا اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ آپ پر مجذوبانہ کیفیات طاری ہو گئیں۔

حالتِ جذب

شروع شروع میں تو آپ پر بہت گہری حالتِ جذب طاری ہوئی لیکن آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جذب کم ہوتا گیا لیکن آپ آخری دم تک مستانہ وار ہی رہے۔ حالتِ جذب میں آپ اکثر شہر میں پھرتے رہتے۔ جہاں دل چاہتا بیٹھ جاتے اور جب دل چاہتا اٹھ کے چل دیتے۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپ زیادہ تر بیٹھے ہی رہتے تھے۔ لیسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ہندو آپ کا مذاق اڑاتے لیکن آپ بے پروا تھے کیونکہ اللہ کے فقیر ہمیشہ ہی دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

ہندو لڑکی شفایاب ہو گئی

ایک مرتبہ ایک ہندو عورت آپ کے پاس آئی جس کی لڑکی بہت زیادہ بیمار تھی۔ اس عورت نے بہت زیادہ علاج کروایا لیکن شفایابی حاصل نہ ہوئی مگر جب اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ سائیں بابا جی دعا کریں کہ میری لڑکی تندرست ہو جائے۔ تو آپ جہاں پر بیٹھے تھے وہاں سے تھوڑی سی خاک اٹھا کر اسے دی اور فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ فضل کریگا۔ اس عورت نے وہ خاک اپنی لڑکی کو دی۔ وہ بالکل تندرست ہو گئی۔ اس عورت نے یہ واقعہ اپنے رشتہ داروں اور اہلِ محلہ کو بتایا۔ رفتہ رفتہ عام لوگوں میں بھی اس کرامت کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ شہر

کے باہر ایک فقیر بیٹھا رہتا ہے جس کی خاکِ پا میں تاثیر شفا ہے تو اکثر ہندو جو بیمار ہوتے آپ کے پاس آتے اور جہاں پر آپ بیٹھے ہوتے وہاں سے خاک اٹھا کر لے جاتے اور شفا پاتے۔

توحید کا پرچار

ایک وقت ایسا آیا کہ آپ پر جذب کا غلبہ ختم ہوگیا لیکن پھر بھی آپ اکثر اوقات حالتِ استغراق میں رہتے۔ مگر جب یہ حالت ختم ہو جاتی تو آپ شہر میں جاتے، توحید کا پرچار کرتے اور لوگوں کو بتاتے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس پر اکثر ہندو آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

نئی جگہ پہ قیام

آخری چند سالوں میں لوگوں نے آپ کو بہت زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آپ وہاں سے ہجرت کر کے اس جگہ آگئے۔ جہاں آجکل آپ کا مزار مبارک ہے اور بقیہ زندگی وہیں گزار دی۔ آپ کبھی کبھی اپنے بھائی اور مرشد حضرت میراں حسین زنجانی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

وصال

آپ نے شادی نہیں کی اور ساری عمر عبادتِ الٰہی اور تبلیغ دین میں گزار دی۔ آپ نے ۱۸ سال کی عمر پا کر ۔۔۔ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کی رسومات آپ کے چھوٹے بھائی حضرت یعقوب زنجانیؒ نے ادا کیں۔

مزار مبارک

آپ کا مزار مبارک لاہور ریلوے اسٹیشن سے شمال مشرقی جانب مرجعِ خاص و عام ہے۔ جس علاقے میں آپ کا مزار مبارک واقع ہے اس آبادی کا نام پہلے بھارت نگر تھا لیکن اب اس کا نام تبدیل کر کے پاک نگر رکھ دیا گیا ہے۔

آپ کا روضہ مبارک ایک اونچی جگہ پہ سڑک کے کنارے واقع ہے آپ کا مزار مبارک ایک فٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ مرقد مبارک کے اوپر ایک سیمنٹ کی چھت ہے جو چار ستونوں پر کھڑی ہے۔ روضہ مبارک کے جنوب رویہ ایک پیپل کا درخت ہے اور غرب رویہ روضہ مبارک کے ساتھ ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کا صحن کھلا ہے۔

ماخوذ: آفتابِ زنجان از علامہ عالم فقری۔ چاہ میراں لاہور۔

حضرت سیّد موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ

وصال: ۱۰۰۱ھ، مزار اقدس: ملتان شہر

حضرت سید موسیٰ پاک شہید ملتان کے معروف بزرگوں میں خاصانِ خداوندی سے تھے آپ ظاہر اور باطن میں ہر طرح سے کامل اور فیوض و برکات میں یکتا تھے۔

نام و نسب

آپ کا اسم گرامی سید موسیٰ پاک، لقب شہید، اور والد گرامی کا نام سید حامد حسنی گیلانی تھا۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت محمد غوث گیلانی ہیں جو شیخ عبدالقادر گیلانی کی اولاد سے تھے۔

ولادت

حضرت موسیٰ پاک شہید کی ولادت باسعادت ۹۵۲ھ میں اوچ شریف میں ہوئی۔ آپ بچپن میں بڑے حسین و جمیل تھے۔

تعلیم و تربیت

حضرت سید موسیٰ پاک شہید کو قدرت نے بہت ہی اعلیٰ جبلی صفات سے سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے قرآن و حدیث میں بچپن ہی میں نہایت قلیل عرصہ میں مہارتِ تامہ حاصل کر لی۔ بعدازاں علم باطنی میں بھی کمال پیدا کیا۔ آپ زہد و ریاضت کے پابند تھے۔ رات بھر عبادت میں گزار دیتے۔ کہتے ہیں کہ اس ڈر سے نیند نہ آئے اور عبادت میں کوتاہی نہ ہو۔ آنکھوں میں نمک ڈال لیا کرتے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے پہلے جداجد سے اور پھر والد گرامی سے فیض حاصل ہوا۔ میں ہر وقت والد گرامی کی خدمت میں حاضر رہتا۔ مجھے بچپن ہی سے یہ شوق تھا کہ جہاں تک ہو سکے یادِ الٰہی میں مگن رہتا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے والد قدس سرہٗ میری یہ کیفیت اور ریاضت دیکھ کر یہ فرماتے کہ

"بابا نرود شد کہ از دوستان حق شی"

آپ کا کہنا ہے کہ اگرچہ استاد کے پاس میں نے کافیہ تک تعلیم حاصل کی لیکن تائید غیبی نے مجھ سے وہ کتب فہمی کرائی کہ کسی اور کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔

شوقِ عبادت

آپ کو اوائل عمر ہی سے عبادت کا بڑا شوق تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں تلاوتِ کلام پاک و ذکرِ طیبہ شوق سے کرتا تھا۔ ذکر کی یہ حالت تھی کہ کھانا کھانے میں تساہل کرتا۔ میری والدہ بعض اوقات میرے والد ماجد سے شاکی ہوتیں کہ ذکرِ خدا میں کھانے تک کی پروا نہیں کرتے اور کھانا ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ مجھے والد صاحب فرماتے کہ بابا بالنفس کے آرام کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیئے۔ ریاضت کے لیے ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد والد ماجد مجھے اپنے سامنے بٹھا کر وظائف پڑھواتے اور ذکرِ جہر بطور قاعدۂ قادری ہی کراتے۔ میں ابھی ۹ سال کا تھا کہ آپ نے مجھے بعض اسماءِ الٰہی اور ادعیۂ مسنون کی تلقین کی۔ اور میں نے کبھی وظائف کو ترک نہ کیا۔

رُوحانی فیض

آپ نے حضرت ابو الحسن جمال الدین شاہؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ کو باطنی طور پر روحانی فیض حضرت شیخ عبد القادر جیلانی بغدادیؒ سے ہوا تھا۔ اور روحانیت کی خاص نسبت تھی، ہر وقت حضور رہتا تھا۔ فنا فی الرسول، عاشقِ رسول تھے۔ اور صدہا دفعہ بیداری و خواب میں زیارتِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہوئے۔

مسند آرائی

آپ کے مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر رشد و ہدایت کی تاکید کی پھر اس کے بعد آپ کے والد ماجد نے بھی اپنی زندگی میں آپ کو جانشینی اور خلافت کے لیے نامزد کیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ "بابا! یہ فیض مجھے دست بدست حضرت جد امجد اعلیٰ غوث صمدانی قدس سرہٗ سے پہنچا ہے۔ ہاتھ دراز کر۔ میں نے نہایت مسرت سے اپنے ارادے کا ہاتھ حضور کے دستِ تصرف میں دے دیا۔ اور یہ مرتبہ "ید اللہ فوق ایدیہم" کے شاہراہ کا معائنہ ہوا پھر فرمایا کہ جو کچھ کرو گے وہ نقد بہ نقد حاصل ہو گا۔ شریعت کو ملحوظ رکھ کر حقیقت کے درجہ پہ پہنچنا اور شریعت کا دامن کبھی نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد خرقہ مبارک و سجادہ اور تسبیح عطا فرمایا۔ اور ایک انگوٹھی بھی جو اس وقت آپ پہنے ہوئے تھے عطا فرمائی۔

مُریدِ باصفا شیخ عبد الحق محدّث دہلوی

آپ کے بڑے بڑے علماء و فضلاء مرید تھے چنانچہ حضرت مولانا شیخ عبد الحق محدث

دہلوی بھی آپ کے مرید تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے اپنی رحمتوں سے نواز دے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ قطب الدین سید الٰہی شیخ موسیٰ پاک شہید قدس سرہ خَلق و خُلق دونوں میں وارثِ محبوب خدا سرورِ عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔

علماء نے لکھا ہے کہ ہر محدث و فقیہ پر جو اس خطہ میں ہوا ہے اس پر اس بزرگ کا احسان ہے جن کی بدولت اس خطے میں احادیث کی روشنی پھیلی۔ لہٰذا ہمیں ان کا مشکور ہونا چاہیئے۔

"حطۃ فی ذکر الصباح السنہ" میں شیخ عبدالحق محدث نے لکھا ہے کہ اوّل من جاء بعلم الحدیث فی الھند یعنی پہلا وہ شخص جو علمِ حدیث کو ہند میں لایا وہ موسیٰ پاک شہید ہیں۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ حضرت سید موسیٰ پاک شہید عالی مقام، ہادیٔ خاص و عام، ہدایت و ارشاد کی صفات سے موصوف اور زہد و ریاضت میں مصروف تھے، اپنے وقت میں لاثانی تھے۔ ممالک ہند میں کوئی ان کا مثل نہ تھا۔ آپ نسبت اولادی کے علاوہ حضرت غوث صمدانی سے روحانی نسبت بھی رکھتے تھے جو اہلِ خصوصی کو ہوتی ہے۔

بھائی سے تعلق

کہا جاتا ہے کہ آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالقادر کی خواہش تھی کہ والد بزرگوار اسے خلیفہ بنائیں لیکن جب سجادگی حضرت سید موسیٰ پاک شہید کو مل گئی تو بھائی نے کسی طریقے سے والد صاحب کو مجبور کر کے انھیں سندھ کی جاگیر پر بھجوا دیا جب والد صاحب کا انتقال ہوا۔ تو شیخ عبدالقادر نے خلافت کے متعلق جھگڑا کر دیا اور جب معاملہ طول پکڑ گیا تو مقدمہ شہنشاہ اکبر کے سامنے پیش ہوا۔ مگر بعض باتوں پر شیخ عبدالقادر بادشاہ سے بگڑ گئے اور خلافت کا دعویٰ ترک کر کے اوچ شریف واپس آکر متوکلانہ زندگی بسر کردی۔

نماز پڑھنے کی تاکید

آپ کا ارشاد ہے کہ نماز روحانیت کا آغاز ہے۔ دل کا سکون ہے جنت کی کنجی ہے۔ محشر کے روز پہلا پرچہ ہے دین کا ستون ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور آخری منزل روحانیت ہے۔ مومن کی معراج ہے۔ روح کی غذا ہے مومن کا نور ہے، معراج کا تحفہ ہے اللہ سے سرگوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرانہ ہے۔ تارک الصلوٰۃ مسلمانوں کی صف سے باہر ہے۔

شہادت آپ کا دور بڑا پُرفتن تھا۔ ہر طرف سے بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ قزاق اور راہزن ملک میں تباہی پھیلا رہے تھے انھیں قزاقوں کے ایک گروہ نے حضرت کے ارادت کیشوں کی ایک بستی پر حملہ کر دیا۔ آپ کو خبر ہوئی، تو ان قزاقوں کی گوشمالی کے لیے ہاتھی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ قزاق آپ کی سواری دیکھ کر فرار ہو گئے۔ لیکن ایک لنگاہ نے چھپ کر آپ پر ایک تیر چھوڑا جو حضور کے وجود کرامت آلود کے پہلو میں لگا۔ جو جاں ستاں ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ ۸۵ سال کی عمر میں ۲۳ شعبان ۱۱۱۱ھ میں شہید ہوئے آپ کا مزار اقدس ملتان شہر میں مرجع خلائق ہے۔

سیّد عبداللہ شاہ غازیؒ

وصال: ۱۵۱ھ ، مزار مبارک: کلفٹن کراچی سندھ

کراچی میں حضرت عبداللہ شاہ غازی کا نام نامی بہت مشہور ہے۔ آپ سندھ کے قدیم اولیاء سے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی سید عبداللہ، کنیت ابو محمد اور لقب اُلاشتر ہے۔ آپ کے والد کا نام سید محمد نفیس ذکیہ اور دادا کا نام سید عبداللہ المحض ہے۔ پانچویں پشت میں حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت باسعادت ۹۸ھ مدینۃ المنورہ میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے والد محترم حضرت سید محمد نفیس ذکیہ کے زیر سایہ ہوئی۔ علم حدیث میں ملکۂ تامہ رکھتے تھے۔ بعض مصنفین نے آپ کو محدثین میں شمار کیا ہے۔

شجرۂ نسب آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے:۔
سید ابو محمد عبداللہ الاشتر بن سید محمد ذو النفیس الذکیہ بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن مثنیٰ بن سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم۔ حضرت سید حسن مثنیٰ کی شادی حضرت سیدہ فاطمہ صغریٰ بنت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

سے ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ (سیّد عبداللہ غازی) حسنی و حسینی سید ہیں

سندھ میں آمد

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں جب بنو امیہ کی حکومت ختم ہو چکی تھی، ۱۳۸ھ میں حضرت سیدنا عبداللہ شاہ غازی کے والد محترم نے عباسیوں کے خلاف خروج کیا اور اپنی دعوتِ خلافت کی تحریک آپ نے مدینۃ المنورہ سے شروع کی اور اپنے بھائی حضرت ابراہیم بن عبداللہ کو اسی غرض سے بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمہ اللہ کو ان کے والد نے مدینہ سے بصرہ اپنے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے پاس بھیجا جہاں سے حضرت عبداللہ شاہ غازی عراق سے ہوتے ہوئے اپنے وطن کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر سرزمینِ سندھ کی جانب رخ کیا۔ تاریخ الکامل لابن الاثیر، ابن خلدون اور طبری وغیرہ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ دعوتِ خلافت کے سلسلہ میں بحیثیت نقیب سندھ میں وارد ہوئے۔ لیکن میاں شاہ مانا قادری نے تحریر کیا ہے کہ آپ کو خلافت سے زیادہ اسلام کی تبلیغ عزیز تھی۔ جس کی خاطر آپ سرزمین سندھ میں وارد ہوئے اور اسلام پھیلانے کے لیے تمام تر کوششیں صرف کر دیں اور صدہا سندھیوں کو زیورِ اسلام سے آراستہ کیا۔

حضرت سیدنا عبداللہ شاہ غازی ہی کی ذاتِ گرامی وادیِ سندھ میں سادات کی وہ قدیم ترین شخصیت ہیں کہ جنھوں نے وادی سندھ میں اسلام کو متعارف کرایا۔ علامہ ابن اثیر نے تاریخ الکامل جلد پنجم صفحہ ۳۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ غازی علیہ الرحمۃ کی سندھ میں آمد خلیفہ منصور عباسی کے دور میں ہوئی۔

بندہ کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ غازی کا ۹۸ھ میں پیدا ہونا جبکہ اس وقت کو صحابہؓ کرام حضرات کا دور کہا جا سکتا ہے۔ بیّن ممکن ہے کہ آپ نے کسی صحابیؓ کی زیارت کی ہو تو اس اعتبار سے آپ کا تابعی ہونا لازم آئے گا۔ چلو اگر ہم بالفرض یہ بھی تسلیم کریں کہ آپ نے کسی صحابیؓ کی زیارت نہیں کی تو آپ نے کسی تابعی کی زیارت تو لامحالہ ضرور کی ہوگی تو اس اعتبار سے آپ کا تبع تابعی ہونا تو یقینی امر ہے۔ جس میں کسی اہلِ فہم و دانش کو چون و چرا نہیں کرنا چاہیئے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا حق کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ غازی علیہ الرحمۃ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ ہی وہ ساداتِ کرام کی پہلی شخصیت ہیں جو سب سے پہلے سرزمین

سندھ میں وارد ہوئے۔ تاریخی قرائن کے اعتبار سے آپ سے پہلے کسی بھی سادات کا سندھ میں وارد ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

شہادت حضرت سید عبد اللہ شاہ غازی علیہ الرحمۃ کی شہادت سفیح بن عمر (جو کہ ہشام بن عمر کے بھائی تھے اور یہ ہشام، حضرت عمر بن حفص کی معزولی کے بعد سندھ کے گورنر مقرر ہوئے) کے لشکر کے ہاتھوں اپنے کئی مریدین کے ساتھ دریائے مہران (سندھ ندی) کے کنارے ایک عظیم جنگ کے دوران ۱۵۱ھ میں شہید ہو گئے۔ باقی آپ کے جو کچھ مریدین بچ گئے وہ آپ کی نعش مبارک کو وہاں سے دشمنوں کے ڈر سے چھپا کر ایک اونچی پہاڑی پر آپ کو دفن کر دیا جو اس وقت کلفٹن کی پہاڑی کے نام سے مشہور ہے۔ کلفٹن اور کراچی کی شہرت بھی درحقیقت آپ کی ذاتِ گرامی کا صدقہ ہے۔

حضرت سیدنا عبد اللہ شاہ غازی علیہ الرحمۃ کی یہ بھی کرامت ہے کہ سمندر کے کنارے پہاڑ کے بیچ سے ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہے اور ہزاروں بیمار اس سے شفایاب ہوتے ہیں

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ

وصال: ۱۱۹۷ھ ۔ مزار اقدس: سمہ سٹہ۔ بہاولپور۔ پنجاب

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی خطۂ بہاولپور کے ان جلیل القدر بزرگوں سے ہیں جن کے باطنی کمالات اور روحانی فیوض و برکات سے لوگ بہرہ ور ہوئے۔ آپ کو صاحبِ اسیرؒ اور سیرانی بادشاہ کے القاب سے پکارا جاتا ہے۔ سرزمین بہاولپور کے مکین آپ کے روحانی فیض سے خوب سیراب ہوئے

ولادت آپ کے والد ماجد کا نام حافظ محمد عارف بن حافظ محمود تھا جو اہلِ تقویٰ سے تھے آپ کی ولادت کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ ۱۱۳۷ھ کے لگ بھگ اس فانی دنیا میں تشریف لائے۔

تربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت آپ کے والد ماجد کے زیر سایہ ہوئی۔ اس زمانے کے معمول کے مطابق پہلے قرآن مجید پڑھا۔ پھر جوانی تک مختلف دینی کتب کا دور کیا۔ پھر ۱۶ سال کی عمر میں شرح عقائد تفتازانی تک کی کتابیں پڑھ لی تھیں اس کے بعد آپ قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے ہمراہ مزید تحصیلِ علم کے لیے لاہور تشریف لے گئے۔ یہ دونوں بچپن کے ساتھی تھے۔ لاہور پہنچے تو خالی ہاتھ تھے۔ گذر اوقات کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ آخر دونوں نے طے کیا کہ رات کو تعلیم سے جو وقت بچے گا وہ گداگری میں صرف کریں گے۔ چنانچہ دن کو یہ فقہ و حدیث کا درس لیتے اور رات کو فقیروں کا بھیس بدل کر تماشائے اہلِ کرم دیکھتے۔

کچھ دن بعد قبلۂ عالم تو دہلی تشریف لے گئے جہاں انھوں نے حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی سے علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور خواجہ محکم الدین سیرانی اپنے چچا زاد بھائی خواجہ عبدالخالق کی خدمت میں آ گئے۔

سیاحت

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے تعلیم کا زمانہ اپنے بھائی حضرت خواجہ عبدالخالق کے ہمراہ دہلی میں گزارا اور حضرت مولانا فخر جہاں دہلویؒ سے استفادۂ علمی کیا چونکہ حضرت فخر جہاںؒ اس دور میں استاذ الاساتذہ سمجھے جاتے تھے اور ان کے علم و فضل کی سارے ہندوستان میں دھوم تھی۔ اس لیے حضرت خواجہ عبدالخالقؒ اور حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ کا ان کے درس میں شریک ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔ لیکن یہ بات پھر بھی تشنہ رہ جاتی ہے کہ یہ حضرت قبلۂ عالمؒ سے پہلے دہلی میں آئے یا بعد میں، یا تینوں نے ایک ساتھ اس شمعِ علم سے اکتسابِ نور کیا تعجب ہے کہ جس طرح حضرت قبلۂ عالمؒ کے ساتھ حضرت سیرانی کے لاہور میں تحصیلِ علم کے لیے جانے کا واقعہ مختلف تذکروں میں ملتا ہے۔ حضرت فخر جہاںؒ کے ہاں ان کے شریکِ درس ہونے کی روایت کسی نے بیان نہیں کی۔ خود قبلۂ عالم کے ملفوظات میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ملتی ہے کہ ایک بار قبلۂ عالم نے حضرت سیرانی کے متعلق مولانا فخر جہاںؒ سے کہا کہ یہ کنارِ دریا پھر رہے ہیں انھیں پار لنگھا دیجیے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ خواجہ عبدالخالق کے ہوتے ہوئے انھیں اور کسی کی رہنمائی کی کیا ضرورت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیرانی کی آمد و رفت حضرت مولانا فخر جہاںؒ کے ہاں تھی۔ اور وہ حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے احوال سے بھی بخوبی واقف تھے۔

ایک اور روایت جس سے حضرت سیرانی رحؒ کی اس وقت دہلی میں موجودگی کا پتہ چلتا ہے جب قبلۂ عالم سلوک کے مراحل طے کر کے دہلی سے رخصت ہونے والے تھے، لطائفِ سیریہ میں اسی طرح درج ہے :۔

"جب حضرت مہاروی قدس سرہ طریقت کی تعلیم مکمل کر چکے اور حضرت مولوی صاحب (فخر جہاں دہلوی) سے وطن جانے کے لیے رخصت کے طالب ہوئے تو انھوں نے ایک دن مزید قیام کا حکم دیا اور نمازِ مغرب کے بعد فرمایا۔ فلاں محلہ میں ایک مخفی بزرگ کا مزار ہے ۔ اس پر جاکر زیارت اور حصولِ سعادت کا شرف حاصل کرو۔ اس بزرگ کا حال کسی کو معلوم نہیں ہے ۔ چنانچہ حضرت مہاروی علیہ الرحمۃ نمازِ مغرب پڑھنے کے بعد تنہا وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں پہلے سے کوئی صاحب موجود ہیں، بڑا تعجب ہوا ۔ ان کی طرف مصافحہ کے لیے بڑھے وہ دوسری طرف چلے گئے ۔ ہر چند کوشش کی کہ انھیں دیکھ سکیں لیکن وہ سامنے نہیں آئے ۔ آخر زیارت وفاتحہ کے بعد میں واپس آگیا ۔ اور سارا ماجرا مولوی صاحب سے بیان کیا ۔ حضرت مولوی صاحب نے سارا قصہ سُن کر تامل فرمایا کہ یہ شخص سوائے محکم الدین سیرانی کے اور کوئی نہیں ہوسکتا جو ایسے بھیدوں سے واقف ہو۔

اس روایت سے جہاں حضرت صاحب السیر کے عُلوِ مراتب کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں حضرت خواجہ فخر جہاں رحؒ کے ہاں ہی نہیں بلکہ آپ کی آمد ورفت دیگر مقامات پر بھی تھی اور آپ دہلی کے مزاراتِ اولیاء اللہ سے بھی اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت سیرانی بسلسلۂ تعلیم دہلی میں مقیم رہے تھے اس لیے اردو زبان بولتے تھے لیکن دہلی میں بسلسلہ تعلیم وتربیت تو حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحؒ کا قیام بھی رہا تھا اور وہ اردو کے بجائے اپنی مادری زبان ہی بولتے تھے ۔ لہٰذا مجرد دہلی میں رہنے کی وجہ سے آپ کے اردو بولنے کی توجیہ کرنا درست نہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی عمر کا زیادہ حصہ سفر میں گزرا اور سفر بھی زیادہ تر ہندوستان کے ان علاقوں کا کیا جہاں اردو بولی جاتی تھی ۔ یقیناً دہلی میں بھی آپ کی آمدورفت اکثر رہتی تھی اور چونکہ دورانِ سفر آپ کو اردو بولنے والوں سے واسطہ پڑتا تھا اس لیے اردو ہی کو آپ نے اپنا لیا تھا ۔ یا مسلسل اور متواتر بولنے سے اردو آپ کی زبان پر اس طرح چڑھ گئی تھی کہ آپ اپنی زبان ہی بھُول گئے تھے ۔ علاوہ ازیں اس سے آپ کی اردو کے ساتھ رغبت کا ثبوت بھی ملتا ہے ۔ چونکہ اس

زمانہ میں اردو پڑھے لکھے لوگوں کی زبان سمجھی جاتی تھی اور اہلِ علم نکاتِ علمی کا اظہار اسی زبان میں کرتے تھے۔ اس لیے اس زبان سے آپ کی دلچسپی پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ ویسے بھی آپ ہمیشہ علماء کی مجالس میں شریک ہوتے اور علمی مباحث میں حصہ لیتے تھے، جہاں ظاہر ہے کہ ذریعۂ اظہار اردو ہی ہوتا ہوگا۔ بہرکیف آپ آخری عمر تک یہاں تک کہ اپنے وطن میں بھی اردو بولتے رہے۔ اگر کوئی دوسری زبان بولتا تو آپ اس کا جواب اردو ہی میں دیتے۔

آپ کا لباس بھی زیادہ تر ہندوستانی وضع کا ہوتا تھا۔ سر پر صافہ باندھتے تھے اور کبھی کبھی کلاہ قادری بھی اوڑھتے۔ آپ نے قول و عمل میں خود کو حضرت خواجہ اویس قرنیؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا نمونہ بنایا ہوا تھا اور ان نفوسِ قدسی کی طرح انتہائی سادہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سفر میں آپ مٹی کا کوزہ، رسی، مصلّٰی، مسواک اور سُرمہ، کنگھی اپنے پاس رکھتے تھے۔ قلّتِ طعام، قلّتِ منام اور قلّتِ کلام آپ کی عادتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ انانیت و تکبر نام کو نہ تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے اور کسی کی دل آزاری نہ کرتے۔ سنتِ نبویہ کا بیحد پاس تھا۔ روپے پیسے سے قطعی دلچسپی نہ تھی اور زیورات خواہ سونے کے ہوں یا چاندی کے، انھیں ہاتھ تک نہ لگاتے تھے۔

بیعت و خلافت

حضرت خواجہ محکم الدینؒ نے سلوک کی منازل اپنے چچازاد بھائی حضرت خواجہ عبدالخالق کی خدمت میں رہ کر طے کیں اور ان سے ہی خلافت و اجازتِ بیعت حاصل کی۔

چونکہ خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمۃ خود صاحبِ وجد و سماع تھے اور جذب و کیف میں ڈوبے ہوئے تھے اس لیے مرشد کا رنگ مرید پر بھی چڑھا۔ آپ نے اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق سخت سے سخت ریاضتیں کیں اور تزکیۂ نفس کی ہر تدبیر کی۔ آپ کی ابتدائی ریاضت اور اس کے خاطر خواہ نتائج کا حال خزینۃ الاصفیاء میں اس طرح درج ہے۔

ریاضت

خواجہ عبدالخالقؒ نے شیخ محکم الدین سیرانیؒ کو مرید کرنے کے بعد فرمایا کہ مزارِ دیوانِ مشائخ چاولی پر جو اولیائے متقدمین و مشائخ سے ہیں اور جن کا روضہ زیارت گاہ خلق ہے، جا کر معتکف ہو۔ دلی منشا وقوع پذیر ہوگا۔ چنانچہ پیر روشن ضمیر کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ چاولی کے مزار پر جاکر اعتکاف کیا اور ایک چلہ بے خور و خواب اور روزہ و عبادت

حق کی حالت میں گذارا۔ جب خلوت سے باہر آئے تو دل میں خواہش ہوئی کہ میوۂ کنار سے، جسے ہندی میں بیر کہتے ہیں، روزہ افطار کریں۔ اسی وقت ایک شخص جو سفید لباس میں تھا ظاہر ہوا اور اس نے بیر کے چند دانے پیش کر کے کہا کہ ان سے روزہ کھولو اور یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ تمھارا مقصد پورا ہو گیا۔ آپ نے روزہ کھولا اور وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے ابھی زبان سے صورتحال بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ شیخ نے آپ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تمھارا دل میوۂ کنار کو چاہتا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے کہ سدرۃ المنتہیٰ سے تمھارے لیے دانہ کنار افطار کرنے کے لیے لا کر پیش کریں۔ چنانچہ خضرؑ نے تعمیل حکم کی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو محنتِ شاقہ اور مجاہدہ نفس کیا تھا اس کا آپ کو حسبِ دلخواہ ثمر ملا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ محکم الدینؒ کو دوران چلہ کشی "قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ" کا اشارہ ملا تھا۔ اس لیے آپ نے سیر و سیاحت کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیا تھا اور آپ مسلسل و متواتر سفر میں رہا کرتے تھے اسی وجہ سے آپ صاحب السیر اور سیرانی بادشاہ کے القاب سے ملقب ہوئے۔ سفر کے مقامات بہاولپور، ملتان اور ڈیرہ جات کے علاوہ سندھ، جیسلمیر، کاٹھیاواڑ اور دہلی رہے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے حج بھی کئی بار کیا۔

دراصل یہ سفر بھی سلوک کی منازل کا ایک حصہ تھا جو صعوبتوں اور مشکلات سے خالی نہ تھا۔ لیکن خواجہ صاحب نے اسے بڑی خوبی سے طے کیا اور کبھی اس راہ میں تکدر محسوس نہیں ہوا۔ بقول حضرت قبلہ عالم آپ کو عرفان کی منازل طے کرنے میں کبھی حالتِ انقباض سے واسطہ نہیں پڑا۔

اتباعِ سُنت

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی کے متعلق عموماً یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ آپ ہر وقت وجد و حال کی کیفیت میں مبتلا رہتے تھے گویا دنیا و مافیہا سے بیگانہ تھے یہ بات بالکل غلط ہے۔ آپ صاحبِ جذب بزرگ ضرور تھے لیکن جذب و کیف کی روحانی دولت سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ بصیرت اور نکتہ رس عالم بھی تھے۔ آپ کی گفتگو قرآن و حدیث سے سرِ مُو متجاوز نہیں ہوتی تھی خود بھی پابندِ شرع تھے اور دوسروں کو بھی سنت نبویہؐ کی پیروی کی تلقین فرماتے تھے۔

لطائفِ سیریہ میں ہے:۔

"درمجلس آنحضرت سواء امر بالمعروف ونہی عن المنکر کم کسے از سخن ہائے دیگر شنیدہ باشد۔"

ہروقت باوضو رہتے، تہجد کبھی قضا نہ کی۔ نماز ظہر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ رات کا اکثر وقت نوافل میں گزرتا۔ غرض آپ کے معمولاتِ زندگی میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو آپ کے دینی و روحانی تشخص کے منافی ہو۔ اور اس پر کوئی انگلی رکھ سکے۔ حالتِ کیف وجذب میں بھی آپ کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی تھی جس پر از روئے شرع کوئی گرفت کی جاسکے۔ بلکہ ایسے مواقع پر بھی آپ نکتہ آفرینی سے کام لیتے تھے اور معرفت کے رموز لوگوں پر منکشف کرتے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ گلی میں سے ایک سبزی فروش آواز لگاتا ہوا گزرا۔ وہ سویا پالک اور چوکی کا ساگ بیچ رہا تھا۔ جونہی "سویا۔ پالک، چوکی" کی آواز آپ کے کان میں آئی۔ آپ ازخود رفتہ ہوگئے اور فرمانے لگے کہ ہم دن رات کا بیشتر حصہ سونے میں گزار دیتے ہیں اور ذکرِ خدا سے غافل رہتے ہیں۔ آخر ہمارا انجام کیا ہوگا۔

یہ واقعہ آپ کے احساسِ لطیف اور وجدانِ صحیح کا آئینہ دار ہے، آپ کو باطنی طاقت اللہ رب العزت کی بارگاہ سے آپ کے ریاض ومجاہدہ کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔

تصرّف کا واقعہ

حضرت خواجہ محکم الدین کے دل میں ہمعصر بزرگوں کا بھی بہت احترام تھا ایک دفعہ آپ شہر فرید میں ایک ٹیلے پر نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ کا ارادہ حضرت قبلۂ عالم سے ملاقات کا تھا۔ جو وہاں سے قریب ہی ایک بستی میں تشریف فرما تھے۔ اس بستی کا رہنے والا ایک شخص وہاں سے گزرا اور حضرت کو نماز میں مشغول دیکھا تو از راہ تعریف کہنے لگا کہ "یہ بھی تو فقیر ہے۔ مصلّٰی اور کوزہ ہمراہ ہے۔ وضو کے لیے کسی سے پانی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں، اور ایک وہ فقیر ہیں کہ لوگ ان کے ساتھیوں کے گھوڑوں کو باندھتے باندھتے تنگ آگئے ہیں۔" آپ نے یہ گلہ سنا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھیوں سے کہا کہ جلدی کرو۔ اس بستی سے فوراً نکل چلو یہاں ابھی ایک آدمی نے ایک فقیر کا گلہ کیا ہے۔ اس بستی کی خیر نہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جونہی آپ وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس بستی میں آگ لگ گئی۔

دل کی بات بتادی

ایک دفعہ آپ کا قیام اوچ شریف کے قریب تیلری کے مقام پر تھا۔ حافظ حسن جامپوری کو جو حضرت قبلۂ عالم کے مرید تھے، یہ معلوم ہوا کہ سیرانی صاحب وہاں مسجد میں تشریف فرما ہیں تو وہ یہ ارادہ کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت قبلۂ عالم سے بیعت توڑ کر آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کے اس ارادے سے منکشف ہو کر فرمایا۔

"حافظ صاحب! فقیر کا تعلق ایک مرید کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جیسے پتھر میں میخ گھس جائے اور مستحکم ہو جائے۔ یہ پیری مریدی کا معاملہ ایسی میخ کا سا نہیں، جو مٹی میں گاڑ دی جائے اور جس طرف چاہا اس کو گھمایا۔"

حافظ حسن جامپوری کا بیان ہے کہ اس ارشاد گرامی سے انھیں سخت ندامت ہوئی۔ اور انھوں نے فسخ بیعت کا ارادہ ترک کرکے توبہ کرلی۔

بے نیازی

حضرت محکم الدین کی حیات کا یہ پہلو بھی بڑا تابناک ہے کہ آپ نے زندگی بھر جس طرح مال و دولت سے پرہیز کیا اسی طرح اہل دنیا و دل کی صحبت سے بھی گریزاں رہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کا ملتان میں قیام تھا۔ لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے آرہے تھے۔ اسی دوران نواب مظفر خان گورنر ملتان بھی آپ کی زیارت کے لیے آگیا۔ اسے دیکھتے ہی آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور جلدی جلدی مختصر گفتگو کرکے اسے رخصت کر دیا۔

اسی طرح ایک دفعہ داؤد پوتروں کے ایک سردار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر وظیفہ طریق الٰہی دریافت کیا تو آپ نے برملا کہا کہ "آپ ہم فقیروں سے خدا کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم فقیر آپ اہل دنیا سے حق تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

امراء کو تلقین

جہاں حکام اور امراء سے آپ کی بیزاری کا یہ انداز نظر آتا ہے وہاں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ اگر کسی امیر نے ہدایت و تلقین کی درخواست کی تو اسے آپ نے پند و نصائح سے نوازا۔ ایک دفعہ آپ کا قیام اوچ میں تھا کہ نواب بہاول خان کو مخادیم اوچ کی کسی دیوار کے تنازعہ کے سلسلے میں وہاں جانا پڑا۔ انھیں جب اوچ میں آپ

کے قیام کا پتہ چلا تو ازراہِ عقیدت وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی نصیحت کے طالب ہوئے۔ آپ نے فرمایا:۔

"میاں بہاول خان! یہ ملک پہلے دوسروں کے پاس تھا اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ خبردار! خلقِ خدا کی آسائش کا خیال رکھو اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔ یقین رکھو کہ تمہارے اہل کار خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے جو ظلم کریں گے ان کا حساب تم سے لیا جائے گا لہٰذا تمہارے لیے میری نصیحت یا وظیفہ یہی ہے کہ خلقِ خدا کے ساتھ عدل کرو اور ظلم کسی پر نہ ہو۔"

خلفاء

خواجہ صاحب کا حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا۔ پنجاب، سندھ، کاٹھیا واڑ کے کافی لوگ آپ کے مرید تھے۔ فیض رسانی میں آپ نے کبھی بُخل سے کام نہیں لیا۔ جو لوگ آپ کے باقاعدہ مرید نہ تھے ان کو بھی علم وروحانی استفادے سے محروم نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیض یافتہ لوگوں کا شمار بہت مشکل ہے۔ ہر حصہ ملک اور ہر شہر وقصبہ میں ایسے حضرات ملتے ہیں جنھوں نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ ویسے خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے خلفاء کی تعداد دس درج ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ حافظ قمرالدین .... آپ موضع قائم پور (ضلع بہاولپور) کے رہنے والے تھے۔ ملتان کا حاکم سرفراز خان آپ کا مرید تھا۔

۲۔ شاہ ابوالفتح .... مؤمبارک (تحصیل رحیم یار خان) کے رہنے والے تھے۔

۳۔ شیخ محمد سلیم قریشی سامانی۔

۴۔ خواجہ سلیمان .... ان کا مزار خواجہ صاحب کے مزار سے متصل ہے۔

۵۔ شیخ محمد انوار ملتانی .... ان کا مزار بھی مرشد کے مزار کے پاس ہے۔

۶۔ شیخ اللہ داد .... یہ ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ مزار ملتان میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے۔

۷۔ دیوان محمد غوث جلالپوری .... پیر لال قتال کی اولاد میں سے تھے۔

۸۔ شیخ دوست محمد ..... ان کا مزار جہان گڑھ میں ہے۔

۹۔ حافظ عبدالکریم ..... ان کی قرأت کا جواب پورے پنجاب میں نہ تھا۔

۱۰۔ شیخ عبدالسلام جوگی ..... یہ نومسلم تھے اور قبولِ اسلام سے قبل ایک جوگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

واقعۂ انتقال

حضرت صاحب السیرؒ نے تقریباً ۶۲ سال کی عمر میں ۵ ربیع الثانی ۱۱۹۷ھ کو اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انتقال سے کچھ عرصہ قبل آپ خراسان کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ ابھی تلیری کے مقام تک پہنچے تھے کہ منزلِ سفر تبدیل کر کے جنوب کی طرف چل دیے اور کچھی میں پہنچ کر ایک درخت کے نیچے محوِ استراحت ہوئے یہاں سے کاٹھیاواڑ کا رخ کیا۔ اور داہرجی پہنچے۔ جہاں آپ کے مریدوں اور معتقدوں کی کافی تعداد تھی۔ کئی دن تک اس علاقے کی سیاحت کے بعد آپ نے ربیع الآخرہ ۱۱۹۷ھ کے شروع میں مراجعت وطن کا ارادہ کیا۔ معتقدین کو جب آپ کے اس ارادے کا پتہ چلا تو انھوں نے اس خیال سے کہ اگر آپ بعد وفات کاٹھیاواڑ کے علاقے میں دفن ہوں تو وہ دور دراز کی مسافت سے بچ جائیں گے آپ کو وہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پروگرام کے تحت حافظ محمد کوکی نے جو آپ کے مریدوں میں سے تھا، ایک شب اپنے ہاں قیام اور دعوتِ طعام کی استدعا کی۔ آپ نے یہ درخواست قبول فرمائی رات کو جو کھانا آپ کی خدمت میں پیش کیا اس میں زہر گھلا ہوا تھا۔ چنانچہ اِدھر نوالہ حلق سے نیچے اترا، اُدھر زہر نے اپنا کام کیا۔ جب وقت اخیر آیا تو آپ نے نصیحت کی کہ حافظ محمد کوکی کو کسی قسم کا آزار نہ پہنچایا جائے۔ کسی جگہ ایک گڑھا کھود کر نعش دفن کر دینا۔ دس روپے حافظ کوکی کو اپنے گرہ سے دے کر کہا کہ پانچ روپے میرے کفن پر صرف کرنا اور پانچ روپے خیرات کر دینا۔ جب رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر رہی تھی تو آپ کے سینے سے ہُو ہُو کی آواز نکل رہی تھی۔ نمازِ جنازہ میں شہر کے کثیر لوگوں نے شرکت کی۔ آدھی رات کے قریب ۶ ربیع الآخر ۱۱۹۷ھ کو سپردِ خاک کر دیے گئے۔

اگرچہ حافظ کوکی نہ چاہتا تھا لیکن ابوطالب اور شیخ نتھو مریدان نے آپ کی وفات کی اطلاع بذریعہ مراسلہ بہاولپور بھیج دی۔ مراسلہ تقریباً ۶ ماہ بعد شوال کے مہینے میں بہاولپور پہنچا۔ اطلاع

ملتے ہی صاحبزادہ میاں اویس بخش اور حاجی محمد اعظم اٹھوال ڈہراجی بندر روانہ ہو گئے۔ ادھر مہدی شریف کے اعزا پہلے بہاولپور آئے اور یہاں سے ڈہراجی روانہ ہوئے۔ جب یہ جماعت ڈہراجی بندر پہنچی تو صفر کی پانچ تاریخ تھی۔ تقریباً بیس دن اس بحث میں گزر گئے کہ آپ کا تابوت بہاولپور لے جایا جائے یا وہیں رہنے دیا جائے۔ آخر ۲۵ صفر کو آپ کی نعش قبر سے نکالی گئی جو اس وقت تک صحیح و سالم تھی۔ دور دراز کی مسافت طے کر کے آپ کے اعزہ جنازہ لے کر بہاولپور پہنچے اور گوٹھ بخشا قسمانی کے جنوب میں پانچ کوس کے فاصلے پر گوٹھ جیا پوستی داد پوترہ میں آپ کا مرقد تیار کیا گیا۔

مزارِ اقدس

آپ کا مزار ریلوے سٹیشن سمہ سٹہ سے جنوب کی طرف تقریباً ڈیڑھ میل اور بہاولپور سے ڈیرہ نواب جانے والی سڑک سے جائیں تو دس میل پر واقع ہے۔ خانقاہ کی عمارت نہایت خوبصورت اور پُرشکوہ ہے۔ نیچے سے اوپر تک رنگین شیشے آویزاں ہیں جو بڑے دیدہ زیب معلوم ہوتے ہیں۔ خانقاہ کے اندر آپ کے متوسلین، اور سجادگان کے مزارات بھی ہیں۔ خانقاہ کے ساتھ ایک مسجد اور تالاب ہے۔ آپ کے تبرکات میں دستار۔ بالاپوش اور شلوار شامل ہے۔ وہ قمیض جس پر آپ نے زہر خورانی کے بعد خون کی قے کی تھی، وہ بھی ہے۔

عُرس مبارک

ہر سال ربیع الاول کی پانچ تاریخ کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ جس میں ہزاروں لوگ شرکت فرماتے ہیں۔

ماخوذ: اولیائے بہاولپور از مسعود حسن شہاب بحوالہ لطائف سیریہ۔

حضرت مخدوم بلال تلٹی رحمۃ اللہ علیہ

وصال: ۳۰ صفر ۹۳۱ھ۔ مزار: مکلی، ٹھٹھہ، سندھ

مخدوم بلال تلہٹی موضع تلہٹی کے رہنے والے تھے۔ آپ جامع شریعت و طریقت تھے آپ کا

شمار سندھ کے باکمال بزرگوں میں ہوتا ہے۔

مخدوم جمعہ سے تعلق

مخدوم بلال، حقائق و معارف آگاہ مخدوم جمعہ کے ہم نشین تھے اور ان سے انتہائی مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے ان کی صحبت سے آپ کو بیشمار باطنی فیوض و برکات حاصل ہوئے۔

علومِ ظاہری

مخدوم بلال علومِ ظاہری میں بڑے باکمال تھے اور دینی علوم میں انھیں بڑی دسترس حاصل تھی اس لیے لوگ ان کے تبحرِ علمی سے استفادہ کیا کرتے تھے صاحبِ تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے لکھا ہے :۔

"از اجلہ عارفان، واصل بحق، در علم ظاہر شانے عظیم داشتہ"

میر معصوم بھکری نے اپنی مشہور کتاب تاریخ معصومی میں لکھا ہے :۔

"در وادی تقویٰ و زہد شبیہ و نظیر نداشتہ، در علمِ حدیث و تفسیر مہارتِ تامہ داشتہ و صاحبِ مقاماتِ ارجمند بود۔"

ذوقِ عبادت

بچپن ہی سے آپ کو عبادت کا ذوق و شوق تھا۔ ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ساری عمر آپ نماز و روزے میں مصروف رہے۔ مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ رات کو آپ پانی سے بھرے ہوئے ایک بڑے طشت میں بیٹھ کر ذکر و شغل کرتے۔ ذکر و شغل کی وجہ سے پانی میں ایک جوش پیدا ہو جاتا اور پانی چکی کی طرح گھومنے لگتا۔ اور پانی میں یہ جوش اس وقت تک باقی رہتا تھا تا وقتیکہ صبح کو وہ پانی دریا میں نہ پھینک دیا جاتا۔ یعنی یادِ الٰہی سے آپ کو باکمال اشتیاق تھا۔

اصلاح و تربیت

زہد، عبادت اور ریاضت کے باوجود آپ خاص و عام کی اصلاح و تربیت سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ مذہبی اور روحانی نقطہ نظر سے آپ لوگوں کو آدابِ زندگی سے آگاہ کرتے۔ اور دینی تعلیمات کی طرف آپ کی خاص توجہ تھی۔ عبادت و ریاضت کے بعد آپ کو جو کچھ وقت ملتا، پند و نصائح میں صرف کرتے۔ گویا کہ اپنے پاس آنے جانے والوں کی اخلاقی و معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ گذشتہ بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے اور ان کے مزار پر حاضری و زیارت کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے

تھے۔ گویا زندگی کا بیشتر حصہ آپ نے خدمتِ خلق، وعظ و نصیحت اور قرآن و حدیث کا علم پھیلانے میں گزارا۔

آپکی نگاہ سے ملاح کی زندگی بدل گئی

ایک دفعہ آپ سلطان العارفین حضرت مخدوم لعل شہباز قلندرؒ کی زیارت کے لیے کشتی میں بیٹھ کر سیون تشریف لے جا رہے تھے۔ کشتی کا ملاح، جیسا کہ ان کی عادت ہوتی ہے، گالی گلوچ و خرافات بکنے میں مصروف تھا۔ لوگ اس کی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے تنگ آ کر بار بار اس کو روکتے تھے مگر وہ کسی کی نہ سنتا تھا اور برابر اپنی بکواس میں لگا ہوا تھا۔ جب معاملہ حد سے بڑھا اور وہ کسی طرح خاموش نہ ہوا تو مخدوم بلال اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنی ٹوپی ملاح کے سر پر رکھ دی، ٹوپی کا سر پر رکھنا ہی تھا کہ ایک عجیب و غریب تبدیلی ملاح میں پیدا ہوئی، لوگوں نے دیکھا کہ وہی ملاح جو طرح طرح کی بکواس کر رہا تھا ٹوپی کے سر پر رکھتے ہی یکایک قرآنی آیات کے معارف اور احادیث نبویؐ کی توضیحات کرنے لگا۔ کشتی میں بیٹھنے والا ہر فرد اس تبدیلی پر حیران تھا۔ یہاں تک کہ سفر پورا ہو گیا۔ کشتی سے اترتے وقت مخدوم نے اپنی ٹوپی اس کے سر پر سے اتار لی۔

شاعری

مخدوم بلال عارفانہ کلام بھی کہتے تھے۔ ان کی ایک رباعی صاحبِ مقالات الشعراء نے نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوف کے دقیق نکات کو انتہائی دلآویزی و دلکشی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

در راہِ خدا ز سر قدم باید ساخت — سرمایہ اختیارِ خود می باید باخت

کفر است بخود نمائی برون بجہاں — از خویش بروں شدہ سوئیش بباید تاخت

خلفاء و مریدین

حضرت مخدوم بلالؒ کے خلفاء میں مخدوم رکن الدین مشہور بہ مخدوم متو امتیازِ خاص رکھتے ہیں۔ مخدوم متو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد سے تھے۔ ہمیشہ اوراد و وظائف و عبادات میں مصروف رہتے۔ مسندِ ارشاد پر بیٹھے تو ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

علومِ ظاہری میں بھی یگانۂ عصر اور صاحب تالیف و تصنیف تھے۔ آپ کی تصانیف میں

شرح اربعین، شرح کیدانی اور بعض دوسرے رسائل مشہور ہیں۔

مخدوم بلال کے تربیت یافتگان میں مؤرخین نے سید حیدر علی سنائی ساکن موضع سن کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جو بارہ سال کی عمر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے فیض تربیت سے روحانی مراتب کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے۔ ان کے علاوہ قاضی گوید سنائی، مخدوم ساہر لنجاو بھی آپ کے خلفاء سے تھے۔

وصال مخدوم بلال نے ارغوان خاندان کے پہلے بادشاہ شاہ بیگ ارغوان کے ایک سال بعد ۲۰ صفر المظفر ۹۳۱ھ کو شہادت پائی۔ آپ کو بستی باغبان مکلی میں دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

حضرت مخدوم احمد درویش رحؒ

وصال: ۹۳۴ھ۔ مزار: ہالہ کندی

حضرت مخدوم احمد درویش اولیائے سندھ میں صاحبِ مقامات اور بلند مرتبت تھے، آپ زہد و تقوی اور شرافت و نجابت میں یکتائے روزگار تھے۔ شریعت اور طریقت میں ان کو کمال حاصل تھا۔

حسب و نسب آپ کے والد کا اسم گرامی مخدوم اسحاق تھا جو اپنے دور کے مشہور صوفی اور درویش تھے۔ ہالہ کندی میں ان کے علم و فضل کا بڑا چرچا تھا۔ ہالہ کندی ضلع حیدرآباد سندھ میں واقع ہے۔

پیدائش آپ ہالہ کندی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے ایک اور بھائی تھے جن کا نام محمد درویش تھا۔

تعلیم و تربیت آپ کے والد گرامی چونکہ صاحبِ علم و عمل تھے اس لیے انھوں نے آپ کو ابتدائی تعلیم خود دی۔ اس کے بعد چند دیگر حضرات سے بھی آپ نے علمی اکتساب کیا۔ ضرورت کے مطابق علم حاصل کرنے کے بعد آپ نے تزکیۂ نفس اور باطنی صفائی

کی طرف توجہ دی۔

ریاضت

بیان کیا جاتا ہے کہ مخدوم احمد نے گوشۂ عزلت و تنہائی کو اختیار فرمایا تھا۔ وہ ہمیشہ لوگوں سے علیحدہ رہ کر ذکرِ الٰہی و عبادتوں اور ریاضتوں میں مشغول رہتے کبھی کبھی حلقۂ ذکر و سماع میں تشریف لے جاتے۔ ان حلقوں میں شریک ہو کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ آخر آپ اپنے وقت کے اولیاء کبار میں شمار ہونے لگے۔

ایک عالمِ دین کا واقعہ

صاحبِ حدیقۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ ایک متشرع عالم باعمل دُور سے آپ کی بزرگی و ولایت کا شہرہ سن کر آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ جب وہ ہالہ کنڈی میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ سماع کی طرف بیحد مائل ہیں اور اپنا وقت وجد و حال میں گزارتے ہیں۔ یہ سن کر اسے آپ سے سُوءِ ظن پیدا ہوا اور اس نے مخدوم کی ملاقات سے گریز کیا۔ اتفاقاً ایک دن راستے میں اس کی ملاقات مخدوم احمد سے ہو گئی آپ نے بڑھ کر بڑی خندہ پیشانی سے اس سے معانقہ کیا اور بہت دیر تک اس سے استفسارِ حالات فرماتے رہے۔ پھر آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا کہ آپ نے جو میرے حلقۂ سماع کے متعلق سنا ہے یہ وہ سماع نہیں جو شریعت میں منع ہے بلکہ یہ حلقہ تو ماتم کدہ اور حلقۂ تعزیت ہے کسی دن آپ بھی تشریف لائیے۔ چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے بعد ایک دن وہ عالم آپ کے حلقۂ سماع میں شریک ہوا۔ اور حلقۂ سماع میں اس پر گریہ و زاری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اور وہ رقص کرنے اور نعرے لگانے لگا۔ جب حلقہ ختم ہوا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یا تو آپ کو اس حلقہ میں شرکت سے اس قدر انکار تھا اور اب تم شریک ہوئے تو اس طرح کہ آپ کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ اس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ اس حلقۂ سماع میں شریک ہونے کے بعد مجھ پر ایک بیخودی اور جذبۂ شوق کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور مجھ پر عالمِ بالا کی راہیں کھل گئیں۔ میں نے دیکھا کہ مخدوم احمد کی پیشانی عرش کو چھو رہی ہے۔ اس مشاہدۂ حال کے بعد مجھے بالکل اپنا ہوش نہ رہا۔ اس کے بعد وہ عالم صاحبِ وجد و حال ہو گیا۔

اتباعِ شریعت کا واقعہ

مخدوم احمد شریعت و سنت کے اتباع میں بیحد کوشش کرتے اور نہایت ہی متبع شریعت تھے جس کا پتہ درویش زکریا

کے ایک خواب سے چلتا ہے جو ایک خاص واقعہ کے ضمن میں انھوں نے دیکھا تھا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ مخدوم احمد کے استاد مولانا عبدالرشید نے مخدوم سے فرمایا تھا کہ ایک سال کے بعد اہلِ درد میں سے ایک شخص تم کو ملے گا کہ جس کی وجہ سے تم پر بیحد خوف طاری ہوگا لیکن انشاءاللہ انجام بہتر ہوگا کہتے ہیں کہ ایک سال کے بعد ایک مجذوب آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا، کہ میرے لیے پانچ ٹکڑے لاؤ۔ مخدوم احمد نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا کہ مجذوب جو سامان مانگ رہا ہے اس کے لیے لے آؤ۔ چنانچہ خادم نے پانچ روٹیاں مجذوب کے سامنے لاکر رکھیں، مجذوب نے ان کو کھانے کے بعد مخدوم سے اعتراضاً کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں ہمارے کام میں شرم آئی۔ اسی لیے تم اپنی جگہ سے نہ اٹھے اور اپنے خادم کو حکم دیا۔ اس لیے یہاں سے جہاں بھی بھاگ سکتے ہو بھاگ جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ مخدوم پر مجذوب کی یہ بات سن کر خوف طاری ہوا اور وہ اٹھ کر اپنے عبادت کے حجرے میں آگئے۔ حجرے میں وہ جس طرف بھی دیکھتے تھے ہر طرف ان کو مجذوب شیر پر سوار حملہ کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا جس سے ان کی دہشت اور بڑھ گئی، پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خلوت وجلوت، گھر میں اور باہر، غرضکہ ہر جگہ مجذوب کی شکل ان کو نظر آتی تھی۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی یہ شکل غائب نہ ہوتی تھی جس کی وجہ سے آپ نہایت افسردہ رہتے تھے۔ چند روز اسی طرح گزرے۔ ایک دن مخدوم زکریا جو آپ کے بھتیجے تھے علی الصباح مخدوم کی خدمت میں پہنچے اور انھوں نے مخدوم سے عرض کیا کہ رات میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس دیوانے مجذوب سے فرما رہے ہیں کہ مخدوم ہماری شریعت کے ادب کو خصوصیت سے ملحوظ رکھتا ہے اور تم اس سے دشمنی رکھتے ہو۔ ابھی جاؤ اور اس سے معافی چاہو ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ مجذوب دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوا آپ نے اسے معاف فرمادیا۔

فرمانرواؤں کی عقیدت مندی

آپ کے زہد و ورع، تقویٰ و تقدس کی شہرت عالمگیر تھی۔ یہاں تک کہ فرمانروایانِ وقت مخدوم احمدؒ سے ملاقات کو اپنی سعادت اور خوش قسمتی سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے بھائی مخدوم محمدؒ کسی ضرورت سے ٹھٹھہ تشریف لے گئے، اس وقت

ٹھٹھہ میں سمہ خاندان کے بادشاہ جام نظام الدین نندا کی حکومت تھی۔ جام نظام الدین نندا کو جب مخدوم محمدؒ کی تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے نہایت عزت و احترام سے آپ کو بلایا۔ اور عرض کیا کہ مجھے آپ کے بھائی مخدوم احمدؒ سے ملاقات کا بیحد اشتیاق ہے۔ میں اب آپ کو اس وقت تک نہ جانے دوں گا تاوقتیکہ میری ملاقات مخدوم احمدؒ سے نہ ہو جائے۔ مخدوم محمدؒ نے جام نندا سے فرمایا کہ اس خیال کو چھوڑیے کیونکہ مخدوم احمدؒ کی وہ بے نیاز شخصیت ہے کہ جسے میری اور تمھاری دونوں کی پرواہ نہیں۔ لیکن عالم کشف میں مخدوم احمد اس واقعہ سے مطلع ہوئے۔ اور اسی وقت ٹھٹھہ پہنچ کر جام نظام الدین نندا کے پاس تشریف لے گئے۔ جام نظام الدین نندا کے پاس تشریف لے گئے۔ جام نظام الدین نندا نے قدمبوسی کی سعادت حاصل کر کے اپنے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ اور دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کی ہر بات پر انشاء اللہ فرمایا۔ جام نے اپنے تشریف لے جانے کے بعد اپنے مصاحبین سے کہا کہ میں اب تک جن لوگوں سے بھی دعا کا طالب ہوا ہوں انھوں نے بہت سی باتیں کیں لیکن مخدوم نے سوائے انشاء اللہ کے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں فرمایا مجھے یقین ہے کہ یہ کام پورے ہوں گے۔

وفات مخدوم احمدؒ وفات سے کچھ پہلے ایک روز حلقہ سماع میں شریک ہونے کے لیے ہالہ کنڈی سے قلعہ نیرن کوٹ تشریف لائے۔ حیدر آباد سندھ کا پرانا نام نیرن کوٹ تھا۔ اور وجد و ذکر میں مشغول ہو گئے۔ اتفاقاً ذاکر نے سُر سوز سے ایک بیت نہایت خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا۔ اس کے سننے سے آپ پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوئی اور اسی حالت میں آپ نے وصال فرمایا۔

آپ کا سنہ وفات ۹۳۴ھ ہے، یہ مرزا شاہ حسن ارغون کا زمانہ تھا۔ لاش قلعۂ نیرن کوٹ سے ہالہ کنڈی لائی گئی۔ اور وہیں مدفون ہوئے، جنازے کے لانے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کے جنازے کو اٹھاتے تھے تو ہم کو ذکرِ جلی کی آواز آتی تھی اور جب کسی منزل پر جنازے کو رکھ دیتے تو یہ آواز بند ہو جاتی۔

آپ کا مزار اقدس ہالہ کنڈی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

حضرت مخدوم نوح ہالائیؒ

وصال: ۹۹۸ھ، مزار: ہالہ کندی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی لطف اللہ اور لقب مخدوم نوح تھا۔ آپ کے والد کا اسم گرامی نعمت اللہ اور والدہ کا نام بی بی راجی تھا۔ جو قبیلہ لاکھا سے تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ مخدوم نوح بن مخدوم نعمت اللہ بن مخدوم اسحاق بن مخدوم شہاب الدین ابن مخدوم سرور بن مخدوم فخر الدین صغیر۔ آخر میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔

خاندان آپ کے جدِ اعلیٰ شیخ ابوبکر کتابی، شیخ احمد، شیخ محمد، شیخ علی معروف بہ قاضی اور شیخ جلال الدین یہ پانچ حضرات سب سے پہلے آ کر کوٹ کرور (حدود ملتان) میں آباد ہوئے۔

شیخ ابوبکر کتابی اپنے وقت کے عظیم المرتبت صوفی اور درویش تھے آپ عوام و خواص میں شیخ شمس الدین کوٹ کروری سے مشہور ہوئے اور کوٹ کرور ہی میں وفات پائی۔

شیخ ابوبکر کتابی کے صاحبزادے مخدوم فخر الدین کبیر اتفاق سے سیر و سیاحت کی غرض سے سیوستان کے قرب و جوار میں تشریف لائے اور آب و دانے کی کشش نے سندھ کو آپ کا وطن بنا دیا۔ مشہور یہ ہے کہ ابتداءً آپ نے اور آپ کے متعلقین نے اپنا وطن قصبۂ بوبک کو بنایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے بوبک ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ سیوستان میں حضرت شہباز قلندرؒ کے قرب و جوار میں مدفون ہوئے۔

اسی طرح حضرت مخدوم نوح کے جد مخدوم فخر الدین صغیر ایک دفعہ بطور سیر و سیاحت ہالہ کندی تشریف لائے۔ اہلِ ہالہ کندی نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت اور میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ اور لجاجت کے ساتھ تمنا ظاہر کی کہ آپ اگر ہالہ کندی کو اپنا وطن بنالیں تو ہم سب کی

خوش نصیبی ہوگی۔

آپ نے اہلِ ہالہ کے اصرار پر ہالہ میں سکونت اختیار فرمائی اور اہلِ ہالہ بھی شب و روز جان و مال سے آپ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ پھر آپ تمام عمر ہالہ ہی میں مقیم رہے۔ اور وہیں وفات پائی۔

ولادت

حضرت مخدوم نوح کی ولادت باسعادت ۹۱۱ھ میں ہوئی۔ زمانۂ طفلی ہی سے آپ کی پیشانی مبارک سے انوارِ ولایت ہویدا و تاباں تھے اور اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چل کر آپ آفتابِ ولایت بننے والے ہیں۔

مشہور ہے کہ مخدوم نوح ابھی سات ہی روز کے تھے اور گہوارے میں لیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ محلہ کی مسجد کے مؤذن نے اذان دی۔ اذان کے ختم ہونے پر آپ نے فرمایا کہ "نعم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔"

علمِ باطن کا حصول

مخدوم جان محمد جو اطراف سیوستان کے رہنے والے تھے ان سے سید السادات سید حیدر ساکن موضع سن نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد مسجد میں لیٹے ہوئے تھے کہ وہاں مخدوم نوح تشریف لے آئے آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (اللہ کے ذکر کے لیے کھڑے ہو جاؤ) سید حیدر نے آپ کے اس ارشاد پر پوچھا مَنْ عَلَّمَكَ؟ (آپ کو کس نے تعلیم دی؟) آپ نے فرمایا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ۔ (مجھے میرے رب نے سکھلایا)

اسی طرح ایک مرتبہ جب آپ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سید علی شیرازی کے مکان میں قیام فرما تھے۔ حضرت سید علی شیرازی کے صاحبزادے سید جلال نے پوچھا کہ سُنا گیا ہے کہ آپ کی ارادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے؟ فرمایا ہاں! بغیر اس درگاہِ خلائق پناہ کے کوئی شخص بھی فائز نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں نے چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید مخدوم عربی دیانہ سے پڑھا تھا۔

میاں محمود کا بیان ہے کہ ایک روز ایک صاحب جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں سے تھے۔ مخدوم نوح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے آپ کو خلافت دینے اور فائدہ پہنچانے

کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ اور کیمیا بھی جانتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو کیمیا سکھا سکتا ہوں۔ جو شاید کسی وقت آپ کے کام آئے۔ فرمایا کہ جس روز سے بارگاہِ نبویؐ کی خدمت سے شرف اندوز ہوا ہوں، دنیا کی ہوس میرے دل سے نکل گئی۔ یہ کہہ کر ایک درہم منگایا اس پر مٹی ملی وہ بالکل کھرا سونا بن گیا۔

ان تمام روایتوں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے علوم باطنی میں اکتساب کسی شیخ سے نہیں کیا تھا بلکہ آپ کا علم وہبی اور منجانب اللہ تھا۔

یادِ الٰہی

آپ کا تمام وقت عبادت اور یادِ الٰہی میں گزرتا تھا اور ہر وقت زبان پر ذکرِ الٰہی جاری رہتا تھا۔ ہمیشہ لبِ مبارک حرکت کرتے رہتے تھے۔ حجامت کے وقت حجام سوچتا تھا کہ اگر ایک منٹ کے لیے حضرت سکوت فرمائیں تو وہ مونچھوں کو درست کردے آپ حجام کے چہرے سے اس کے ارادے کا اندازہ کرکے فرماتے۔ میاں! حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا حجام جب حجامت بناتا اور مونچھیں درست کرنے کا ارادہ کرتا، تو کہتا اے امام المسلمین! ذرا ہونٹوں کی حرکت روکیے تاکہ میں مونچھوں کو درست کردوں، وہ فرماتے اگر تم آفتاب اور آسمان کی حرکت کو روک دو تو ہم بھی اپنے ہونٹوں کی حرکت روک سکتے ہیں۔

قناعت پسندی

آپ بیحد متوکل اور قانع تھے۔ آپ کو جو میسر آجاتا اس پر قناعت کر لیتے۔ کبھی مزید کی خواہش نہ کرتے۔ آپ اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کے سخت خلاف تھے۔ آپ اس بات کو اچھا نہ سمجھتے تھے کہ دوسرے دن کے لیے کوئی چیز بچا کر رکھی جائے۔

توکّل کا ایک واقعہ

ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح کے یہاں ایک مہمان آیا۔ آپ اس کی تواضع اور مدارات کے لیے گھر میں تشریف لے گئے اور بیوی صاحبہ سے پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟ انھوں نے کہا بہت کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا کیا ایک سیر غلّہ ہوگا؟ بیوی صاحبہ نے فرمایا ایک سیر سے بھی زیادہ ہے۔ آپ کے باربار پوچھنے اور سوال وجواب پر انھوں نے فرمایا چار سیر غلہ موجود ہے۔ اور اس کے سوا خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔ یہ سن کر حضرت مخدوم گھر سے واپس ہوئے اور فرمایا گھر میں اس قدر سامان

رکھنا شانِ توکل سے بعید ہے اور کل کے لیے (غلہ کا) ذخیرہ کرنا رازقِ الرزاق پر بھروسے کے خلاف ہے۔ یہ کہہ کر اسی وقت آپ نے فقیر فقراء کو آواز دی اور جو کچھ گھر میں موجود تھا، وہ ان کے حوالے کر دیا۔

انتہا یہ ہے کہ اپنی معمولی سے معمولی ضرورتوں میں بھی کسی سے سوال کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مخدوم نوح بخار میں مبتلا ہو کر اپنے حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ حجرے میں ایک لڑکا جو آپ کے گھر کا پلا ہوا تھا، سامنے موجود تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم اور تم دونوں کے دونوں خدا کے بندے ہیں لیکن چونکہ تمہارے رزق کی کفالت ہم پر اور ہماری خدمت تم پر لازم ہے اس لیے تھوڑا سا پانی لاؤ۔ لڑکا یہ سن کر ہنستا ہوا بھاگ گیا اور پانی نہیں لایا۔ فرمایا الحمدللہ! کہ میں نے تمام عمر میں یہی ایک سوال کیا تھا اور وہ بھی قبول نہ ہوا۔

آپ کی دعا سے فتحیابی

بیحد مستجاب الدعوات تھے۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ دہلی کی طرف سے ایک لشکر فتح سندھ کے لیے بھیجا گیا۔ لوگوں نے آکر حضرت مخدوم نوح کو اطلاع دی۔ فرمایا انشاءاللہ انجام بخیر ہوگا، یہاں تک کہ وہ لشکر ہالہ کندی کے قرب و جوار کو تاخت و تاراج کرتا ہوا ہالہ پہنچ گیا، ہالہ کندی کے رہنے والے اور اہل خانقاہ لرزاں و ترساں آپ کی خدمت میں پہنچے اور حالات عرض کیے۔ فرمایا تھوڑی سی مٹی لاؤ۔ لوگ مٹی لے کر آئے۔ آپ نے اس مٹی پر یہ دعا پڑھی اللّٰھم لک الحمد و لک المجد ولک الشکر والیک المنتہاء وانت المستعان وعلیک التکلان و منک الفرج ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہ واصحبہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔ یہ کہہ کر مٹی آپ نے اس لشکر کی طرف پھینکی۔ کہتے ہیں کہ لشکر اس بری طرح بھاگا کہ اپنے ملک تک دو روز ایک جگہ قیام نہ کر سکا اور اپنا بہت سا اسباب و سامان چھوڑ گیا۔

اتباعِ شریعت

آپ اپنے مریدوں کو خصوصیت کے ساتھ شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت مخدوم نوح سے عرض کیا کہ درویش رکن الدین ابن دتیہ کو جو اپنے کشف و کرامات میں غیر معمولی شہرت رکھتے ہیں

فرماتے ہیں کہ ہر ذی روح کہ روئے زمین پر ہے اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ سب مر جائیں تو مجھے امید ہے کہ یہ دعا قبول ہوگی اور سب مر جائیں گے۔ شیخ برکیہ کاتیار نے جو اس مجلس میں حاضر تھے، عرض کیا کہ اگر میں کہوں کہ خدا سب کو زندہ کر دے تو مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ سب کو زندہ کر دے گا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمھیں چاہیئے کہ اسلامی تعلیمات سے مُردہ دلوں کو زندہ کرو اور کوئی ایسی بات جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، زبان پر نہ لاؤ کہ اس دنیا میں سارے عالم کا بیک وقت مرنا اور جینا محالات میں سے ہے۔

شیخ درویش محمود بوبکانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے مخدوم معظم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ذکر الٰہی تنہائی میں کرو۔ کسی نامحرم عورت سے بات نہ کرو۔ فساق و فجار کی صحبت سے پرہیز کرو۔ علماء سے بحث و مجادلہ نہ کرو۔ دنیاداروں اور بادشاہوں کے گھروں پر نہ جاؤ۔ اگر وہ بلائیں تو جانے سے انکار کر دو۔

ملفوظات حضرت مخدوم کے ملفوظات دلیل الذاکرین میں بڑی کثرت سے نقل کیے گئے ہیں جو اثر و تاثیر، حکمت و موعظت اور بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے بے نظیر ہیں۔ ہم ان میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مخدوم سے بادشاہِ وقت نے پوچھا کہ بعض فقراء یہ بتا دیتے ہیں کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں کیا ہے اور بارش کب برسے گی اور بعض مستقبل کے حالات بھی بتا دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث و یعلم مافی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غداً۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان چیزوں کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ مخدوم نوح نے فرمایا کہ اگر تم غور کرو گے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ آیت میں لفظ نفس ہے نہ روح۔ اور فقیر جو کہتے ہیں وہ نفس سے نہیں کہتے، بلکہ وہ نفس سے گزر کر تخلقوا باخلاق اللہ سے متصف ہو جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا مملکت کی حفاظت کے لیے تین قلعے ضرور ہیں۔ تاکہ وہ اپنے معاندوں اور مخالفوں سے محفوظ رہے۔ پہلا قلعہ مٹی کا ہے وہ رعیت ہے۔ اس قلعے کو عدل و انصاف کے گلاوے سے اس طرح مضبوط کرنا چاہیئے کہ کسی ظلم کی وجہ سے اس میں رخنہ نہ پڑے۔ دوسرا

قلعہ لوہے کا ہے وہ لشکر ہے جس کی تعمیر انعام و بخشش سے ہوتی ہے۔ یہی لوگ ملک کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھتے ہیں اور عوام ان کی حمایت میں رہ کر مامون رہتے ہیں۔ تیسرا قلعہ فولاد کا ہے۔ وہ اہل اللہ ہیں۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ بیت المال میں ان کا جو حصہ ہے وہ ان کو دے اور ان کو اتنی فراغت بہم پہنچائے کہ وہ مدارس میں اطمینان سے درس و تدریس میں مشغول رہیں اور سلطنت کی بقا کے لیے دعا فرمائیں۔ بادشاہ کا یہ فرض بھی ہے کہ ہمیشہ ان کو معزز و مکرم رکھے اور ان کی معیشت کے انتظام کو اپنے لیے لازم جانے اور اپنے کو ان کی دعاؤں کا محتاج تصور کرے، اپنی حاجات و مطالب کو صدقِ دل اور خلوص کے ساتھ ان کے سامنے دعا کے لیے پیش کرے کہ حقیقت میں ملک کا نظم و نسق انھیں اہلِ دل کے ہاتھ میں ہے۔

درویش یحییٰ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بی بی مریم نے حضرت مخدوم سے وسعتِ رزق کی دعا کے لیے عرض کیا۔ فرمایا جو تمھارا مقدر ہے اللہ اس سے کم نہیں کرے گا۔ اور دوسروں کا نصیبہ تمھیں نہیں دیا جاسکتا۔ اور جو تمھیں نہیں مل سکتا اس کے لیے سرگرداں نہ ہو اور جو تمھارا مقدر ہے اس کے حصول کے لیے تمھیں پریشان نہ ہونا چاہیئے۔

ایک دفعہ لوگوں نے مخدوم نوح سے پوچھا کہ حبیب اور خلیل میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ حبیب معشوقیت کا مرتبہ رکھتا ہے اور خلیل عاشقیت کا۔ حبیب ناز کی منزل میں ہوتا ہے اور خلیل نیاز کی۔ حبیب کو دوست چاہتا ہے اور خلیل دوست کے لیے تڑپتا ہے۔

خدمتِ خلق

خدمتِ خلق حضرت مخدوم کا خاص شعار تھا۔ حاجی عبداللہ بن حاجی ہارون کی روایت ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریا کی اولاد میں سے بعض لوگوں نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ ولی عہد ہم کو ہمارے وطن ٹھٹھہ سے شہر بدر کرنا چاہتا ہے۔ فرمایا کہ تقدیر پر راضی رہو اور اطاعت کرو۔ پھر وہ اپنے اسلاف سے باطن میں اور اپنے موجودہ بزرگوں سے ظاہر میں امداد کے خواہاں ہوئے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ یہ کام عہدِ حاضر کے شیخ ہی انجام دے سکتے ہیں۔ وہ لوگ پھر حضرت مخدوم کی خدمت میں آئے اور آپ کو خدا و رسولؐ کا واسطہ دے کر دارالسلطنت ٹھٹھہ لے گئے۔ آپ نے مسجد جامع فرخ میں قیام فرمایا۔ ٹھٹھہ کے فرمانروا میرزا عبدالباقی کو آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا تو قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اور

عرض کیا کہ میں آپ کی تشریف آوری کے لیے ممنون ہوں - آپ نے فرمایا۔ جو اولیاء اللہ کو ایذا پہنچاتا ہے ۔ اس پر فرشتے (پرندوں کی شکل میں) مسلط ہوتے ہیں کہ ان کی چونچیں الماس سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہیں - ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ فضا میں پرندے ظاہر ہوئے جنھیں پوری مجلس نے دیکھا۔ میرزا عبدالباقی نے ڈرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ وہ آپ سے عرض کرے کہ ان کی شہر بدری اس کے دادا کے حکم کی بنا پر ہے کہ جس کے حکم سے وہ تخت پر بیٹھا ہے ۔ ابھی وہ یہ بات زبان سے کہہ بھی نہ پایا تھا کہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم اس پر صلح کر لو کہ مُلک ان کو ممالکِ محروسہ سے بدر نہ کریں اور سوائے شہر کے وہ ممالک محروسہ میں جہاں چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔ میرزا عبدالباقی نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی ۔ اس کے بعد ان میں سے بعض پرگنہ گکرالہ اور بعض شہر بدین میں آباد ہو گئے ۔

وفات مخدوم نوح ستاسی سال کی عمر میں ۲۷ ذیقعدہ شب پنجشنبہ ۹۹۸ھ کو واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کا مزار پُر انوار ہالہ کندی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے

ازواج و اولاد حضرت مخدوم نوح کے چار بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی قبیلہ ترک سے تھیں ان کا عرف یا جار تھا ۔ ان سے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام محمد امین تھا جو آپ کے سجادہ نشین ہوئے ۔

حضرت سیّد عبدالکریم رح

وصال : ۱۰۳۱ھ - مزار : بلڑی

حضرت سید عبدالکریم کو سندھ کے اولیاء میں ایک خاص اہمیت و عظمت حاصل ہے آپ صاحبِ عبادت و ریاضت ، جامع علوم ظاہری و باطنی تھے - آپ سندھ کے مشہور شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا تھے - آپ کے والد ماجد کا نام سید للہ تھا - سید عبدالکریم کا تعلق سندھ کے ممتاز خاندانِ سادات متعلوی سے تھا ۔

ولادت سید عبدالکریم کی ولادت باسعادت ۹۴۴ھ کے اوائل میں ہوئی۔

تعلیم آپ نے اپنے خاندان اور چند دیگر حضرات سے اکتساب علم کیا اور دینی علوم میں آپ کو اچھی خاصی دسترس حاصل تھی۔ صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ہی آپ صاحبِ عمل بھی ہو گئے۔

اکتسابِ روحانیت باطنی وروحانی تعلیم آپ نے مختلف بزرگوں سے حاصل کی۔ آپ سید محمد یوسف رضوی بھکریؒ، مخدوم نوحؒ، مخدوم آدم سیمیجہ ساکن موضع کلہ اور دوسرے جلیل القدر مشائخین کی خدمت میں رہے اور ان سے اکتسابِ فیض کیا۔ لیکن سب سے زیادہ مخدوم نوح ہالائی کی کیمیا اثر صحبت و تربیت سے آپ کا جوہر قابل نکھرا۔ اور انھیں کی توجہ سے یہ سونا کندن بنا۔ آپ نے مخدوم نوحؒ ہی سے بیعت کر کے روحانیت میں کمال حاصل کیا۔

رُشد و ہدایت حضرت مخدوم نوحؒ کے ارشاد پر سید عبدالکریم نے موضع بلڑی میں قیام فرمایا اور مخلوقِ خدا کے ظاہر و باطن کی اصلاح میں مشغول ہو گئے۔ رشد و ہدایت آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ لوگ جوق در جوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے تھے۔ اور آپ سے مذہبی وروحانی تعلیمات حاصل کرتے رہے اور آپ نے یہ سلسلہ آخری دم تک جاری رکھا۔

ریاضت وعبادت ابتدا ہی سے سید عبدالکریم کا وقت ریاضت وعبادت میں گزرا منجملہ اس کے آپ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ فجر کے اول وقت مسجد تشریف لے جاتے اور وضو کر کے اذان دیتے۔ اذان کے بعد سنتیں ادا فرما کر اوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے۔ یہاں تک کہ لوگ نمازِ فجر کے لیے جمع ہو جاتے، نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد آپ اشراق تک پھر یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ اشراق کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ گھر میں تشریف لاتے اور گھر کے فرائض اور بازار کے کام خود انجام دیتے۔ پھر فقرار کو کھانا کھلا کر بیلوں کے کندھے پر ہل رکھ کر اپنے کھیت کو تشریف لے جاتے اور دوپہر تک ہل چلاتے، پھر

بیلوں کو پانی پلا کر گھر لوٹتے، پھر نمازِ عصر، مغرب اور عشا ادا فرما کر گھر کے کاروبار اور فقراء کے کھانے سے فارغ ہو کر رات کو اپنے گاؤں سے موضع راہوت تشریف لے جاتے، راستے میں جو گاؤں پڑتے ان کی مسجدوں میں نمازیوں کے لیے وضو کے پانی وغیرہ کا انتظام کرنے کے لیے آگے بڑھتے۔ یہاں تک کہ راستے کی تمام مسجدوں میں یہی عمل کرتے ہوئے دریائے سندھ کو تیر کر پار کر کے ٹھٹھہ پہنچتے اور مکلی میں مشہور اولیائے کرام کے مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر ٹھٹھہ کی آبادی میں تشریف لاتے اور وہاں کی مسجدوں کی خدمت کر کے حضرت پیر پٹھا کی زیارت کو تشریف لے جاتے۔ پھر وہاں سے مساجد کی دیکھ بھال کرتے ہوئے صبح صادق کے وقت اپنے گاؤں میں داخل ہو جاتے اور اول وقت مسجد میں صبح کی اذان دیتے۔ گاؤں کے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ شاید سید عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کو رات نیند نہیں آئی۔ اسی لیے اتنی سویرے اذان دے دیتے ہیں۔

اتباعِ شریعت

تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود آپکی ساری زندگی شروع سے آخر تک پابندی شریعت اور اتباعِ سنت میں گزری۔ عبادات میں تہجد سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ نمازِ تہجد میں خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ پہلی ہی رکعت میں آپ پر اس قدر رقت و گریہ طاری ہوتا اور وہ بیخودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی کہ پہلی رکعت پوری کر نہیں پاتے تھے کہ صبح ہو جاتی۔ اور دوسری رکعت کا پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ تعجب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ خدا جانے لوگ تہجد کی نماز کو کس طرح پورا کرتے ہیں۔ میں تو ایک رکعت بھی مشکل سے ادا کر پاتا ہوں۔

اطاعتِ مرشد

حضرت سید عبدالکریم کی اطاعتِ شیخ کے سلسلے میں آپ کی کیفیت جنونی تھی۔ ایک دن کسی نے آکر آپ سے کہا کہ آپ کو حضرت مخدوم رح یاد فرماتے ہیں۔ اس بات کے سنتے ہی آپ نے وہ بیل جو کھیتی کے لیے رکھے تھے، ذبح کر کے فرمایا کہ الحمد للہ یہ امر کتنا قابلِ شکر و فخر ہے کہ مخدوم مجھ کو یاد فرماتے ہیں۔ آپ پر اطاعتِ شیخ اور یادِ الٰہی کا غلبہ اتنا زیادہ ہوتا کہ آپ بعض اوقات اپنے فرزندوں کو بھی نہ پہچانتے۔

فرمایا کرتے تھے، محبوبِ حقیقی کے خیال میں طالبِ حق کو کھانا نہیں چاہیئے۔ اس لیے

کھانا بالکل چھوڑ دیا۔ جب اس کی خبر حضرت مخدومؒ کو پہنچی تو انھوں نے آپ کو تاکید کی۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کلوا واشربوا، اس وقت سے کچھ تھوڑا بہت کھانے لگے۔

مرشد کے فیض کا ایک واقعہ

حضرت مخدوم نوحؒ سے جو فیض آپ کو حاصل ہوا تھا۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک دن ہم تین آدمی علیحدہ علیحدہ ایک ایک تمنا لے کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میری تمنا یہ تھی کہ مجھے حضرت سے طالبانِ حق کے لیے ایسے ذکر کی تلقین ہو جو سب سے علیحدہ ہو اور میں ہدایت حاصل کرنے والوں کا پیشوا بنوں، دوسرے ہمارے ساتھ میرن کا تیار تھے۔ ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی لڑکی مخدوم معظم کے کسی صاحبزادے کے نکاح میں آئے۔ تیسرے ہمارے ساتھی بلوچ تھے، ان کی آرزو یہ تھی کہ وہ صاحبِ کشف و کرامت ہوں۔ جیسے ہی ہم حضرت مخدومؒ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے روئے مبارک کو دیکھا تو ہم تینوں کی یہ تمنائیں پوری ہو گئیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے وادیِ سلوک میں قدم رکھا تو مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی کہ میں عریاں رہوں اور گدڑی بھی اتار دوں لیکن جب میں حضرت مخدوم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا تو یہ خیال فاسد میرے دل سے نکل گیا اور میں جادۂ شریعت پر مستقیم ہو گیا۔

بہاء الدین کی عزت افزائی کا واقعہ

سید عبدالکریم اپنے پیر بھائیوں سے بیحد محبت کرتے تھے اور ان کا احترام فرماتے تھے۔ سید جعفر بھکریؒ کا بیان ہے کہ حضرت مُرشدِ زماں سید عبدالکریم متعلوی اپنے مریدوں کے ساتھ حضرت بہاء الدین دلق پوش کا وعظ سننے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب وعظ ختم ہو گیا، تو حضرت سید عبدالکریمؒ نے اپنی چادر کو حضرت بہاء الدین دلق پوش کے پیروں تلے بچھا کر آپ کے جوتے اٹھائے اور ان کو صاف کر کے رکھا تاکہ آپ پہن کر تشریف لے جائیں۔ سید عبدالکریم کے ساتھ جو مرید تھے ان پر یہ امر گراں گزرا۔ آخر ان میں سے ایک مرید سید عبدالقدوس نامی نے عرض کیا کہ اے ہمارے سید! آج آپ نے حضرت بہاء الدین دلق پوش کے جوتے اتار کر رکھے۔ لیکن تعجب ہے کہ انھوں نے کسی قسم کی معذرت نہیں کی۔ اور آپ کو اس سے نہیں روکا۔ بلکہ وہ بے نیاز رہے۔ آپ نے فرمایا کہ معذرت کا تعلق بیگانگی سے ہے اور ہم دونوں تو ایک وجود ہیں

میں تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کبھی کبھی مشرف ہوتا ہوں۔ لیکن بہاء الدین دلق پوش کا عالم یہ ہے کہ سرورِ کائنات کی بارگاہ میں بالکل قریب بیٹھے ہوتے ہیں جب کہ میں بہت دور تیسری صف میں کھڑا ہوا ہوتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں انصاف کر سکتے ہو کہ میرا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے۔

وفات آپ بعد کمزور ہو گئے آخر ۱۰۳۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی۔ آپ کو بلڑی میں دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزارِ اقدس ہے۔

خلفاء آپ کے مریدوں میں درویش مہار نہریہ، درویش احمد قطب عالم، مخدوم حامد داؤدی، درویش عبداللطیف، مخدوم ضیاء الدین، درویش سمہ، مخدوم عیسیٰ، میاں عبدالقدوس اور درویش اللہ دتہ زرگر، میاں عبداللہ اور درویش ہارون کے اسمائے گرامی بہت مشہور ہیں۔

اولاد حضرت سید عبدالکریم کے آٹھ صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں:۔
(۱) سید للہ اول (۲) سید عبدالرحیم (۳) سید جلال (۴) سید برہان (۵) سید للہ ثانی (۶) سید دین محمد (۷) سید محمد حسین (۸) سید عبدالقدوس۔
سید صاحب کے فرزندوں میں اکثر عابد و صاحبِ ارشاد تھے۔

حضرت شیخ حسین صفائیؒ

وصال: ۹۳۱ھ، مزار: مکلی۔ ٹھٹھہ

حضرت شیخ حسین صفائی ٹھٹھہ کے جلیل القدر بزرگوں سے تھے۔ آپ کی والدہ حضرت پیر مراد کی بیوی کی خادمہ تھیں اور چونکہ ان کو اپنی والدہ کی وجہ سے حضرت پیر مراد کے یہاں تربیت پانے کا موقع ملا اس لیے ابتدا ہی سے ان کی باطنی توجہ سے آپ میں ولایت کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

پیرمراد کی مریدی تذکرۃ المراد میں ہے کہ ایک روز حضرت سید مراد قدس سرہٗ وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی، حضرت شیخ حسین صفائی کو پینے کے لیے دیا۔ پانی کا پینا ہی تھا کہ آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور اسی دم آپ ولایت کے درجے پر فائز ہو کر اولیاء اللہ کے زمرے میں شمار ہونے لگے۔

عادات وخصائل حضرت شیخ حسین صفائی میں وصفِ استغنا، حد درجے کا تھا آپ کو جو میسر آتا اس میں سے ضرورت سے زائد کو اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے مگر زیادہ وقت تنگی میں گزرتا تھا۔ آپ کے زمانے کے بادشاہ شاہ حسن ارغون نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا۔ کیونکہ آپ حاکموں سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے خادموں میں سے ایک خادم کیمیا جانتا تھا اسے جب آپ کی تنگدستی کا حال معلوم ہوا تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو کیمیا بنانے کا نسخہ بتایا تاکہ آپ کا ہاتھ فراخ ہو۔ چند دن کے بعد ہی خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ شیخ کے گھر میں سابق کی طرح وہی تنگدستی و افلاس ہے۔ یہ دیکھ کر اسے افسوس ہوا اور اس نے شیخ سے عرض کیا کہ جو چیز میں نے آپ کو سکھائی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تنگدستی دور ہو لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ شیخ نے فرمایا جاؤ ہمارے کسی بیت الخلاء میں جاؤ اور تماشا دیکھو۔ وہ ایک بیت الخلاء میں گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، جب وہ وہاں سے لوٹا تو شیخ نے اس سے فرمایا اے بے خبر تم نے دیکھا کہ دنیا مردانِ خدا کی نظر میں کس قدر ذلیل وخوار ہے، وہ چیز جس کو تم اپنے دل میں جگہ دیے ہوئے ہو ہم نے اسے اپنے پاس سے نکال کر بیت الخلاء کے سپرد کر دیا ہے۔

تصنیف حضرت شیخ صفائی نے اپنے پیرومرشد حضرت شیخ مراد کی سوانح حیات تذکرۃ المراد کے نام سے مرتب کی۔

وفات آپ نے ۹۳۱ھ میں وفات پائی ھو خیر البقاء سے آپ کا سنِ وفات نکلتا ہے (۹۳۱) اور حضرت پیرمراد کے مزار مبارک کے پائنتی جانب آپ کی قبر مبارک مرجع

خلائق ہے

حضرت سیّد محمد حسین پیر مُرادؒ

وصال: ۸۹۳ھ - مزار: مکلی، ٹھٹھہ سندھ

حسب ونسب

حضرت پیر مراد کا اصل نام محمد حسین، لقب سید مراد تھا۔ آپ کے والد کا نام سید احمد ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب بیسویں پشت میں حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے جاملتا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے:۔ سید محمد حسین بن سید احمد بن سید محمد شیرازی بن سید محمود بن سید محمد بن شاہ محمود بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن سید جعفر ابن شاہ حمزہ بن شاہ ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید علی اصغر بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید علی نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظمؒ۔

ایک وقت تھا کہ سندھ پر سلطان مبارزالدین بن مظفرالدین کی حکومت تھی اس کا دور ۷۱۳ھ سے ۷۶۵ھ تک رہا۔ اس دور میں آپ کے دادا سید محمد حسینی شیراز سے سندھ آئے اور یہیں آباد ہوگئے۔ آپ کے والد کا ابتدائی زمانہ بھی سیون میں گزرا۔ انھوں نے وہاں حضرت قلندر شہباز کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

پیدائش

آپ کی ولادت ۸۳۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش سے پہلے سندھ کے مشہور بزرگ پیر گر گنج، شیخ عیسیٰ لنگوٹی اور بعض دوسرے اولیاء اللہ نے آپ کی پیدائش کی خوشخبری دی اور آپ سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔

شیخ عیسیٰ لنگوٹی کا واقعہ

مشہور ہے کہ جب حضرت پیر مراد پیدا ہوئے تو آپ آنکھ نہیں کھولتے تھے۔ شیخ عیسیٰ لنگوٹی کو خبر ہوئی تو وہ آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کو دیکھا۔ آپ کے دیکھتے ہی حضرت پیر مراد نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا بات یہ ہے کہ میں ایک مدت سے ان کی مریدی کا

انتظار کر رہا تھا۔ آج مرید نے اپنی مراد کو پا لیا۔

حضرت صدر الدین عارف سے ملاقات

آپ کا روحانی تعلق اپنے بزرگوں سے تھا۔ جب حضرت پیر مراد کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو آپ کی بزرگی، نیکی اور عبادت کو دیکھ کر دور دور سے لوگ آپ سے بیعت ہونے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کی پرہیزگاری، عبادت گزاری اور دینداری کے چرچے دوسرے شہروں میں پھیلے۔ اس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت شیخ صدر الدین عارف سہروردی ملتان کو جب اس کی خبر ہوئی کہ ٹھٹھہ میں ایک بزرگ پیدا ہوئے ہیں اور ان کی بزرگی کی شہرت سارے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے تو آپ نے اپنا ایک خادم حضرت پیر مراد کو طلب کرنے کے لیے بھیجا اور اس کے ساتھ دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ بھی روانہ فرمایا۔ شیخ صدر الدین کا اس طرح کرنے کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہ پیالہ دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس میں کوئی اور دوسری چیز نہیں سما سکتی، اسی طرح سندھ میں بھی ہمارے سلسلے کے سوا دوسرے کسی سلسلے کی گنجائش نہیں۔ حضرت صدر الدین عارفؒ کا ایک خادم دودھ کا وہ پیالہ لے کر حضرت پیر مراد کی خدمت میں پہنچا تو اس نے حضرت شیخ صدر الدینؒ کا پیغام پہنچایا کہ دودھ کا وہ پیالہ بھی پیش کیا۔ حضرت پیر مراد نے اپنی جانماز کے نیچے سے چند کلیاں نکال کر اس پیالے میں ڈال دیں اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔ اس سے آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح اس پیالے میں ان کلیوں کی گنجائش اب بھی ہے اسی طرح اس ملک میں ہمارے سلسلے کے لیے بھی جگہ خالی ہے۔ پھر فرمایا کہ شیخ صدر الدینؒ سے عرض کر دینا کہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی اولاد سے ہیں اور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ روزانہ بلا ناغہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرورتاً کبھی کبھی آپؓ کے پاس تشریف لے جاتے تھے اس لیے بجائے میرے آپ کا یہاں تشریف لانا مناسب ہے۔ خادم یہ جواب لے کر ملتان واپس ہوا اور جو جواب حضرت پیر مرادؒ نے دیا تھا ویسے ہی حضرت شیخ صدر الدین رحؒ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ اسی کے ساتھ وہ پیالہ بھی پیش کیا جس میں حضرت پیر مرادؒ نے چند کلیاں ڈال دی تھیں۔ شیخ صدر الدینؒ نے دیکھا کہ اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی وہ کلیاں اُسی

طرح تر و تازہ تھیں اور ذرا بھی نہ مرجھائی تھیں۔ پیر مراد کی اس کرامت کو دیکھ کر حضرت شیخ صدر الدینؒ بہت متاثر ہوئے اور آپ حضرت پیر مرادؒ کی ملاقات کے لیے ملتان سے فوراً ٹھٹھہ تشریف لائے اور آپ سے نہایت خلوص و محبت سے ملے۔

مُراد کا لقب

تذکرہ نویسوں نے آپ کے لقب مراد کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت صدر الدینؒ اور حضرت پیر مرادؒ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے ٹھٹھہ کی مشہور مسجد کلاں میں جو مسجد ولی نعمت کے نام سے موسوم ہے، تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مری ہوئی بلی پڑی تھی۔ شیخ صدر الدینؒ نے اس بلی کو دیکھ کر قم باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا۔ وہ اسی وقت کھڑی ہو گئی۔ پیر مرادؒ نے شیخ صدر الدینؒ کی اس کرامت کو دیکھا اور خاموش رہے یہاں تک کہ دونوں بزرگ مسجد میں تشریف لائے۔ اتفاقاً اس دن کسی وجہ سے امام صاحب نہ آسکے۔ دیر تک لوگ ان کا انتظار کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت تنگ ہونے لگا حضرت پیر مرادؒ نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور راستے میں جو بھی ملے اسے لے آؤ۔ خادم گیا، مسجد سے نکلتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے ایک بوڑھے برہمن پر پڑی۔ خادم نے اس سے کہا کہ تمھیں قطبِ زمان حضرت پیر مرادؒ بلا رہے ہیں۔ برہمن فوراً ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت پیر مرادؒ جو ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے تھے، آپ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور اس برہمن کی طرف ایک نظر ڈالی۔ نظر کا پڑنا ہی تھا کہ برہمن نے اسی وقت اپنے جینیو کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا۔ خطبہ اور نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد اسی برہمن نے منبر پر کھڑے ہو کر بسم اللہ کے چودہ طریقے پر معانی اور مطالب بیان کیے اسی وقت حضرت پیر مرادؒ نے شیخ صدر الدین سے فرمایا۔ دیکھئے مُردوں کو زندہ کرنا بدعت ہے لیکن دلوں کو زندہ کرنا اور نورِ ایمان سے منور کرنا بزرگوں کی سنت ہے۔ شیخ صدر الدینؒ نے کہا بیشک آپ ہمارے مشائخ کی مراد ہیں۔ اور آپ سے مرادیں حاصل ہوں گی۔ اسی وقت سے آپ "پیر مراد" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تعمیر مسجد کا واقعہ

ٹھٹھہ میں سمہ خاندان کے چوبیسویں بادشاہ جام نظام الدین کے دیوان لکھی مل کا ایک بُت خانہ تھا۔ حضرت سید مراد نے اس کو مسجد

بنانا چاہا۔ لکھی مل نے آپ کی مخالفت شروع کی اور جام نظام الدین کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ پیر مراد میرے بُت خانے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ جام نظام الدین نے اس کے استغاثے کی بنا پر سخت غصہ میں آکر اپنے بھانجے جام مارک کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو مسجد بنانے سے روک دے۔ جام مارک جیسے ہی آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ کی ایک نظر اس پر پڑتے ہی اس کے خیالات کی دنیا بدل گئی۔ اور وہ آپ کے مریدوں میں شامل ہو کر فقراء میں داخل ہو گیا۔ جام نظام الدین کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک مصاحب شیخ نھترؒ کو روانہ کیا کہ وہ آپ کو اس سے باز رکھے۔ شیخ نھترؒ بھی آپ کی خدمت میں پہنچتے ہی آپ کے عقیدتمندوں کے زُمرہ میں شامل ہو گیا۔ جام نظام الدین یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو وہاں جاتا ہے آپ کا ہو جاتا ہے اب کی مرتبہ اس نے اپنے دوسرے مصاحب شیخ مالہ کو روانہ کیا لیکن وہ بھی آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد جام نظام الدین سمجھ گیا کہ آپ کی مخالفت فضول ہے۔ وہ خود عقیدتمندانہ حاضر ہوا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور تعمیر مسجد میں آپ کو ہر قسم کی مدد بہم پہنچائی۔

وفات ۸۹۳ھ میں حضرت سید پیر مراد واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

حضرت سیدؒ سمن سرکار بخاریؒ

وصال: ۱۴ رجب ۱۳۴۹ھ۔ مزار: پنگریو ضلع بدین

حضرت سمن سرکارؒ کا شمار علاقہ بدین کے اکابر مجاذیب میں ہوتا ہے آپ سیف الزبان تھے جو بات منہ سے نکلتی پوری ہو جاتی۔ اس لیے لوگوں کو آپ کی ذاتِ گرامی سے۔ بےحد فیض ہوا۔

خاندان آپ کے والد گرامی کا نام سید گل شاہ ثانی تھا۔ ان کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرت سید گل شاہ بخاری بارھویں صدی ہجری میں بخارا سے سندھ میں آکر آباد ہوئے آپ کا نسبی تعلق حسینیؓ سادات سے تھا۔

ابتدائی دور کہا جاتا ہے کہ جوانی کے ابتدائی زمانہ میں آپ رنگین مزاج دنیا دار تھے آپ ہمیشہ خوبصورت لباس پہنتے ۔ رقص و سرود کی محفلوں میں بڑے شوق سے شریک ہوتے ۔ گویا کہ نفسانی جذبات پوری طرح آپ پر غالب تھے ۔ آپ پرانے جھڈو گودام کے ایک محلے میں رہتے تھے ۔ اسی محلہ میں ایک کمہار بھی رہا کرتا تھا اس کی ایک بیٹی بیحد حسین تھی ۔ ایک روز آپ نے اسے غور کی نظر سے دیکھا تو اس کے حسن کا تیر دل میں لگ گیا ۔ اور اس کے عشق میں مبتلا ہو گئے ۔ کچھ عرصہ اس کے عشق میں تڑپتے رہے ۔ محبوبِ مجازی کے وصل سے شرف یاب نہ ہو سکے ۔ آخر ایک روز دل میں آیا کہ اسے حاصل کر کے کیا کروں گا اسے حاصل کرنے کی بجائے اللہ کو کیوں نہ پایا جائے ۔ اسی سوچ کے تحت عشق مجازی کو چھوڑ کر اللہ کے عشق کے طالب ہوئے ۔

عشقِ حقیقی جونہی عشق حقیقی میں قدم رکھا تو آپ پر جذب طاری ہو گیا ۔ آپ ہر چیز سے بے نیاز ہو گئے ۔ حتیٰ کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ لوگوں نے دیوانہ کہنا شروع کر دیا اور ٹھٹھا کرنے لگے ۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ سمن شاہ ! تم نے کپڑے کیوں اتارے ہیں ۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ کے ہم نے بہت زیادہ فرض دیکھے ہیں ہم ان تک نہیں پہنچ سکتے جس وجہ سے میں نے کپڑے اتار دیے ہیں ۔

ایک روز آپ کی محبوبہ اتفاق سے آپ کے پاس آئی تو آپ نے اسے کہا اے میری ماں اب چلی جا ۔ اب میرا مطلب پورا ہو گیا اور تمھاری ضرورت نہیں رہی اس کے بعد آپ جنگلوں میں گھومنے پھرنے لگے ۔ آخر عرصہ دراز تک آپ عشق حقیقی میں دربدر کی خاک چھانتے رہے ۔ ایک روز آپ ایک آبادی میں تھے جس کا نام جھڈا تھا ۔ وہاں کے لوگوں نے بہت تنگ کیا آخر آپ نے تنگ آ کر جھڈا کی ویرانی کی بد دعا کر دی ۔ مجذوب کی بد دعا تھی کہ کچھ عرصے کے بعد جھڈا کی خوبصورت آبادی کھنڈر بن گئی ، ایک مکان تک باقی نہ رہا ۔

معمولات حضرت سید سمن شاہ اکثر و بیشتر جس مقام پر بیٹھا کرتے تھے آگ جلا لیتے اگر سردیوں کا موسم ہوتا تو آگ تاپتے رہتے ۔ آپ کا معمول تھا کہ کبھی کبھی آسمان کی طرف اشارہ کیا کرتے ۔ جب آپ کے پاس کوئی آتا تو اکثر فرماتے جاؤ ، میں نے اللہ کے حضور تمھارے کام کے لیے التجا کر دی ہے اور آنے والوں کی اکثر خواہشات آپ کی دعا سے پوری ہو جاتیں ۔

آپ کچھ عرصہ کے لیے خیر پور گنبو میں بھی رہے ۔ وہاں کے لوگوں نے بھی آپ کو بہت ستایا، آخر آپ نے کہا "جا خیر پور تو بھی تباہ ہووے" حتٰی کہ وہ بھی تباہ ہو گیا ۔ پھر وہاں سے نقل مکانی کر کے پنگریو میں آ گئے ۔ وہاں آپ سے بیشمار کرامات سرزد ہوئیں اور بہت سے لوگ آپ کے عقیدتمند بن گئے ۔ آپ نے پنگریو کے لیے دعا کی کہ یہ بہت بڑا شہر بنے گا ۔ آخر وہ شہر بن گیا ۔

ہندو کے مسلمان ہونے کی پیشگوئی

پنگریو میں ایک ہندو تھا جس کا نام گلاب رائے تھا وہ آپ کی خدمت میں بیٹھا کرتا تھا ۔ ایک دن خوش ہو کر کہنے لگے اے گلاب! تو مدینہ کا گل بنے گا ۔ حضرت سمن سرکار کی وفات کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور حج پر گیا حتٰی کہ اس نے سات حج کیے اور وہیں اس کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوا ۔

وصال

حضرت سمن سرکار کا وصال ۱۴ رجب المرجب ۱۳۴۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۹ء ہوا ۔ اور آپ کو پنگریو کے باہر ایک مقام پر دفن کیا گیا ۔ آپ کے مزارِ اقدس پر ایک شاندار گنبد بنا ہوا ہے ۔ ہزار ہا لوگ آپ کے مزار اقدس پہ دور و نزدیک سے سکون قلبی کے لیے آتے ہیں اور راحت پاتے ہیں ۔ آپ کا مزار اقدس تحصیل ٹنڈو باگو ضلع بدین (سندھ) میں مرجع خلائق ہے ۔

سیّد نظام بھکری رح

مزار : روہڑی

سید نظام بھکری روہڑی شہر کے اکابر اولیاء سے ہیں ۔ آپ کا تعلق خاندانِ سادات سے تھا ۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی سید ناصر تھا ۔ آپ پنجاب کے مشہور اور قدیم شہر بھکر کے رہنے والے تھے ۔ صاحبِ حدیقۃ الاولیاء نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کی بزرگانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے :۔

"آں شمع شبستان دود مان نبوی و آں مہر سپہر خاندانِ مصطفوی، دوحہ شجرہ، گلبن زہرہ، درہ لجہ صدق و صفا، مالک ممالک مہتری و سروری سید نظام ولد سید ناصر بھکری از جملہ واصلانِ حق و کاملانِ مطلق و صاحب حال و اہلِ قال بُود"
سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے اور اس کو اپنے لیے روحانی غذا سمجھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد جب لوگ غسل و کفن سے فارغ ہوئے اور آپ کے جنازے کو اٹھانے لگے تو باوجود کوشش اور سعی کے جنازہ اپنی جگہ سے نہ اٹھتا تھا، سب کے سب حیران ہو کر سوچنے لگے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ آخر آپ کے صاحبزادے شاہ رکن الدین کو آپ کی وصیت یاد آئی انھوں نے لوگوں سے کہا کہ والد بزرگوار نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے مجھے فرمایا تھا کہ ہمارے جنازے کو تم ہرگز نہ اٹھا سکوگے۔ تاوقتیکہ نے کے ساتھ سماع کو راگ سیندورہ سے نہ شروع کرو چنانچہ نواز کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ راگ سیندورہ گانا شروع کرے۔ چنانچہ جیسے ہی نے نواز نے گانا شروع کیا۔ جنازہ آسانی سے اٹھ گیا۔ یہاں تک کہ لوگ اس کو قبرستان لے آئے۔ آپ کا مزار روہڑی میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

ماخذ: تذکرہ صوفیائے سندھ، اولیائے سندھ۔

حضرت نوحؒ بھکری

حضرت نوح بھکری سندھ میں سلسلہ سہروردیہ کے جلیل القدر صوفیاء سے ہیں بلکہ آپ کو سندھ کے سرتاج اولیاء میں سے سمجھا جاتا ہے۔

بیعت حضرت شیخ نوح بھکری نے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے مرید ہونے سے پہلے بیعت اور خلافت حاصل کی۔ شیخ نوح بھکری کا سلسلۂ طریقت یہ ہے:۔ شیخ نوح بھکری، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبداللہ، شیخ اسود احمد

دیبوری، شیخ ممتاز علی دیبوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسنؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (بزمِ صوفیہ)

جب حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے مرید ہوئے اور اپنے وطن ملتان رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے بہترین مریدوں میں سندھ میں ایک ہمارا مرید ہے اس سے ضرور ملنا۔ یہ چراغ، بتی اور تیل خود لے کر ہمارے پاس آئے اور ہم نے ان کے چراغ کو روشن کر دیا۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ نوح بھکری کی ملاقات کے لیے بھکر حاضر ہوئے۔ مگر یہ اس وقت بھکر پہنچے کہ حضرت نوح واصل الی اللہ ہو چکے تھے۔

افسوس ہے کہ سندھ کے تذکروں میں اس عظیم المرتبت شیخ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ سندھ میں سلسلہ سہروردیہ کی ترقی و اشاعت انھیں بزرگ کی وجہ سے ہوئی۔

آپ کا مزارِ مبارک قلعہ بھکر میں واقع ہے۔

فضائل

صاحب حدیقۃ الاولیاء نے حضرت شیخ نوح بھکریؒ کے زہد و ورع، عرفان و تصوف کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

"آں بزرگوارِ نامدار، سر دفترِ مشائخِ کبار، صاحبِ توفیق، فارسِ مضمارِ تحقیق، شیخ الشیوخ شیخ نوح بھکری قدس سرہٗ از جملہ اولیائے کرام و مشائخ عظام سندھ بود و از فرقۂ مقبولانِ درگاہ و باریافتگانِ خلوت محبت اللہ دستِ ارادت از شہاب الحق والدین، برہان الصدق والیقین شیخ شہاب الدین گرفتہ۔"

صاحب تحفۃ الکرام آپ کی تعریف و توصیف میں یوں رقم طراز ہیں۔

"شیخ نوح بھکری سروری از اجل اولیائے سندھ و اکمل مریدانِ شیخ شہاب الدین سہروردی است۔"

حضرت حاجی گُل بابا رحمۃ اللہ علیہ

مزار: ملتان

نام و نسب صوفیائے سرحد کا یہ گل سرسید ۱۲۰۹ھ/ ۱۷۹۴ء میں بمقام انبار علاقہ مندنڑ میں حضرت خان زادہ کے ہاں تولد ہوا۔

والدین نے آپ کا نام محمد افضل رکھا لیکن آپ کے والد آپ کو آپ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کی وجہ سے گُل کہا کرتے تھے۔ یہ لقب آئندہ چل کر اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے اور عوام میں آپ "گُل بابا" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ "گُل" پشتو زبان میں گلاب کے پھول کو کہتے ہیں۔

آپ کے دادا حضرت الہ داد (بڑلیسی بابا) تھے جو علاقہ مندنڑ میں غیر معمولی عظمت و شہرت رکھتے تھے آپ کی والدہ ماجدہ بھی ایک بزرگ خاتون تھیں۔

تعلیم و ازدواج حضرت گُل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے علومِ ظاہری کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی۔ تحصیلِ علم کے بعد اپنے والد ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے اور سلوک کے مختلف مدارج طے کیے۔ پھر آپ نے موضع کھونڈہ کے ایک معزز خاندان میں شادی کی۔

سجادگی اپنے والد کی وفات کے بعد آپ نے ان کی مسند سجادگی کو زینت بخشی اور رشد و ہدایت، تعلیم و تعلّم میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے علوم دینیہ کو عام کرنے کے لیے ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا تھا جس میں خود بھی درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔

کسبِ معاش کسبِ معاش کا مدار آستانہ عالیہ کی ملحقہ زمینوں پر تھا، جنھیں خود کاشت کرتے تھے۔

اتباعِ شریعت خود بھی بیحد متبعِ شریعت تھے اور لوگوں کو بھی اتباعِ شریعت کی تلقین کرتے تھے اسی کا یہ اثر تھا کہ جو ایک مرتبہ آپ کی مبارک

مجلس میں شرکت کرتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔

وفات حضرت گل بابا یا حج بیت اللہ کے ارادے سے منندنڑ سے روانہ ہوئے، اثنائے سفر میں ملتان میں آپ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ چند دن علیل رہ کر وہیں آپ رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے اور ملتان ہی میں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔

اولاد و خلفاء پڑلیس نامہ میں آپ کے ایک فرزند اور ایک صاحبزادی کا تذکرہ ملتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کے تفصیلی حالات ہمیں نہیں ملے۔ آپ کے خلفاء میں مولوی زکریا کا نام نامی مشہور ہے۔

حُلیہ و لباس حضرت حاجی گل بابا کے تذکرہ نگاروں نے ان کے حُلیہ و لباس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ میانہ قد، مناسب جثہ، سفید مائل بزردی رنگ، نیلگوں چشم اور خندہ پیشانی تھے۔ گفتگو کے وقت آواز میں ملائمت، شیرینی اور لبوں پر مُسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ لباس اکثر سفید گھریلو کھادی کا زیبِ تن فرماتے تھے۔ سر پر سفید ٹوپی اور چھوٹا سا عمامہ ہوتا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن باباؒ

صوفی عبدالرحمان بابا سرحد کے باعظمت اور شہرت یافتہ پشتو شعراء میں سے ہیں۔ آپ کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔ اگر ایک طرف ان کی ذات بحیثیت ایک صوفی کے فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف وہ حریمِ قدس کے محرم تھے۔ ان کے اشعار میں ہمیں آتشِ عشق کے شرارے اور شرابِ محبت کی وہ مستی ملتی ہے جس سے دوسرے شعراء کے میکدے عموماً خالی نظر آتے ہیں۔ ان کے سینے میں عشقِ حقیقی کی وہ آگ ہے کہ جب وہ شعر کے ڈھانچے میں ڈھلتی ہے تو ان کا قاری اپنے دامن کو اس کی سوزش سے نہیں بچا سکتا۔ ان کے اشعار میں بادۂ معرفت کی سرمستی ہے جس کی آمیزش نے ان کے شعر کی شراب کو اور بھی تیز کر دیا ہے ان کے الہام

شعری کی کیفیتیں اتنی گوناگوں، نازک اور لطیف ہیں کہ شرح و بیان اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔
ان کا اصل رنگ تو تصوف اور عشقِ حقیقی کی ترجمانی ہے لیکن وہ فنی حیثیت سے بھی کامل الفن
شاعر تھے۔ ہمیں جہاں ان کے کلام میں سنائی اور عطار کی حکمت، شمس تبریز کا گداز، مولانا
روم کا فلسفہ ملتا ہے۔ وہیں ہمیں ان کے کلام میں حسن کی واردات و کیفیات اور وہ سرمستیاں
بھی ملتی ہیں جو مجاز سے حقیقت کی طرف لے جاتی ہیں۔ وہ اپنی شاعرانہ خصوصیات پر ایک جگہ
تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

جیسے میرے محبوب کی شہرت جہاں میں ہے
ویسے ہی اس دور میں میں بھی سربلند ہوں
میں نے محبوبوں کی (اپنے شعر میں) جو تعریف شروع کی ہے
اس کی وجہ سے میرا کلام سب کو پسند ہے۔
میرے کلام میں جو لذت ہے
اس کے مقابلے میں کوئی شکر کو کیا پسند کرے گا۔

مری زبان جو قند برسا رہی ہے
حلوائیوں کی دکان میں وہ قند کہاں
جس طرح کا میں سخندان ہوں۔
اگر اس طرح کا کوئی دوسرا سخندان ہو تو مجھے بتاؤ
میں بیشۂ سخن کا اگرچہ شیر ہوں
لیکن میں (اپنی شاعری سے) کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا
ہجو اور مدح پر اگرچہ مجھے بڑی قدرت حاصل ہے
لیکن میں دونوں سے خوش نہیں ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ رحمان بابا کے نغموں سے آج بھی سابق صوبہ سرحد کی وادیاں گونجتی ہیں
ان کی درویشی اور شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پھیلی۔
ان کے کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور

ناخواندہ طبقہ بھی ایک کیف محسوس کرتا ہے۔ آج بھی اس علاقے میں عورتیں گھروں میں، کسان کھیتوں میں، صوفیاء خانقاہوں میں رحمان بابا کے کلام کو سنتے اور سر دھنتے ہیں۔

ابتدائی حالات

"پختانہ شعراء" کے مؤلف نے ان کے حالات کی گمشدگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ رحمان بابا ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے اس شاعر کے ابتدائی حالات کسی نے نہیں لکھے۔ ان کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا لیکن بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ نسلاً غوری خیل مہمند میں سے تھے ان کے والد کا اسم گرامی عبدالستار تھا۔ جو بہادر کلی میں رہتے تھے۔ یہ گاؤں پشاور سے جانب جنوب پانچ میل کے فاصلے پر اس سڑک پر واقع ہے جو کوہاٹ کو جاتی ہے رحمان بابا کی ولادت ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء میں ہوئی۔ انھوں نے ملا محمد یوسف زئی سے تصوف وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر کوہاٹ تشریف لے گئے اور وہاں کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی۔ وہ جوانی ہی سے زہد و ریاضت کی طرف مائل تھے اور دنیا اور اہل دنیا سے ابتدا ہی سے بے نیاز تھے۔

"پٹہ خزانہ" اور راورٹی کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ "پٹہ خزانہ" میں ہے کہ رحمان بابا نے ملا محمد یوسف زئی سے فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی تھی اور وہ ایک جلیل القدر عالم تھے۔ جوانی ہی میں ترکِ دنیا کر کے کوہ نوردی اور دشت پیمائی میں مصروف ہو گئے تھے۔

راورٹی نے لکھا کہ رحمان بابا بہت بڑے عالم تھے۔ مگر درویشوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے اور ہمیشہ ذکر اور فکرِ حق میں مشغول رہتے تھے۔ دنیا کے ساتھ ان کا تعلق بہت کم تھا۔

موسیقی سے لگاؤ

رحمان بابا کے اکثر تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ رحمان بابا کو موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ رباب کے تاروں پر مطرب کی انگلیاں ان میں ایک نئی کیفیت پیدا کر دیتی تھیں۔ عموماً ان پر استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔

عجب خاں کی ایک عجیب روایت

عجب خان نے ان کے متعلق ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ بابا کا ایک دوست مجنون نامی تھا جو ہندوستان گیا اور وہاں کے مختلف بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہاں سے فیوضِ باطنی و برکات حاصل کر کے واپس ہونے لگا تو اس نے اپنے پیر شاہ شرف قلندرؒ سے اپنے

دوست رحمان بابا کے لیے بھی کچھ تحفہ مانگا۔ شاہ شرف قلندرؒ نے رباب میں بابا کا حصہ مقرر کرکے مجنوں کو رخصت کیا۔ مگر اس میں یہ شرط لگائی کہ مجنوں اس وقت تک رباب کو ہاتھ نہ لگائے جب تک کہ وہ رحمان بابا سے نہ مل لے اور رحمان بابا کے سامنے وہ لے بجائے جو شاہ شرف قلندرؒ نے مقرر کی تھی۔ اس وقت مجنوں مر جائے گا اور رحمان بابا زندہ رہے گا۔ چنانچہ مجنوں نے اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کی۔ جب وہ رحمان بابا سے ملا اس نے رحمان بابا کو وہ نغمہ سنایا جس کا پہلے وقت اس کے پیر نے اس کو حکم دیا تھا۔ نغمہ سناتے ہی مجنوں اسی وقت گر کر مر گیا اور رحمان بابا بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب تیسرے روز ہوش میں آئے تو ان کا آئینۂ قلب نورِ باطنی سے مجلّٰی ہو چکا تھا اور کائنات ان کے سامنے آئینے کی طرح تھی اور عبدالحمید افغانی نے بھی عجب خان کی اس روایت کی تائید کی ہے اور رباب لانے اور ان کے چشتیہ طریقے کا ذکر کیا ہے۔

حالتِ استغراق

یہ ایک حقیقت ہے کہ رحمان بابا پر اکثر اوقات استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ خشیتِ الٰہی سے آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے اور کثرتِ گریہ کے باعث ان کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے دو لکیریں پڑ گئی تھیں۔ خود انھوں نے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تیرے غم کی وجہ سے میرے چہرے پر نہریں ہیں
ذرا حال تو پوچھ کہ یہ کیوں ہیں؟

اتباعِ شریعت

راورٹی اور افغانی دونوں کا بیان ہے کہ عشقِ الٰہی میں یہ استغراق ان کو فنا اور حیرت کے اس مقام پر لے آیا تھا کہ نماز باجماعت ان سے ترک ہونے لگی تھی اور تن تنہا ایک حجرے میں پڑے رہتے تھے۔ علماء نے ان کے اس حال کو دیکھ کر ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ رحمان بابا نے شریعت کے احکام کے سامنے اپنی گردن جھکا دی اور علماء سے وعدہ کیا کہ میں آئندہ تمام امور میں احکامِ شرعیہ کی پابندی کروں گا۔ اس طرح یہ قضیہ ختم ہوا۔

رحمان بابا کی شاعری

رحمان کی شاعرانہ عظمت ان کی ساری قوم میں مسلّم ہے۔ ان کی شاعری یوں تو رنگ برنگ کے سدا بہار پھولوں کا حسین اور خوش رنگ

گلدستہ ہے لیکن ان کی شاعری کا موضوعِ خاص تصوف ہے۔ ان کے فکرِ رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بیحد حُسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنے جمالِ شعری کو تصوف سے نکھارا اور سنوارا ہے۔ وہ حُسنِ حقیقی کے متلاشی ہیں اور ان کے پردۂ مجاز میں بھی حُسنِ حقیقی صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ گدازِ عشق اور سوز و غم نے ان کی شاعری کو بڑا نکھار دیا ہے۔ رحمان بابا کے کلام کا نمونہ کے طور پر ترجمہ حسبِ ذیل ہے:-

جس نے اپنا مقصود خدا کو ٹھیرا لیا
حقیقت میں اس کا ہر کام عبادت ہے۔
اے خدا! اسے ہرگز مایوس نہ کیجئے
جس کو جہاں میں تیرے کرم کا آسرا ہو۔

ملکِ رضا میں غم کا وجود ہی نہیں ہے
اس لیے کہ عشق کا غم تو عاشقوں کی خوشی ہے۔
اسے اور کچھ نہیں چاہیئے دلبر! رحمان تو صرف تمھارا طالب ہے
یہ میری مرضی ہے، باقی جو تمھاری مرضی ہو۔

جو کوئی عاشقی کرے خواہ وہ واقعتاً افلاطون ہی کیوں نہ ہو
میں تو اسے مجنوں ہی سمجھتا ہوں (یہ اور بات ہے) کہ وہ
آج مجنوں ہو جائے یا کل

جیسے میرا یار سربلند ہے اس کی نسبت سے میں بھی سربلند ہوں
اس کے عشق کی نسبت سے میں بھی سربلند ہوں۔
جس طرح عالم میں اس کی شہرت ہے
ویسے ہی اس دور میں میں بھی سربلند ہوں۔

میں نے خوباں کی مدح کا آغاز کیا ہے
(اسی لیے) میرا کلام سب کو پسند ہے
میرے کلام میں جو شیرینی ہے
اس کے مقابلے میں کون شکر کو پسند کرے گا
جس قسم کا میں سخن داں ہوں
اگر دوسرے ہوں تو مجھے بھی بتا دو

جسے دنیا میں محبت کا کاروبار پسند ہو
اسی کے قتل کے لیے ہجر کے خنجر بنائے جاتے ہیں

تیرے جمال کی مدح سے یہ فیض حاصل ہوا ہے
کہ رحمان کے اشعار کی تعریف سے عالم گونج اٹھا ہے

دیوان کا ترجمہ رحمان کا مجموعۂ کلام منظوم اردو ترجمے کے ساتھ دیوان عبدالرحمٰن کے نام سے پشتو اکیڈمی یونیورسٹی آف پشاور نے دو زبانوں پشتو اور اردو میں شائع کیا ہے۔ اردو منظوم ترجمہ پشتو کے مشہور شاعر امیر حمزہ شنواری نے کیا ہے۔

وصال: رحمان بابا نے ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء میں وفات پائی، ان کا مزار پشاور میں ہے

حضرت صوفی فیض محمد فیصل رح

وصال: ۱۳۷۷ھ

آپ گاجان شہر کے قبیلہ لاشار میں ربیع الآخر ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں جمعرات کے دن پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام خان محمد تھا۔ سات آٹھ برس کی عمر کو پہنچے تو عام دستور کے مطابق اپنے بیلوں کو چرانے

کے لیے لے جانے لگے۔ دس برس کی عمر تک کھیل کود ہی میں مصروف رہے۔

پھر آپ کی زندگی میں ایک اہم موڑ آیا اور آپ دل لگا کر تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ والدین کو بتائے بغیر آپ ایک مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں بھی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی صاحب نے آپ کا شوق اور رجحان دیکھ کر پڑھانا شروع کیا۔ جب آپ نے قرآن شریف ختم کر لیا تو دستور کے مطابق مولوی صاحب نے ان کے ہاتھ تسبیح سے باندھے اور چند طالب علموں کے ہمراہ انھیں ان کے گھر بھیج دیا۔ والدین نے حقیقت دریافت کی تو طالب علموں نے بتایا کہ انھوں نے قرآن مجید ختم کر لیا ہے اس لیے استاد نے ان کے ہاتھ تسبیح سے باندھ دیے ہیں اور آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ختم قرآن کی مٹھائی دیں۔ اس پر فیضل کے والدین بیحد خوش ہوئے اور فی الفور مولوی صاحب کی خدمت میں بچھڑا بھجوا دیا۔

اب آپ فارسی و عربی کُتب پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ پہلے تو تعلیم کی رفتار سُست ہی رہی کیونکہ اکیس سال کی عمر میں "سکندر نامہ" سے فارغ ہوئے۔ بہر حال تعلیم ظاہری سے فراغت پاکر آپ تعلیم باطنی کی جانب متوجہ ہوئے اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ فتح پور (علاقہ گنداوا ضلع کچھی) پہنچ کر حضرت سید رکھیل شاہ صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے وہاں پہلے طلبا کو درس دینے میں مصروف رہے پھر حضرت صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق پرانی مسجد میں بیٹھ گئے اور چلہ کشی شروع کی۔

چلّہ کھینچنے کا طریقہ یہ ہے کہ چلّہ کھینچنے والا ایک کوزہ پانی کا اور چند کھجوریں اپنے پاس رکھتا ہے اور ان میں سے چند دانے کھاتا رہتا ہے اور چالیس روز تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہ کر ایک چلّہ پورا کرتا ہے۔

فیضل نے بھی اسی دستور پر عمل کیا مگر آپ یادِ الٰہی میں اتنے منہمک ہو گئے کہ کھانے پینے کا خیال تک نہ رہا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد دوسرے لوگ وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ آپ نڈھال پڑے ہیں۔ سانس بھی مشکل سے آ رہی ہے۔ انھوں نے منہ میں شربت ٹپکایا تو سانس آئی اور یوں آپ اس اولین منزل کو بخیر و خوبی طے کر کے آگے بڑھے۔

آپ کئی سال تک فتح پور میں مرشد کی خدمت میں رہے اور پیرِ کامل کی راہنمائی میں طریقت

کی منازل طے کیں۔ خود گویا ہیں:۔

تینٹ ہادی فتح پورٹی ؎ تینٹ پیر مغان

ترجمہ:۔ فتح پور میں وہ خود ہی ہادی تھا اور خود ہی پیر مغان تھا۔

بعد ازاں مرشد سے اجازت لے کر نواب شاہ کی جانب روانہ ہونے لگے لیکن آپ کے قبیلے کے لاشاریوں نے انھیں وہاں جانے سے روکا اور عرض کی کہ نصیر آباد (بلوچستان) میں ان کی ایک ایسی بستی ہے جو جنّوں اور دیووں کی وجہ سے ویران ہو چکی ہے آپ وہاں چلیں اور اسے آباد کریں۔ صوفی فیضل صاحبؒ راضی ہو گئے اور نواب شاہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور ان لوگوں کے ہمراہ اس ویران بستی میں پہنچے اور اس کا نام فیض پور رکھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گرد و پیش کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہونے لگے، کہتے ہیں کہ اس بستی میں ایک مجذوب عورت تھی جس نے لوگوں کو جنّوں کے خوف سے بستی کو چھوڑتے دیکھا تھا۔ وہ کبھی کبھی کہا کرتی کہ ایک نہ ایک دن یہاں ایک مرد خدا آئے گا اسے کوئی (مراد جنّ) اس بستی سے نکالے تو میں دیکھوں۔

آخر اس مجذوبہ کی بات درست نکلی اور صوفی فیضل کی وجہ سے وہ ویران بستی آباد ہو گئی کسی نے صحیح کہا ہے۔

ہر جا چوں رود نیکو سرشتے
اگر دوزخ بود، گردد بہشتے

آپ سے کئی کرامات منسوب ہیں جیسے:۔

ایک دن گنداوہ کے قریب صدیق کی ویران مسجد میں آپ خدا کی یاد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص حیران و سرگرداں ہانپتا کانپتا وارد ہوا۔ اور کہنے لگا، خدا کے لیے مجھے کہیں چھپا دیں۔ دشمن مجھے قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں تمھیں چھپاؤں۔ یہ صرف ایک ویران مسجد ہے۔ اس نے کہا جس طرح ہو، مجھے دشمنوں سے بچائیے۔ آپ نے فرمایا کھڑے نہ رہو بلکہ مسجد کے کسی کونے میں بیٹھ جاؤ۔ خدا تم کو امان دیگا۔ وہ شخص مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں پانچ سات آدمی جو لاٹھیوں اور کلہاڑیوں

سے مسلح تھے وہاں آپہنچے اور کہا ہمارا یہاں مفرور آیا ہے۔ یہ اس کے قدموں کے نشانات ہیں۔ صوفی فیضل کہنے لگے کہ میں ایک فقیر ہوں۔ تمھارا مفرور میرے پاس کہاں ہے اور میں نے کہاں چھپایا ہے۔

انھوں نے مسجد کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن اس کا نام و نشان نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر چلے گئے ان کے جانے کے بعد وہ مفرور بھی سلامتی کے ساتھ نکل گیا۔

صوفی صاحب نے ایک درخت کا پودا لگایا۔ چند دنوں بعد وہ خشک ہو گیا۔ ایک روز آپ نے اسے دیکھ کر لوگوں سے فرمایا کہ پانی کیوں نہیں دیتے؟ انھوں نے عرض کی حضور! ہم تو پانی دیتے ہیں لیکن یہ سوکھ گیا ہے۔ آپ آئے اور درخت کے کناروں کو آہستہ آہستہ عصا سے مارتے رہے اور فرمایا اسے پانی دو، خدا نے چاہا تو یہ ہرا بھرا ہو جائے گا۔ خدمت گاروں نے آپ کے فرمان پر عمل کیا۔ وہ پودا سرسبز ہو کر ایک بڑا درخت بن گیا۔

آپ کی بستی کو جانے والی راہ پر ایک آدمی نے قبضہ کر لیا۔ کیونکہ وہ زمین بھی آپ نے بخش دی تھی۔ لوگوں کی آمد و رفت بند ہوئی۔ سب مجبور ہو کر آپ کے پاس آئے اور حقیقتِ حال بیان کی، اور کہا آپ ہمیں حکم دیں۔ ہم لڑ جھگڑ کر اس سے راستہ واپس لے لیتے ہیں۔ صوفی فیضلؒ نے فرمایا کہ ہم فقیروں کا کام لڑنا جھگڑنا نہیں بلکہ مخلوق کے لیے نیک دعا کرنا ہے۔ سب لوگ لاچار ہو کر خاموش ہو گئے۔

خدا کی قدرت ایک روز وہی راستہ بند کرنے والا شخص ہیضہ میں مبتلا ہو گیا۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے ایک تعویذ لکھ کر کسی کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ اس کو پانی میں گھول کر پی لو۔ خدا نے چاہا تو تندرست ہو جاؤ گے۔ ڈرنا نہیں اور یہ خیال نہ کرنا کہ فقیر نے مجھے بددعا دی ہے۔ اس تعویذ کے استعمال کے بعد وہ شخص تندرست ہو گیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت چاہی۔

آپ کے چند مرید ایک بنیے کے مقروض تھے۔ قرضے کے بدلے اس ساہوکار نے ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے بیحد منت سماجت کی لیکن وہ نہ مانا۔ وہ لوگ مجبوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آپ بیچ بچاؤ کرا دیجئے۔ وہ ہماری زمینوں پر قبضہ نہ کرے۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ اس کا قرض آہستہ آہستہ ادا کر دیں گے۔ آپ نے اس ساہوکار سے کہا لیکن وہ نہ مانا اور تحصیل

میں جاکر رپورٹ درج کرادی۔ آپ نے مریدوں سے کہا تم لوگ جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ انشاء اللہ اسے کامیابی نہیں ہوگی۔

ساہوکار کی رپورٹ پر تحصیلدار نے قرض داروں کو طلب کیا اور ہندو کو حکم دیا کہ جاکر اپنا بہی کھاتہ لاؤ۔ ہندو نے بہی کھاتہ سامنے رکھا۔ شروع سے آخر تک دیکھا کہ ایک پیسہ بھی بقایا نہ نکلا۔ دیکھا کہ سب رقم وصول ہو چکی ہے بششدر رہ گیا۔ آخر بہی کھاتے کو بغل میں دبا کر چلتا بنا اور قرضداروں کی جان میں جان آئی۔ اس روز کے بعد ہندو غریب ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ بالکل قلاش ہو گیا اور اس کا دومنزلہ مکان بھی گر گیا۔

آپ کو سماع سے دلچسپی تھی۔ ایک روز مریدوں نے کہا کہ ریڈیو سے اچھے اچھے نغمے نشر ہوتے ہیں آج آپ ان سے لطف اندوز ہوں۔ آپ نے کہا کہ نہیں رہنے دو۔ مریدوں نے ضد کی اور ریڈیو لاکر سامنے رکھ دیا لیکن ریڈیو بالکل خاموش ہو گیا۔ اسے آپ سے دور لے گئے تو وہ پھر بولنے لگا۔

صوفی فیصل کی تصویر کیمرے سے نہیں اترتی تھی۔ کئی بار کوشش کے باوجود کامیابی نہ ہو سکی آخر جب حج کی تیاری کرنے لگے تو آپ سے کہا گیا کہ تصویر کے بغیر حج کے لیے نہیں جانے دیتے۔ اس لیے مہربانی کر کے تصویر کھنچوانے کی اجازت دے دیجیے۔ صرف اس وقت آپ کی تصویر اتر سکی۔

آپ بیمار ہوئے تو علاج کے لیے ایک ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ نبض دیکھ کر صوفی صاحب سے ڈاکٹر نے پوچھا کہ جناب طبیعت کیسی ہے؟ آپ نے گرج کر کہا کہ خدا کا شکر ہے میں تندرست ہوں۔

ڈاکٹر یہ کیفیت ملاحظہ کرنے کے بعد باہر جاکر رونے لگا۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں حیران ہوں کہ نبض بالکل بند ہے مگر معلوم نہیں کہ شیر کی طرح گرج کر بات کرنے والا کون ہے۔ تھرمامیٹر سے دیکھا تو جسم کا درجۂ حرارت ۱۰۲ تھا۔

آخری وقت بھی نماز قضا نہ ہوئی۔ صبح کی نماز کے وقت اپنے فرزند سے کہا کہ تیمم کے لیے اینٹ لاؤ۔ وہ اینٹ لے آیا۔ آپ نے تیمم کیا۔ اور لیٹے لیٹے نماز پڑھنی شروع کی اور اسی حالت میں آپ کا وصال ہوا۔ تاریخ وفات ۱۴ ربیع الثانی/ ۸ نومبر ۱۹۵۷ء ہے۔

آپ فارسی، اردو، بلوچی، سندھی، سرائیکی اور براہوئی زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اسی کے ذریعے علمِ دین کی خدمت کی۔ آپ کی شاعری تصوف میں ڈوبی ہوئی ہے۔ آپ کے دیوان آپ کے جانشین حاجی محرم فقیر کے پاس محفوظ ہیں۔
ماخوذ: تذکرہ صوفیائے بلوچستان از انعام الحق کوثر

حضرت میاں محمد کاملؒ

وصال: ۱۲۳۹ھ

آپ کا حسب نسب یوں بیان کیا جاتا ہے "میاں محمد کامل بن محمد جام بن سلیمان بن محمد جام بن لعلو (کہ جدِ کلاں ہیں) طائفہ لعلو خوب پھلا پھولا۔ ان میں سے بعض چھترا در پھڑی میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء اور ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء کے مابین پیدا ہوئے اور ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء میں وفات پائی۔ آپ کی والدہ کا نام یا قربی اور اہلیہ کا نام بی بی حرمت خاتون تھا۔ آپ خلیفہ صاحب ڈنہ قوم لنجار جو آپ کے عم مولوی محمد شریف کے شاگرد تھے۔ اور مخدوم میاں محمد صدیق (گھڑواری شریف والے) کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ خلیفہ صاحب سے علوم ظاہریہ سے شرح ملا جامی اور ہدایہ فقر کی تعلیم حاصل کی۔ بمصداق:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نشد	زانکہ زاہن خنجری تیزے نشد
یا خدا واصل نشد ملائے روم	تاکہ طالب شمس تبریزی نشد

حضرت مخدوم کے فیض باطنی سے کندن بنے۔ جس زمانے میں آپ مخدوم صاحب کے یہاں مقیم تھے انہی دنوں ان کے ایک مرید صادق جو حکام سندھ اور قوم ٹالپران سے تھے زیارت کی خاطر آئے۔ حضرت مخدوم نے دونوں کو ایک مجذوبہ عورت مائی ورائی کی زیارت کے لیے بھیجا جو روہڑی کے بازار میں پھرتی تھی اور کہا آپ دونوں اس سے اپنی دلی مراد کا جواب اخذ کر کے لائیں۔ دونوں اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق روہڑی پہنچے اور اس رابعۂ وقت کی

زیارت سے مشرف ہوئے۔ مولانا محمد قاسم لکھتے ہیں،۔

"ٹاپر اثن مقصد بر دل خود گذرانید کہ اولاد من سالم نمی ماند بلکہ اسقاط حمل می شود۔
اگر احیاناً تولد اولاد می شود۔ تاہم بعد ولادت فوت می گردند و آنجناب ایں ارادہ
اور دکہ فیض من و فیض اولادم الی قیامت قائم ماند"

وہ مجذوبہ کشف حال سے آگاہ ہوئی۔ ہندو دکاندار جو اس کے معتقد تھے ان کو حکم دیا کہ ایک پانی سے بھرا ہوا مٹکا اور ایک کٹورا لائیں۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اس مجذوبہ نے دو کٹورے یکے بعد دیگرے پانی سے بھر کر گرا دیے، تیسرے کو بھر کر واپس مٹکے میں ڈال دیا۔ بعد ازاں کہنے لگی کہ لکڑیوں کو اکٹھا کر کے اچھی طرح آگ لگاؤ۔ خوب آگ روشن کی گئی۔

ان دونوں واقعات کو دیکھ کر ہر دو صاحبان اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ساری سرگذشت بیان کی۔ حضرت مخدوم نے تعبیر کی کہ پانی کے دو کٹوروں کو بھر کر گرانا اور تیسرے کو واپس ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ ٹاپر کے دو بچے ہلاک ہوں گے اور تیسرا صحیح سالم رہے گا آگ جلانے کا اشارہ میاں محمد کامل کی بات کی طرف ہے کہ ان کے اور ان کی اولاد کے فیض سے دنیا منور ہوگی۔ حضرت مخدومؒ میاں محمد کاملؒ کے بارے میں فرماتے تھے:۔

"اے محمد کامل! تو جگر گوشۂ من ہستی کہ ہمہ فیض و فقر مرا فائز و حاوی می باشی"

حضرت مخدومؒ نے میاں صاحبؒ کو فرمایا تھا:۔

"در کچھی ریاست نصیر خان بلا ہوٹی علاقہ لہڑی خاص در شہر کٹبار برویدو آنجا سکونت ورزید پس بعضی او شان در قریہ جو نیجہ از شرق شہر تنبہ بود و خود میاں صاحب باکثر مردمان در شہر کٹباراں کہ معروف بہ گودہ بود متوطن شدند"۔

ایک دوسرے موقع پر بھی حضرت مخدوم نے میاں صاحب کو موضع کٹبار شریف میں ہی مقیم رہنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اور آپ کی اولاد کو وہیں سربلندی حاصل ہوگی اسی لیے آپ کٹبار میں رہائش پذیر ہو گئے۔ زراعت اور کاشتکاری سے گزر اوقات کرنے لگے۔

میاں صاحب مسجد میں امامت بھی فرماتے تھے۔ شروع ہی اپنے مرشد حضرت مخدوم کی طرح اخفا میں رہے اور کسی پر اپنی باطنی کیفیات ظاہر نہ ہونے دیں۔ حتیٰ کہ ولایت و کرامت رکھنے

والے حضرت محکم الدین صاحب سیرانی بادشاہ کا علاقہ کٹبرا میں گزر ہوا ۔ وہ میر اور میر نصیر خان براہوئی کی ملاقات کے لیے قلات جا رہے تھے انھوں نے کٹبرا کے قریب گھانگھرا شہر میں شب بھر کے لیے قیام فرمایا۔ وہیں قوم گھانگھرہ کا ایک شخص جو امام مسجد اور صالح تھا، حضرت سیرانی کے پُر انوار چہرے کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے اپنا مدعا روشن ضمیر حضرت سیرانی کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تمھارے قریب ہی گودہ شہر میں میاں محمد کامل ہیں جو کامل اور ولی اللہ ہیں ان کی جانب رجوع کرو۔ وہ شخص کہنے لگا میاں صاحب کسی کو مرید نہیں کرتے۔ سیرانی صاحب نے کہا کہ تم ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ اب اس اخفا کے طریقے کو خیر باد کہہ دیجیے۔ وہ شخص گودہ میں پہنچا اور سیرانی صاحب کا سلام و پیغام میاں صاحب تک پہنچایا۔ اس پر میاں صاحب نے اپنے اخفاء و استتار کے انداز کو فیض بخشی اور فیض رسانی میں بدل دیا۔ اولاً گھانگھرہ کے اسی شخص کو ارشاد و تلقین سے نوازا۔ پھر بتدریج بیعت کی طرف رجوع کیا۔

قوم چاچڑ کے ملا براتی نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ وہ صالح شخص تھا۔ اس کے بیٹے ملا فتح محمد اور ملا احمد بھی مرید بنے۔ اب تک ان کی اولاد مریدِ درگاہ اور خدمت گزارِ صادق ہے۔

آپ کے دوسرے مریدوں میں سے ملا منگھ قوم براہوئی گرانی کا مقام خاصا بلند تھا۔ وہ صاحب صفا و صائم الدہر تھے۔ ہمیشہ تین دن کا روزہ طیب جو فقیرانِ قادریہ کے طائفہ میں مشہور ہے رکھتے تھے۔ ان کا بیٹا ولی محمد نامی میاں صاحب کا مریدِ صادق تھا۔ میاں صاحب اسے ولی اللہ کہتے تھے اس کی اولاد موجود ہے اور وہ مریدِ درگاہ ہے۔

ملا منگھ گرانی نے ریاضت و مجاہدہ میں بہت مشقت اٹھائی۔ نتیجۃً تھوڑے عرصے میں روحانی قوت کے والی بن گئے۔ ایک دن انھوں نے رات دن کا کھانا پینا ترک کر دیا۔ تمام عمر کا روزہ رکھا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ بارہ روزے کے بعد ان کے بیٹے نے میاں صاحب کو اطلاع دی۔ میاں صاحب نے اپنے صاحبزادہ میاں محمد حیات کو بھیجا تا کہ وہ عمر بھر کے روزے کو افطار کرائیں۔ میاں محمد حیات دقت کے بعد اٹھارہ روز گزرنے پر افطار کرا سکے۔

میاں صاحب کی عادت تھی کہ آپ صبح کی نماز کے بعد شہر سے تشریف لے جاتے کسی درخت کے نیچے یا ندی کے کنارے بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ دوپہر کو واپسی ہوتی۔ آپ کے مرشد حضرت مخدوم صاحب کی بھی یہی عادت تھی کہ کڑواری شریف شہر کے باہر جاکر عبادتِ الٰہی میں مست رہتے۔ انھوں نے درخت کے اندر جائے عبادت بنا رکھی تھی۔ میاں صاحب اکثر اوقات اس جگہ تشریف فرما ہوتے تھے جہاں اب خانقاہ شریف واقع ہے اور کہتے تھے "مجھے اس جگہ سے بوئے بہشت آتی ہے۔ خانقاہ کی زمین اور جہاں اب شہر کٹبار آباد ہے، اسے میاں صاحب نے قوم زنگریزہ کے ایک شخص سے خریدا تھا۔ جس وقت گودہ کا شہر ندی کے پانی سے غرق ہوگیا۔ میاں صاحب نے اپنی اسی خریدی ہوئی زمین پر سکونت اختیار کی۔ رفتہ رفتہ شہر آباد ہوگیا کہ اب تک موجود ہے۔

ایک دن میاں صاحب حسبِ معمول شہر سے باہر اس مقام پر جہاں اب خانقاہ شریف ہے، جوار کی بڑی فصل میں بیٹھے اللہ کی عبادت میں مصروف تھے کہ لطف شاہ نامی خراسانی جو مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں تھا، جوار کے درمیان پہنچا اور سلام کے بعد اپنے حالات بیان کیے۔ کہنے لگا کہ تنیہ شہر سے آپ کے نور کا پرتو دیکھا اور اس کی روشنی میں یہاں تک پہنچ گیا۔ آپ نے اسے دس بارہ روز اپنے پاس ٹھہرایا اور تکمیل کے مدارج تک پہنچایا بعد ازاں ولی محمد پسر ملا منگھ گرانی (جس کا ذکر پہلے آچکا ہے) جو کہ میاں صاحب کی خدمت میں رہتا تھا، سید مذکور کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ اس کی خدمت اور تربیت روحانی میں مشغول رہا۔ حتیٰ کہ لطف شاہ اللہ کو پیارا ہوا۔ اس کی اور ملا ولی محمد کی قبریں گورستان گرانی میں کہ پیر طیار غازی سے مغرب کی جانب دو کروہ کے فاصلے پر ہے یکجا موجود ہیں۔

وڈیرہ شہداد خان ڈوبکی لہڑی کے علاقہ سے آٹھواں حصہ مالیہ لیتا تھا، میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر میں آپ کی دعا کے توسط سے ہیر رانجھا کی ملاقات کرلوں تو اس آٹھویں حصے کو جو آپ سے لیتا ہوں معاف کردوں گا۔ میاں صاحب مذکورہ وڈیرے کو اپنے ہمراہ شہر سے باہر لے گئے، اسے بیابان میں مراقبہ کرایا۔ ایک لمحے کے بعد فرمایا "سر اوپر کرو اور ہیر رانجھا کا مشاہدہ کرو کہ دونوں بیٹھے ہیں۔"

وڈیرے نے سر اوپر کیا اور ہر دو سے ملاقات کی لیکن کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ بعد ازاں وڈیرے نے حصہ ہشتم کی معافی رقم کی تحریر لکھ کر دے دی۔ اب تک یہ بات وڈیرے کی اولاد بیان کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وڈیرہ دیوانہ ہو گیا تھا کہ ہیر رانجھا کی ملاقات کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت اور دیگر بزرگانِ دین پر فوقیت دے دی۔ قوم رئیسانی پہلے سلطان عبدالرحیم ساہڑی والا (نزد ڈیرہ غازی خان) کی مرید تھی جو بزرگ، ولی اللہ، کامل و عارف تھے لیکن لاولد تھے۔ ہمیشہ کچھی میں رئیسانیوں اور میاں صاحب کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ جب آخری بار رئیسانیوں کے پاس آئے تو اپنے خلیفہ قلندر خان رئیسانی اور تمام سردارانِ رئیسانی کو بلایا اور کہا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور ہر ذی نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اگلی دفعہ آؤں یا نہ آؤں۔ میں بے اولاد ہوں۔ آپ جو ارادت و اخلاص و صداقت و اختصاص مجھ سے رکھتے ہیں اب وہی رابطہ میاں محمد کامل صاحب سے کہ ولی کامل اور شہر کٹیاہ میں سکونت پذیر ہیں، رکھیے۔ آپ کو بہت زیادہ فیوض اور بے شمار منافع حاصل ہوں گے۔

اس ارشاد پر رئیسانیوں نے عمل کیا اور میاں صاحب کے مرید اور معتقد بن گئے۔ اب تک ان کی اولاد میاں صاحب کے خاندان کی مرید صادق اور معتقد راسخ چلی آتی ہے۔

میر خان ہنگل زئی جو کہ ہنگل زئیوں کے سردار کا بھائی تھا، اعتقاد و التجا کے بعد میاں صاحب کا مرید تھا، اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی بابرکت صحبت سے خاصا مستفیض ہوا۔

خان صاحب نصیر خان اول والئی بلوچستان نے جو اپنی دین پروری اور عدل گستری کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں اور ان کا سینہ درویشوں کی محبت سے معمور تھا۔ میاں صاحب کی طرف خاص توجہ دی اور مرید بن گئے حالانکہ اس سے پہلے حاجی فقیر اللہ صاحب علوی شکارپوری سے بیعت تھے۔ خان صاحب بارہا مجلس میں علانیہ کہا کرتے تھے کہ میاں صاحب کی بیعت و صحبت سے میرا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے اور دل کی آواز میرے کانوں میں آتی رہتی ہے۔ خان صاحب نے میاں صاحب کی خدمت میں کٹبار کا سارا گاؤں نذرانہ و انعام کے طور پر پیش کر کے تحریراً ہبہ کر دیا۔ میاں صاحب نے رات کے وقت اپنے آبا و اجداد

کے مرشد پیر دستگیر میاں موسیٰ شاہ جیلانی کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ سے اعراض و روگردانی فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے سعادتمند، تو بھی دنیاداروں میں سے ہو گیا۔

صبح سویرے میاں صاحب خواب سے بیدار ہوئے اور انعام کی ساری رقم خانصاحب کو لوٹا دی۔ اور کہا کہ انعام پر راضی نہیں ہیں۔ ہماری اراضی کو عشر والی (عشری) بنائیے۔ اور دوسرے اخراجات سے پاک کیجئے۔ خانصاحب آنجناب کے اشارے کو فیض بشارت سمجھے۔ اس سلسلے میں سند تیار کر کے پیش کی کہ لہڑی کی حدود میں جہاں میاں صاحب کے فقیر، اور خدمتگار زراعت و کاشت کرتے ہیں ان سے عشر وصول کیا جائے۔ خانصاحب کی وفات کے بعد بلوچستان کے دوسرے حاکموں نے بھی اس فرمان کو جاری رکھا۔

جب خان موصوف اس دارِ فانی سے اقلیم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے تو میاں صاحب نے اہل خانہ سے کہا "خان حاکم عادل و صاحبِ دل تھا اس لیے آپ مروجہ رسم کے مطابق تعزیت کریں۔" بذاتِ خود مرحوم کے لیے دعائے مغفرت و بخشش کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ان کی اولاد کے لیے دولت و اقبال کی ترقی چاہی۔

سید نور شاہ بخاری ساکن چھتر میاں صاحب کے فیض کا شہرہ سن کر کٹبار کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں دل میں خیال گزرا کہ میں نے نئی نئی شادی رچائی ہے اور رسم ہے کہ نئے شادی شدہ شخص کو گھی اور کھانڈ کے ساتھ روٹی کھلاتے ہیں جسے بُسری کہا جاتا ہے اگر میاں صاحب نے میرے حال کو دریافت کر لیا تو بیعت کر لوں گا۔ ورنہ ویسے ہی لوٹ آؤں گا۔ جب سید مذکور میاں صاحب کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے خلیفہ اللہ دتہ کو بلا کر فرمایا کہ سید کے لیے بُسری تیار کرا کر لاؤ۔ وہ اس کے سوا اور کوئی کھانا نہیں کھائے گا۔ سید متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اپنے آپ کو ان کے خادموں اور مریدوں کے حلقہ میں شامل کرا کے اپنے مولد کو واپس چلا گیا وہاں زنِ فاحشہ سے ناشائستہ رابطہ رکھتا تھا اس جانب رجوع کیا تو بزرگوں کی دعاؤں کی وجہ سے قدرت نہ پا سکا۔ اس بدکار نے تین راتوں تک آمدورفت رکھی لیکن سید کی کیفیت میں فرق نہ آیا۔ سید نے میاں صاحب کی کرامت سمجھی اور توبہ کناں روانہ ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میاں صاحب نے بہت زیادہ غصے میں مذکورہ سید کی سرزنش کی اور کہا "یہ عجیب

بعیت ہے کہ اس درویش سے روگردانی کرتے ہو اور قحبہ کو اپنے گھر میں جگہ دیتے ہو۔ اس نصیحت کا سید کے دل پر بہت زیادہ اثر ہوا اور اس قبیح فعل سے قطعاً و یقیناً تائب ہو کر صلاح و فلاح کی راہ کی جانب راغب ہو گیا۔

مولانا محمد قاسم آپ کے علمی مقام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اگرچہ آنجناب علم ظاہری درسی تا شرح ملای جامی خوانده بود لیکن تاہم بواسطۂ نورِ باطن تمامی مسائل غامضہ و مباحث دقیقہ برائے بیضا ضیاء اوشاں روشن و مبرہن بودند و اسرارِ عبارات و رموز اشارات بنظر دقت اثر آں شہیا ز بادیہ عرفان سہل و عیاں۔"

اس کی وضاحت کئی واقعات سے ہوتی ہے مثلاً میاں صاحب اپنے مرشد حضرت مخدوم صاحب اور سلطان العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کے شیوہ کے مطابق فقرِ محمدی کو غنا پر ترجیح دیتے تھے لیکن کاشتکاری کی طرف بھی توجہ فرماتے تھے۔ جو زمینیں خانقاہ شریف سے شمال کی جانب واقع ہیں اور آپ کی اولاد کے قبضے میں ہیں، سب آنجناب کے وقت سے ہیں ان میں سے بعض کو آپ نے خریدا تھا اور بعض خیرات کی صورت میں پہنچی ہیں۔

حضرت میاں صاحب شریعتِ محمدیہ پر بہت سختی سے کاربند ہوتے۔ اکثر اہلِ علم آپ سے ارادت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بتیس علماء آپ کے مرید تھے ان میں سے مولوی عبد الحلیم ساکن کنڈہ سرِ فہرست ہیں۔

تارک الدنیا ہونے کو قلندری مشرب سمجھتے تھے۔ آپ کے ترکِ دنیا کے بارے میں آپ کی دختر نیک بخت (مائی خدیجہ) نے فرمایا تھا کہ ایک روز میاں صاحب نے مجھے بلایا اور کہا کہ "اے جانِ پدر! ان تین اشرفیوں سے بھری ہوئی دیگوں کو دیکھ رہی ہو؟" جواب دیا "ہاں" پھر فرمایا "یہ مکار دنیا ہے جو مجھے مکر و فریب سے اپنے جال میں پھنسانا چاہتی ہے۔ مجھے قبول کرنے کے لیے کہہ رہی ہے۔ میں اسے قبول نہیں کروں گا۔" پھر چند بار اس پر تف کر کے اعراض فرمایا۔ میں نے عرض کیا اگر حضرت اجازت دیں تو ان دیگوں میں سے کوئی چیز لے لوں۔ فرمایا "نہ بابا! یہ فریب اور دھوکا دینے والی دنیا ہے۔ اس فاسد خیال کو اپنے دل سے نکال دے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دنیا مردار ہے اور اس کے خواہش مند کُتے ہیں "۔ رات کے وقت آپ نے اپنی چارپائی ان دیگوں کے اوپر رکھی اور سو گئے مبادا گھر کا کوئی فرد ان میں سے کوئی چیز نکال لے۔ تین رات تک وہ دیگیں پڑی رہیں پھر غائب ہو گئیں۔ ایک اور صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت میاں صاحب نماز فجر پڑھ کر مسجد سے باہر گئے کہ ناگاہ "تُف تُف" کی آواز کانوں میں پڑی۔ اٹھ کر دیکھا کہ ایک بڑی دیگ جو اشرفیوں سے پُر تھی، دروازہ پر رکھی ہوئی ہے اور میاں صاحب تُف کہہ کر اس سے چشم پوشی فرما رہے تھے۔ جونہی میاں صاحب تُف کہہ کر باہر نکلے دیگ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

آپ کی بے شمار کرامات اور خوارق عادات باتیں مشہور ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں کٹبار شہر میں شرقی جنوبی گوشے کی جانب قوم کلوئی بلوچ آباد تھی کہ اس کی زمینیں اب تک بغیر مالک کے ویران پڑی ہیں۔ اتفاقاً کٹباروں میں سے ایک شخص کے ہاتھوں اس قبیلے کی ایک گائے مر گئی۔ اس نے کاشتکاری کے سلسلے میں زیادہ زدوکوب کیا تھا۔ وہ کٹیار بلوچوں کے ڈر سے حضرت میاں صاحب کو بطور میر همراہ لے کر معافی مانگنے کے لیے پہنچا۔ میاں صاحب نے معافی دینے کے لیے فرمایا، مگر ان بیخبروں نے آنجناب کی قدر نہ جانی اور معافی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم گائے کا معاوضہ لیں گے۔ میاں صاحب ناراض ہو کر لوٹ آئے۔ خدا کا کرنا دیکھیے کہ دوسرے روز ان کے درمیان ایسا تنازعہ اٹھا کہ دو تین شخص مارے گئے۔ نتیجۃً وہ سارے وہاں سے کوچ کر گئے۔ ان کی زمینیں بغیر مالک کے ویران ہو گئیں۔ گاہے گاہے کٹبار وہاں آبادی کر لیتے ہیں۔

نعوذ باللہ من غضب اولیاء اللہ۔ (ہم اولیاء اللہ کے غصہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں)

جس زمانے میں آنجناب شہر گودہ میں سکونت پذیر تھے۔ رودخانہ لہڑی میں طغیانی آ گئی۔ پانی شہر کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ غرق ہونے کا خوف پیدا ہو گیا۔ سب اہلِ کٹبارہ جمع ہو کر دعا کے لیے میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ان کی درخواست پر رودخانہ کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ شہر کی طرف لکڑ باندھ دی جائے۔ صبح کے وقت اس پر عمل کیا گیا۔ جب ظہر کا وقت آیا تو قدرت کی شان دیکھنے میں آئی کہ پانی لکڑ کی جانب سے مڑ کر دوسرے کنارے کی طرف بہنے لگا اور شہر غرق ہونے سے بچ گیا۔

دوسرے موقع پر جب اللہ کی تقدیر شہر گودہ کی غرقابی کے لیے مقدر ہوئی تو ویران و منہدم ہو گیا۔ آپ رضائے ربانی کے مطابق صابر و خاموش رہے، پھر موجودہ حالت میں شہر کٹبار کی بنا ڈالی گئی۔

روایت کرتے ہیں کہ ایک سال حضرت مخدوم صاحب بعض مریدوں کی دعوت پر کھچی میں تشریف فرما تھے آپ بھی وہیں پہنچ گئے۔ دردِ گردہ کی تکلیف میں مبتلا ہوئے۔ اسی حالت میں حضرت مخدوم صاحب کو گھر کے اندر آنے کی دعوت دی تاکہ اہل و عیال زیارت کر سکیں۔ میاں صاحب نے خفیہ طور پر اپنی بیٹی مائی خدیجہ سے کہا "جب مخدوم صاحب تشریف لے آئیں تو ان کی خدمت میں عرض کرنا کہ میرے باپ کی مقاماتِ فقر میں سے فلاں مقام تک رسائی باقی ہے۔ عنایت فرما کر وہاں تک پہنچا دیجیے، نوازش ہوگی۔"

مائی خدیجہ نے اپنے والد محترم کے ارشاد پر عمل کیا اور حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت مخدوم نے کمال شفقت کے ساتھ تبسم فرمایا اور میاں صاحب سے فرمایا "اُٹھ اے ڈھگا" آپ فوراً اٹھ کر ادب سے بیٹھ گئے۔ حضرت مخدوم صاحب نے آنکھیں بند کیں اور توجہ فرمائی۔ فرمایا "میڈی کنڈوں لگ آؤ" یعنی میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ آپ بھی مراقبہ میں چلے گئے، ایک گھنٹے کے بعد حضرت مخدوم نے آنکھیں وا کیں اور فرمایا "اب اس مقام پر پہنچ گئے ہو۔" پھر کہا "اب اپنے خیال میں دوبارہ جائیے تاکہ امتحان ہو جائے۔" میاں صاحب نے دوبارہ اپنے خیال میں اس مقام کو طے کیا۔ بعد ازاں حضرت مخدوم صاحب کی پابوسی کے شرف سے بہرہ ور ہوئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت میاں صاحب وجد کی حالت میں اس قدر جوش و خروش میں آگئے کہ گھر کے تمام فرد نیند سے بیدار ہو گئے اور آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اپنے بیٹوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ کوئی چیز دیکھتے ہو یا نہیں، سب جواب دینے سے قاصر رہے۔ فرمایا

"در بیت اللہ شریف بارش باراں شدہ است و من بجماعت ارواح اولیاء در زیر میزاب ایستادہ آب کہ از میزاب می آمد، بر سر خود می ریختم و می نوشیدم۔"

اس وقت حقیقتاً آپ کے کپڑے تر ہو چکے تھے۔

منقول ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور کہا مجھے حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم بہار کے مہینے میں ہمارے پاس آجاؤ گے۔" چونکہ موسم بہار نزدیک تھا اس لیے سب مغموم ہوئے۔ اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ وہ مہینہ خیریت سے گزر گیا۔ سب خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس امر کا اظہار جب میاں صاحب کی خدمت میں ہوا تو فرمایا "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق میرا انتقال بہار کے مہینے ہی میں ہوگا۔ اگر اس مرتبہ نہیں تو شاید آئندہ ماہ بہار میں ہو۔

قصۂ مختصر، آئندہ موسم بہار میں میاں صاحب پرانے عارضہ درد گردہ میں مبتلا ہوئے۔ تکلیف بڑھتی گئی۔ چار پانچ روز کے بعد ۶ رجب المرجب ۱۲۳۹ھ بروز دوشنبہ وقت چاشت کبری وصیت کرتے ہوئے اور باری تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

من شوم عریاں زتن او از خیال   تا خرام در نہایات الوصال

آپ کی روح کی پرواز کے وقت بی بی صاحبہ مائی خدیجہ نے قہقہہ لگایا۔ جب حاضرین مجلس حیران ہوئے اور وجہ پوچھی تو آپ نے کہا۔ حضرت سرور کائنات و فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات تشریف لائے تھے۔

آپ کے تین بیٹے میاں محمد جام، میاں محمد حیات، میاں محمد حسن اور تین بیٹیاں بی بی مائی آمنہ مائی خدیجہ اور بی بی غلام فاطمہ تھیں۔ میاں محمد جام مائی آمنہ اور مائی خدیجہ کا مولد گھوٹکی اور میاں محمد حیات، میاں محمد حسن اور مائی غلام فاطمہ کا مولد کٹبار (کٹک پال) شریف یعنی گودہ تھا۔ میاں صاحب کی وفات کے بعد ان کے دوسرے بیٹے میاں محمد حیات سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت خواجہ فیض الحق جان چشموی رح

وصال: ۱۳۱۸ھ ، مزار: چشمہ اچوزئی

آپ کی ولادت ۲۷ رجب ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء کو ہوئی اور وصال ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ/

۱۹۰۰ء کو اتوار کے دن ظہر کی نماز کے بعد ہوا۔ مزار قریہ چشمہ اچوزئی میں ہے جو کوئٹہ کے نواح میں واقع ہے۔ جب آپ کے والد بزرگوار حضرت میاں عبدالعزیز کا انتقال ہوا تو آپ کمسن تھے۔ ان کے والد کی وصیت کے مطابق انھیں دوسرے دو بھائیوں کے ہمراہ صالح محمد اخوند جو اپنے زمانے کے بلند پایہ عالم تھے، کی خدمت میں قندھار بھیج دیا گیا۔ خواجہ صاحب وہیں سے فارغ التحصیل ہوکر بلوچستان واپس آئے۔ کچھ عرصہ درس و تدریس میں گزار کر فقیری کی جانب متوجہ ہوئے وظائف اور اوراد میں زیادہ وقت بسر کرنے لگے۔ ایک مرتبہ ایسے بیمار ہوئے کہ معمول میں فرق آگیا۔ دل میں ٹھان لی کہ اگر اب کے خدا نے صحت بخشی تو اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرونگا جو ہمیشہ ساتھ دے۔

چنانچہ صحت یاب ہوتے ہی پیر کامل کی تلاش میں نکلے۔ اور دور دراز تک کے سفر کیے قندھار سے پنجاب تک کے علاقے میں گھوم نکلے۔ آخر جناب روح اللہ پشنگیؒ سے ملاقات ہوئی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کرنے کے بعد سلوک و ریاضت میں اس قدر منہمک ہوئے کہ چار پانچ سال کے مختصر عرصہ میں خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوگئے۔ حضرت میاں روح اللہ کو باری تعالیٰ نے یہ عظیم رتبہ عنایت فرمایا تھا کہ اس دور کے جید علماء میں سے اکثر آپ کے مرید تھے۔ ان کے بعض مرید ایسے بھی تھے جو درجۂ خلافت سے مشرف ہوئے۔ بعض اس مقام تک نہ پہنچ سکے۔ محروم رہ جانے والے مریدوں کو حضرت خواجہ فیض الحق پر رشک آیا کہ وہ برتری کیوں حاصل کر گئے۔

حضرت میاں روح اللہ کشف تام کے مالک تھے۔ انھوں نے ایک روز بھری محفل میں کہا کہ خواجہ فیض الحق گیلی مٹی کی مانند میرے پاس آیا تھا جسے تھوڑے سے پانی کی ضرورت تھی۔ وہ معمولی توجہ سے خلافت کا اہل بن گیا اور جو لوگ بالکل خشک مٹی کی طرح آئے تھے وہ زیادہ پانی سے بھی گیلے نہ ہو سکے۔ ایسے لوگوں کو فیض الحق کے بارے میں سوچنا نہیں چاہیئے۔ ایک بار آپ شاہ ابوالخیر سرہندی جو اپنے زمانہ کے عظیم بزرگ اور صاحب کشف مشہور تھے، کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ان کی مجلس سے رخصت ہوئے تو شاہ ابوالخیر کے خادموں نے آپ کے متعلق پوچھا۔ حضرت شاہ ابوالخیر نے فرمایا کہ پہلے میں نے چند لومڑیاں دیکھی تھیں۔ آج میں نے

ایک شیر دیکھا ہے۔

حاجی عبدالرحمٰن ہی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ اور خواجہ صاحب دونوں درانی بستی میں جہاں اب کوئٹہ چھاؤنی ہے، اقامت گزین تھے۔ اس بستی کے نزدیک ایک مزار تھا، جہاں اب اسٹاف کالج ہے۔ اس مزار سے قریب ایک ویران جگہ پڑی تھی جہاں مسافر اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس مزار پر جاتے اور مراقبہ کرتے۔

ایک روز جب مراقبہ کر کے لوٹے تو ارشاد فرمایا کہ قبر کھودنے کا سامان لے آؤ۔ سب لوگ حیران تھے کہ بستی میں کوئی موت واقع نہیں ہوئی۔ قبر کھودنے کا سامان قبرستان لے جانے کی کیا ضرورت ہے لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ خواجہ صاحب سے حقیقتِ حال کے بارے میں سوال کرے۔

سب لوگ آپ کے ساتھ ہو لیے اور متعلقہ سامان لے کر ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ وہاں پہنچ کر خواجہ صاحب نے اس ویران جگہ کو کھودنے کا حکم دیا جہاں مسافر اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ کچھ حصہ کھودنے کے بعد لحد کے نشانات ظاہر ہوئے۔ جب لحد کو کھولا گیا تو وہاں سے ایک سفید ریش بزرگ کی لاش برآمد ہوئی جو بالکل سالم تھی۔

خواجہ صاحب کے ارشاد پر اسے وہاں سے نکال کر مزار کے پہلو میں دفن کر دیا گیا، اگلے روز کسی خلیفہ نے جرأت کر کے اس واقعہ کی حقیقت معلوم کی۔ آپ نے فرمایا کہ جس بزرگ کی لاش برآمد ہوئی ہے وہ اپنے وقت کا ایک مرشد تھا۔ اس بزرگ نے مجھے کہا کہ میں یہاں تکلیف میں ہوں۔ مجھے یہاں سے نکال کر خلیفہ کے مزار کے قریب دفنا دو۔ چنانچہ میں نے جو کچھ کیا ہے ان کے حکم کی تعمیل کی ہے۔

خواجہ صاحب کی عادت تھی کہ گھر میں استراحت نہ فرماتے، جہاں بھی مقیم ہوتے کسی نہ کسی مزار پر رات بسر کرتے تھے۔ چشمہ شریف میں ایک پرانی زیارت ہے جو پہاڑ کے دامن میں ندی کے کنارے واقع ہے جس کا نام راحت بابا ہے آپ ہر رات نماز عشاء کے بعد ایک اپنے خاص شاگرد ملا احمد کو ساتھ لے کر وہاں جاتے اور ساری رات گزارنے کے بعد صبح کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتے۔

آپ کے خُلفاء

حاجی محمد عثمان کچلاغی (نزد کوئٹہ) حاجی محمد عباس مروی (مستونگ)، حاجی محمد عوض گلزاری (کوئٹہ) اخوند محمد امین نرخوی (کوئٹہ) سید محمد اشرف کراتوی (کوئٹہ) ملا احمد صاحب کلی شیخاں (کوئٹہ) حاجی اللہ بخش خرشک (سبی)، خلیفہ در محمد مستونگ

۱۔ حاجی محمد عثمان کچلاغی (نزد کوئٹہ)

آپ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ آپ کے بہت سے مرید تھے جو ذکر میں مشغول رہتے آپ خواجہ صاحب کے بھائی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر خواجہ فیض الحق کے مزار مبارک کے قریب بنائی جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔

۲۔ حاجی محمد عباس مروی (علاقہ مستونگ)

آپ زمانہ کے بڑے عالم ہو گزرے ہیں آپ کے متعدد مرید صاحبِ ذکر تھے ہر شخص آپ کے ذکر و شغل اور حُسنِ اخلاق کا شیدائی تھا۔ آپ کی ظاہری شکل و شباہت، اور وضع قطع صحابہ کرام کی مثل سادہ تھی۔ آپ کا طعام، کلام اور منام بہت کم ہوتی تھی۔ آپ کی مجلس کا ایک ایک لمحہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے خالی نہ تھا۔ آپ مولانا تاج محمد امروٹی کے خاص ہمراز تھے اور نہایت متواضع اور شیر خیز تھے۔ صاحب کشف کرامات ہونے کے باعث اگر ان کی کرامات کو تحریر میں لایا جائے تو کتاب درکار ہوگی۔

۳۔ حاجی محمد عوض گلزاری (کوئٹہ)

آپ صاحبِ ذکر تھے آپ کے متعدد مرید ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت خواجہ محمد عمر چشموی (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء — ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) اکثر اپنے مریدوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے اور حاجی صاحب ان پر خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ گرد و نواح کے تمام لوگ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ کرامات اور مکاشفات کے مالک تھے۔

ایک بار حاجی محمد عوض اور حضرت خواجہ محمد عمر چند دوسرے صوفیائے کرام کی معیت میں سبی میں حاجی حمل صاحب کے مزار پر تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک شخص لعل محمد نامی نے اپنی گردن میں رسی ڈالی ہوئی ہے اور اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے ان دونوں بزرگوں نے مراقبہ کیا اور

باہر تشریف لائے۔

حاجی صاحب موصوف نے اس شخص سے پوچھا کہ تم نے اپنے آپ کو یہاں کیوں باندھ رکھا ہے اس نے جواب دیا کہ میرا بھائی گم ہو گیا ہے۔ تلاش کے باوجود کہیں نہیں ملا اور نہ کچھ علم ہوا کہ کہاں ہے اب میں نے یہاں اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے کہ شاید یہی اس کے ملنے کا ذریعہ بن جائے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ اپنے آپ کو کھولو اور کل گاڑی کے وقت اسٹیشن پہنچ جاؤ۔ تمہارا بھائی اسی گاڑی میں آئے گا۔ لعل محمد اگلے روز حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق اسٹیشن پہنچا۔ گاڑی آئی تو اسی سے اس کا بھائی اُترا۔

اس سے دریافت کیا کہ تم کہاں سے آرہے ہو، کہنے لگا کہ میں کل کراچی میں تھا۔ میری ایسی حالت ہوئی کہ میں جس جانب بھی منہ کرتا تھا کوئی شخص مجھے تھپڑ مارتا تھا البتہ جب میں اسٹیشن کی جانب رخ کرتا تھا تو پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی اس لیے مجبوراً کراچی اسٹیشن پر پہنچا اور گاڑی میں سوار ہو کر آرہا ہوں۔

اس واقعہ سے لعل محمد حاجی صاحب کا اس قدر معتقد ہوا کہ اس نے تمام عمر حاجی صاحب کی خدمت میں گزار دی۔ اور بستی گلزار میں ہی فوت ہوا۔

۴۔ اخوند محمد امین ترنوی (کوئٹہ)

آپ ذکر و شغل اوراد کے ساتھ ساتھ درس بھی دیتے رہتے تھے۔ آپ کے مرید بھی ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ آس پاس کے تمام لوگ آپ کے معتقد تھے۔ آپ کا دستر خوان بہت کشادہ تھا۔ بڑے اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ بادشاہوں جیسی طبیعت پائی جاتی تھی۔

۵۔ سید محمد اشرف کرانوی (کوئٹہ)

آپ کرانی (کوئٹہ کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے) کے سید خاندان سے تھے آپ کی مالی حالت بھی اچھی تھی۔ مرید ہونے کے بعد زیادہ وقت ذکر و فکر میں بسر کرتے تھے اور ذکر میں زیادہ ہی سرگرم عمل ہوتے۔ اسی لیے تھوڑی مدت میں خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ سے اچھے خاصے لوگ بہرہ یاب ہو سکے۔ آپ اکثر طالب علموں اور غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے اور یتیموں کی زیادہ خبر گیری فرماتے۔ یتیموں کے لیے کپڑے بنواتے اور ان میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اخلاقِ حسنہ

کے زیور سے آراستہ تھے۔ آپ کا دستر خوان بھی کافی کشادہ تھا۔ جوانی کے عالم میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

۶۔ ملا احمد صاحب کلی شیخان (کوئٹہ)

آپ ہر وقت حضرت خواجہ فیض الحق کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ اکثر رات کو مزاروں پر جب خواجہ صاحب تشریف لے جاتے تو آپ ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ ہر وقت ذکر و شغل میں رہنے کے باوجود درس سے بھی لوگوں کو مستفید فرماتے تھے۔

حضرت شیخ حسین نے ایک روز خوش ہو کر آپ کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی جس کے نتیجہ میں سانپ اور بچھو آپ کے تابع ہو گئے۔ بلوچستان کی سرزمین طویل فاصلوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہاں کے بیشتر حصوں میں پرانے وقتوں سے باؤلے کتے، سانپ، بچھو اور دوسرے زہریلے حشرات کے کاٹے کا علاج دم اور صوفیائے کرام کے مزارات کی مٹی سے کیا جاتا ہے۔ یہ مٹی "خوردہ" کہلاتی ہے۔

جب کسی کو باؤلا کتا کاٹتا ہے تو وہ حضرت سید کریم، حضرت سید مورث شاہؒ یا حضرت آمو آغاؒ میں سے کسی ایک کے مزار پر جا کر وہاں کی مٹی زخم پر لگا لیتا ہے تو اسے بفضلِ ایزدی شفا ہو جاتی ہے۔

سانپ کے کاٹے کا علاج فقیر ہوتکؒ کے مزار کی مٹی سے کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کے مزار کی مٹی میں ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اگر یہ خاک کسی گھر میں ہو تو وہاں سے سانپ اور بچھو بھاگ جاتے ہیں یا کم از کم وہاں کے مکینوں کو کوئی گزند نہیں پہنچاتے۔ اسی لیے خانہ بدوش ہر وقت یہ "خوردہ" اپنے پاس رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس چارپائیاں تو ہوتی نہیں اور انھیں زمین پر ہی سونا پڑتا ہے۔ اس لیے انھیں سانپ اور بچھو کا خطرہ بھی زیادہ ہی ہوتا ہے۔ آپ کا مزار گردگاب (قلات ڈویژن) میں مرجع خلائق ہے۔

مولوی قادر بخش خاں گولہ رح

وصال: ۱۳۱۴ھ - مزار: گوٹھ عاشق آباد

آپ ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی بنگل خان تھا۔ جو جیکب آباد کے معزز زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ بچپن ہی میں والدین کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے مگر تحصیلِ علم سے محروم نہ رہے۔ تعلیم نے آپ کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ علمِ ظاہر کے ساتھ آپ کو علمِ باطن سندھ کے مشہور شیخ کاپاری رح کی سالہا سال کی صحبت سے حاصل ہوا۔ دس سال کی عمر تک آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مُلا سے حاصل کی۔ اس کے بعد ضلع سکھر کے قصبہ رستم کے مولوی عبدالستار صاحب کے مدرسہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ذوقِ معرفت نے روزِ اول سے آپ کے دل میں گھر کر رکھا تھا۔ اسی لیے شریعت کی مکمل تعلیم کے بعد آپ طریقت کی طرف مائل ہو گئے تھے۔

دورانِ تعلیم اپنے مکان پر اکتارے کی دُھن پر محو ہو جایا کرتے تھے اور اسی سوز و گداز میں کھو جاتے۔ شفیق استاد تنبیہ کیا کرتے: "اے قادرو کوری یہ شغل چھوڑ دو ورنہ کبھی ماروں گا۔" مگر انھوں نے کتابوں کو تو ترک کرنا شروع کر دیا مگر اکتارے اور سارنگی کو نہ چھوڑا۔ تمام ہم مکتب کہتے تھے کہ قادر بخش کبھی مولوی نہ بن سکے گا۔

ایک دن پنجاب سے ایک عالمِ دین آئے تو استاد نے انھیں اپنے شاگردوں کا امتحان لینے کے لیے کہا تاکہ جو شاگرد پاس ہو جائیں ان کی دستار بندی انھی عالمِ دین سے کرائیں۔ امتحان لینے پر کوئی شاگرد بھی پاس نہ ہوا۔

استاد نے غصے میں آ کر آواز دی: "قادرو کوری کہاں ہے ذرا ادھر آئے۔" قادر بخش نے آتے ہی عرض کی کہ مجھے اپنے شفیق استاد کو جواب دینا ہے یا دوسرے مولوی کو۔ پھر خود ہی کہنا شروع کیا۔ الحمد للہ! مجھے علمِ لدنی حاصل ہے۔ پوچھیے جو کچھ مجھ سے پوچھنا ہے۔ پھر خود ہی ایسے مسائل اور نکات بیان کیے جس کو سُن کر اہلِ محفل دنگ رہ گئے۔

اس دن سے استاد کی نظر میں آپ کی عظمت پیدا ہو گئی۔ آپ کی دستار بندی ہوئی اور استاد کی نصیحت کے مطابق ایک ویران مقام پر جنگل میں مدرسہ قائم کیا اور استاد نے نصیحت کی کہ تم کسی لالچ کے بغیر دینِ محمدی کی خدمت میں مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ ایسے ہی آپ نے کیا اور جنگل میں منگل بنا دیا۔ آپ کے مدرسے سے سینکڑوں شاگرد فیض یاب ہوئے۔ کبھی کسی کی مدد قبول نہ کی۔ سالہا سال تک تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔

ایک روز ایک عزیز کی شادی میں شرکت کے لیے صحبت پور تشریف لے گئے۔ وہاں ایک رقاصہ کو جھوم کرتے ہوئے محو رقص پایا۔ اسی وقت عشق کی چنگاری بھڑک اٹھی اور مولوی صاحب علم و فضل اور احساسِ ملامت کو بالائے طاق رکھ کر رقص کرنے لگے۔

ناچتے ناچتے مولوی صاحب پر وجد طاری ہو گیا اور بیہوش ہو گئے۔ وہاں سے آپ کے شاگرد آپ کو اٹھا کر واپس مدرسہ میں لے گئے۔ جب ہوش میں آئے تو درس و تدریس کا سلسلہ ترک کر دیا۔ مدرسہ چھوڑ دیا۔ مسجد و مدرسہ ویران ہو گئے۔ برادری اور رشتہ داروں نے اسے بے عزتی خیال کرتے ہوئے آپ سے قطع تعلق کر لیا۔

مجذوبی کے عالم میں سات سال تک سرگرداں و پریشاں پھرتے رہے آخر مولوی محمد میوہ صاحب آپ کو لعل شہباز قلندرؒ کے دربار پر لے گئے۔ اور وہاں سجادہ نشین میاں محمد کامل صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ نبض شناس پیر مرض کو پہچان گیا اور مولوی صاحب کو پکڑ کر ایک کمرے میں لٹا دیا اور فرمایا قادر بخش نے سات سال کا عرصہ بے خوابی میں گزارا ہے اسے سونے دو۔ چنانچہ مولوی قادر بخش سات دن رات سوئے رہے۔ بیدار ہوئے تو پیر صاحب نے فرمایا پانچ سال تک قلندرؒ کے مزار کی جاروب کشی کرو۔ آپ تعمیلِ حکم کرتے رہے۔

ایک روز پیر کامل تخلیے میں عبادت میں مشغول تھے کہ مولوی صاحب نہایت ادب کے ساتھ اجازت لیے بغیر اندر چلے گئے۔ میاں محمد کاملؒ نے فرمایا مولوی صاحب اجازت لیے بغیر داخل ہوئے ہو۔ خیر حضرت لعل شہباز قلندرؒ بفضلِ خدائے تعالیٰ تم سے راضی ہو گئے ہیں۔ اور تمہیں دوبارہ درس و تدریس کا حکم دیتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ حضور انور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں ہے اور تمہارا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جو تمہارا دامن پکڑے گا اس کا ہاتھ ہمارے

دامن میں ہوگا۔

عشقِ مجازی میں ذلت و خواری کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ حقیقت نے اپنا آپ دکھانا شروع کر دیا اور مولوی صاحب نے واپس آکر مدرسہ آباد کر دیا، معرفتِ الٰہی میں غوطہ زن ہونے لگے اور بحرِ معرفت سے آبدار موتی انھیں ملنے گئے۔ عجز و انکسار کا شیوہ اختیار کر لیا۔ عالمانہ فخر و غرور ختم ہو گیا۔ قوال سماع کے لیے ہمیشہ حاضر رہنے لگے۔

آپ کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔ ایک کرامت یہ بیان کی جاتی ہے کہ مدرسہ کے قریب کوئی پانی نہ تھا۔ تین میل سے شاگرد پانی لایا کرتے تھے۔ ایک روز شاگردوں نے روزانہ پانی لانے کی تکلیف کا اظہار کیا تو مولوی صاحب نے ایک گدھا منگوایا اس پر کجاوہ رکھ کر دو خالی گھڑے رکھ دیے اور ایک کتے کو حکم دیا کہ گدھے کے ساتھ جایا کرو۔ روزانہ پانی لانے کا کام کرو۔ چنانچہ ہر روز گدھا اور کتا تین میل کی مسافت طے کیا کرتے اور پانی کے جوہڑ پر پہنچتے۔ وہاں کوئی نہ کوئی خدا کا بندہ مولوی صاحب کے گدھے کو پہچان کر گھڑوں میں پانی بھر کر گدھے پر رکھ دیتا۔ اور پھر دونوں جانور سیدھے مدرسے آجاتے۔ مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس طریقِ کار پر بہت سے لوگ حسد کرنے لگے۔ ایک روز نظر محمد کھوسہ نے مولوی صاحب کے کُتے کو دھتکارا اور کہا دور ہو پلید کُتے۔ اس کے بعد کتا خاموشی سے بیٹھ گیا اور کام سے کنارہ کشی کر لی۔ مولوی صاحب کو پتا چلا تو کتے سے مخاطب ہو کر فرمایا "یاران لوگوں کو کیا پتہ کہ تم پلید ہو یا پاک، اپنا کام کیا کرو" اس کے بعد کتا پھر سے کام میں مستعد ہو گیا۔ مولوی صاحب لاولد فوت ہوئے۔ پچاسی سال عمر پائی۔ ان کا وصال ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں ہوا۔ آپ کا مزار گوٹھ عاشق آباد نزد صحبت پور تعلقہ جھٹ پٹ (بلوچستان) میں ہے۔ مزار کی تعمیر تو حاجی عزیز اللہ کھوسہ ولد جمعہ خان مانجھانی کھوسہ نے مکمل کرائی ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ۲۵ تا ۲۷ ذوالحجہ کو ہوا کرتا ہے۔

مولوی احمد خاں گولہ سجادہ نشین عاشق آباد نے مولوی قادر بخش گولہ مرحوم کی سیرت اور کلام پر ایک تالیف مرتب کی ہے جس کا نام "گلزار کا پاری" ہے۔ اس میں مرحوم کے مختلف منظومات بھی شامل ہیں۔

نمونۂ کلام

سینہ پُر دارم ز سوز شمع حسن گلرخاں	زاں براہ عشق بازی بُلبل و پروانہ ام

در جہاں شوریدہ شیدا حال قادر بخش شد	در درون دل جمع با ہمت مردانہ ام

فارسی غزلوں کے علاوہ "گلزار پاری" میں مولوی صاحب کا سندھی اور سرائیکی کلام بھی موجود ہے۔ نمونے کے طور پر دیگر اصناف کے چند اردو تراجم پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ موضوعات کے تنوّع کا علم ہو سکے۔

معراج نامہ

ہزار حمد ایک خالق کے لیے ہے جس نے احمد کا ظہور فرمایا۔

واحد (خدا) جس نے اپنی کثرت ظاہر کرنے کے لیے اسے نور سے پیدا کیا۔

نبی کے دین نے یہ سارا جہاں اور وہ جہاں باغ اور بہار کر کے بہشت بنایا۔

رسول کے چاروں یار امداد کرتے تھے (دین میں) اور خدا نے انھی پر (دین کی تبلیغ میں) انحصار کیا۔

مولود شریف

تھل: اللہ کے رسول محمدؐ سردار کو دل اور نفس بہت یاد کرتے ہیں۔

۱۔ سمندر کی پر ہیبت لہریں بہت دور سے پہاڑوں کو بھی ڈرا دیتی ہیں (میرا اس تک پہنچنا بہت مشکل ہے کیونکہ سفر دور کا ہے۔ اسی فکر میں میرا دل تڑپ رہا ہے۔

۲۔ جب سے زندہ ہوں اس کی محبت میرے اندر اس کی یاد کو تازہ کیے ہوئے ہے میری آرزو ہے کہ میری موت کے وقت سید (حضرت محمد) آ کر اپنی زیارت کرائیں۔

دُعا نامہ

تحقیق قُل ہو اللہ (کہو کہ وہ اللہ ہے) ایک ہے۔ محمد ہمارا رسولؐ ہے۔ اسی پر میرا ایمان ہے۔

اس کو نہ کسی نے پیدا کیا، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔ اسی کی تعریف میں کرتا ہوں۔

ہر مذہب میں معبود ہے۔ ہر مظہر میں وہی موجود ہے

اغیار پر اعتبار کرنا چھوڑ دے کہ انھوں نے کہا ہے۔ (کان دھو جا)

سسّی پُنوں کا ایک بیت

اے ہندو کی لڑکی تجھے اتنا ہوش نہ رہا کہ "ہوت" تمھارا ہم قوم نہ تھا۔
اونٹوں کے لادنے والوں کے لیے تم نہ جاگ سکی بلکہ نیند نے تمھیں آگھیرا۔
ان کے لیے تم نے فاقے نہیں کیے اور نہ ہی تم نے اپنے آپ کو اس قابل بنایا۔
قادر بخش کہتا ہے، انھی کے کام بنتے ہیں جو جاگا کرتے ہیں۔

کافی

قل: ہر صورت (شکل) میں وہ آیا محض اپنا منہ چھپائے۔
۱۔ گنگا جمنا میں، مکہ میں، ہر جگہ میں وہ سمایا ہوا ہے۔
دوسرا کون ہے جو اس کا شریک ہو۔
۲۔ اچھی صورت میں شام اور صبح وہ اپنا نور دکھاتا ہے۔
ہر بار نئے مظہر میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے
۳۔ قادر بخش کو شاہ مرو ندی نے یہی سمجھایا ہے۔
اس لیے وہ تیری مدح گاتا پھرتا ہے۔

راجہ غریب شاہؒ

مکران میں آج بھی اس ولی کا نام نامی اہل مکران کی المدد والغیاث کے موقع پر یاد کیا جاتا ہے ان کا مزار مبارک گوادر سے پندرہ میل دور نگور کے مقام پر زیارت گاہِ خلائق ہے۔ مسافر کئی کئی روز یہاں آکر سفر کی تھکان دور کرنے کے لیے قیام کرتے ہیں اور غریب سے غریب شخص کی خدمت بھی ان کے اخلاف پورے وقار و عزت سے سرانجام دیتے ہیں۔ راجہ صاحب کے مسلک کی پیروی میں ان کے فرزندان اور لواحقین بھی دست بستہ مسافروں کی دلنوازی

کے لیے کھڑے رہتے ہیں۔ وہ اس کام کو اپنا اہم ترین فریضہ تصور کرتے ہیں۔ یہ بزرگ ایران سے یہاں وارد ہوئے۔ ان کی داستان کچھ یوں ہے کہ اپنے علاقہ کے سرداروں اور سرکردوں کے ساتھ ان کی ہمیشہ اس بات پر اَن بَن رہی کہ غریبوں پر ظلم و ستم مت کرو اور اللہ اور اس کے دین سے غافل مت رہو۔ یہ تلقینات یقیناً ان کے شورہ پشت مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے تھے بلکہ ضد میں آکر انھوں نے اپنے محکوموں اور غلاموں کو اور زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس ظلم و ستم سے مایوس ہو کر واجہ صاحب نے اپنے خاندان سمیت ہجرت کا فیصلہ کیا اور جب وہ اپنے خاندان اور مال مویشی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے جنوبی بندرگاہ کے علاقے میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ علاقہ فرنگیوں کے زیر تسلّط ہے اور فرنگی ان کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے وہ خود بھی فرنگیوں کے زیر تسلط نہ رہنا چاہتے تھے ان کے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قریبی علاقہ گوادر سلطان مسقط کا ہے۔ آپ نے اسی طرف کوچ فرمایا۔ برابر آگے بڑھتے رہے۔ اور ایک لق و دق میدان میں پہنچ کر آپ نے قیام کا حکم دیا اور فرمایا، قیام کا مقصد میں صبح کو بیان کرونگا ان کی دور رس نگاہیں یہاں کچھ اور مشاہدہ کر رہی تھیں۔ جن سے اہل کتاب قطعی بے خبر تھے۔ دوسرے روز نماز فجر سے فارغ ہو کر آپ نے سامنے پہاڑیوں کے متوازی لٹھ بندی کا حکم دیا۔ یہ بند کم از کم ایک میل لمبا اور کافی چوڑا تھا۔ وفاشعار لواحقین پوری تندہی سے کام میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ بند تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کرنے لگا۔ اب اس بند کی کیفیت سنیئے۔ اس زرخیز مٹی کے میدان میں شمال کے متوازی پہاڑیوں سے کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں نکلتی تھیں بارشوں کے موسم میں ان کا سیلاب کا پانی رائیگاں جاتا تھا۔ واجہ صاحب کی اس حکمت عملی سے سارا پانی آکر بند سے ٹکرا کر وسیع و عریض میدان میں جمع ہوتا تھا۔ جلد ہی میدان میں کاشتکاری ہونے لگی۔ بیشمار درخت جنگل کی صورت اُگ آئے جن میں پرندوں اور ہرنوں تک نے بسیرا کر لیا۔ اس طرح یہ علاقہ اور نگور کا علاقہ اس قدر سرسبز و شاداب ہو گیا کہ دور سے یہ طویل پھیلے ہوئے باغات معلوم ہوتے تھے اور واجہ صاحب کی ہمت و برکت سے اسی جگہ پینے کے میٹھے پانی کے کئی کنوئیں چند ہی بالشت پر نکل آئے۔ مسافروں کے آرام کے لیے بہت سی جھونپڑیاں تعمیر کی گئیں واجہ صاحب خود سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مسافر نوازی کے لیے واجہ صاحب اور ان کے لواحقین

پوری طرح محو ہوتے۔ جو کچھ گھر میں ہوتا، مسافروں کے سامنے حاضر کر دیتے۔ مسافر جب تک وہاں سے جانے کا ارادہ خود نہ کر لیتا وہ کبھی اسے محسوس نہ ہونے دیتے کہ اس کی موجودگی ان پر بار ہے۔ حُسنِ سلوک، تواضع، ہمدردی، مروت، سخاوت، خوش اخلاقی اور خدمت ان کے شعائر طریقت تھے۔ جن کے لیے خواجہ صاحب نے انھیں آخر تک نصیحت اور وصیت فرمائی۔ آج کل خواجہ کے جانشین ان کے بڑے صاحبزادے خواجہ حاجی عبداللہ جان ہیں، جو سادگی، مکارم اخلاق، اور صفاتِ حسنہ میں سو فی صد اپنے عظیم والد بزرگوار کا نمونہ ہیں۔ خدمتِ خلق میں "خیر الناس من ینفع الناس" کے قرآنی اصول کے پیروکار ہیں۔

خواجہ محمد حسن جان مجددی رح

وصال: ۱۳۶۵ھ، مزار:

حضرت خواجہ محمد حسن جان صاحب کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن مجددی الفاروقی تھا۔ جن کا سلسلۂ نسب نو (۹) درمیانی واسطوں سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ سے ملتا ہے اور پھر ان سے اوپر ۳۲ واسطوں سے حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔

ولادت حضرت خواجہ حافظ محمد حسن جان مجددی الفاروقی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت قندھار افغانستان میں بتاریخ ۶ شوال المکرم ۱۲۷۸ھ/ ۶ اپریل ۱۸۶۲ء کو ہوئی۔

تربیت حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی ظاہری اور باطنی ابتدائی تعلیم و تربیت آپکے والد ماجد کے سایۂ عاطفت میں ہوئی جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور ولی اللہ تھے۔ ان کی نظر کیمیا اثر کی بدولت آپ ظاہری و باطنی علوم و معارف کے کمالِ مدارج تک پہنچے۔

حصولِ علم دو سال تک "ٹیاری" کے مشہور عالم دین لال محمد سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اور پانچ سال عرب میں جاکر اس وقت کے ممتاز عالم رحمت اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے پاس مدرسہ صوفیہ میں اپنے علم کی تکمیل کی اور مکہ مکرمہ کے مفتی شیخ احمد زینی دحلان مکی سے علمِ حدیث حاصل کیا اور روایتِ صحاح ستہ کی اجازت بھی ان سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ تھوڑے عرصے میں بائیس پارے مکہ شریف میں یاد کیے، اور باقی آٹھ پارے "ٹکھڑ" میں آنے کے بعد حفظ کیے۔

سندھ میں قیام حضرت موصوف کی عمر مبارک جب سترہ برس کو پہنچی تو اس وقت افغانستان میں ایک اندوہ ناک انقلاب رُونما ہوا۔ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۱ء میں انگریز کابل اور قندھار پر قابض ہو گئے اور ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ اسی اثناء میں آپ کے والد ماجد افغانستان سے ہجرت فرما کر "ٹکھڑ" (حیدر آباد سندھ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ ساداتِ کرام کی بستی ہے۔ یہاں کے حاکم و رئیس بھی ساداتِ کرام تھے، جن کے اصرار پر) کو مستقل اقامت گاہ کے لیے پسند فرمایا اپنے والد بزرگوار کی رحلت (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کے بعد آپ نے ٹکھڑ میں مزید ایک سال قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے قصبہ ٹنڈو سائیں داد میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ٹکھڑ سے یہاں منتقلی کی بڑی وجہ مریدین اور زائرین حضرات کی سہولت تھی۔ کیونکہ ٹنڈو سائیں داد اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے ریلوے اسٹیشن ٹنڈو محمد خان سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا اور دور و نزدیک سے آنے والے حضرات ریل کے ذریعہ ہی یہاں پہنچتے تھے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ مقام مطلع الانوار بن گیا۔

دینی خدمات حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے پوری زندگی ملک وملت خصوصاً مسلکِ حق اہلِ سنت وجماعت کی خدمت میں صرف کر دی۔

تصانیف حضرت موصوف کو تصنیف وتالیف کے فن میں زبردست مہارت اور دسترس حاصل تھی، زبان وبیان کی سلاست ونفاست آپکی تحریروں کا طرۂ امتیاز تھا آپ نے تقریباً پچیس کتابیں اور اس کے علاوہ دوسرے چھوٹے رسالے تصنیف فرمائے۔

۱۔ انیس المریدین (فارسی) اپنے والد کی سوانح پر لکھی ہے۔

۲۔ تذکرۃ الصلحاء (فارسی) میں صالحین کے حالات قلمبند کیے ہیں

۳۔ شرح حِکَم (فارسی) تصوف میں بے نظیر کتاب ہے۔

۴۔ الاصول الاربعہ فی تردید الوھابیہ (فارسی) اس کتاب میں بریلوی مسلک کی تائید فرمائی ہے اور دیوبندی وہابی فرقے پر تنقید اور تردید کی ہے۔ اور اس کتاب میں چار بنیادی اصولوں کا بیان حنفیہ عقیدے کے مطابق کیا گیا ہے ۱۔ غیر اللہ کی تعظیم ۲۔ وسیلہ لینا ۳۔ ندائے غائب ۴۔ چاروں عقیدوں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا۔ یہ کتاب آپ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی ہند، سندھ افغانستان کے علاوہ عرب وعجم کے دوسرے ممالک میں بہت مقبول ہوئی اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں "ترکی سے بھی شائع ہوا تھا اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے

۵۔ اور طریق النجات (فارسی) بہت مشہور ہوئی ہیں

حضرت خواجہ محمد حسن جان کو لوگ مختلف القاب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کو حضرتِ وقت، قطب الاقطاب اور ثانی مجدد الف ثانی بھی کہتے تھے۔

وصال

آپ کی عمر مبارک ۸۷ سال تھی۔ اس عرصہ میں پانچ حج کیے، کئی مسجدیں تعمیر کروائیں۔ گیارہ مدرسے تعمیر کروائے ۔۲۱ رجب ۱۳۶۵ھ/۶ جون ۱۹۴۶ء بروز پیر آپ نے اس دارِ فانی سے دار البقا کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ کا مزار پُرانوار آپ کے والد ماجد کے پہلو میں مقبرہ شریف میں مرکزِ انوارِ تجلیاتِ الٰہی ہے۔

شیخ اسماعیل سڑبنیؒ

آپ شیخ بیٹ نیکہ کے لختِ جگر تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بیٹ نیکہ کے بھائی سڑبن نیکہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن وہ اپنے بھائی بیٹ کے پاس آئے اور کہا کہ میں غریب ہوں اور اولاد کی نعمت سے بھی محروم ہوں۔ آپ میرے حق میں دعا کیجئے۔ چنانچہ بیٹ نیکہ نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی اور دعا کے بعد اپنے بیٹے اسماعیل کو سڑبن کے حوالے کر کے کہا کہ یہ آپ کا بیٹا ہے۔

انشاءاللہ آپ کی مراد پوری ہو گی۔
سڑبن اپنے بھتیجے کو گھر لے گئے اور اپنی اولاد کی طرح ان کی پرورش کی۔ وہ اسی کے باعث سڑبنی کہلائے۔ ویسے اللہ نے سڑبن کو اولاد کی نعمت بھی عطا کی اور مال و دولت سے بھی نوازا تھا۔
آپ زاہد، عابد اور عارف تھے آپ کا مزار کوہ سلیمان میں "خواجہ خضر" کے مقام، اور "وانزی خواہ" نامی جگہ پر ہے۔ وہیں ان کے ایک مرید شیخ احمد بن موسیٰ کا مزار بھی ہے جو ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ انھوں نے روہستان میں بھی رشد و ہدایت اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔
آپ کے مزار پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ آپ کی اولاد آج کل مختلف پشتون قبائل ہیں۔ آپ کا زمانہ ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء بتایا جاتا ہے۔
سلیمان ماکو نے "تذکرۃ الاولیاء (تالیف ۶۱۲ھ/۱۲۱۵ء) میں لکھا ہے کہ اسماعیل بھی اپنے باپ بیٹ بابا کی طرح اپنے عہد کے بہت بڑے ولی تھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے ہندوستان، افغانستان، بلخ اور بخارا تک سے عقیدت مند چلے آتے تھے۔ آپ شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کسے غر کے باشندوں میں بعض غیر اسلامی رسوم کا رواج ہو گیا تھا جس پر آپ نے انھیں یوں ٹوکا تھا۔

اُردو ترجمہ:۔
شیطان سے بھاگنا چاہیئے۔
جب وہ کسی کو نظر آجائے۔
تو نُور وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔
اور تمام زمین پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔
آدمی شیطان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔
اور وہ کُند چھری سے زخمی ہو جاتا ہے
جس نے شیطان کی نہ مانی۔

وہ شخص زیارت کے قابل ہے۔

جو کوئی ابلیس کے دھوکے میں آ گیا

اس کے گھر صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔

قاضی نور الحق نے لکھا ہے کہ بیٹ بابا کی مناجات ہو یا اسماعیل سڑبنی کا کلام، وہ کسی مرحلے میں مقصدیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان کی شاعری اس دور کے اخلاقی، مذہبی عقیدوں اور معاشرتی حالات کی آئینہ دار بھی ہے۔ ان کی غزلوں اور نظموں میں کہیں بھی تنگ نظری، نسلی تعصب اور قبائلی مفاد کی جھلک نظر نہیں آتی۔ یہ مترشح ہوتا ہے کہ بیٹ نیکہ اور ان کی اولاد ہمیشہ زندگی کے وسیع انسانی اور اسلامی نقطۂ نظر کو اپنائے ہوئے تھے۔ ان کے بعد بھی کسے غر کے علاقے کے شمس الدین کاکڑ اور پیر محمد کاکڑ نے اسی نظریہ کا پرچار کیا جو بیٹ بابا اور ان کے نامور فرزند اسماعیل سڑبنی کا طرۂ امتیاز ہے۔

حضرت خرواری بابا زیارتؒ

حضرت خرواری بابا زیارت کے مشہور بزرگ ہیں بلکہ زیارت (کوئٹہ) آپ کے نام ہی سے منسوب ہے آپ کا اصل نام ملا طاہر تھا۔ آپ حضرت عبدالحکیم نانا صاحب کے مریدوں، اور فیض یافتوں میں سے تھے آپ کو ان کے مریدوں میں سے بڑا بلند مقام حاصل ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت میاں عبدالحکیم نانا صاحب گوشگی (یا غوشکی) آئے اور ملا طاہر کے ہاں قیام فرمایا۔ ایک رات جب نانا صاحب عبادت میں مصروف تھے انھیں پیاس لگی۔ آپ نے ملا طاہر سے پانی مانگا۔ جب وہ پانی لائے تو دیکھا کہ نانا صاحب اس انہماک کے ساتھ عبادت میں مگن ہیں کہ انھیں گرد و پیش کا خیال تک نہیں۔ ملا طاہر ہاتھ میں پانی لیے ان کے نزدیک کھڑے رہے۔ سردی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ پانی یخ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد نانا صاحب نے اس جانب توجہ فرمائی تو ملا طاہر نے پانی والا ہاتھ آگے بڑھایا اور جونہی نانا صاحب نے پانی کا کٹورہ

اٹھایا تو آپ کے ہاتھ کی جلد جو اس شدید سردی کی وجہ سے کٹورے کے ساتھ جم چکی تھی، ہاتھ سے الگ ہو کر کٹورے کے ساتھ ہی کھنچ آئی۔ اس پر نانا صاحب نے فرمایا، اوروں کو تو میں نے معمولی سی بزرگی دی لیکن تمہیں خرواروں (چار بوری گندم کو خروار کہتے ہیں یہ بلوچی، اور پشتو لفظ ہے) کے حساب سے بزرگی دیتا ہوں۔ اس واقعہ کے باعث ملا طاہر "بابا خرواری" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

انگریزوں نے ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں گوشکی کو بلوچستان کے گرمائی صدر مقام اور سینی ٹوریم کے لیے منتخب کیا اور ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں جناب ملا طاہر بابا خرواری کے مزار کی وجہ سے گوشکی کو "زیارت" (مقامی زبان میں مزار کو اسی نام سے پکارتے ہیں) کا نام دیا گیا۔ سارنگ زئی کے قبائل میں ابھی تک زیارت کا پرانا نام ہی چلتا ہے۔

بابا خرواری صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ تبلیغ اسلام کے لیے آپ نے غیر معمولی کام کیا آپ کا مزار زیارت سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، زیارت کے باشندے بابا خرواری کے مزار کو بہت بابرکت خیال کرتے ہیں۔ چھٹی کے روز اکثر لوگ مزار پر حاضر ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ وہاں دنبے ذبح کرتے ہیں۔ عید کے دن سارنگ زئی قبیلہ کے لوگ یہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ نشانہ بازی کے مقابلوں کے علاوہ کشتیاں لڑی جاتی ہیں شام کو دنبے کا بھنا ہوا گوشت کھا کر پہاڑوں کی ٹیڑھی میڑھی اور تنگ پگڈنڈیوں سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ راستے میں ایک جگہ پتھروں کے ڈھیر پڑے ہیں جو ظاہراً کسی چھوٹی سی عمارت کے کھنڈر معلوم ہوتے ہیں۔ مقامی روایت کے بموجب یہ پتھروں کا ڈھیر حضرت طاہر خرواری بابا کی مسجد کے آثار ہیں جس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔

حضرت سخی تنگو رح

سخی تنگو کا مقبرہ تحصیل ڈھاڈر علاقہ خان پور نفر میں موضع کوٹ مینگل نوشہرہ تشاہوانی

اور مہر گڑھ ریلیسانی براہوی کے قریب ہے۔ آپ بنگلانی بلوچ قبیلہ کے بزرگ تھے۔ آپ کے اعزہ واقارب کو کچک بنگلانی کہا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد تا حال اپنی قدیم قیام گاہ کرتہ میں مقیم ہے اور اپنی جائیدادوں کا ایک معقول حصہ زائرین کی خورد و نوش کے لیے لنگر کے مجاوروں کو دیتے ہیں۔
کہتے ہیں کہ آپ کا پیشہ چوپاتی تھا۔ اپنی آمدنی سے غریبوں اور مسکینوں کی معاونت فرماتے تھے۔ جو بھی حاجت مند اپنی ضرورت لے کر حاضر ہوتا آپ اس کی حاجت روائی فرماتے۔ اسی لیے آپ کو سخی کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

جن دنوں بلوچستان میں زندولا شار قبائل ذاتی عداوتوں کی بنا پر آپس میں دست و گریبان تھے تو آپ نے غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیے رکھا مگر کسی ظالم نے آپ کا سرتن سے جدا کر دیا۔ روایت یوں ہے کہ جب آپ کا سرتن سے جدا ہوا تو آپ اسے اپنی ہتھیلی پر لے کر اڑنے لگے۔ ڈھاڈر کے مضافات میں کسی نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو مبہوت ہو کر چلانے لگا کہ دیکھو یہ اپنا سر ہتھیلی پر لیے اڑے جا رہا ہے۔ اتنے کہنے کے ساتھ ہی آپ وہیں رکے اور مردے کی طرح سیدھے دراز ہو گئے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو رونے لگے۔ قبر کھودی گئی تو آپ کا جسد قبر سے لمبا نکلا، مزید وسعت دی گئی تب بھی جسد لمبا ہی تھا۔ لحد کو اور بڑھایا گیا تو آپ کا جسد اور طویل ہو گیا۔ نماز عشا کا وقت ہوا تو آپ کی والدہ آپ کے قریب آ کر کہنے لگیں کہ "بیٹا! دوستوں کو تکلیف نہ دے۔ صبح سے یہ قبر کھود رہے ہیں۔ انھوں نے تیری خاطر بچوں کی خورد و نوش کا بندوبست اور اپنا آرام چھوڑ دیا ہے۔ اگر تو نے کرامت دکھانی ہے تو بعد میں دکھا دینا۔" اس کے بعد انھوں نے لوگوں سے کہا کہ اسے سپردِ خاک کر دو۔ اور پھر یوں ہوا کہ قبر میں آپ کا جسد پورا آ گیا۔ روایت ہے کہ اس وقت سے ہر سال آپ کا مزاد مٹی برابر بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتا ہی رہے گا۔

اگر کوئی مزار پر نفل ادا کر کے سو جائے تو اپنے کام سے متعلق خواب میں اسے اس کا انجام دکھائی دے گا۔ اگر بفرضِ محال اسے دکھائی نہ دے تو مجاور پر اس کا انکشاف ضرور ہوا ہو گا۔

حضرت پیر سُلطان قیصرؒ

پیر سلطان قیصر کے حالاتِ زندگی پردۂ اخفا میں ہیں۔ ان کا مزار ضلع چاغی میں ہے۔ جہاں ایک روایت کے مطابق سانپ بکثرت موجود ہیں مگر وہ کسی کو گزند نہیں پہنچاتے۔ اسی طرح ایک پہاڑ کوہِ سُلطان آپ کے نام سے منسوب ہے۔ ابتدائی ایامِ زندگی میں آپ ایک راہزن تھے۔ ڈاکہ اور چوری آپ کا مشغلہ تھا۔ ایک رات ایک دُنبہ چوری کر کے اپنے گھر کی طرف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت ملی، اس نے آپ سے کہا، میرے بچے بھوکے ہیں میرا شوہر کئی دنوں سے تلاشِ رزق میں گھر سے باہر گیا ہوا ہے۔ میں اس کے انتظار میں اس کا راستہ دیکھ رہی ہوں۔ آپ کو اس کی حالتِ زار پر رحم آیا۔ دُنبہ ذبح کیا اور کباب بنا کر ان کی شکم سیری کرائی۔ اس عورت کے ان کے حق میں دعا کی کہ "اے رب العزت! تیرے اس بندے نے ہمیں بھوکوں مرنے سے بچایا ہے تو اس کی مراد پوری کر اور حضرت محمدؐ کے صدقے میں اسے فردوس بریں کی نعمتوں سے مالا مال کر۔" عورت کی دعا قبول ہوئی۔ اور قیصر ڈاکو، پیر سلطان بن گیا۔ یہ آپ کا آخری ڈاکہ تھا۔ اب آپ عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے اور باقی عمر اسی میں گزار دی۔

روایت ہے کہ ایک قافلہ اونٹوں پر کھجوریں لادے جا رہا تھا آپ سے مڈ بھیڑ ہوئی، آپ نے پہلے شتربان سے پوچھا کہ کیا لے جا رہے ہو؟ اس نے سوچا کہ یہ بتاؤں گا کہ کھجوریں ہیں، تو اونٹ سے اترنا پڑیگا اور شاید انھیں کھجوریں بھی دینی پڑیں۔ اس نے کہا "نمک ہے" آپ نے کہا "اچھا نمک ہی ہوگا۔" آخری شتربان سے بھی یہی پوچھا اس نے ٹھیک بتا دیا اور کچھ کھجوریں آپ کو دے بھی دیں۔ جب قافلہ شہر پہنچا تو پہلے شتربان کی کھجوریں واقعی نمک بن گئی تھیں

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک قافلے کا ایک کمزور اونٹ بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ چلتے چلتے وہ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ شتربان نے دل ہی دل میں آپ کو یاد کیا۔ تھوڑی دیر میں ایک سفید ریش بزرگ آیا۔ حالت پوچھی۔ پھر جیب سے کوئی

چیز نکال کر اونٹ کی ٹانگ میں ٹھونک دی۔ اونٹ ٹھیک ہو کر چلنے لگا۔ آپ نے کہا کہ جب اسے ذبح کرو تو اس کی یہ ٹانگ دیکھ لینا۔ بوڑھے شتربان نے استفسار کیا "آپ کون ہیں؟" آپ نے جواب دیا "تم نے کس کو یاد کیا تھا؟" اور اس کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ جب سالوں بعد اس اونٹ کو ذبح کیا گیا تو اس کے مالک کو اس کی ٹانگ سے سونے کی کیلیں ملیں۔

براہوئی اور بلوچی کے عظیم شاعر قیصر خان فقیر زئی (۱۸۷۰ھ/۱۹۶۱ء) نے آپ کے بارے میں ایک جگہ کہا ہے

یا سخی سلطان کیس بنا پامے   دشمن کر بسونے دیگر وشامے

ترجمہ: اے سخی سلطان! ہماری مدد کیجئے، دشمن تو شام کے وقت پہنچ گیا۔

چلتن بابا ؒ

چلتن بابا کے حالاتِ زندگی یکسر مفقود ہیں۔ ہزاروں قبائلی ہر سال منت مانتے ہیں اور چلتن بابا کی خانقاہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور خیرات کر کے حصول مراد کے لیے دعا کرتے ہیں آپ کی خانقاہ چلتن پہاڑ میں اور مزار کوئٹہ چھاؤنی میں ہے۔

روایت ہے کہ چلتن کا آتش فشاں پہاڑ وقتاً فوقتاً بھڑک کر ادھر اُدھر پھیل گیا۔ جب یہ سالم تھا تو اس کے طرفین خوب شاداب اور زرخیز تھے۔ اس علاقے میں ایک درویش بھی رہتا تھا۔ ایک رات اسے کشف کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس شہر پر آفت نازل ہونے والی ہے۔ وہ اپنے خاندان کے چالیس افراد کو لے کر اس پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ جب یہ بات عام ہوئی تو حاکم کو غصہ آیا اور اس درویش کو واپس لانے کا حکم صادر فرمایا۔ درویش کو پتہ چلا تو اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو اپنی چادر میں ڈال دیا اور پیٹھ پر اٹھا کر چل دیا۔ جب سپاہیوں نے اسے گھیرے میں لے کر استفسار کیا تو درویش نے کہا کہ میں اکیلا ہوں۔ میرے ساتھ اور کوئی نہیں۔ سارا پہاڑ چھان مارا، کوئی دوسرا فرد نہ ملا۔ درویش کی ولایت کا انھیں علم تھا ہی، کہا کہ چادر

میں آپ نے آدمی چھپائے ہیں۔ درویش نے ایک غار کے سامنے بیٹھ کر چادر پھیلا دی۔ اس میں تربوز تھے۔ درویش نے وہ سارے تربوز غار میں پھینک دیے اور خود بھی غار میں روپوش ہو گیا۔ بادشاہ کی فوج ناکام لوٹی۔ شہر پر آفت نازل ہوئی۔ بادشاہ بھی اس کا شکار ہوا لیکن درویش آج بھی اپنے خاندان کے چالیس افراد سمیت اسی پہاڑ میں موجود ہے اسی لیے اس کا نام پہل تن (چلتن) پڑ گیا۔

حضرت سیّد محمودؒ

حضرت سید محمود ولی کامل اور اپنے دور کے صاحبِ علم و فضل بزرگان میں سے تھے۔ میجر میکانگی آپ کو زندہ پیر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "تمام تاجر خدا کی خوشنودی اور پیر صاحب کی رضاجوئی کے لیے اپنے مال میں سے کچھ نہ کچھ نذرانہ ضرور دیتے ہیں۔"

آپ ایک جلالی طبیعت کے بزرگ تھے اور اس جلال کا اظہار اب بھی ہوتا رہتا ہے۔ میجر میکانگی نے کھجوروں کو نمک میں بدل دینے والا واقعہ آپ سے منسوب کیا ہے۔ حالانکہ بعض روایات کے مطابق وہ کرامت پیر سلطان قیصر کی تھی۔ صحیح علم تو خدا ہی کو ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے مزار پر صدقہ دیے بغیر مویشیوں کو چرنے کے لیے نہیں چھوڑا جاتا۔ ایک بار سید بلانوش کے گھرانے کا کوئی فرد آپ کے مزار پر آیا اور اونٹ چرانے کی ممانعت کے باوجود اپنا اونٹ چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اونٹ گر پڑا اور اس کی حالت اتنی نازک ہو گئی کہ اسے ذبح کرنا پڑا۔ رات کو اس نے خواب میں حضرت سید محمود کو گھوڑے پر سوار پورے جلال میں دیکھا اس نے خوفزدہ ہو کر سید بلانوش کو مدد کے لیے پکارا۔ وہ آئے اور کہا کہ صبح ایک ریوڑ آئے گا اس میں میرا دو سینگوں والا ایک دنبہ ہے، اسے دربار میں نذرانہ کے طور پر ذبح کر دینا، ورنہ حضرت کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ ڈاکوؤں نے چند ہندوؤں کا پیچھا کیا وہ بھاگ کر آئے اور مزار

میں پناہ لی۔ ڈاکو اندر آئے تو ایک بڑا اژدہا نمودار ہوا اور وہ ڈر کے مارے واپس بھاگ گئے۔

ایک اور روایت کے مطابق آج سے ساٹھ ستر سال پہلے تیمور نامی ایک شخص وجعِ مفاصل کی بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے عاجز آگیا۔ مایوس ہو کر ایک رات اس نے اپنے آپ کو آپ کے مزار میں بند کر دیا۔ صبح وہ بالکل تندرست تھا۔ استفسار پر اس نے بتایا کہ رات خواب میں حضرت آئے تھے اور انھوں نے میرے پاؤں سے دو سرخ سیخیں نکالیں۔ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے آپ کو بالکل تندرست پایا۔

کہتے ہیں کہ ایک بار کسی معتقد کے نذرانے کے دنبے کا گوشت بانٹا جا رہا تھا۔ بانٹنے والے نے ایک بوٹی اپنی پگڑی میں چھپالی۔ اس کی پگڑی کو آگ لگ گئی۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ چند نوجوان آپ کے مزار کو آگ لگانے کی نیت سے آئے۔ جھاڑوؤں اور جھنڈے کو آگ لگائی مگر وہ فوراً بجھ گئی۔ اور آگ لگانے والوں میں سے ایک کو اسی وقت لقوہ ہو گیا، دوسرے پر فالج گرا۔

آپ کا مزار نوشکی سے چالیس میل دور زاردو میں ہے۔

حسین نیکہ رح

آپ مچن خیل فقیروں میں سے تھے۔ مزار ژوب میں دریائے قندھار کے کنارے واقع ہے جس کے اوپر تقریباً بیس گز لمبا، بارہ گز چوڑا اور تین گز اونچا جھونپڑا ہے۔ اس کے نزدیک بہت سے اور مزار بھی ہیں۔ اسی جگہ ایک کتا بھی دفن ہے جو آپ کا کتا تھا۔ مقامی لوگوں کے بیان کے مطابق جب لوگ آپ سے ملنے آتے تھے تو یہ کتا بھونکتا تھا اور اس کے بھونکنے سے ان کی تعداد ظاہر ہوتی تھی یعنی ایک آدمی آتا تو وہ ایک بار بھونکتا اور دو آتے تو دو مرتبہ بھونکتا تھا۔

ایک دفعہ کتا تین بار بھونکا اور اسی کے مطابق تین آدمیوں کے لیے کھانا تیار کیا گیا۔ لیکن

آدمی چار نکلے ۔ اس پر آپ ناراض ہوئے اور اسے مار ڈالا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ چار مسافروں میں سے تین مسلمان تھے اور ایک ہندو۔ جس نے فریب دہی کے لیے اپنے آپ کو آپ کا معتقد بنا لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے کتے کو دفن کر دیا۔

پاوندوں کے علاوہ سلیمان خیل آپ کے مزار کی بڑی توقیر کرتے ہیں ۔ اس خاندان کے دوسرے لوگ قریباً پانچ میل کے فاصلے پر انضار میں مقیم ہیں اور باری باری مزار کے مجاور کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں ۔ انھیں ۶۲ ایکڑ زمین ملی ہوئی ہے جس کا مالیہ معاف ہے ۔

مقامی آبادی میں ان کی چند کرامتیں مشہور ہیں ۔ مثلاً دیگ جس میں نذر کا گوشت پکایا جاتا ہے کبھی نہیں بھرتی یعنی گوشت جتنا بھی ہو اس میں پک سکتا ہے ۔

مزار پر چڑھانے کے لیے غلاف جو زائرین لاتے ہیں خواہ وہ کتنا لمبا کیوں نہ ہو، مزار کو پورا نہیں ڈھانپ سکتا ۔ مگر اس وقت غلاف مزار کو پوری طرح ڈھانپ لیتا ہے جب کسی کی منت پوری ہو جاتی ہے ۔

حضرت سیّد دُربلیلؒ

کہا جاتا ہے کہ آپ چار بھائی تھے ۔ چاروں "سب تحصیل سنجاوی" (ضلع لورالائی) کے علاقہ پوئی میں آئے تھے ۔ آپ کا نام سید در بلال تھا ۔ بعض تاریخوں میں سید در بلیل درج ہے ۔

جب آپ اس علاقہ میں آئے تو ان دنوں پوئی نامی کلی کا نام جلال آباد تھا ۔ یہاں کے لوگوں نے آپ کو آزمانے کے لیے کہا کہ اگر واقعی پیر اور سید ہیں تو اس بہتے ہوئے پانی کو دودھ میں بدل دیں ۔ روایت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا اور دعا کی کہ اے میرے مولا ! یہ پانی دودھ بن جائے ۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور بہتا ہوا پانی دودھ میں بدل گیا ۔

کچھ عرصے کے بعد جب لوگوں کا جی دودھ سے بھر گیا تو انھوں نے پھر آپ سے درخواست کی کہ ہمیں دودھ کی بجائے پانی ہی چاہیے ۔ آپ نے پھر بارگاہِ ایزدی میں دعا کی جو منظور ہوئی اور

دودھ دوبارہ پانی بن گیا۔ اس وقت سے جلال آباد کا نام "پوئی" پڑ گیا۔ پوئی پشتو زبان کے لفظ "پئی" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کا معنیٰ دودھ ہے۔ انگریزوں نے "پئی" کی بجائے پوئی لکھنا شروع کیا۔ مقامی پشتو میں اسے اب بھی پوئی کی بجائے پئی کہتے ہیں۔ البتہ اب کوئی شخص بھی اسے جلال آباد کے نام سے نہیں پکارتا۔

پوئی کا علاقہ بڑا سرسبز و شاداب ہے۔ سنجاوی سے براستہ زیارت کوئٹہ جانے والی سڑک کے قریب سنجاوی بازار سے ۱۴ میل کے فاصلے پر کلی پوئی ہے۔ لورالائی سے بس بھی آتی جاتی ہے۔

حضرت سید درئیل بخاری کی اولاد کو "پیچی" (پوئی یا پئی میں رہنے کی مناسبت سے) سادات کہا جاتا ہے۔ پیچی سادات پوئی کلی کے علاوہ سب تحصیل سنجاوی اور بلوچستان کے دوسرے حصوں میں بھی سکونت پذیر ہیں۔

کلی پوئی کے جس مقام پر آپ کا مزار ہے وہ "سیرکی" کہلاتا ہے۔ مزار بہت خوبصورت اور مرجعِ خلائق ہے۔ وہاں باقاعدہ مجاور رہتا ہے۔

سخی فتح خانؒ

آپ سخی پتیان کے نام سے مشہور ہیں اور سید زئی کے مورثوں میں سے تھے۔ سید زئی بلوچستان کے معروف قبیلہ منگل زئی کے سردار کا قبیلہ ہے۔ آپ بچپن ہی سے ناداروں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ بڑے ہو کر بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کی امداد کو اپنا فرض سمجھنے لگے۔ رات کو مسافر آتے تو انھیں خود کھانا کھلاتے اور یوں آپ اسلام کی سچی تعلیمات کا عملی ثبوت بہم پہنچاتے۔ رفتہ رفتہ آپ اپنی سخاوت کے باعث سخی مشہور ہو گئے۔

آپ حد درجہ کے متقی، پرہیزگار اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ جب آپ کی نیکی کا چرچا عام ہوا تو آپ کے چند حاسدوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور آپ کے گھر میں اپنے گھوڑوں

سمیت مہمان بن کر جانے کا فیصلہ کیا۔ دل میں سوچا اتنے لوگوں کا انتظام نہ ہو سکنے پر آپ شرمسار ہوں گے۔ وہ لوگ جب اپنے گھوڑوں کے ہمراہ آپ کے ہاں وارد ہوئے تو اتفاق سے آپ کے یہاں کچھ نہ تھا۔ آپ نے گھبرانے کی بجائے اپنی زوجہ بی بی لعلین سے فرمایا یہ لوگ ہمیں آزمانے آئے ہیں۔ آپ روٹی کا بندوبست کریں، میں سالن کا۔ یہ کہہ کر آپ گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک آدمی ایک دنبہ لا رہا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کہاں لیے جا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ آپ کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے وہ دنبہ ذبح کیا۔

روٹیوں کا انتظام بی بی محترمہ کے ذمہ تھا۔ وہ بھی خدا ترس اور نیک بخت خاتون تھیں۔ انھوں نے اللہ کا نام لے کر ہاتھ کی چکی پر چادر ڈال کر اسے چلانا شروع کیا۔ ایک ساعت کے بعد اس میں سے کافی آٹا نکلا! اور یوں ان حاسدوں کو کھانا دیا گیا۔

اب ان لوگوں نے سختی سے کہا کہ ہمارے گھوڑے بھی بھوکے ہیں ان کے لیے بھی کچھ بندوبست کر دیجیے۔ آپ نے اللہ کا نام لے کر گھوڑوں کے تھیلوں میں کنکر بھر کر ان کے سامنے رکھ دیے جنھیں گھوڑے بڑے شوق سے کھانے لگے۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ تھیلوں میں کنکر نہیں بلکہ کشمش اور دیگر میوہ جات ہیں۔ جاتے وقت حاسدوں نے سخی پیتان کا شکریہ ادا کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ کس نیت سے آئے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار آپ اور آپ کے معتقدین کی زہری قبیلہ کے سردار میر زرک زرک زئی سے لڑائی ہوئی۔ ناکامی کے بعد آپ نے بددعا دی کہ سردار کے جانشینوں کا ایک سے زیادہ بیٹا نہیں ہوگا۔

آپ کا مزار قلات ڈویژن میں جوہان کے نزدیک قیصر میں ہے۔ یوں تو سب قبائل آپ کی عزت و توقیر کرتے ہیں لیکن بنگل زئی قبیلہ بہت زیادہ احترام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بنگل زئی آپ کے نام کی قسم اٹھاتے ہیں۔

آپ کی زوجہ بی بی لعلین اسپلنجی میں دفن ہیں۔

سیّد بلانوش رح

آپ پیرانِ پیر سید محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی اولاد ہیں آپ کا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے :

شیخ بلانوش بن حضرت ملک ارقم بن حضرت پیر عمر بن حضرت شیخ عبدالعزیز بن حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رح۔

آپ کا اسم گرامی شیخ بلیدر ہے لیکن بلانوش کے لقب سے شہرت پائی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب آپ اپنے مرشد خواجہ مخدوم کی صحبت سے کما حقہٗ فیض یاب ہو چکے، تو ایک روز ان سے نعمتوں کے لیے گزارش کی۔ مرشد نے فرمایا: "میں نے سب نعمتیں اپنے شاگردوں میں تقسیم کر دی ہیں، اب آپ کے لیے کوئی نعمت باقی نہیں۔ صرف کچھ بلائیں ہیں، جنھیں آپ قابو میں لا سکیں تو لے لیں۔" نتیجتاً آپ نے ان بلاؤں کو اپنے تصرف میں لے لیا اس کے بعد شیخ بلیدر حضرت بلانوش کی حیثیت سے اُبھرے۔

آپ کے زمانے میں قلات کا حاکم غیر مسلم تھا جو ظلم و ستم میں جواب نہ رکھتا تھا۔ رعایا کو ستانے کی غرض سے مالیہ مقررہ حد سے بہت زیادہ وصول کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر گھر میں مغز پستہ کی پانچ بوریاں بھی لیا کرتا تھا۔ لوگ اس کے متحمل نہ ہو سکے اور انھوں نے سید بلانوش سے مداخلت کرنے کی درخواست کی۔ حاکم نے آپ کو بھی اپنے ستم کا نشانہ بنایا اور آپ کی زمینوں پر جبراً قبضہ کر لیا۔

سید بلانوش ان امور کو طے کرنے کے لیے اپنے مریدوں کی ایک مختصر سی جماعت لے کر حاکم کے ہاں پہنچے۔ شام کا وقت تھا۔ حاکم نے رات کے کھانے کا بندوبست کرایا۔ اس نے دانستہ ایک بلّی ذبح کرائی تاکہ انھیں حرام چیز کھلائی جائے اور پینے کے پانی میں زہر ملا دیا۔ لیکن آپ کشف کے ذریعے سے ساری صورتحال سے آگاہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے مریدوں سے کہا کہ جب تک میں کھانے کی جانب ہاتھ نہ بڑھاؤں تم لوگ کھانا نہ کھانا اور اس وقت تک پانی نہ پینا

جب تک کہ میں نہ پیوں ۔

دستر خوان بچھا۔ سب کے ہاتھ دھلائے گئے۔ خدام کھانا چن کر چلے گئے اور حاکم کسی بہانے سے کھانے پر نہ آیا۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اپنی چھنگلی پانی میں ڈبوئی جس سے زہر کا اثر زائل ہوگیا اور پانی شربت بن گیا جسے آپ نے پی لیا۔ اس کے بعد آپ کے مریدوں نے بھی وہ پانی پی لیا۔ اب آپ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی بجائے اپنی چادر کا پلّو کھانے پر مار کر فرمایا "پیشی"، (مقامی بولی میں بلی کو پیشی کہا جاتا ہے)۔ "پیشی" کہنے پر بلی زندہ ہوگئی۔ اور میاؤں میاؤں کرنے لگی لیکن اس کے تین پاؤں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس حاکم سے کہو کہ اس بیچاری بلی کا چوتھا پاؤں تو دے تاکہ یہ آسانی سے چل پھر سکے۔ ساتھ ہی کھانے کا شوربا شہد بن گیا۔ یہ صورتحال حاکم کے لیے ندامت کا باعث بنی اور وہ معافی مانگنے لگا۔ مگر اس کا دل سیاہ تھا اس لیے بدلہ لینے کی غرض سے آپ پر اژدہا اور شیر بھی چھوڑے۔ جب آپ نے ان کو گھور کر دیکھا تو وہ پتھر بن گئے۔ آپ خود جلال میں آگئے اور اسی کیفیت میں اپنی چادر پھینکی جس سے زمین میں آگ لگ گئی۔ حاکم اپنے ناپاک عزائم میں ناکام ہوگیا اور آپ سے معافی مانگنے لگا۔ اور ظلم و ستم سے توبہ کی۔ آپ کی اپنی اراضی کے علاوہ قلات کا تیسرا حصہ بھی پیش کیا اور اس کی آمدنی ہر سال آپ کے دربار میں بھیجنے لگا۔

آپ کا مزار نوشکی میں ہے۔

پیر حیدر شاہؒ

آپ مریوں کے ایک مشہور پیر ہیں۔ آپ کا مزار عین کاہان کے باہر ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کے مرقد کی خاک ہیضے کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے اور اگر یہ کسی کے پاس ہو تو وہ ہیضے سے محفوظ رہتا ہے۔ یہاں سلویا لے بیتھسن کے بیان کا حوالہ دینا بے موقع نہ ہوگا۔ وہ اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں: "کھانے کے بعد میں نے عین کاہان کے باہر ایک معروف مزار تک

جانے کی درخواست کی۔ درحقیقت یہ میری خصوصی دلچسپی کا باعث اس پیر حیدر شاہ کا مقبرہ تھا جس سے ایک مشہور صوفی کے طور پر میرا تعارف کرایا گیا تھا۔ ہم نے ایک وسیع قبرستان میں کئی قبروں کے درمیان جو چکنے سفید پتھروں سے ڈھکی ہوئی تھیں، اپنا راستہ تلاش کیا۔ ایک قبر جو باقی سب قبروں سے بڑی تھی، سفید چادر سے پوری احتیاط کے ساتھ ڈھکی ہوئی تھی اور پتھروں نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ زمین پر شاخوں کے جھنڈ لگے ہوئے تھے۔ انھیں لہراتے ہوئے چیتھڑوں اور اونٹوں اور بھیڑوں کی گھنٹیوں سے سجایا گیا تھا۔ ایک بوڑھا آدمی جسے موتیا بند کا عارضہ تھا اور عورتوں کا سا سپتر کوٹ پہنے ہوئے تھا، مجھ سے ایک سردار کے طور پر متعارف کرایا گیا۔ "قبر کا متولی۔ فقیر گزین مری"۔ بہت سے نوجوان عزیز اور رشتہ دار چادریں سیدھی کرنے میں اس کی مدد کر رہے تھے۔ سرگشت کرتا ہوا ایک مقدس صورت شخص جو ایک کدو نما شے کشکول کے طور پر گلے میں لٹکائے ہوئے تھا۔ اس ساری کارروائی کا نگران تھا۔ جب فقیر نے پتھر صاف کر لیے اور چادروں کی شکنیں دور کر دیں تو خیر بخش مری نے مجھے بتایا کہ کس طرح پیر حیدر شاہ تقریباً دو سو سال پہلے اپنی والدہ، ایک طبلچی اور مغنی جو ہر وقت ان کے پاس رہتا تھا، کے ساتھ یہاں پہنچے۔ اس وقت کاہان میں ہیضے کی وبا پھیلی ہوئی تھی اس لیے میرے جد، سردار نے پیر حیدر شاہ سے پوچھا کہ کیا وہ قبیلے کے علاج میں مدد دے سکتے ہیں۔ پیر نے کہا میں ایسا ضرور کر سکتا ہوں۔ مگر اپنی، اپنی والدہ اور طبلچی تینوں کی زندگیاں دے کر۔ بہر صورت اگر میں نے ایسا کیا تو سردار کو عہد کرنا ہوگا کہ اس کے خاندان اور آئندہ نسلوں کے افراد ان کی قبروں کی ہمیشہ دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ اس وقت کوئی یقین کرنے کو تیار نہ تھا کہ پیر سچ مچ مر جائے گا۔ اس لیے انھوں نے فقیر کی شرط مان لی۔ اسی رات وہ اور اس کے دونوں ساتھی مر گئے۔ اس وقت سے ان کی قبروں کی دیکھ بھال میرے اجداد، اور رشتہ داروں کے ذمے رہی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ فقیر گزین میرے ماموں ہیں۔ میں نے دوبارہ پرانے کپڑوں اور پھٹی پرانی پگڑی پہنے، جھکے ہوئے بوڑھے آدمی کو انتہائی قریب سے دیکھا۔ سردار نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس وقت سے پھر یہاں کوئی ہیضے میں مبتلا نہیں ہوا۔ جب مجھے سندھ یا کسی اور ایسی جگہ جانا پڑے جہاں کہ ہیضہ ہو سکتا ہو۔

میں ہمیشہ اس قبر کی مٹی تھوڑی سی اپنے بچاؤ کے لیے ضرور ساتھ لے جاتا ہوں۔ درحقیقت میں نے اب بھی تھوڑی سی قبر کی مٹی اٹھائی ہے۔

میں نے کسی حد تک شبہ ضرور کیا کہ آیا کسی بزرگ کے مزار سے مٹھی بھر خاک خیر بخش یا کسی اور کو کوئی ضرر پہنچنے سے بچا سکتی ہے مگر یقیناً یہ عقیدہ کہ کسی مردِ بزرگ کی قبر کی تھوڑی سی مٹی نگلنا آپ کو مختلف بیماریوں سے بچائے گا، پورے بلوچستان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔

تھوڑی دیر میں مری سردار نے ایک پگڑی اپنے کسی قبیلے والے سے مستعار لی اور پیر کے مزار کے پاس اپنے ماموں کے ساتھ تصویر کھنچوانے سے پہلے وہ گزوں سفید کپڑا اپنے بالوں کے گرد لپیٹ لیا۔

میاں غلام حیدرؒ

پیدائش آپ حضرت میاں محمد حسنؒ کے فرزند اکبر تھے۔ میاں محمد اکرمؒ کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے۔ آپ ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ بی بی عالم خاتون گنداوہ کے قاضی رحمت اللہ قوم گھوٹہ کی پوتی اور میاں پیر محمد کی بیٹی تھیں۔

تعلیم آپ نے پہلے اپنے تایا میاں محمد حیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ پھر گنداوہ شہر میں مولوی نور محمد صاحب سے تحصیلِ علم میں مصروف رہے۔ اپنے والدِ بزرگوار سے فیضانِ طریقت حاصل کیا۔

طریقۂ قادریہ میں مجاہدہ ریاضت و مجاہدہ میں اس حد تک محو ہوئے کہ تین دن تک لگاتار روزہ جو طریقہ قادریہ کا معمول ہے رکھنے کی بجائے سات روز تک لگاتار روزہ رکھتے تھے۔ مولود یا کافی سن کر بہت روتے تھے بلکہ اکثر اوقات انھیں حال آجاتا اور وجد و رقص کرنے لگتے۔ کبھی خود مولود و کافی کہتے۔

فنا فی الرسول کے مرتبہ پر

انھیں فنا فی الرسول کا مرتبہ حاصل تھا۔ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق میں گریاں و نالاں رہتے تھے۔ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء اور ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں آپ کی فیض بخشی عام رہی۔ یہ دو سال آپ کے مریدوں میں "شغل" کے سال مشہور ہیں۔ پھر ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء اور ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء میں ایسا صبر و سکوت اختیار کیا کہ اکثر گھر سے باہر ہی تشریف نہیں لاتے تھے۔ اس کے بعد پھر حضرت حبیب عربی کے اشتیاق میں گریہ و زاری کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ خوش طبعی عمل میں نہ آئے تو میرا سینہ اشتیاقِ محمدی کی آگ سے جل جائے۔

بیان کرتے ہیں کہ ابتدائے حال میں آپ اس قدر اسمِ محمدؐ کے تصور میں محو رہتے تھے، کہ ہر وقت اپنے آپ کو مجلسِ حضور میں سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ قضائے حاجت میں بھی ادب و حیا کی چھاپ لگی رہتی۔ چنانچہ ویسے ہی اٹھ کر آجاتے۔ ایسی حالت میں اپنے استاد مولوی نور محمد صاحب کنڈوی کی طرف رجوع کیا اور حقیقتِ حال بیان کی۔ مولوی صاحب نے فتویٰ صادر فرمایا کہ یہ امر خیالی ہے اور ضروری قضائے حاجت میں اس پر اثر نہیں پڑتا۔ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو چکے تو پھر مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچے اور کہا میں نے اپنے خیال کے مطابق مجلس عالیہ میں کہ جائے قدس ہے۔ بے ادبی کی ہے۔ اس کا بوجھ آپ کے ذمہ ہے

کرامات

ڈھاڈر کا ایک شخص جمعہ نامی آپ کے حلقۂ ارادت میں آیا۔ وہ خوب مولود اور کافیاں پڑھتا تھا۔ ایک بار آپ شہر ڈھاڈر کے علاقہ کلام میں تشریف لے گئے جمعہ خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ آپ نے استفسار فرمایا۔ پتہ چلا کہ ڈیڑھ سال سے بیمار ہے۔ اور اس کے پاؤں خشک ہو گئے ہیں۔

آپ نے اسے بلا کر کہا کہ آج رات مولود اور کافی پڑھو۔ خدا تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ اس شخص نے سچے عقیدے کے ساتھ آپ کے فرمان پر عمل کیا اور ساری رات مولود پڑھتا رہا۔ صبح کے وقت اللہ کے فضل سے اور آپ کی دعا سے خود بخود عصا کا سہارا لے کر خوشی سے گھر کو روانہ ہوا۔

ایک مرتبہ آپ شہر کرک میں شیر زمان خان بارو زئی برادر زادہ بختیار خان کی شادی

کی دعوت میں شریک ہونے کے لیے تشریف لے گئے۔ بارو زئیوں نے رات کے وقت دعوتِ ولیمہ کی نیت سے گائیں اور بھیڑیں ذبح کیں۔ اتفاقاً عین اس وقت ایسی تیز ہوا چلنی شروع ہوئی کہ لوگ کام کرنے سے عاجز آگئے۔ لہٰذا میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ کبریا میں دعا مانگی جو مستجاب ہوئی اور ہوا اسی وقت ختم گئی۔

ایک سال رود خانہ لہڑی کا پانی کٹبار شہر کی طرف بہنے لگا جس سے شہر کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوا۔ شہر کے معززین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ سیلاب مسجد شریف کو منہدم کر دے گا۔ دعا کیجئے اس مصیبت سے بچ جائیں۔ آپ نے اپنے چھوٹے بھائی میاں تاج محمد سے فرمایا دعا سے مدد کیجئے۔ میاں صاحب نے کہا آپ ہی مالک امر ہیں توجہ فرمائیے۔ چنانچہ آپ نے اپنا عصا دو تین دفعہ رود خانہ میں مار کر اپنی تسبیح والی انگلی کو شمال کی جانب دراز کر کے مشرق سے مغرب تک اشارہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی دن رود خانہ نے اپنا رخ شہر کی جانب سے موڑ لیا اور شہر کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد رود خانہ کے پانی نے پٹیل کا رخ کیا۔ وہاں ہر سال بند باندھتے تھے جو ہمیشہ ٹوٹ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ملا محمد حیات شیخ کاردار لہڑی نے رعایا کو اکٹھا کیا اور پٹیل سے اوپر رود خانہ پر بند باندھنے کا پختہ ارادہ کیا۔ چونکہ اس سے کٹبار شہر خاص کر خانقاہ شریف کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس لیے میاں غلام حیدرؒ وہاں بنفس نفیس پہنچ گئے اور ملا محمد حیات کو اس خطرناک صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اس نے عرض کی کہ پٹیل پر رود خانہ پر بند باندھنا دشوار ہے کیونکہ ہر سال اس کا دہانہ کشادہ ہو جاتا ہے اس لیے ہم مجبوراً ایسا کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو خان صاحب کے یہ علاقے غیر آباد رہ جائیں گے۔ یا پھر آپ دعا کریں کہ پٹیل والا بند مضبوطی سے باندھا جا سکے اور ٹوٹنے سے محفوظ رہے۔ ایسی صورت میں ہم یہاں بند نہیں باندھیں گے۔

آپ نے پٹیل جا کر دعا کی اور فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ اب یہ نہیں ٹوٹے گا۔ مؤلف عمدۃ الآثار فی تذکار اخبار الکٹبار نے لکھا ہے کہ اب ۲۸ یا ۲۹ سال ہو گئے ہیں وہ بند نہیں ٹوٹا۔

مولوی محمد حسن ہی کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرے استاد میاں محمد ہاشم صاحب متوطن گڑھی یاسین آپ کی زیارت کے لیے پہنچے۔ جس وقت میرے استاد محو تکلم تھے۔ میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ شاید میاں محمد حیات جو آپ کے تایا تھے۔ ہمارے اساتذہ کی طرح علوم میں ماہر اور جید نہ تھے۔ عین اس وقت میاں غلام حیدر نے دیوانِ حافظ کھولا جو ان کے ہاتھ میں تھا اور یہ شعر میری طرف متوجہ ہو کر پڑھا:

در محفلے کہ خورشید اندر شمار ذرہ است

خود را بزرگ دیدن شرط ادب نباشد

بعد ازاں اسی طرح مولوی صاحب سے گفتگو میں مصروف ہو گئے اور میں اس معاملہ کشفیہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

منقول ہے کہ آپ شغل والے سال میں ارباب عبدالرحیم چھتر والا کے یہاں تشریف فرما تھے وہاں ایک مطرب زیارت کے لیے آیا اور سارنگی بجانے لگا۔ اس وقت میاں صاحب حالتِ وجد میں تھے۔ اس لیے سرودِ سارنگی سے اندیشہ پیدا نہ ہوا۔ اسی اثناء میں قاضی مُلّا عبداللہ جو خشک مُلّا تھا، آپ کی زیارت کے لیے آیا مگر سارنگی کی آواز سن کر واپس چلا گیا۔ میاں صاحب نے جلد ہی سکر و وجد کی حالت سے سکوت اختیار کیا۔ ارباب سے کہنے لگے مُلّا عبداللہ آرہا تھا، واپس چلا گیا اسے بُلائیے۔

اولاد: آپ نے پہلے میاں محمد اکرم کی بیٹی مسماۃ مائی ناز بی بی سے شادی کی۔ اس کے بطن سے مائی گنج بی بی پیدا ہوئی۔

دوسری شادی مائی خاتون سے کی جو قوم لغاری سے تھیں۔ اس کے بطن سے میاں عزیز اللہ اور میاں داد محمد اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

وفات: آپ کی وفات ۲ شنبہ وقت ظہر ۲۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کو ہوئی۔